جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ

خیر الفتاویٰ

جلد پنجم

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ

و دیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

باہتمام

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی
رئیس شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد۔

دین اسلام خدا تعالیٰ کا کامل دین ہے اور آخری دین ہے۔ اور صرف اور صرف ایک ہی دین ہے جو محفوظ ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ احکام شرعیہ کا کلی علم رسول اقدس ﷺ کو عطا فرمایا گیا۔ ان ہی کلیات کی تعبیر و تشریح اور تفصیل آئمہ مجتہدین نے فرمائی۔ اور دین کی فضیلت کو آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر و باہر فرمایا۔ اسلام کی کامل تعبیر و تشریح جو خیرالقرون میں ہی مرتب ہوئی اور اسی دن سے آج تک شہرت عام بقائے دوام کی لازوال سعادت سے مشرف ہوئی، اس کا نام فقہ حنفی ہے۔ مشہور اور مسلم مقولہ ہے کہ وبضدھا تتبین الاشیاء یعنی چراغ تاریکی میں چمکتا ہے۔ دوسرے ادیان کو دیکھو آپ کو ایک جز بھی طہارت، عبادات، معاملات، سیاسیات، معیشت، معاشرت کی جزئیات پر مشتمل نہ ملے گا۔ ہر طرف ظلمات بعضھا فوق بعض کی طرح نہ ختم ہونے والی تاریکی ہے۔ لیکن اسلام میں ایک ایک کتاب کے سینکڑوں صفحات فقہ کے ہیں جن میں ہزاروں جزئیات ہوں گی۔ آپ کوئی پیچیدہ سے پیچیدہ اور پیچیدہ سے پیچیدہ صورت مسئلہ بنا کر پیش کریں۔ مفتی صاحبان اصول شریعت سے اس کا حکم آپ کو بتادیں گے۔

یہ خیرالفتاوی کی پانچویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ عبادات سے متعلق نہیں، معاملات سے متعلق ہے۔ اور تمام معاملات بھی نہیں صرف طلاق کے مسائل پر مشتمل ہے، جو معاشرہ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ آپ دنیا بھر کی لائبریریوں کی سیر کرلیں۔ عیسائی، یہودی، ہندو، بدھ مت، جین مت جیسے دین کے دعوے داروں کے ہاں تلاش کریں۔

اس جلد کا سواں حصہ بھی کسی مذہب میں طلاق کی جزئیات نہیں ملیں گی۔

حضرات مجتہدین اور مفتیان کرام پورے دین کے محافظ اور پہرے دار ہیں۔ اور تفصیل و تشریح بھی فرماتے ہیں۔ جامعہ خیرالمدارس ایک بین الاقوامی یونیورسٹی ہے۔ جہاں کئی ممالک کے طلباء فیض یاب ہوتے ہیں۔ جامعہ میں صرف تدریس کا شعبہ ہی نہیں' بلکہ عوام کے مسائل کے حل کے لئے دارالافتاء کا اہم شعبہ بھی ہے جس سے ہر سال سینکڑوں فتاویٰ جاری ہوتے ہیں۔ اس جامعہ کے بانی عارف کامل جامع بین الشریعۃ والطریقۃ استاذ العلماء حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ کے فتاویٰ کے علاوہ فاضل محقق جامع معقول و منقول حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کے فتاویٰ بھی ہیں۔ آجکل اس ادارہ کے رئیس الافتاء عالم اجل' فاضل کامل' پیکر اخلاص حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب لازالت شموس فیوضہم بازغۃ علیٰنا اور ان کے معاونین حضرت اقدس جامع علم و عمل حضرت مفتی محمد انور صاحب مدظلہ' ماہر شریعت حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مدظلہ' فاضل بے بدل حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب مدظلہ' فاضل نوجوان حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب مدظلہ عوام کے بدلتے ہوئے تمدن کے مسائل پر فتاویٰ جاری فرما رہے ہیں۔

عرصہ تک یہ فتاویٰ غیرمدون رہے۔ جامعہ خیرالمدارس کے حالیہ مہتمم صاحب فاضل اجل' واعظ شیریں بیان حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری حفظہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تدوین کا اہتمام فرمایا۔ اور رئیس الافتاء فقیہ العصر دام ظلہم کی سرپرستی میں یہ کام شروع ہوا۔ چار جلدیں پہلے چھپ کر علماء کرام اور مفتیان عظام سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی ترتیب و تدوین ایک اہم مسئلہ تھا۔ اور یہ ایک کٹھن اور مشکل ہے لیکن حضرت اقدس مولانا مفتی محمد انور صاحب کی شبانہ روز محنت' ہمت اور استقامت سے یہ مشکل حل ہو گئی۔ اس سے بھی مشکل ترین کام حوالوں کی تخریج و تصحیح کا تھا۔ اس میں سخت محنت اور عرق ریزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک حوالے کے تلاش کرنے میں کئی کئی دن لگ جاتے ہیں۔ حوالہ تلاش کرنا' عبارت کی تصحیح کرنا' لیکن

حضرت مولانا مفتی صاحب موصوف نے جس دھن اور دھیان' لگن اور لگاؤ' ہمت اور اخلاص سے اس کو نبھایا' وہ جب اس کام میں لگ جاتے ہیں تو آرام تو آرام بعض اوقات طعام بھی یاد نہیں رہتا۔ ایک چشم دید گواہ نے بتایا کہ حضرت روزانہ رات کو تین بجے اٹھتے ہیں۔ دوسروں کو چائے پلائی اور کام میں لگ گئے۔ دوپہر کو معمولی کھانا تناول فرماتے ہیں۔ ایک دن دوپہر کو دو کیلے تناول فرمالئے' یہی کھانا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے آپ کو مزید ہمت عطا فرمائیں اور جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ کتنے لوگ میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب رات کو بھی بیدار ہیں اور ہمارے مسائل کی ترتیب اور تخریج فرما رہے ہیں۔ کھانا کھانے والے سکون سے بیٹھے ہیں کہ کھانا پکانے والے محنت اور ہمت سے کھانا تیار کر رہے ہیں۔ ہم جب چھوٹے ہوتے تھے تو ایک صاحب کھانا کھا کر ان الفاظ سے دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ! کمانے والوں کی خیر' پکانے والوں کی خیر' کھلانے والوں کی خیر اور کھانے والوں کی خیر۔ اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ حضرت مفتی صاحب جنہوں نے یہ دسترخوان ہمارے لئے چن دیا ہے اس سے استفادہ کے وقت ان کو بھی اور جن صاحبان کا کسی درجہ میں بھی اس تدوین میں حصہ ہے اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔ ان ایام میں حضرت مفتی صاحب موصوف سے دو تین دفعہ ملاقات بھی ہوئی۔ ان کے چہرہ پر بھی تھکن اور محنت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائیں۔ انہیں مزید ہمت' استقامت اور اخلاص کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہ دعائیہ کلمات بے ساختہ نوک قلم پر آ گئے ہیں ورنہ کیا ہم اور کیا ہماری دعا۔ ہم تو رات دن ان حضرات کی دعاؤں اور علمی اور روحانی توجہات کے محتاج ہیں۔ ہمیں تو ان حضرات سے درخواست کرنا ہے کہ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ ہمیں ان علمی جواہرات سے خداوند قدوس استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

فقط

احقر محمد امین صفدر اوکاڑوی

۲- جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ

اجمالی فہرست

خیر الفتاویٰ جلد پنجم

فہرست مضامین

"خیر الفتاویٰ" جلد پنجم

کتاب الطلاق

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	پیش لفظ (از حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر اوکاڑوی مد ظلہ)	۳

تین ۳ طلاق کی مفصل تاریخ ۳۰ تا ۵۶

نمبر شمار	مضامین	صفحہ

رسالہ تین طلاق

۳۲۰

مجلۃ البحوث الاسلامیۃ

صفحہ	مضامین	نمبر شمار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ

فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ

خیر الفتاویٰ
کتاب الطلاق
جلد پنجم
قال اللہ تعالیٰ الطلاق مرتان فامساک
بمعروف او تسریح باحسان آیت ۲۲۹ البقرۃ
وقال تعالیٰ فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد
حتی تنکح زوجا غیرہ آیت نمبر ۲۳۰ البقرۃ
مرتبہ مفتی محمد انور صاحب مدظلہ
www.ahlehaq.org

تحریر طلاق ثلاثہ

از مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی
رئیس شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بعد :

خالق کل کائنات نے رنگا رنگ مخلوق پیدا فرمائی۔

ع اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے۔

ان میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور اس میں دو قسم کی شہوت رکھ دی۔ ایک شہوت بطن' دوسری شہوت شرمگاہ۔ شہوت بطن بقاء اصل کے لئے ہے۔ تاکہ انسان کو بھوک لگے۔ وہ کھائے پیئے اور اس مشینری کے چلنے کے لئے خون کا پٹرول پیدا ہوتا رہے۔ اور شہوت شرمگاہ بقائے نسل کے لئے ہے۔ جس طرح پہلی شہوت میں انسان کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا گیا کہ جانوروں کی طرح جو چاہے کھاتا پھرے' بلکہ اس میں حلال اور حرام کی تقسیم فرمادی۔ حلال طریقے سے اس شہوت کی تسکین کرنے والا خدا کا فرمانبردار کہلاتا ہے۔ اور جو آدمی اس خواہش کو حرام طریقے سے پورا کرے' شراب پیئے' سود کھائے' کسی ناجائز طریقہ سے کسی کا حق ہڑپ کر جائے وہ خداوند قدوس کا نافرمان کہلائے گا۔ اور اگر کوئی شخص اس خواہش کو حلال طریقے سے بھی پورا نہ کرے اور بھوکا مرجائے حالانکہ حلال چیز اس کے پاس موجود تھی وہ بھی خالق کائنات کا نافرمان کہلائے گا۔

اسی طرح دوسری خواہش کی تسکین کے لئے بھی قادر مطلق نے حلال' حرام کی تقسیم فرمادی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا :

والذین هم لفروجهم حٰفظون ○ الا علٰی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر	(کامیاب ہوگئے وہ لوگ) جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں۔ مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر۔ سو ان پر

ملومین ○ فمن ابتغی وراء   نہیں کچھ الزام۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے

ذالک فاولئک ھم العادون (۲۳:۵ تا ۷)   اس کے سوا سو وہی ہے حد سے بڑھنے والا

یعنی اپنی منکوحہ عورت اور باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا ڈھونڈے، وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زنا، لواطت، استمناء بالید اور متعہ سب کی حرمت ثابت ہو گئی۔ اور دوسری جگہ فرمایا :

فانکحوا ما طاب لکم من   تو نکاح کر لو جو عورتیں تم کو خوش

النساء مثنی وثلث وربع۔ فان   آویں۔ دو دو۔ تین تین۔ چار چار۔ پھر

خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما   اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو

ملکت ایمانکم ذالک ادنی ان لا   ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے۔

تعولوا (۴:۳)   اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔

اور نکاح کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا : ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین (۴:۲۴) طلب کرو ان (عورتوں) کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو۔ یعنی جن کی حرمت بیان ہو چکی ان کے سوا سب حلال ہیں چار شرطوں کے ساتھ۔ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب و قبول دونوں کی طرف سے ہو جائے۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مہر دینا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان عورتوں کو اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو۔ محض وقتی طور پر مستی نکال کے ان کو چھوڑ دینا مقصود نہ ہو۔ جیسا کہ زنا اور متعہ میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ کے لئے اس کی بیوی بن جائے۔ چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے۔ چوتھی شرط جو دوسری جگہ مذکور ہے کہ ان میں چھپی یاری نہ ہو، بلکہ کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہوں۔ ورنہ نکاح نہ ہو گا۔ زنا سمجھا جائے گا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا :

ومن آیاتہ ان خلق لکم من   اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ بنا

انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا   دیئے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے

وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ ان   جوڑے کہ چین پکڑو ان کے پاس اور

فی ذٰلک لآیٰت لقوم یتفکرون ○ رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی۔
البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں ان کے لئے جو دھیان کرتے ہیں (۲۱:۳۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی میں ایک عجیب محبت و پیار کی کیفیت رکھ دی۔ اسی بدولت گھر بھی آباد ہوتا ہے اور اولاد کی تربیت بھی صحیح طریقے پر ہوتی ہے۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے۔ اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔ (۴:۱) اس بات کو شیخ سعدیؒ نے بیان فرمایا ہے:

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

اور ارشاد فرمایا: "تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو (۲:۲۲۳) یعنی مقصود اولاد ہے۔ اس لئے اولاد پیدا ہونے کی جگہ آؤ جس طرح چاہو۔

الغرض نکاح ہی پر اس دنیا کی آبادی کا سارا دارومدار ہے۔ یہ نکاح ہی انسان کی عزت اور نسب اور نسل کا محافظ ہے۔ اس لئے اس کی تاکید بھی ہے اور ترغیب بھی۔ فرمایا رحمۃ للعالمین ﷺ نے جب بندہ نکاح کرتا ہے تو اس نے اپنا نصف ایمان مکمل کرلیا۔ اب باقی نصف میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے (احمد) فرمایا میاں بیوی جب آپس میں ہنسی مذاق کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اور ان دونوں کے لئے رزق حلال کا انتظام فرماتے ہیں۔ (ابن ال) فرمایا جس کو مقدور ہو وہ نکاح کرے جس سے نظر نیچی رہتی ہے۔ اور شرم گاہ کی حفاظت ہوتی ہے۔ (ت) فرمایا نکاح میری سنت ہے۔ جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔ اور نکاح کرو تاکہ میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کرسکوں (ھ) فرمایا اللہ کے خوف کے ساتھ ساتھ اس دنیا کا سب سے قیمتی سرمایہ نیک بیوی ہے۔ اگر خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کو مسرور کردے۔ اگر خاوند کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے۔ اگر خاوند کوئی قسم کھالے تو اس کو

پورا کرے۔ اور اگر خاوند پردیس میں ہو تو اس کے مال اور عزت کی محافظ بنے (ھ) بلکہ ایک روایت میں تو ارشاد فرمایا کہ تیرا مسجد کی طرف جانا' اور مسجد سے اپنے گھر والوں کی طرف واپس آنا ثواب میں برابر ہے۔ فرمایا اولاد جنت کی خوشبو ہے۔ فرمایا قیامت کے روز نیکیوں کے پلڑے میں سب سے پہلے جو شئی رکھی جائے گی وہ خرچہ ہوگا جو اس نے اپنے اہل و عیال پر کیا تھا۔ فرمایا جب جوان شادی کرتا ہے تو شیطان چیخ چیخ کر روتا ہے کہ ہائے ہائے اس نے اپنا دین مجھ سے محفوظ کر لیا۔ اور فرمایا شادی شدہ کا دو نفل پڑھنا غیر شادی شدہ کے ستر نفلوں سے افضل ہے۔ اور ایک روایت میں بیاسی نفلوں سے افضل فرمایا۔ اور بعض احادیث میں تو بے نکاحوں کو شرار تمہ فرما دیا۔ فرمایا نکاح کے بعد دنیا میں اللہ تعالٰی اولاد اور رزق کی برکت عطا فرماتے ہیں۔ قبر میں اولاد کی دعا سے فائدہ پہنچے گا۔ اور چھوٹے بچے میدان قیامت میں والدین کو پانی پلائیں گے اور ان کی سفارش بھی کریں گے۔ یہ تمام احادیث کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال سے لی گئی ہیں۔ جب نکاح اتنے اہم ترین دینی اور دنیوی فوائد رکھتا ہے تو اس بندھن کو توڑنا جس کو طلاق کہتے ہیں' وہ ان سب دینی اور دنیوی فوائد سے محروم ہو جانے کا ذریعہ ہے۔ وہ کتنی ناپسندیدہ چیز ہوگی۔ اس لئے رحمت کائنات نے فرمایا خداوند قدوس طلاق کو ناپسند اور غلام آزاد کرنے کو بہت پسند فرماتے ہیں۔ اور فرمایا خالق کائنات کے ہاں تمام حلال چیزوں میں سے طلاق سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ فرمایا شیطان اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے شیطانی لشکروں کو فتنے برپا کرنے بھیجتا ہے۔ پھر سب سے ان کی کارروائی سنتا ہے۔ جس نے میاں بیوی کے درمیان فتنہ ڈالا ہو اس کو اپنے سب سے زیادہ قریب کرتا ہے۔ اور شاباش دیتا ہے کہ تو ہی ہے تو ہی (کنز العمال ص ۲۸۵-۲۸۶ ج ۹) ان خرابیوں کی وجہ سے تو ضروری معلوم ہوتا تھا کہ عیسائیوں کی طرح طلاق سے بالکل منع کر دیا جاتا۔ لیکن اسلام چونکہ دین فطرت ہے' اس لئے وہ خالق کائنات بندوں کی نفسیات سے پورا پورا آگاہ ہے کہ نکاح میں اگرچہ بہت سے فوائد ہیں' لیکن بعض اوقات میاں بیوی کی آپس میں ناراضگی اور عدم مناسبت اتنی

بڑھ جاتی ہے کہ اب ان کا ایک ہی بندھن میں بندھے رہنا ان کے لئے، اولاد کے لئے اور دونوں خاندانوں کے لئے طلاق کی برائیوں سے بھی زیادہ برائیوں کو جنم دیتا ہے۔ اس لئے ان بڑی برائیوں سے بچنے کے لئے اس ناپسندیدہ چیز کو حلال کر دیا گیا۔ اور اسی نفع نقصان کے فیصلے کا حق بھی اسی جوڑے پر موقوف کر دیا گیا۔

تورات اور طلاق :

تورات میں ہے : "اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے۔ اور پیچھے اس میں کوئی ایسی بیہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل جائے تو وہ دوسرے مرد کی ہو سکتی ہے۔ پھر اگر دوسرا شوہر بھی اس سے ناخوش رہے اور اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے یا وہ دوسرا شوہر جس نے اس سے بیاہ کیا ہو مر جائے تو اس کا پہلا شوہر جس نے اسے نکال دیا تھا، اس عورت کے ناپاک ہو جانے کے بعد پھر اس سے نکاح نہ کرنے پائے۔ کیونکہ ایسا کام خداوند کے ہاں مکروہ ہے۔ (استثناء ۲۴: ۱-۴) دیکھئے یہاں نہ طلاق کی تعداد معین ہے اور نہ ہی طلاق کی کوئی عدت ہے جس میں دونوں کو سوچ بچار کا موقع ہو۔ یہ برادری و احباب ان کو سمجھا سکیں۔ بلکہ تورات میں تو ہے کہ خدا بھی طلاق دیتا ہے۔ لکھا ہے: "خداوند یوں فرماتا ہے تیری ماں کا طلاق نامہ جسے میں نے لکھ کر اسے چھوڑ دیا کہاں ہے؟ دیکھو تمہاری خطاؤں کے سبب تمہاری ماں کو طلاق دی گئی (یسعیاہ ۵۰: ۱) اور دوسری جگہ لکھا ہے: "پھر میں نے دیکھا کہ جب برگشتہ اسرائیل کی زناکاری کے سبب سے میں نے اس کو طلاق دے دی اور اسے طلاق نامہ لکھ دیا تو بھی اس کی بے وفا بہن یہوداہ نہ ڈری (یرمیاہ ۳: ۸) اور کاہنوں کو حکم دیا کہ وہ طلاق والی عورت سے نکاح نہ کریں۔ "وہ (کاہن) کسی فاحشہ یا ناپاک عورت سے نکاح نہ کریں۔ اور نہ اس عورت سے بیاہ کریں جسے اس کے شوہر نے طلاق دی ہو (احبار ۲۱: ۷) یہ

طلاق کے احکام تورات میں ہیں۔

انجیل اور طلاق :

اور فریسیوں نے پاس آکر اسے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کیا یہ روا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو چھوڑ دے؟ اس نے ان سے جواب میں کہا کہ موسیٰ نے تم کو حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا موسیٰ نے تو اجازت دی ہے کہ طلاق نامہ لکھ کر چھوڑ دیں۔ مگر یسوع نے ان سے کہا کہ اس نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تمہارے لئے یہ حکم لکھا تھا۔ لیکن خلقت کے شروع سے اس نے انہیں مرد اور عورت بنایا۔ اس لئے مرد اپنے باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا۔ اور وہ اور اس کی بیوی دونوں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔ اور گھر میں شاگردوں نے اس سے اس کی بابت پھر پوچھا۔ اس نے ان سے کہا جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے خاوند کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔" (مرقس ۱۰:۲-۱۲) جناب یسوع نے طلاق کا جواز ہی ختم کر دیا۔

اسلام اور طلاق :

یہود کے ہاں طلاق پر کوئی پابندی نہیں اور عیسائیوں کے ہاں طلاق جائز ہی نہ تھی۔ اسلام نے طلاق کو نہایت ناپسندیدہ تو فرمایا' بوقت ضرورت اس کو حلال بھی فرمایا۔ مگر یہ پابندی لگا دی کہ مرد کو زیادہ سے زیادہ تین طلاق کا حق ہے۔ جب وہ تین کی گنتی پوری کر دی تو اب اسے رجوع کا تو حق کیا ہوتا اس عورت سے نکاح کا بھی حق نہیں ہے۔ جب تک وہ عورت کسی اور سے نکاح نہ کرے عدت گزارنے کے بعد۔ اور پھر دوسرا خاوند فوت ہو جائے یا اسے طلاق دے دے تو اب عدت گزارنے کے بعد پہلا خاوند اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ الحمدللہ تمام اہل اسلام نے اس اسلامی حکم کے

سامنے سر جھکا دیا۔ مگر ایک رافضی فرقہ جن کا نسب دینی ابن سبا یہودی سے ملتا ہے' اس نے اسلام کی بجائے یہودی طریقہ کو ہی پسند کیا۔ چنانچہ شیخ المشائخ حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: "شعبیؒ (جنہوں نے پانصد صحابہ کرام کی زیارت کی) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رافضیوں کی محبت یہودیوں کی محبت ہے۔ کیونکہ یہودیوں کا قول ہے کہ داؤد علیہ السلام کی اولاد کے سوا اور کوئی شخص امامت کے لائق نہیں۔ اور رافضی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی اولاد کے سوا دوسرا کوئی بھی امامت کے لائق نہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ جب تک کانے دجال کا خروج نہ ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر زمین پر نہ آجائیں تب تک روا نہیں کہ کوئی آدمی خدا کی راہ میں جہاد کرے۔ یہودی مغرب کی نماز کو دیر کر کے پڑھتے ہیں کہ ستاروں کی روشنی آجاتی ہے۔ اسی طرح رافضی بھی مغرب کی نماز دیر کر کے پڑھتے ہیں۔ یہودی جب نماز پڑھتے ہیں تو ادھر ادھر ہلتے ہیں' اور رافضی بھی اسی طرح کرتے ہیں...... تین طلاقوں کے دینے میں یہودیوں کے ہاں کوئی حرج نہیں اور رافضی بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں (غنیۃ الطالبین مترجم اردو ص ۱۸۱) یہود میں بھی متعہ کا رواج ہے اور رافضی بھی ان سے پیچھے نہیں۔ بلکہ ان کے ہاں متعہ پر جو ثواب اور درجات ملتے ہیں یہود اس کے تصور سے بھی ناآشنا ہیں۔ افسوس کہ روافض نے جو مسائل یہود سے لئے تھے' ہمارے غیر مقلدین حضرات نے بھی بعض مسائل ان سے لے لئے۔ مثلاً آپ غیر مقلد کو نماز سے پہلے اور نماز کے بعد دیکھیں تو سکون سے بیٹھا یا کھڑا ہوگا۔ مگر جوں ہی نماز میں داخل ہوا بے چارے کے پورے جسم پر خارش شروع ہو جاتی ہے۔ کھڑا ہوا تو ٹانگیں خوب چوڑی کرلیں۔ سجدے میں گیا تو ہاتھیں اکٹھی کرلیں۔ پھر کھڑا ہوا تو پھر ٹانگوں کو چوڑا کرنا شروع کر دیا۔ الغرض وہ پوری نماز میں ہلتا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح تین طلاق دینا اس کے ہاں کوئی حرج نہیں۔ پھر اسی کو یہود کی طرح اور روافض کی تقلید میں عمر رکھ لیا ہے۔ اور "متعہ کو تو اہل حدیث کا پاک عمل قرار دیتا ہے" (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۸ ج ۱) اس لئے اس پر حد یا تعزیر تو کجا زبان سے انکار کا بھی روادار نہیں (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۸ ج ۱)

ایک خاص صورت :

ہاں قرآن پاک نے ایک طلاق ایسی بتائی ہے جس کے بعد عورت پر عدت نہیں۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فمتعوھن وسرحوھن سراحا جمیلا (۴۹:۳۳)

اے ایمان والو! جب تم نکاح میں لاؤ مسلمان عورتوں کو، پھر ان کو چھوڑ دو پہلے اس سے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ۔ سو ان پر تم کو حق نہیں عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کراؤ۔ سو ان کو دو کچھ فائدہ اور رخصت کرو بھلی طرح سے۔

مرد کو جس طرح تین طلاقیں دینے کا حق ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے وہ عورت نکاح میں ہو خواہ عدت میں ہو۔ مگر یہ اس عورت کا ذکر ہے جس کا نکاح ہوا، مگر رخصتی سے قبل اسے خاوند نے طلاق دے دی۔ تو ایک طلاق کے بعد ہی آزاد ہو گئی۔ اب اس کو اگر خاوند دوبارہ دوسری طلاق دے تو وہ واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ وہ عدت میں نہیں ہے۔ اس لئے ایسی عورت کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے وضاحت فرمادی کہ ایسی عورت کو اگر خاوند الگ الگ تین دفعہ طلاق دے کر تجھے طلاق ہے، طلاق ہے اور اس سے تین دفعہ طلاق کی بھی نیت کرے تو اسے ایک ہی طلاق واقع ہو گی۔ کیونکہ ایک طلاق کے بعد اس پر عدت نہیں۔ اس لئے دوسری اور تیسری طلاق کے وقت وہ محل طلاق ہی نہیں تھی۔ ہاں اگر خاوند یکبارگی کہے تجھے تین طلاق۔ تو چونکہ اس وقت وہ محل طلاق تھی، اس لئے تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی (مصنف ابن ابی شیبہ)

دور نبوی ﷺ :

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابو درداءؓ، حضرت رفاعہ قرظیؓ، حضرت

جیسا کہ رکانہ کے والد نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دی تھیں تو آنحضرت ﷺ نے اسلامی حکم کے مطابق یہی فرمایا کہ اب تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کریں۔ ایک بھی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کی جا سکتی کہ کسی مدخولہ عورت کو طلاق ہوئی ہو۔ اور اسے تین طلاق کہا گیا ہو اور پھر آنحضرت ﷺ نے اس بیوی کو رکھنے کی اجازت دی ہو جس سے یہود، روافض اور غیر مقلدین کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔

دورِ صدیقی رضی اللہ عنہ :

رسول رحمت کے بعد پیکر صداقت حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بلافصل بنے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں بھی ایک واقعہ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا کہ کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کہا ہو تجھے تین طلاق اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم بیوی کو پھر رکھ لو۔

دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ :

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے دوسرے تیسرے سال مسائل شرعیہ کے بارہ میں بھی اعلانات فرمائے۔ آپؓ نے حرمت متعہ کے حکم کا تاکیدی اعلان فرمایا۔ اور یہ کہ جس عورت کو کہا جائے تجھے تین طلاق وہ تین ہی شمار ہوں گی۔ اور بیس رکعت تراویح باجماعت پر لوگوں کو جمع فرمایا اور کسی ایک شخص نے بھی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی۔ کتاب و سنت کے ان احکام پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا اور کسی رافضی کو دم مارنے کا موقع نہ رہا۔

دورِ عثمانی رضی اللہ عنہ :

سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا ہے کہ تجھے سو طلاق۔ فرمایا تین طلاقوں سے وہ حرام ہو گئی اور باقی ۹۷ کا مزید گناہ ہوا (مصنف ابن ابی شیبہ) پورے دورِ عثمانیؓ میں کسی نے اس فتویٰ و

اعلان خلافت کی مخالفت نہ کی۔ ایک اور صرف ایک نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو کہا تھا تجھے تین طلاق۔ یا تجھے سو طلاق یا تجھے ہزار طلاق اور حضرت عثمانؓ یا ان کے دور خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم رجوع کر لو۔ وہاں رافضیت کی دال کب گلتی تھی۔

دور مرتضویؓ :

اب اسد اللہ الغالب، باب مدینۃ العلم کا دور خلافت آیا۔ آپ نے بھی یہی اعلانات فرمائے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے تجھے ہزار طلاق یا کہے تجھے تین طلاق، طلاق بتہ، طلاق حرج، خلیہ، بریہ، حرام، اونٹ کے بوجھ کے برابر طلاق۔ تو ان سب کے جواب میں تین طلاقوں کو نافذ اور عورت کو حرام فرمایا کہ اب وہ پہلے خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔ ان سب کے حوالہ جات میرے مضمون میں ہیں۔ اور دور مرتضوی میں ایک بھی نام نہیں لیا جا سکتا کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق یا سو طلاق وغیرہ کہا ہو اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا ان کی خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے۔ تم پھر بیوی کو رکھ لو۔

سیدنا امام حسن ؓ :

سیدنا امام حسنؓ کی چھ ماہ خلافت جس پر خلافت کے تیس سال مکمل ہونے پر خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہو گیا۔ آپ نے خود اپنی بیوی کو غصہ میں فرمایا کہ تجھے تین طلاق۔ پھر آپ اس پر پریشان ہوئے مگر کوئی مفتی نہ تھا جو یہ فتویٰ دیتا کہ جب آپ دونوں مل بیٹھنا چاہتے ہیں تو دوبارہ نکاح کر لیں۔ بالغرض پورے دور خلافت راشدہ میں کوئی مفتی نہ تھا جو اس زنا کے کاروبار کا فتویٰ دیتا کہ تین طلاق کے بعد تم رجوع کر لو۔

دور صحابہ کرامؓ :

اس کے بعد بھی صحابہ کرام کے مفتی حضرات کے فتاویٰ میں اپنے مضمون میں درج

کر چکا ہوں کہ وہ تین طلاق کے بعد بیوی کو حرام کہتے تھے۔ اور کسی ایک مفتی کا فتویٰ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جو اس حرام کو جواز کی سند دے۔

دور تابعین :

اب خیرالقرون کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں بھی تمام تابعی مفتی حضرات کا متفقہ فتویٰ بھی یہی تھا کہ جس کو تین طلاق کہا جائے وہ حرام ہے۔ مگر اس دور میں رافضیوں نے ایک شرارت کی۔ ایک بوڑھے کو کہہ کر یہ حدیث لوگوں کو سنایا کر کہ حضرت علیؓ کو رسول اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی دفعہ تین طلاق دے تو اس کو ایک قرار دیا جائے گا۔ وہ بوڑھا خفیہ خفیہ بیس سال تک اس کو بیان کرتا رہا۔ حضرت امام اعمشؒ کو اس کی بھنک لگی تو فوراً اس بوڑھے کے پاس پہنچے تو اس نے اپنی غلط بیانی کا اعتراف کیا۔ اس طرح پہلی صدی میں رافضیت کا ڈنگ نہ چل سکا۔ اور کوئی حرام کو حلال نہ کر سکا۔ دور تابعین ۲۰۰ھ تک ہے۔ اسی دور میں ۱۳۵ھ سے ۱۵۰ھ تک مذہب حنفی مدون ہوگیا۔ جو کتاب و سنت کی پہلی جامع اور مکمل تعبیر و تشریح تھی۔ اور یہ مذہب اس دور میں تواتر سے پھیل گیا۔ اور آج تک متواتر ہے۔ اس میں بھی ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی قرار دیا گیا۔ اور ایک آواز بھی کسی صحابی یا تابعی کی طرف سے اس کے خلاف نہ اٹھی۔ امام محمدؒ کتاب الآثار میں واشگاف الفاظ میں تحریر فرما رہے ہیں: لا اختلاف فیہ۔ اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس زمانہ میں روافض کے حرام کے کاروبار کا تصور بھی محال تھا۔ پورے دور تابعین میں ایک مفتی کا فتویٰ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جس نے ایسی عورت کو پہلے خاوند سے رجوع کا حق دیا ہو۔

دور تبع تابعین :

یہ دور ۲۲۰ھ تک ہے۔ اس دور میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مذاہب مدون ہوئے۔ ان تینوں مذاہب میں بھی بالاتفاق یہی مسئلہ لکھا گیا کہ ایک مجلس

میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ وہ عورت اب خاوند پر حرام ہو گئی۔ رجوع کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا' جب تک وہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔ ان چاروں مذاہب کی فقہ کے متون معتبرہ امت میں متواتر ہیں۔ کسی ایک مذہب کے متن متواتر سے کوئی یہ دکھا دے کہ ایسی عورت سے رجوع کا حق ہے تو ہم فی حوالہ ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ اسی خیرالقرون میں حدیث کی کتابیں مسند امام اعظم' موطا امام مالک' موطا امام محمدؒ' کتاب الآثار لابی یوسف' کتاب الآثار لامام محمد' کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ' المدونۃ الکبریٰ مالکی' مسند الشافعی' ابوداؤد طیالسی' عبدالرزاق' مسند الحمیدی' سنن سعید بن منصور' مسند ابی الجعد' مصنف ابن ابی شیبہ مرتب ہو چکی تھیں۔ ان میں سے ایک بھی حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش نہیں کی جا سکتی۔ نہ مرفوع' نہ موقوف' نہ مقطوع جس سے اس عورت سے رجوع کرنا ثابت ہوتا ہو۔

تیسری صدی :

اب مذاہب اربعہ کا چلن عام تھا۔ اگرچہ اِکا دُکا صاحب اجتہاد بھی ملتا تھا مگر اس کا اجتہاد اس کی اپنی ذات تک محدود تھا۔ ان چاروں متواتر مذاہب کے مقابلہ میں کوئی اہل سنت ان کی تقلید نہیں کرتا تھا۔ اور کسی غیر مقلد کا تو اس زمانہ میں تصور بھی نہ تھا کہ فلاں ملک میں کوئی ایک شخص ہے جو نہ خود اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے اور نہ ہی مسائل اجتہادیہ میں کسی مجتہد کی تقلید کرتا ہے۔ بلکہ قیاس و اجتہاد کو کار ابلیس اور مجتہد کی تقلید کو شرک کہتا ہے۔ اور اپنے آپ کو غیر مقلد کہتا ہے۔ اگر کوئی صاحب ہمت کرکے تاریخ کے کسی مستند حوالہ سے ایسا آدمی تلاش کر دیں تو ہم فی حوالہ ایک ہزار روپے انعام دیں گے۔ اس دور میں بھی مذاہب اربعہ کا ہی چلن تھا کہ ایسی عورت سے رجوع کا کوئی حق نہیں۔ اسی صدی میں مسند امام احمد' دارمی' بخاری' مسلم' ابن ماجہ' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' کتب حدیث مدون ہوئیں۔ ان میں سے کسی ایک محدث نے بھی مذاہب اربعہ کے خلاف رافضیوں کی تائید میں کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اس صدی

تک تذکرۃ الحفاظ میں سات سو اکہتر (۷۷۱) جلیل القدر محدثین کا مفصل تذکرہ علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی نہ تو کوئی یہ ثابت کرسکتا ہے کہ وہ نہ مجتہد تھا نہ مقلد تھا بلکہ غیر مقلد تھا۔ اور نہ ہی یہ ثابت کرسکتا ہے کہ وہ روافض اور غیر مقلدین کی طرح تین طلاق کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ کے مخالف فتویٰ دیتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری :

اس صدی میں اہل سنت والجماعت میں کوئی مجتہد نہیں ہوا بلکہ سب کے سب اہل سنت مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کرتے تھے۔ جو اس علاقے میں درساً و عملاً متواتر ہوتا' خواہ وہ فقیہ ہو یا قاضی' محدث ہو یا مفسر' اس صدی کے تقریباً ۲۰۲ جلیل القدر محدثین کا تذکرہ ذہبی نے کیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک بھی سنی محدث کے بارے میں کوئی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ وہ غیر مقلد تھا۔ اور طلاق ثلاثہ میں مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دیتا تھا۔ اس صدی میں حدیث کی کتابیں مسند ابویعلی' ابن الجارود' دولابی والاسماء للدولابی' طبری' ابن خزیمہ' ابو عوانہ' معانی الآثار طحاوی' مشکل الآثار طحاوی' معاجم ثلاثہ طبرانی' سنن دارقطنی وغیرہ لکھی گئیں۔ کسی نے کوئی ایسا باب نہیں باندھا جو مذاہب اربعہ کے طلاق ثلاثہ کے مسئلہ کو رد کررہا ہو۔ بلکہ امام طحاوی نے اس مسئلہ پر کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں نہایت مفصل اور فیصلہ کن بحث فرمائی۔

پانچویں صدی :

اس صدی میں بھی اسلامی دنیا میں مذاہب اربعہ کا ہی چلن رہا اور طلاق ثلاثہ میں مذاہب اربعہ کے فتویٰ پر ہی سب کا عمل رہا۔ اس صدی میں بھی اہل سنت والجماعت میں بڑے بڑے فقیہ' محدثین' قضاۃ' مفسرین وغیرہ ہوئے مگر نہ تو کسی نے تقلید شخصی سے خروج کیا اور نہ ہی طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں روافض کی حمایت میں کوئی فتویٰ دیا۔

امام محمد بن احمد نسفی ؒ ' امام احمد قدوری ؒ ' ابو زید دبوسی ؒ ' حسین ابن علی صمیری ؒ ' شیخ محمد اسماعیل لاہوری ؒ ' شمس الائمہ حلوائی ' علی بن حسین سغدی ' داتا گنج بخش لاہوری ' امام بزدوی ؒ ' محمد عبدالحمید سمرقندی ؒ ' شمس الائمہ سرخسی ؒ ' محمد بن عبدالحمید ؒ المعروف بہ خواہرزادہ ' ابوسعد الماخنی ' البرقانی ' اللالکائی ؒ ' احمد بن علی ابو بکر رازی ؒ ' ابو نعیم الاصبہانی ؒ ' ابو طاہر الخراسانی ؒ ' الصوری الساحلی الخلیلی ابو یعلی القزوینی ؒ ' ابن عبدالبر امام ابوبکر البیہقی ' ابن مندہ الاصبہانی ' الزنجانی ' الباجی ' الحسکانی ' ابن ماکولا ' ابن خیرون ' محمد بن طاہر ' البغوی ' صاحب شرح السنہ اس صدی کے ممتاز علماء میں سے ہیں۔ سب کے سب مذاہب اربعہ میں سے کسی کے مقلد تھے۔ امام بیہقی نے السنن الکبریٰ جلد ہفتم میں تین طلاق کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ لیکن مذاہب اربعہ کے اجماعی مسئلہ طلاق ثلاثہ کے خلاف ایک فقرہ بھی کسی کے زبان و قلم پر نہ آیا۔

چھٹی صدی :

اس صدی میں بھی تمام عالم اسلام کے اہل سنت والجماعت فقہاء اور محدثین مذاہب اربعہ ہی میں سے کسی نہ کسی کے مقلد تھے۔ اس صدی میں کسی غیر مقلد کا وجود کسی مستند تاریخ سے ثابت نہیں۔ جو نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اور نہ تقلید کرتا ہو۔ فقہاء میں امام علامہ عبدالعزیز بن عثمان المعروف بہ نفطی۔ مفسرین میں علامہ جاراللہ زمخشری ' مفتی عبدالرشید صاحب فتاویٰ ولوالجیہ ' علامہ مسعود حسین مصنف مختصر مسعودی ' امام عمر بن عبدالعزیز صدر الشہید ؒ ' علی بن محمد سمرقندی اسبیجابی ' عمر بن محمد مفتی الثقلین ' امام عثمان بن علی بیکندی بخاری ' احمد بن محمد عتابی ' صاحب فتاویٰ عتابیہ ' ابوبکر بن مسعود بن کاسانی ' ملک العلماء صاحب البدائع الصنائع۔ ابن ندیم کا بیان ہے کہ میں نے امام ضیاء الحق حنفی سے سنا کہ جب ملک العلماء کاسانی کی وفات ہوئی تو میں ۱۰ رجب ۵۸۷ھ کو ان کے پاس تھا۔ آپ سورت ابراہیم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب آیت کریمہ یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت پر پہنچے تو دم ہوا ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ شیخ عبدالکریم بن یوسف ؒ صاحب فتاویٰ دیناری ؒ ' امام

حسن بن منصور بن محمود اوزجندی المعروف بہ قاضی خان صاحب فتاویٰ۔ امام احمد بن محمد بن محمود بن سعد الغزنوی صاحب مقدمہ غزنویہ۔ امام علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل بن خلیل بن ابی بکر فرغانی مرغینانی صاحب ہدایہ' امام موفق الدین احمد خطیب خوارزمی۔ امام احمد بن محمد صاحب فتاویٰ حاوی قدسی۔ امام احمد بن موسیٰ صاحب مجموع النوازل۔ امام محمد بن احمد بن ابی احمد سمرقندی صاحب تحفۃ الفقہاء۔ امام محمود صاحب محیط برہانی۔ یہ حضرات آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب تھے اس صدی میں۔ اور محدثین میں امام ابو الفتیان رواسی' امام شجاع بن فارس سہروردی' امام محمد بن طاہر مقدسی' امام ابن مرزوق ہروی' امام موتمن بن علی بغدادی' امام ادیب اعمش ہمدانی' امام ابن مندہ اصفہانی' امام ابن معوز شاطبی' امام فقیہ مجتہد بغوی شافعی' محدث امام شیرویہ محدث واسط امام حوزی' محدث بغداد امام ابن السمرقندی' مفید اصفہان امام ابن الحداد' امام سمعانی تمیمی مروزی' امام ابن عطیہ غرناطی اندلسی' محدث امام اسحاق دون ہروی' محدث قرطبہ محقق شنتریی' امام علامہ عبدری اندلسی' امام عبدالغافر نیشاپوری' حافظ کبیر امام طلحی اصفہانی' محدث بغداد حافظ انماطی' امام محدث ابو سعد ابن البغدادی' امام یوسف قرانی اصفہانی' محدث عراق امام محمد بن ناصر سلامی حنبلی' علامہ امام بطروجی اندلسی' قاضی علامہ ابن العربی اشبیلی' شیخ الاسلام امام سلفی اصفہانی' عالم المغرب قاضی عیاض سبتی' محدث ہرات امام قاضی' امام ابن دباغ لخمی اندلسی' امام کجی مروزی' امام مفید کوتاہ اصفہانی' تاج الاسلام امام علامہ سمعانی مروزی' شیخ الاسلام امام ابو العلاء حنبلی' فخر الائمہ حافظ کبیر امام ابن عساکر دمشقی شافعی' شیخ الاسلام امام ابو موسیٰ مدینی' امام زاغولی مروزی' امام ابن بشکوال اندلسی' امام علامہ ابن الجوزی حنبلی بغدادی' امام سہیلی اندلسی' امام عبدالحق اشبیلی' امام ابو الحسن قرشی' محدث اسلام امام حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی' امام باقداری بغدادی' امام مفید ابن الحصری حنبلی۔ میں نے اس صدی کے چند چیدہ محدثین کے اسماء گرامی لکھے ہیں جو چھٹی صدی کے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی تین طلاق کے اجماعی اور اتفاقی مسئلہ کے خلاف نہ

تھا۔ حالانکہ یہی لوگ کتاب و سنت کے محافظ ہیں۔ اور انہی فقہاء اور محدثین کی محنتوں سے دین کی دولت ہم تک پہنچی ہے۔ اور دین پر خود رائی اور ناقص مطالعے کی بجائے تقلید سلف کے مطابق عمل کرنے سے ہی انسان وساوس سے بچ سکتا ہے۔

ساتویں صدی :

یہ دور بھی اسلامی ترقی اور عروج کا دور رہا۔ کسی کو خود رائی کی بیماری نہ تھی کہ اپنی ناقص رائے کو قرآن و حدیث کا نام دے کر امت میں انتشار اور افتراق کی آگ بھڑکائی جائے۔ علم و عمل اور اخلاص کا دور دورہ تھا۔ اختلاف‘ شرارت اور وسوسہ اندازی اسلامی حکومت میں جرم تھا۔ اس صدی میں بھی فقہاء کی گرفت مضبوط تھی۔ امام محمد بن احمد طبری ؒ نے فتاوی مختص تصنیف فرمایا۔ امام محمود بن عبیداللہ مروزی ؒ نے اسلامی قانون پر عون نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ امام محمود بن احمد ؒ نے کتاب خلاصۃ الحقائق تصنیف فرمائی۔ جس کی تعریف میں حافظ قاسم بن قطلوبغا رطب اللسان تھے۔ امام عبدالرحمن بن شجاع بغدادی‘ ناصر بن عبدالسید صاحب مغرب امام عبدالمطلب بن فضل البلخی‘ قاضی عسکر بن الابیض (رکن الدین عمید مصنف الارشاد‘ سعید کندی صاحب شمس المعارف فی الفقہ‘ صدر الافاضل خوارزمی‘ محدث عمر بن زید موصلی‘ صاحب مغنی محمد بن احمد بخاری صاحب فتاوی ظہیریہ بدیع قرینی‘ عیسیٰ بن ملک العادل الخطیب امام محمد بن یوسف خوارزمی سکاکی امام یحییٰ زواوی صاحب منظومہ الفیہ و فصول‘ امام محمد بن عثمان سمرقندی‘ صاحب فتاوی کامل‘ امام عبیداللہ بن ابراہیم عبادی صاحب شرح جامع صغیر و کتاب الفروق‘ امام محمد بن محمود استروشنی صاحب کتاب جامع احکام صغار‘ امام طریقت قطب الاقطاب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ؒ‘ امام یوسف بن احمد خاصی صاحب کتاب مختصر فصول۔ امام فاضل فقیہ متبحر محدث کامل محمد بن احمد بخاری ظہیری‘ فقیہ اجل خلف ابن سلیمان قرشی خوارزمی ؒ‘ جامع معقول و منقول شرف الدین داؤد اوسلان‘ عماد الدین احمد بن یوسف حلبی‘ شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری‘ فقیہ کامل حسام الدین اخسیکثی۔ آپ نے امام غزالی ؒ کی کتاب منخول کا

قاہرہ تحریر فرمایا۔ امام کامل مرجع انام علاء الدین محمد بن محمود ترجمانی۔ امام و فقیہ نجم الدین حسین بن محمد رازی' علامہ شیخ محی الدین محمد اسعدی حلبی' امام اجل فقیہ کامل نظم الدین قیصر بن ابی القاسم' ابوالفضائل رضی الدین حسن بن محمد صغانی' آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے حدیث میں "مشارق الانوار النبویۃ من صحاح الاخبار المصطفویۃ" عرصہ تک شامل نصاب رہی۔ علامۃ العصر بدرالدین محمد بن محمود المعروف بہ خواہرزادہ' امام فاضل فقیہ کامل محدث جید محمد بن احمد بن عباد خلاطی۔ آپ نے مسند الامام الاعظم کی تلخیص کی۔ فقیہ کبیر عارف بصیر نجم الدین بکبر ترکی ناصری' آپ نے فقہ میں کتاب حاوی تصنیف فرمائی۔ اور عقیدہ طحاوی کی شرح النور اللامع والبرہان الساطع تحریر فرمائی۔ عالم فاضل فقیہ محدث ابوالمظفر شمس الدین یوسف بن فرغلی بغدادی صاحب مرآۃ الزمان' فقیہ فاضل محدث کامل ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی' امام کبیر سراج الدین محمد بن احمد' ملک الناصر صلاح الدین داؤد بن ملک معظم عیسیٰ ترک صاحب فتاویٰ خیر مطلوب' عالم فاضل شمس الدین امام احمد بن محمد عتیقی شارح جامع صغیر عالم اجل فقیہ فاضل مختار بن محمود زاہدی صاحب قنیہ' فقیہ و محدث عمر بن احمد حلبی مؤلف تاریخ حلب' امام محقق' شیخ مدقق محدث ثقہ' فقیہ جید شہاب الدین فضل اللہ بن حسن بن حسین توربشتی صاحب مطلب الناسک فی علم المناسک' عالم متبحر علی ابن الساک' امام کبیر فقیہ و محدث نجم العلماء علی بن محمد بخاری شارح جامع کبیر' امام فاضل جلال الدین محمد عبیدی' فقیہ' محدث مفسر محمد بن سلیمان المعروف بابن النقیب' آپ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر المسمیٰ بالتحریر لاقوال ائمۃ التفسیر فی معانی کلام السمیع البصیر نہایت مفصل تحریر فرمائی۔ فقیہ و محدث محمود بن محمد لؤلوی بخاری' فقیہ متبحر اصولی مناظر شجاع الدین ہبۃ اللہ طرازی' عالم جلیل القدر فاضل متبحر عمر کاخشوانی صاحب ضوء السراج شرح سراجیہ۔ امام فاضل شمس الدین عبداللہ اوری' عالم فاضل فقیہ محدث عبدالرحمٰن کمال الدین حلبی' فقیہ محدث مفسر محمود رازی' ابوالفضل مجدالدین عبداللہ بن محمود موصلی' صاحب "مختار"

امام فاضل شیخ محقق عماد الدین داؤد بن یحییٰ قصاذی' جامع معقول و منقول عبدالعزیز خوارزمی' حافظ فنون صدر الصدور تقی الدین احمد دمشقی' امام فاضل مفسر محدث فقیہ اصولی متکلم محمد نسفی صاحب عقائد متن شرح عقائد تفتازانی' امام جامع علوم عقلیہ و نقلیہ شیخ برہان الدین محمود بلخی' ابوالمعالی فقیہ مفسر احمد بن ناصر حسینی' عالم فاضل جامع فروع و اصول جلال الدین عمر بن محمد بن عمر خبازی' عالم فاضل فقیہ متبحر معز الدین نعمان بن حسن بن یوسف خطیبی' ابوالفضل حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاری' عالم ماہر فاضل بارع مجد الدین عبدالوہاب بن احمد بن سحنون الخطیب' ماہر باہر یگانہ زمانہ مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب بعلبکی' عالم دہر فاضل عصر بدر الدین یوسف بن عبداللہ بن محمد اذرعی' امام فاضل فقیہ اجل نظام الدین احمد بخاری حصیری' امام کامل علامہ فاضل حسام الدین حسن بن احمد رازی' امام عالم مفسر فقیہ محدث ابو صابر بہاء الدین ایوب نحاس حلبی' عالم فاضل جامع فروع و اصول شمس الدین محمد بن سلیمان دمشقی' امام محدث محمود بن ابی بکر شمس الدین فرضی' جب کسی خوبصورت کو دیکھتے تو فرماتے کہ امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔ امام کبیر علاء الدین شیخ الاسلام سدید بن محمد حناطی' امام جلیل القدر مجتہد یگانہ رکن الدین خوارزمی' فقیہ محدث جامع معقولات و منقولات برہان الاسلام زرنوجی' غواص معانی دقیقہ ابوبکر رکن الدین محمد بن عبدالرشید کرمانی' صاحب جواہر الفتاویٰ و ذخیرۃ الفقہاء' امام فاضل فقیہ متبحر برہان الائمہ و شمس الدین محمد بن عبدالکریم خوارزمی' عالم فاضل فقیہ کامل ابوالفضل شرف الدین اشرف بن نجیب کاشغری' شیخ فاضل فقیہ کامل فخر الدین محمد مایمرغی' ابوالفتح جلال الدین محمد بن صاحب ہدایہ' نظام الدین عمر بن صاحب ہدایہ شیخ الاسلام عماد الدین بن صاحب ہدایہ' فارس میدان بحث عدیم النظیر محمد بن عبدالعزیز بخاری' صدر جہاں' فاضل یگانہ محمود بن عابد دمشقی' امام کبیر فقیہ بے نظیر شرف الائمہ محمود ترجمانی مکی صدر الشریعۃ اکبر احمد بن عبیداللہ محبوبی' صدر القراء رشید الائمہ یوسف خوارزمی' فرید العصر وحید الدہر نظام الدین شاشی صاحب اصول الشاشی' فقیہ ادیب محدث مفسر ابوالقاسم تنوخی' امام فاضل

ابوالمعین میمون بن محمد مکحولی نسفی، ابوالفتح زین الدین عبدالرحیم صاحب فصول عمادیہ، شیخ فقیہ ظہیرالدین محمد بن عمر نوجابازی صاحب کشف الابہام لدفع الاوہام، از ائمہ کبار اعیان فقہاء ابوالعباس احمد بن مسعود قونوی فقیہ فاضل ابو عاصم قاضی محمد بن احمد عامری نے تیس جلدوں میں مبسوط لکھی۔ امام کامل رضی الدین عبداللہ بن مظفر۔ یہ سب حضرات اس صدی میں فقہ کے آفتاب و ماہتاب تھے اور سب کے سب حنفی مقلد تھے۔ اب اس صدی کے محدثین پر بھی نظر ڈالئے۔ محدث بغداد شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی'' ، جلیل القدر حافظ حدیث محدث جزیرہ امام عبدالقادر بن عبداللہ رہاوی حنبلی' حافظ حدیث احمد بن ہارون ابن عات نفری شاطبی' شیخ القراء ابو جعفر احمد بن علی دانی اندلسی' محدث مفید ابو اسحاق ابراہیم بن محمد شافعی'' امام محدث جوالی ابو نزار ربیعہ بن حسن شافعی'' مقری محدث ابو شجاع زاہر بن رستم بغدادی شافعی'' مسند ہمدان ابوالفضل عبدالرحمن بن عبدالرب ہمدانی' امام العربیہ ابوالحسن علی بن محمد اشبیلی' محدث مسند ابوالفرج محمد بن علی حرانی' حافظ حدیث شرف الدین علی بن مفضل حنفی اسکندرانی' مسند اندلس ابوالقاسم احمد بن محمد بن مطرف قرطبی' شیخ الحنابلہ ابوبکر محمد بن معالی حلاوی' حافظ حدیث امام ربیعہ بن حسن صنعانی' محدث تلمسان امام ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمن تجیبی مرسی'' تاج الامناء احمد بن محمد بن حسن' شیخ اندلس خطیب قرطبہ ابو جعفر بن یحییٰ حمیری' مسند جلیل ابوغالب بن منندیہ اصفہانی' مسند موصل مہذب الدین علی بن احمد طیب عمر رسیدہ خاتون عین الشمس بنت احمد بن ابوالفرج ثقفیہ اصفہانیہ' مفید محدث اصفہان ابو عبداللہ محمد بن مکی حنبلی' امام مفید ابن القرطبی محدث خطیب مالقہ' محدث اندلس امام ابن حوط اللہ' نامور محدث عزالدین امام علامہ ابن الاثیر جزری' امام ابن خلفون اندلسی' مفید امام العز ابن الحافظ مقدسی' امام ملاحی اندلسی غرناطی' محدث کمال الدین ابو طالب احمد بن عبداللہ کنانی' مسند ابو سعد ثابت بن مشرف بن ابی سعد ازجی' مقری مسند القراء ابو محمد عبدالصمد جلوی' مسند موصل مقری ابوبکر حاز بن عمر' شیخ الصوفیہ یونس بن سعد شیبانی' مفید الشام امام ابن

الانماطی مصری شافعی، محدث شام شیخ السنہ امام الضیاء المقدسی، ... ابن قطان کتانی
فاسی، مسند ابو نصر احمد بن تمیمی زبی، مسند ابو الفضل عبدالسلام بن عبداللہ داہری، ابوالرضا
محمد بن ابوالفتح مبارک بن عبدالرحمن کندی، شیخ العربیہ زین الدین یحییٰ بن عبدالمعطی
زواوی، خطیب بدرالدین یونس دمشقی، امام ابو موسیٰ بن حافظ عبدالغنی، مسند شام
محدث حلب امام ابن خلیل دمشقی، محدث اسکندریہ مسند ابو محمد عبدالوہاب زری،
مسند العدل فخر القضاۃ احمد بن محمد بن عبدالعزیز تمیمی مصری، مسند بغداد محدث ابو محمد
ابراہیم بن محمود ازجی حنبلی، مسند القاسم علی بن سالم یعقوبی نصری، فقیہ مفتی ابو عبداللہ محمد
بن ابوبکر باس حنبلی، مسند ابو منصور مظفر بن عبدالمالک قرشی، محدث عالم مجدالدین محمد
بن محمد اسفرائنی صوفی، محدث عراق امام ابن نقطہ حنبلی بغدادی، ابوالقاسم احمد بن محمد ابو
غالب بغدادی، امام نظامیہ ابوالمعالی احمد بن محمد بن نجبوان نہروانی، قاضی شرف الدین
اسماعیل بن ابراہیم شیبانی حنفی، امام مسند ابو علی حسن بن مبارک بغدادی حنفی، ابو محمد
عبدالصمد بن داؤد بن محمد مصری غفاری، ابو محمد عبدالغفار بن شجاع ترکمانی شروطی،
ابو محمد عبداللطیف بن عبدالوہاب طبری بغدادی، علامہ موفق الدین بن عبداللطیف بن
یوسف بغدادی، مسند الوقت ابو حفص عمر بن کرم بن ابوبکر البغدادی الحنبلی،
ابوالقاسم عیسیٰ بن عبدالعزیز لخمی، امام وہبی واسطی شافعی، قاضی دمشق شمس الدین
ابوالعباس احمد بن خلیل الاصولی الشافعی، رئیس صفی الدین ابوالفداء محمد بن ابو الیسر
شاکر بن عبداللہ تنوخی دمشقی، ابوالبقاء اسماعیل بن محمد بغدادی، مسند شیراز علامہ علاء
الدین ابو سعد ثابت بن احمد خجندی اصفہانی، مسند ابو علی حسین بن یوسف صنہاجی
شاطبی، العدل امین الدین ابوالغنائم، قاضی عبدالحمید بن عبدالرشید ہمدانی، مسند
ابوالقاسم عبدالرحمن بن یوسف دمشقی، امام زاہد ابو محمد عبدالعزیز بن برکات خشوعی، شیخ
بغداد مقری امام عبدالعزیز بن دلف بغدادی الناسخ، مفید امام ادیب شمس الدین محمد بن
حسن بغدادی، شیخ تقی الدین محمد بن طرخان سلمی دمشقی، زاہد ابو طالب محمد بن عبداللہ
سلمی دمشقی، محتسب دمشق رشید الدین ابوالمفضل محمد بن عبدالکریم قیسی، فخر الدین

ابو عبداللہ محمد بن محمد نوقانی' محدث و مؤرخ امام شرف الدین ابوالبرکات مبارک بن احمد امام کلاعی بلنسی محدث اندلس' یمین الدین احمد بن سلطان صلاح الدین ایوبی' ابو محمد اسحاق بن احمد علثی زاہد' محدث مصر وجیہ الدین ابوالیمن برکات بن ظافر انصاری' فقیہ موفق حمد بن احمد بن صدیق حرانی' ابو طاہر خلیل بن احمد جوسقی صرصری' مسند ابو منصور سعید بن محمد لیثی سفار' امام تاج الدین ابوالفرج عبدالرحمن بن نجم شیرازی حنبلی' فقیہ حران ناصح الدین عبدالقادر بن عبدالقاہر حنبلی' فقیہ شرف الدین بن عبدالقادر بغدادی مصری شافعی' مسند ابو نزار عبدالواحد بغدادی' مسند ابوالحسن علی بن محمد بغدادی' محدث مورخ مسند عراق ابوالحسن محمد بن احمد قطیعی' مسند ابوالحسن مرتضی بن ابوالجود حاتم حارثی' مسند ابوبکر ہبۃ اللہ عمر حلاج' خاتون ام عبداللہ یاسمین بنت سالم بن علی بن بیطار' حافظ حدیث امام ابن دحیہ کلبی اندلسی' جمال ابو حمزہ احمد بن عمر مقدسی' فقیہ ملک ابوالعباس بن الخطیب محمد بن احمد لخمی' مسندہ ام الحیاء زہرہ بنت محمد بن احمد' ابوالربیع سلیمان بن احمد شاذلی' مقری ابن المغربل' فقیہ وجیہ الدین عبدالخالق تنیسی' مسند شیخ عبدالرحمن بن عمر دمشقی نباش' خطیب زملکا' عبدالکریم بن خلف انصاری' مسند کبیر ابوالحسن علی بن ابوبکر بن روزبہ بغدادی قلانسی' مسند فخرالدین محمد بن ابراہیم اربلی' ابوبکر محمد بن محمد ماسوتی مقری ضریر' مسند ابوالفتح نصراللہ بن عبدالرحمن انصاری دمشقی' قاضی القضاۃ عمادالدین نصر بن عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلی" ' محدث شام امام مفید برزالی' شبیلی ابوالعباس احمد بن علی بن محمد زاہد قسطلانی' ابوالمعالی سعد بن مسلم بن مکی قیسی دمشقی' محدث ابوالخیر بدل بن ابوالمعمر تبریزی' مسند مقری ابوالفضل جعفر بن علی ہمدانی' شیخ اسکندریہ امام کبیر جمال الدین ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبدالحمید صفراوی مالکی' محدث نصیبین شیخ عسکر بن عبدالرحیم عدوی' مسند ابوالفضل محمد بن محمد بن حسن سباک' شیخ الحنفیہ علامہ جمال الدین محمود بن احمد بخاری ابن الحصیری' محدث اندلس امام ابن طیلسان قرطبی' صدر تاج الدین احمد' صدر نجم الدین حسن بن سالم' شیخ حاطب بن عبدالکریم حارثی مزی' محدث

مقری ابو القاسم سلیمان بن عبد الکریم انصاری دمشقی' مسند ابو المنصور ظافر بن طاہر' شیخ الشیوخ تاج الدین ابو محمد عبداللہ بن عمر جوینی' قاضی عبد العزیز بن عبد الواحد حنبلی' شیخ فخر بن جلال قطیفی' النفیس ابو البرکات محمد بن حسین انصاری حموی حضری۔
صدر جمال الدین ابو الفضل یوسف بن عبد المعطی مقید عراق امام ابن انجار بغدادی۔

تاریخ اور اسماء الرجال کی بیسیوں کتابوں میں سے میں نے صرف دو کتابوں حدائق الحنفیہ اور تذکرۃ الحفاظ ذہبی سے ساتویں صدی کے ایک چوتھائی سے بھی کم مشاہیر فقہاء اور محدثین کے یہ نام جمع کیے ہیں۔ یہ تمام محدثین اور فقہاء مذاہب اربعہ کے پابند تھے۔ تین طلاق کے مسئلہ میں ان میں سے کسی نے بھی صحابہ کرام کے اجماع اور ائمہ اربعہ کے اتفاق کی مخالفت نہ کی۔ اسی ساتویں صدی میں ربیع الاول ۶۶۱ھ میں حافظ ابو العباس احمد ابن تیمیہ حرانی پیدا ہوئے۔ اور ۲۰ ذیقعدہ ۷۲۸ھ کو ان کا وصال ہوا۔ انہوں نے اگرچہ وہ حنبلی کہلاتے تھے مگر کئی مسائل میں اہل سنت والجماعت سے تفرد اختیار فرمایا۔ ان کے شاگرد علامہ ذہبی بھی لکھتے ہیں: "آپ چند فتووں میں منفرد تھے جن کو آپ کی بے حرمتی کا بہانہ بنا دیا گیا۔ آپ پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ آپ کو پابند سلاسل بنا کر جیل میں ڈال دیا گیا (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۰۱۹) رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کی زیارت کی نیت سے سفر کو گناہ قرار دیا۔ وسیلے کا انکار کیا۔ روضہ اقدس پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کو ناجائز قرار دیا۔ اور تین طلاق کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر روافض کی اتباع اختیار کی۔ چونکہ اس وقت حکومت اسلامی تھی' وہ اس انتشار کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ اس وقت ان پر کیا گزری' یہ مولانا شرف الدین شاگرد میاں نذیر حسین دہلوی اور نواب صدیق حسن خان غیر مقلدین سے سنیئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے یہ لکھ دیا تھا کہ تین طلاق میں محدثین اور حنفیہ کے مسلک میں اختلاف ہے۔ اس پر مولانا شرف الدین صاحب لکھتے ہیں: "اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلس واحد کی محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہے' یہ مسلک صحابہؓ' تابعینؒ و تبع تابعینؒ وغیرہ

اور محدثین حنفیہ کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔ یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی کے اخیر یا اوائل آٹھویں صدی میں دیا تھا۔ تو اس وقت کے علماء اسلام نے اس کی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا۔ شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابن قیم پر مصائب برپا ہوئے۔ ان کو اونٹ پر سوار کر کے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی۔ قید کئے گئے۔ اس لئے کہ اس وقت یہ مسئلہ روافض کی علامت تھی۔ ص ۳۱۸ اور سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبع فاروقی دہلی ص ۹۸ جلد ۲ اور التاج المکلل مصنفہ نواب صدیق حسن خاں صاحب ص ۴۲۸ میں ہے کہ امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف تھے۔ (التاج المکلل ۲۸۹-۲۸۸)۔۔۔ یہ فتویٰ یا مذہب آٹھویں صدی ہجری میں وجود میں آیا اور اس مذہب کی تقلید چوتھی صدی ہجری میں رائج ہوئی تو اس مسلک کو محدثین کا مسلک قرار دینے کی مثال ایسی ہے جیسے بریلوی لوگوں نے قبضہ غاصبانہ کر کے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت مشہور کر رکھا اور دوسروں کو خارج یا جیسے مولوی مودودی کی جماعت نے اپنے آپ کو جماعت اسلامی مشہور کر دیا ہے باوجودیکہ ان کا اسلام بھی خود ساختہ ہے جو چودھویں صدی ہجری میں بنایا گیا ہے۔ وبعض فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ یسئلونک احق ہو قل ای وربی انہ لحق (ابو سعید شرف الدین دہلوی (فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۲۰ ج ۲) مولانا شرف الدین نے یہ بات واضح کر دی کہ اسلام کی پہلی سات صدیوں میں کوئی صحابی، تابعی، تبع تابعی، مجتہد، فقیہ اور محدث ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد رجوع کا فتویٰ نہ دیتا تھا۔ بلکہ سات سو سال تک یہ بات مسلم تھی کہ یہ فتویٰ رافضیوں کا ہے۔ آٹھویں صدی

میں دو نام سامنے آتے ہیں۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم۔ لیکن تمام علماء نے اس فتویٰ کو رد کر دیا اور اسلامی حکومت نے ان کو سزائیں دیں۔ اب چودھویں صدی کے غیر مقلدین جو ابن تیمیہ کی تقلید میں اس کو محدثین کا مذہب کہتے پھرتے ہیں' یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جیسے بریلویوں کا اپنی بدعات کو سنت کہنا' یا جس طرح مودودی کا اپنے خود ساختہ اسلام کو جماعت اسلامی کا نام دینا اور پھر مولانا قسم کھا کر فرماتے میرے رب کی قسم یہی بات حق ہے۔

آٹھویں صدی :

ابن تیمیہ کے اس تفرد میں ان کے کسی شاگرد نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ ان کے شاگرد ذہبی نے بھی سخت مخالفت کی۔ اور امام فرید عصر حافظ ذوالفنون شمس الدین احمد بن عبدالہادی نے ان کا قاہر رد لکھا۔ البتہ ابن تیمیہ کے شاگرد ابن قیم نے ان کی حمایت کا دم بھرا اور چار جلدوں میں ایک کتاب اعلام الموقعین لکھ ڈالی۔ لیکن وہ اپنے استاد کی حمایت میں بالکل ناکام رہے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم کو جو سزائیں ملیں اس کی بنیاد وہ محضرنامہ تھا جو علماء کے دستخطوں کے ساتھ ان کے خلاف لکھا گیا۔ عربی میں دستخط کو توقیع کہتے ہیں۔ اس محضرنامہ کے رد میں جو کتاب لکھی اس کا نام اعلام الموقعین رکھا کہ دستخط کرنے والوں کو خبردار کرنا۔ اس میں امام احمد بن حنبلؒ سے یہ تو نقل فرمایا کہ جو چار پانچ احادیث کا حافظ نہ ہو اسے اجتہاد کرنے اور فتویٰ دینے کا حق نہیں۔ گویا اس کا راستہ تو تقلید ہی ہے۔ ہاں جو ابن تیمیہ جیسا متبحر فی المذہب ہو' اس کو اپنے امام سے اختلاف کا حق ہے۔ مگر ابن قیم یہاں موضوع سے ہٹ گئے۔ انہیں ثابت تو یہ کرنا تھا کہ ایسا شخص خرق اجماع کا حق رکھتا ہے اور ایسے شخص کو چاروں مذاہب چھوڑ کر روافض کی اتباع جائز ہے۔ اس بات کے ثابت کرنے میں وہ سو فیصد ناکام رہے۔ ابن قیم نے اس کتاب میں اجماع پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں سابقہ مجتہدین میں ان مذاہب کو مدار مانا جاتا ہے جن کے مذاہب تواتر اور یقین سے ثابت ہوں۔ اگر کسی مجتہد سے کوئی شاذ قول منقول ہے تو شاذ قراءتوں کی

طرح وہ تواتر اور اجماع سے ٹکر نہیں لے سکتا۔ ابن قیم نے ایسے شواذ کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی مگر روافض اور روافض کی حمایت میں کسی اہل سنت مجتہد کا کوئی شاذ قول بھی پیش نہ کر سکے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن دقیق العید قشیری (۷۰۲ھ) شیخ الاسلام محی الدین نووی (۶۷۶ھ) وہ اس صدی کے تمام فقہاء اور محدثین صحابہ کرامؓ کے اجماع اور ائمہ اربعہؒ کے اتفاق پر ہی مضبوطی سے قائم رہے۔

نویں تا تیرھویں صدی آٹھویں صدی کے ابتداء میں ابن تیمیہ یا ابن قیم نے اجماع صحابہ کرامؓ اور مذاہب اربعہ سے ہٹ کر روافض کی اتباع میں ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد رجوع کا فتویٰ دیا۔ لیکن مذاہب اربعہ کے تمام علماء اور اسلامی حکومت نے اس کو مسترد کر دیا اور ان کی توہین و تذلیل کے ساتھ ساتھ قید و بند کی سزا بھی دی۔ چنانچہ نویں، دسویں، گیارھویں، بارھویں صدی میں ایک مفتی بھی نہیں ملتا جس نے ابن تیمیہ کے اس غلط فتوے کے مطابق فتویٰ دیا ہو۔ اور یہ صدیاں بھی اسلامی عروج کی صدیاں تھیں۔ ایک بھی مستند شخصیت کا نام کسی مستند تاریخ سے پیش نہیں کیا جا سکتا جو غیر مقلد کہلاتا ہو۔ تیرھویں صدی کے وسط میں جب متحدہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے پر پرزے پھیلا رہی تھی تو ایک رافضی عبدالحق بنارسی تقیہ کی چادر اوڑھ کر سنیوں میں داخل ہوا۔ وہ یمن سے شوکانی زیدی کی کتاب الدرر البہیہ لایا اور اس نے غیر مقلدیت کی بنیاد رکھی۔ یہاں سب اہل سنت والجماعت حنفی تھے۔ اب امام کی تقلید چھوڑنے کے بعد پہلا مسئلہ یہ تھا کہ پہلے مسائل فقہ حنفی سے لیتے تھے۔ اب کس فقہ کے مطابق نماز روزہ ادا ہوگا۔ تو زیدی فقہ الدرر البہیہ کا اردو ترجمہ کر کے اس کا نام فقہ محمدیہ رکھ کر شائع کر دی گئی۔ اور اپنا نام محمدی رکھ لیا گیا۔ یعنی فقہ محمدیہ پر عمل کرنے والے جو یمن کے زیدی شیعوں کی لکھی ہوئی ہے۔ اب اسلامی حکومت کمزور تھی کہ کسی نئے فتنے کو ابھرنے نہ دے۔ البتہ برطانیہ کی ضرورت تھی کہ اسلاف سے بغاوت کر کے نئے نئے فتنے اٹھیں تاکہ مسلمانوں کی قوت آپس میں لڑ کر تباہ ہو۔ انگریز نے اس نومولود فرقے کی حمایت کی۔ ادھر علماء نے ان کے عقائد و اعمال لکھ کر مکہ مکرمہ اور

مدینہ منورہ کے علماء سے اس نوزائیدہ فرقہ کے بارہ میں فتویٰ طلب کیا۔ چنانچہ ۱۲۵۲ھ میں حرمین شریفین سے پہلا فتویٰ ان کے خلاف آیا جس میں وہاں کے علماء نے بالاتفاق اس فرقہ کو ایک گمراہ فرقہ قرار دیا۔ پھر دوسرا فتویٰ ۱۲۵۶ھ میں اور تیسرا ۱۲۸۴ھ میں حرمین شریفین سے آئے۔ متحدہ ہندوستان کے علماء نے بھی مفصل فتاویٰ تحریر فرمائے۔ نظام الاسلام' تنبیہ الضالین وغیرہ یہ فتاویٰ مولانا شبیر احمد صاحب مدظلہ کی مرتبہ کتاب شرعی فیصلے میں موجود ہیں۔ لیکن ابھی تک اس فرقہ کا زور آمین' رفع یدین پر ہی تھا۔ حرام کو حلال کرنے کا کاروبار ابھی شروع نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ابھی ان کے سرپرست انگریز بھی پورے اقتدار کے مالک نہ تھے۔ اور ہر دار الافتاء کا مدار شامی اور عالمگیری پر تھا۔ شامی شریف میں بھی یہ لکھا تھا کہ اگر تین طلاق کے بعد کوئی قاضی رجوع کرنے کا فیصلہ دے تو وہ قاضی نہیں شیطان ہے۔ اور اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اور فتاویٰ عالمگیری پانچ علماء کی اجتماعی کوشش سے مرتب ہوا تھا۔ اس میں تو یہاں تک لکھا تھا کہ اگر تین طلاق کا لفظ بیوی نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے اور کسی قاضی نے رجوع کا فیصلہ دے دیا تو عورت ہرگز ہرگز اس کو اپنے قریب نہ آنے دے۔ اگر بالفرض اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو عورت اس زناکاری سے بچنے کے لئے اگر اسے زہر دے دے تو شرعاً گنہگار نہ ہوگی۔ اس لئے تیرہویں صدی میں غیر مقلدین کے بھی کسی فتوے کا ہمیں علم نہیں۔ جس میں اس حرام عورت کو حلال کیا گیا ہو۔

چودھویں صدی :

اس صدی میں جب اسلامی حکومت ختم ہو گئی اور انگریزی اقتدار مضبوط ہو گیا تو مولوی عبدالرحمٰن مبارک پوری' مولوی شمس الحق ڈیانوی اور مولوی نذیر حسین دہلوی نے پھر اس حرام کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا۔ اب اسلامی حکومت نہیں تھی کہ ان کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو آٹھویں صدی میں ابن تیمیہ اور ابن قیم کے ساتھ ہوا تھا۔ تاہم اس فتوے کو اہل سنت والجماعت تو کیا خود غیر مقلدین نے بھی قبول نہ کیا۔ اور ابو سعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد نے اس کا زبردست رد لکھا جو فتاویٰ ثنائیہ

ص ۲۱۲ تا ص ۲۲۰ جلد دوم پر مذکور ہے۔ اس کا جواب الجواب غیر مقلد نہ لکھ سکے۔ پھر ۳ رجب ۱۳۴۲ھ کو مولوی ثناء اللہ نے اجماع صحابہ اور مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دیا۔ اسے بھی غیر مقلدین نے تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم جناب عبداللہ روپڑی صاحب نے اس کا رد تحریر فرمایا۔ اس کے بعد غیر مقلدین نے سوچا کہ یہ تو حنفی کو غیر مقلد بنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین نے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ اور اکثر غیر مقلد اسی وجہ سے بنے ہیں۔ الغرض کسی اسلامی حکومت میں اس فتوے کو کبھی بھی پذیرائی نصیب نہ ہوئی۔ چودھویں صدی کے غیر مقلدین نے اس کاروبار کو وسیع کیا۔ ان کی کوشش تھی کہ حرمین شریفین سے بھی ان کی تائید ہو جائے مگر رابطہ عالم اسلامی نے پوری تحقیق اور کوشش کے بعد یہی فتویٰ دیا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایک لفظ سے تین طلاقیں دیں وہ تین ہی واقع ہوں گی۔ اس کے بعد رجوع تو کیا نکاح کا حق بھی نہیں رہتا۔ جب تک وہ عورت دوسرے خاوند سے ہمبستر نہ ہو۔ جناب رسول اقدس ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ جس نے اپنے دین کی حفاظت کرنی ہے وہ شبہ سے بھی بچے۔ لیکن ہمارے غیر مقلد دوست کھلے کھلا حرام پر رات دن کوشاں ہیں۔ خداوند قدوس ہمیں حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

کیا طلاق کے لیئے لفظِ ماضی ضروری ہے؟

ایک شخص مندرجہ ذیل عبارت اپنے قلم سے لکھتا ہے۔ بندہ عبدالرحمٰن اپنی عورت کو اس وجہ سے طلاق دیتا ہے کہ یہ ہر کام میں مجھے بے عزت کرتی ہے اور میں ہمیشہ اس سے شرمندہ ہوں۔ اب میں تین طلاق دیتا ہوں۔ کیا اس تحریر سے طلاق ہو گئی؟

عبدالمجید منڈی یزمان ضلع بہاولپور

الجواب صورت مسئولہ میں طلاق کا ذکر دو دفعہ ہوا ہے۔ پہلی دفعہ سبب طلاق کے ذکر کے لیئے اور دوسری دفعہ تین طلاق کا ذکر ہے لیکن اس لفظ میں معنی حال استعمال ہوا ہے حالانکہ لفظ ماضی سے تعبیر کرنا چاہیئے تھا۔ چنانچہ اسطرح لکھنا چاہیئے تھا کہ تین طلاقیں دی ہیں۔ جبکہ کہا ہے "میں تین طلاق دیتا ہوں" جس کے معنی ہو سکتے ہیں کہ میرا ارادہ تین طلاق دینے کا ہے۔ (۲) طلاق کی نسبت عورت کی طرف نہیں کس کو تین طلاق دیتا ہے جب نسبت نہیں تو تین طلاق واقع نہیں ہوئی اور طلاق دہندہ کہتا ہے کہ اس تحریر سے میرا مقصد طلاق دینے کا نہ تھا بلکہ اپنی زوجہ کے خاندان کو ڈرانا مقصود تھا اس واسطے طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ نسبت اور اضافت نہیں۔

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

واحد بخش عفی عنہ — بندہ حبیب اللہ عفا اللہ عنہ

صدر مدرس مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ

دونوں حضرات علماء نے جو جواب تحریر فرمایا ہے ہمارے نزدیک ان حضرات سے غلطی واقع ہو گئی ہے طلاق کے وقوع کے لیئے لفظ حال بھی اسی طرح مؤثر ہے جس طرح لفظ ماضی کا۔ البتہ صیغہ مستقبل سے طلاق واقع نہیں ہوتی لہذا اب میں تین طلاق دیتا ہوں کے لفظ سے تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں اور عورت حرام بحرمت غلیظہ ہو گئی۔

درمختار جلد دوم ص۵۹۱ و شرح میں موجود ہے۔

(قوله وما بمعناها من الصریح) ای مثل ما سیذکرہ من نحو کونی طالقا واطلقی ویا مطلّقۃ بالتشدید و کذا المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقک اھ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
مہتمم خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
۱۵ محرم ۱۳۷۶ھ

عورت کو فسخ کا اختیار دینا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ حاکم کہے "میں نکاح کو فسخ کرتا ہوں"

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید نے ہندہ کو نکاح میں لائے تقریباً بیس سال کا عرصہ گذر گیا لیکن بوجہ نابالغی ہندہ باپ کے گھر رہی۔ زید دس سال تک غیر آباد رہا اور اپنی عورت کو آباد نہیں کیا اس اثناء میں زید نے دوسری شادی زینب سے کر لی جو ابھی آباد ہے اور ملک بنگال میں ہے ہندہ زوجہ زید نے حکومت پاکستان سے تنگ آکر درخواست کی کہ زید شوہر بیس سال کے عرصے سے مجھے نہ نان نفقہ دے رہا ہے اور نہ مجھے آباد کرتا ہے میرا کوئی بندوبست کیا جائے حکومت پاکستان نے معتبر گواہوں کی شہادت کے بعد زید کو مطلع کیا کہ تو اپنی زوجہ ہندہ کے بارے میں کیا کرے گا لیکن زید ایسا چپ چاپ ہے کہ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر حکومت پاکستان والوں نے تنگ آکر ہندہ کو اجازت دی ہے کہ تو اپنا ثانی نکاح کر سکتی ہے۔ آئندہ زید کو کوئی حقدار نہیں ہے۔ شرع شریف میں ہندہ کے لیے کیا حکم ہے۔ ہندہ کے پاس نقلیں عدالت کی موجود ہیں۔ الفاظ نقل یہ ہیں۔ شہادت مدعیہ کی طرف سے پیش کی ہوئی یہ ثابت کرتی ہے کہ مدعیٰ علیہ نے حق زوجیت ادا کیا اور نہ مہیا کیا کسی قسم کا خرچہ اس کا۔ اس لیے مدعیہ کو تنسیخ نکاح کا حق پہنچتا ہے۔ میں اس کو یکطرفہ ڈگری دیتا ہوں برائے تنسیخ نکاح کھلی عدالت میں اعلان کیا گیا۔ ۲۱-۱-۱۹۵۵ء

دستخط فاروق احمد سول جج فسٹ کلاس جہلم

الجواب: صورت مسئولہ میں جج صاحب کے الفاظ شرعی فسخ نہیں اس لیے دوبارہ درخواست دے کر فسخ کروایا جائے. جج صاحب کو یہ الفاظ کہنے ضروری ہیں کہ میں اس نکاح کو فسخ کرتا ہوں خلع دے دینے کو شریعت فسخ تسلیم نہیں کرتی. واللہ اعلم

الجواب صحیح خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان — بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ۱۸/۹/۷۰ھ

۱۸ رمضان المبارک ۷۰ھ

اگر طلاق کا گواہ لڑکی کا باپ ہو تو وہ گواہی معتبر نہیں۔

ایک شخص کا جبراً انگوٹھا لگوا کر اور قتل کی دھمکی دے کر طلاق لی گئی. وہ شخص منکر ہے اور گواہ کہتے ہیں کہ طلاق دی ہے. طلاق کے گواہ صرف لڑکی کا باپ اور چچا ہیں تو کیا اس صورت میں طلاق ہو گئی؟

الجواب: لا تجوز شهادة الوالدين لولدهم (عالمگیری کتاب الشہادۃ)

چونکہ صورت مسئولہ میں گواہوں میں باپ بھی شامل ہے اور اس کی گواہی بیٹی کے حق میں معتبر نہیں لہٰذا فیصلہ مرد کی قسم پر ہوگا. اگر مرد قسم اٹھا لے کہ میں نے طلاق نہیں دی تو عورت اس کے حوالہ کر دی جائے گی. اور اگر واقع میں طلاق دے دی تھی تو پھر خاوند اس عورت کو رکھنے میں گنہگار ہوگا اور زانی ہوگا. فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۲۰ ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ

جو یہ کہے "میں کسی مذہب سے متعلق نہیں" اس کی بیوی نکاح سے خارج ہو گئی

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب محمد اقبال جاوید کا اپنی ڈیڑھ سال گزرا نکاح ہوا تھا. اس کے بعد اس نے خطوط

سے مجھے اس کے ایمان کے متعلق شبہ ہوا تو اس بنا پر اس کے عقائد کے متعلق استفسار کیا گیا تو اس نے اپنے ایک انگریزی خط میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

میں نے پُر غور اور گہرا مطالعہ تمام مذاہب ان کے اصول اور مختلف جماعتی نظریوں کا شروع کر دیا ہے۔ محض وراثتاً کسی کا مسلمان ہونا میرے نزدیک اسلام کی حقانیت کا ثبوت نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ میرے باپ نے زندگی کی اصلیت کو سمجھنے میں فاحش غلطی کی ہو۔ اب میں نے تحقیقات شروع کر دی ہیں اور اس کام کی تکمیل پر میں اپنے اس کام میں چھان بین کا نتیجہ ظاہر کروں گا۔ فی الحال میں نہ مسلمان ہوں نہ خدا کا منکر۔ بلکہ ایک عام آدمی ہوں جس کا کسی مذہب سے کوئی علاقہ نہیں۔ میں خدا اور حضرت پیغمبر صاحب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت آپ سے کوئی بحث کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ مختلف مذاہب کے متعلق اپنا مطالعہ ختم نہیں کیا ہے۔ لیکن چونکہ میری شادی اسلامی رسوم کے مطابق عمل میں آئی تھی اس لیے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اپنے مستقر کو قرآن اور سنت کے مطابق جانچیں۔ ہر فیصلہ جو قرآن اور سنت کے مطابق ہوگا وہ میرے لیے قابلِ قبول ہوگا۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا عقائد رکھنے والا آدمی مسلمان ہے یا نہیں۔

(۲) کیا اس کا سابقہ نکاح باقی ہے یا نہیں۔

(۳) تاحال نہ اس لڑکی کی رخصتی ہوئی اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی تو کیا نکاح باقی نہ رہنے کی صورت میں لڑکی دوسری جگہ بغیر عدت گزارے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: شخص مذکور نے تصریح کر دی ہے کہ میں کسی مذہب سے متعلق نہیں ہوں بلکہ مذاہب کی تحقیقات کر رہا ہوں۔ اس وقت خدا اور رسول ﷺ کے متعلق کوئی بحث کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں کیونکہ ابھی تک مطالعہ ختم نہیں کیا ہے اور یہ کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اس تصریح کے بعد اس شخص کو مسلمان ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ تقلیدی ایمان معتبر تھا مگر اس نے اس سے بھی انکار کر دیا ہے۔ لہٰذا اس کا نکاح نہیں رہا۔ اس کی

بیوی قرآن و سنت و فقہ کے مطابق بائنہ ہو چکی ہے۔ لہٰذا اسے اختیار ہے کہ جہاں چاہے نکاح کرے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم دارالافتاء خیرالمدارس ملتان

مطلقہ ثلاث حاملہ من الزنا سے نکاح کیا تو پہلے خاوند کیلئے حلال ہو جائیگی۔

ایک عورت اپنے خاوند کے گھر خوش و خرم آباد تھی۔ بوجہ آپس میں ناراضگی اُس کو طلاق دے دی گئی۔ بوقت طلاق ہمراہ دو بچے موجود تھے تین سال کے بعد وہ عورت اپنے خاوند کے پاس اپنی خوشی سے آکر آباد ہوئی اور اس کو حمل قرار تھا جو کہ اس وقت تقریباً تین ماہ کا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اس عورت کے بھائی اسے اپنے گھر لے گئے اور وہاں پر حمل کی صورت میں حلالہ کی شرط پوری کر دی۔ بعد ازاں وہ عورت پھر اپنے خاوند کے گھر واپس آگئی ہے۔

(۱) آیا حمل کی صورت میں حلالہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر حلالہ جائز ہے تو کیا عورت اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ ان دونوں میاں بیوی آپس میں بخوشی نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ شرعاً ان کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں حلالہ درست ہے لیکن پہلے خاوند کے ساتھ بچہ پیدا ہونے سے پہلے نکاح جائز نہیں کیونکہ خاوند ثانی کی عدت وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہونا ہے۔

وعدة الحامل ان تضع حملها الى قوله وسواء كان الحمل ثابت النسب ام لا ويتصور ذالك فيمن تزوج حاملاً بالزنا كذا فى السراج الوهاج. عالمگیری ص۲۳۵ ج۲

واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہٗ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

۷ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ

الجواب صحیح بندہ خیر محمد عفی عنہ

مہتمم خیرالمدارس ملتان

طلاق صرف ایک دی لیکن اخبار کے طور پر کئی آدمیوں سے ذکر کیا تو طلاق ایک ہی رہے گی

صورت مسئولہ یہ ہے کہ زید نے بیوی کو ایک طلاق دی، پھر دوسروں کو اطلاع دینے کے لئے متعدد مجالس یا ایک مجلس میں بار بار کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہوں ظاہر ہے کہ فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ ایک ہی طلاق ہوئی لیکن اس کی بیوی اور مفتی بھی اس کو ایک ہی طلاق قرار دیں گے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر یقین ہے کہ بعد میں بطور اطلاع ہی کی غرض سے الفاظ طلاق کا تلفظ کیا ہے تو دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ بیوی اور مفتی کو بھی اس پر اعتماد کرنا درست ہے۔

رجل قال لامرأته يا مطلقة الى قوله وان كان لها زوج قبله وقد كان طلقها ذلك الزوج ان لم ينو بكلامه الاخبار طلقت وان قال عنيت به الاخبار دين فيما بينه وبين الله تعالى وهل يدين في القضاء اختلفت الروايات فيه والصحيح انه يدين (عالمگیری ص۹ ج۲)

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۴/۳/۱۴۰۳ھ

اگر عورت طلاق کے اختیار کو اسی مجلس میں استعمال نہ کرے تو خیار ختم ہو جائے گا

ایک شخص نے کسی وقت اپنی بیوی کو ایک بائن طلاق دیکر پھر تجدید نکاح کر لیا پھر اس کو اپنی زندگی میں ایک حادثہ بھی خیال میں گزرتا ہے کہ اس نے بیوی کو طلاق رجعی

دی تھی مگر یہ حادثہ شک وظن کا ہے۔ کامل یقین نہیں ہے کہ اس نے طلاق رجعی دی تھی یا محض شک وظن ہے۔ پھر کافی عرصہ کے بعد اس نے بیوی کی بعض بدعنوانیوں سے پریشان ہو کر یہ کہا کہ اگر تو میرے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تو تجھ کو اپنے نفس پر اختیار ہے۔ اگر تو اپنے نفس کو اختیار کرنا چاہتی ہے تو کر سکتی ہے تیری مرضی ہے۔ عورت نے جواباً کہا کہ اس حالت سے تو میں آزادی چاہتی ہوں۔

(ب) خاوند نے کہا کہ جب تو نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا ہے اب تجھ پر طلاق واقع ہو گئی اور تو مجھ سے مغلظہ ہو گئی جب تک تیرے ساتھ دوسرا آدمی نکاح وصحبت نہ کرے اور وہ تجھ کو طلاق دے، پھر تیسری عدت نہ گزر جائے اس وقت تک تو میرے لیے حلال نہیں ہے۔ خاوند نے اس کو یہ اس لیے کہا کہ اس کی نظر میں ایک طلاق بائنہ سابقہ تھی۔ دوسری طلاق رجعی مشکوک اور تیسری عورت کے اپنے نفس کو اختیار کرنے اور آزاد ہونے والی طلاق جن کی مجموعی تعداد تین ہو گئی۔ البتہ طلاق ثالثہ جدیدہ اس کی نیت نہیں تھی۔ کیا طلاق میں شک کا اعتبار عدد طلاق میں ہو گا یا کالعدم ہو گا نیز خاوند کے کہنے سے وہ مغلظہ ہو جائے گی۔ طلاق ثلثہ جدیدہ کا حکم لگے گا یا اس کی نیت کے مطابق وہی طلاق بائن قدیم وطلاق رجعی مشکوک اور طلاق تخییر یا تعویض کا حکم ہو گا۔ طلاق رجعی مشکوک کا اعتبار کیا ہو گا؟

(۲) خاوند نے اپنی بیوی کو اس کی جان کے بارے میں تخییر کی مرضی دیدی اور کہا کہ اگر تو میرے ساتھ موجودہ حالت میں خوش نہیں ہے تو تو اپنی جان کے بارے میں صاحب اختیار ہے۔ اگر آزاد ہونا چاہتی ہے تو آزاد ہو جا۔ کیونکہ تو نے مجھ کو بہت تنگ کیا ہے کل تک سوچ کر جواب دیدے۔ عورت نے کہا کہ اگر میرے ساتھ انصاف کا معاملہ نہ کیا جائے تو پھر آزاد ہی اچھی ہوں۔ خاوند نے کہا کہ تیرا مطلب کیا ہے۔ عورت نے کہا کہ میرا مطلب جدا ہونا نہیں ہے۔ نہ اپنے نفس کو اختیار کرنا تھا بلکہ یہ کہ میرے ساتھ انصاف کیا جائے حق تلفی نہ کی جائے۔ اب کیا اس سے اختیار نفس مراد لیا جائے گا یا نہ؟ ان الفاظ سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں۔ عورت کہتی ہے کہ میں صاحب اولاد ہوں جدا ہونا کیسے پسند کروں۔ جدا ہونے کا مطالبہ کیسے کروں۔ لیکن حکم شریعت کی پابندی بھی ضروری ہے۔

مولوی عصمت اللہ شیرانی ضلع ژوب

الجواب: ولو قال لها انت طالق ان شئت فقالت شئت ان كان كذا فهو على وجهين: اما ان علقت مشيئتها بشيء لم يوجد بعد وفي هذا الوجه لا يقع الطلاق ويخرج الامر من يدها وعن هذا قلنا اذا قالت شئت ان شاء ابي كان ذلك باطلا وان قال الاب بعد ذلك شئت لا يقع الطلاق هكذا في المحيط (عالمگیری)

جزئیہ بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہ ہوئی کیونکہ عورت نے اپنے طلاق کو آئندہ انصاف نہ کرنے پر معلق کیا ہے کہ اگر میرے ساتھ انصاف کا معاملہ نہ کیا جائے اور بصورت تعلیق اختیار و مشیئت طلاق واقع نہیں ہوتی اور اختیار بھی باطل ہو جاتا ہے۔ الحاصل صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اور اگر یہ سوال اسی عورت کے متعلق ہے جس کا ذکر سوال ۱۰ میں ہے تو یہ آخری طلاق واقع نہ ہوگی جیسے پہلے ذکر ہوا۔ اور خاوند کا اقرار غلط فہمی پر مبنی ہے لہذا اس سے بھی طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوئی۔

ظن انه وقع الثلاث على امرأته بافتاء من لم يكن اهلا للفتوى وكلف الكاتب كتابتها في الصك فكتبت ثم استفتى ممن هو اهل للفتوى فافتى بانها لا تقع والتطليقات الثلاث مكتوبة في الصك بالظن فله ان يعود اليها ديانة ولكن لا يصدق في الحكم (شامی)

پس تغلیظ ثابت نہیں اور اگر یہ شک واقعہ ہے تو احتیاط پر عمل کیا جائے۔ حلالہ کیے بغیر نہ رکھے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۵/۳/۱۳۹۵ھ

تین کنکر پھینکے اور زبان سے یک دفعہ کہا "تجھے چھوڑا" تو ایک طلاق ہوگئی

ایک شخص نے اپنی بیوی سے جھگڑے کی صورت میں تین کنکر اس کی طرف پھینکے اور کہا کہ میں نے تجھے چھوڑا ہے۔ اس سے جب اس کی مراد پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ میری مراد اس سے تین طلاق دینا ہے۔ کیا اس صورت میں وہ عورت اس پر کلیۃً حرام ہوگئی ہے یا نہیں۔ مہر کی بابت کیا حکم ہے۔ جہیز کا سامان واپس کرنا ہوگا یا نہیں جو اس میں سے استعمال کر چکی ہے وہ بھی واپس

کرنا ہوگا یا نہیں۔ جو زیور مرد کے ہیں کیا وہ بیوی سے واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

محمد عبداللہ کسندیاں ضلع میانوالی

الجواب: ولو لم یقل هكذا يقع واحدة لفقد النية أي بأن قال أنت طالق وأشار بثلاث أصابع ونوى الثلاث ولم يذكر بلسانه فإنها تطلق واحدة خانية. قال القهستاني لأنه كما لا يتحقق الطلاق بدون اللفظ لا يتحقق عدده بدونه. اھ ردالمحتار ج ۲

صورت مسئولہ میں اگر یہی خط کشیدہ الفاظ کہے ہیں تو ایک طلاق رجعی واقع ہوئی جیسا کہ جزئیہ سے ظاہر ہے رجوع کر سکتے، اور بعد از عدت نکاح جدید کر کے رکھ سکتا ہے۔ حلالہ کی حاجت نہیں۔ خاوند کے ذمہ کل مہر ادا کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار غفر اللہ عنہ ۲۲/۳/۱۳۹۵ھ | الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

طلاق کے بعد مجامعت کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو کس کا قول معتبر ہوگا۔

طلاق کے بعد میاں بیوی میں باہمی اختلاف ہو گیا۔ خاوند اس بات کا مدعی ہے کہ ہمبستری نہیں ہوئی۔ بیوی کہتی ہے کہ ہمبستری ہوئی ہے تو شرعاً کس کا قول معتبر ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: بیوی قسم اٹھا کر کہہ دے کہ ہمبستری ہوئی ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا۔

وفي القنية افترق فقالت افترقنا بعد الدخول فالقول قولها لأنها تنكر سقوط نصف المهر. اھ بحر الرائق ج ۳

فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

طلاق کی جس یمین میں وقت مقرر نہ ہو اُس میں موت سے کچھ پہلے طلاق واقع ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ شہر دریا خان ضلع بھکر چک ۸ چاہ نواں میں علامہ عبدالستار تونسوی تقریر کے لئے تشریف لے گئے۔ تقریر سے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص حافظ عبدالغفور نے حیات و ممات کا مسئلہ چھیڑ دیا اور کہا کہ آپ اس مسئلہ میں احمد سعید سے مناظرہ کریں۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ آپ بڑے مہربانی میرے برابر کا آدمی لائیں۔ بات علامہ عنایت

شاہ پر مشہوری۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ آپ مناظرہ نہ کرتے تو؟ اس پر اس آدمی نے کہا کہ اگر میں نہ لایا
تو میری بیوی کو طلاق۔ اور اگر آپ نہ آئے تو حضرت نے جواب دیا کہ میں نہ آیا تو میری زن بھی طلاق
ہے بشرطیکہ ان کی آمد سے مطلع مجھ کو آپ کریں گے اور مناظرہ کی تاریخ اور مقام تم تجویز کرو گے اور پھر
مجھ کو پتہ دو گے۔ نوٹ: طلاق کے الفاظ میں گواہوں کے بیانات متضاد ہیں بعض نے طلاق اور
بعض نے حرام بعض تین طلاق کا لفظ بتاتے ہیں۔ بیانات ساتھ ہیں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔ بینوا

الجواب: صورت مسئولہ میں بیانات کے تضاد کی وجہ سے مسئلہ کا جواب علی التعیین نہیں
کیا جا سکتا۔ بہرکیف جواب مسئلہ علی تقدیر الاختلاف یہ ہے کہ صاحب واقعہ عبدالغفور اور
حضرت مولینا صاحب نے اگر تین کا لفظ استعمال کیا یا تین کی شرط کو عبدالغفور نے قبول کر لیا۔
گو کہ زبانی طلاق کا تلفظ نہ کیا ہو تو حانث ہونے کی صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور
حانث ہونے والے کی بیوی مغلظہ ہو جائے گی اور اگر حرام کا لفظ استعمال کیا ہے تو طلاق بائنہ
ہوگی۔ بعد تجدید نکاح کے بیوی دوبارہ زوجیت میں آ سکے گی اور اگر صرف طلاق کا لفظ کہا ہے۔ تو
طلاق رجعی واقع ہوگی اور رجوع کافی ہوگا ــــ حانث ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ چونکہ مناظرہ کرنے
کی شرط میں وقت کی تعیین نہیں ہے اس لئے اس کا وقت شرط کرنے والے ہر دو شخص اور مناظر
مولینا عنایت اللہ شاہ کی موت تک ممتد ہوگا ــ پس جب موت واقع ہو جائے تینوں میں سے
کسی کی بھی تو موت سے تھوڑا پہلے یہ عورت مطلقہ سمجھی جائے گی بعض مناظرہ کے انکار کرنے سے
حانث نہیں ہوگا۔

وان حلف ليأتين البصرة فلم يأتها حتى مات حنث في آخر
جزء من اجزاء حياته لان البر قبل ذلك مرجو (بحر كتاب الايمان)
قال في البحر وبخصوصية للاتيان بل كل فعل حلف انه يفعله في
المستقبل واطلقه ولم يقيده بوقت لم يحنث حتى يقع الياس عن
البر مثل ليضربن زيدا او ليعطين فلانة او ليطلقن زوجته
وتحقق اليأس عن البر يكون بفوت احدهما فلذا قال في غاية البيان
واصل هذا ان الحالف في اليمين المطلقة لا يحنث مادام الحالف
والمحلوف عليه قائمين لتصور البر فاذا فات احدهما فانه يحنث۔

بحرالرائق کتاب الایمان ص ۳۳۳ ج ۴ ـــــ وفی المبسوط ولو حلف بطلاق امرأته لیأتین البصرة فمات قبل ذلك طلقت عند الموت لان بموته فات شرط البر وهو اتیان البصرة ولا نقول انه یحنث بعد موته ولکنه کما اشرف علی الموت وتحقق عجزه عن اتیان البصرة حنث : المبسوط للسرخسی ص ۳۶ باب الفقادان الیمین

فقط واللہ اعلم الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

محمد انور عفااللہ عنہ

۹/۶/۱۴۰۰ھ

اختلافِ دارین کی وجہ سے خیار فسخ نہیں ہوگا۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تقسیم ہند کی کشت وخون میں مسماۃ ہندہ اپنے والدین کے ہمراہ پاکستان آ گئی ہے اور مسماۃ ہندہ کا زوج مسمیٰ زید ہندوستان میں ہے۔ خط وکتابت سے معلوم ہوا کہ زید پاکستان میں آنے کے لئے تیار نہیں۔ سوال یہ ہے کہ قرار داد مقاصد پاس ہو جانے کے بعد پاکستان اگر دارالاسلام کے حکم میں ہے تو کیا مسماۃ ہندہ دارالحرب (ہندوستان) میں جانے سے انکار کر سکتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں مع حوالہ تحریر کریں۔

الجواب : خاوند وبیوی کا ہندوستان و پاکستان میں الگ الگ ہونا موجب فسخ نہیں۔ کیونکہ اختلافِ دارین مسلمانوں کے نکاح پر مؤثر نہیں۔ البتہ خاوند کا آباد کرنے کی کوشش نہ کرنا موجب فسخ ہو سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ خاوند سے طلاق یا خلع حاصل کرنے کی کوشش کی جائے پھر فسخ کے طرق دریافت فرمائے جائیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ غفرلہ | بندہ محمد صدیق غفرلہ

سوداوی دورے کی حالت میں طلاق دینا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میرے بھائی محمد یامین کو عرصہ سے ایک دورہ پڑا کرتا ہے جس میں وہ بالکل خاموشی بھی اختیار کر لیتا ہے اور بعض اوقات پاگلوں کی طرح واہی

تباہی بھی بکنے لگتا ہے۔ اپنی حالت یہ بتاتا ہے کہ میرے تمام بدن میں آگ لگ رہی ہے۔ اس دورے کی مدت ایک ہفتے سے دس بارہ ہفتہ تک ہوتی ہے۔ جس وقت وہ دورے کی حالت میں ہو اس وقت اس کا دماغی توازن قائم نہیں رہتا ہے۔ ۳/ذق ۸۴ کو اس کا دورہ شروع ہوا۔ ۱۵ خاموش بھی رہا اور واہی تباہی بھی بکنے لگا۔ ۵/ذق ۱۰ کو دورے نے شدت اختیار کرلی اور اب اس کی حالت اتنی خراب ہوئی کہ ہم نے اس سے پیشتر اتنی خراب حالت نہیں دیکھی تھی۔ وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ میں مر رہا ہوں۔ انہی الفاظ کو وہ بار بار دہراتا رہا کہ میں مر رہا ہوں میرا دم نکل رہا ہے۔ ایک روز ۱۳/ذق کو وہ اسی دورے کی حالت میں اٹھا اور کچہری جاکر عرضی نویس سے کہا کہ طلاق نامہ کا کاغذ کتنے کو آتا ہے۔ عرضی نویس نے کہا دس روپے کو۔ اس نے دس روپے کا کاغذ لاکر عرضی نویس کو دیا کہ طلاق نامہ تحریر کردے۔ عرضی نویس نے اس کی بیوی کا پتہ و ولدیت اور نام دریافت کیا کہ کتنے بچے ہیں۔ پھر طلاق نامہ تحریر کردیا۔ تحریر کے بعد اس نے عرضی نویس سے نہیں سنا کہ طلاق نامہ کا مضمون کیا ہے۔ عرضی نویس کے کہنے پر کہ دو گواہ ہونے چاہئیں۔ دو گواہ کرادیا اور خود بھی اپنے دستخط کردیئے۔ ۲/ذق ۲۶ کو جب دورے کے اثرات بہت کچھ کم معلوم ہوئے ہم نے اس سے پوچھا کہ تو نے اپنی بیوی کا طلاق نامہ کیوں تحریر کرایا تو اس نے برجستہ کہا کہ طلاق زوجہ کا ارادہ مجھے کبھی نہیں ہوا ہے۔ میں نے غیرارادی طور پر طلاق نامہ تحریر کرایا ہے اور نہ ہی طلاق دینا چاہتا ہوں۔ ۲/ذق ۲۳ کو وہ اپنی ساس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اور میری طبیعت بہت ہی خراب ہے۔ تم مہربانی کرکے اپنی بیٹی کو چند روز کے لئے اپنے گھر لے آؤ۔ چونکہ بیوی کی ساس اس کی حالت سے واقف تھی اس لیے وہ بغیر حیل و حجت کے اپنے گھر لے آئی۔ اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا بیان کے مطابق دس روپے کا اسٹامپ تحریر کرکے طلاق تحریر کرانے سے طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں۔ شرعی حکم سے مطلع فرماویں۔

الجواب: اگر واقعی یہ بیان صحیح ہے تو ایسی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال الشامي في كتاب الطلاق في مطلب طلاق المدهوش فالذي ينبغي التعويل عليه في المدهوش ونحوه اناطة الحكم بغلبة الخلل في اقواله وافعاله الخارجة عن عادته. وكذا يقال فيمن اختل عقله لكبر او لمرض او لمصيبة فاجأته فما دام في حال غلبة

الخلل فی الاقوال والافعال لا تعتبر اقواله وان کان یعلمها ویریدها لان هذه المعرفة والارادة غیر معتبرة لعدم حصولها عن ادراک صحیح کما لا تعتبر من الصبی العاقل الخ فقط واللہ اعلم بندہ محمود عفا اللہ عنہ

صورت مسئولہ میں عورت اور خوشدامن ہر دو کے بیانات سے اس شخص کے مبتلا با لجنون ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اگرچہ زوجہ کے بیان میں اس شنا زعہ فیہا واقعہ میں جنون کے ہونے سے لاعلمی ظاہر کی گئی ہے لیکن اس سے قبل نفس جنون کا اقرار ہے۔ اب حکیم عطا ڈاکٹر کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اس شخص کو خفقان سوداوی کے دورے ہوتے ہیں۔ ان حالات میں اس شخص کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔ کیونکہ یہ معاملہ اس کی ذات سے متعلق ہے جس پر عموماً بعض اوقات دوسروں کو اطلاع نہیں ہوتی۔ (نوٹ) حلفیہ بیان محمد یاسین کے مطالعہ کے بعد جس کی تصدیق دستخط کنندگان (مورخہ ۲۲ رجب [illegible]) نے کی۔ فیصلہ یہ ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ ۲۵ رجب [illegible]

ہر دو مفتی صاحبان کے فتوے صحیح ہیں کہ صورت مذکورہ میں محمد یاسین کی اہلیہ کو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لہٰذا محمد یاسین اور اس کی بیوی ہر دو بدستور زن و شوہر کی طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں اور آئندہ کے لیے متعلقین کو چاہیے کہ محمد یاسین کی نگرانی کریں کہ وہ پھر ایسی حرکت نہ کرنے پائے۔

فقط واللہ اعلم۔ احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۲ رجب [illegible]

تیرے پاس آؤں تو اپنی بہن کے پاس آؤں

خدا بخش نے اپنی بیوی کو کہا کہ تیرے پاس آؤں تو اپنی بہن کے پاس آؤں۔ اس سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں طلاق نہیں ہوئی لیکن ایسا کہنا بھی درست نہیں۔ توبہ کی جائے آئندہ بچا جائے۔ لو قال ان وطئتک وطئت امی فلا شئ علیہ کذا فی غایة السروجی (عالمگیری ص۴۸۶)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۳/۳/۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار
عفا اللہ عنہ

"نکاح والی ڈھیری ڈھائی" سے طلاق کا حکم

بکر نے اپنی عورت کو کہا "تیرے نکاح والی ڈھیری ڈھائی" اس کے ساتھ تین طلاق کا ارادہ تھا آیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہو گئی؟

الجواب ولو قال فسخت النکاح ونوى الطلاق يقع وعن ابي حنيفة ان نوى ثلاثا فثلاث (درمختار ص ۲۳۲ ج ۲) "ڈھانا" ہدم کا ترجمہ ہے۔ ہدم نکاح اور فسخ نکاح کا مفہوم تقریباً ایک ہے پس صورت مسئولہ میں تحریر بالا کی بنا پر شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں، زوجین میں بدون حلالہ تجدید نکاح درست نہیں، عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

شہادت ناقص ہو تو قضاءً طلاق نہیں ہوگی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ ھندہ کو یہ خبر دی گئی ہے کہ تیرے خاوند بکر نے تجھے تحریری طور پر طلاق دے دی ہے تو مسماۃ نے بغرض تحقیق اپنے بھائی کو بھیجا چنانچہ واپسی پر اس نے مدعیہ کو یہ کہا کہ واقعی تجھے طلاق ہو گئی ہے۔ اس پر مدعیہ نے حاکم کے سامنے دعویٰ طلاق دائر کر دیا ہے اور ثبوت دعویٰ میں اپنے دونوں بھائیوں کی شہادتیں پیش کی ہیں اور وہ دونوں ایک ہی مجلس کے شاہد ہیں۔ ایک بھائی کی شہادت یہ ہے کہ طلاق وثیقہ بکر نے ہمارے سامنے اقرار کیا ہے کہ واقعی زید نے مجھ سے لکھوایا ہے اور میں نے اس کے نیچے دستخط بھی کئے ہیں، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی بکر ولد ... نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کو تین طلاقوں سے چھوڑ دیا ہے" اور دوسرے بھائی کی شہادت یہ ہے کہ جب مسمی بکر مندرجہ بالا عبارت کو ذکر کرنے لگا کہ "میں نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کو تین طلاقوں سے" یہاں پہنچا تو میرا سر چکرا گیا اس سے آگے میں نے کچھ نہیں سنا۔ اور مدعا علیہ کا بیان یہ ہے کہ میں نے اس قسم کی کوئی تحریر نہیں کی بلکہ اس قسم کی تحریر زید نے میری طرف منسوب کی تھی جس وقت یہ تھا کہ میری طرف زید نے جو اس قسم کی تحریر منسوب کی ہے کہ میں نے مسماۃ کو تین طلاقوں سے چھوڑ دیا ہے وہ غلط ہے اس پر مدعا علیہ اپنے والد اور ماموں کو بطور شاہد پیش کرتا ہے۔ نیز زید بھی اس کا قائل ہے کہ تحریر جعلی تھی بکر سے میں نے کوئی تحریر نہیں کرائی۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا واقعہ میں مدعیہ کی ان شہادتوں کے بعد طلاق ہو گئی ہے یا نہ؟ (۲) کیا شہادت تامہ ہے یا ناقص۔ (۳) بعد از شہادت مدعا علیہ کا

انکار اور اس پر مذکورہ شہادتیں قابل اعتماد ہیں یا نہ جبکہ مدعی علیہ کا ایک شاہد اس کا والد ہے۔ ـــ

نوٹ: مدعی علیہ کو مدعیہ کے شاہدوں پر کوئی اعتراض جرح نہیں ہے۔ جواب از راہ عنایت مفصل اور بعبارۃ واضحہ مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا ـــ

الجواب صورت مسئولہ میں عورت مدعیہ طلاق ہے اور زوج منکر ہے۔ زوج سے شہادت لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ منکر ہے۔ البتہ مدعیہ کے لئے شاہدوں کی ضرورت ہے اگرچہ بھائی کی شہادت بھائی اور بہن کے لئے معتبر ہے۔ لیکن یہاں شہادت ناقص ہے کیونکہ ایک شاہد نے تصریح کر دی ہے کہ لفظ میرے زوجہ مسماۃ ہندہ کو تین طلاقوں سے یہ میرا سر چکرا گیا اور مجھے معلوم نہیں کہ آگے بکر نے منہ سے کیا الفاظ نکالے لہٰذا یہ شہادت تامہ نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ عبارت محتمل بھی نہیں نیز طلاق اس صورت میں اس کو شہادت پر اقدام کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ قال العلامۃ الشامی تحت قولہ ھی اخبار عن مشاهدة وعيان لا عن تخمين وحسبان قال فی الخانية اذا ترى شخصا ولم يفهم ما فيه لا يجوز له ان يشهد بما فيه كما فی الحظر والاباحة وقال فی الخانية اذا سمع صوت المرأة ولم ير شخصها فشهد اثنان عنده انها فلانة لا يحل له ان يشهد عليها الخ ـــ لہٰذا جب شہادۃ ایک گواہ کی معتبر نہ ہوئی تو دوسرے کی شہادت پر بوجہ نصاب پورا نہ ہونے کے فیصلہ نہیں دیا جا سکتا لہٰذا صورت مسئولہ میں قضاءً طلاق واقع نہیں ہوگی۔

الجواب صحیح بندہ نذیر محمد عفی عنہ	محمد عبداللہ غفرلہ خادم دارالافتاء
[illegible]	خیر المدارس ملتان [illegible]

صرف لفظ "طلا" کہنے سے طلاق نہیں ہوگی۔

زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو مجھے دو دمہ سے روکے گی تو میں تجھے دفع کر دوں گا یعنی طلاق دوں گا تو بیوی چپ رہی۔ اس کے فوراً بعد زید کے منہ سے یہ الفاظ صادر ہوئے کہ ایک دو تین طلا اس کے بعد بندہ نے زبان روک دی اور کچھ نہیں کہا۔ کیا اس سے طلاق واقع ہوگی ؟

الجواب صورت مسئولہ میں جب لفظ طلاق سالم زبان سے نہیں نکلا تو طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ وقوع طلاق کے لئے ضروری ہے کہ لفظ طلاق کو ادا کیا جائے اگرچہ وہ محرف و مصحف ہی کیوں

ثلاث. ویقع بہا ای بہذہ الالفاظ وما بمعناہا من الصریح ویدخل نحو طلاغ وطلاک وتلاک او ط ل ق (الدر المختار علی الشامیۃ ص۲۴۶ ج۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہ

۹ / ۱ / ۱۳۷۷ھ

میں نے زید کی بیٹی کو طلاق دی اور پھر دعویٰ کرے کہ میری مراد بیوی نہیں تھی۔

شاہنواز ولد حق نواز نے اپنے سسر یعنی اپنی بیوی کے والد احمد کو کہا کہ میں نے تیری بچی کو تین طلاق چھوڑی، تین طلاق سے چھوڑی، گاؤں کے لوگوں نے شاہنواز کو بلایا اور کہا کہ تم نے طلاق دے دی ہے تو اس نے اقرار کیا لیکن ساتھ یہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کا نام نہیں لیا لہٰذا طلاق نہیں ہوئی اب شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں شاہنواز کی بیوی پر قضاءً تین طلاق واقع ہو چکی ہیں

وکذا لو قال بنت فلان طالق ذکر اسم الاب ولم یذکر اسم المرأۃ وامرأتہ بنت فلان وقال لم اعن بہ امرأتی لا یصدق قضاءً وتطلق امرأتہ — الخ (قاضی خان ...)

الجواب صحیح
بندہ محمد صدیق مدرس جامعہ خیر المدارس
ملتان

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

تین طلاق کے بعد اکٹھے رہنے کی صورت

بیوی کو طلاق دینے کے بعد کسی صورت میں اپنے گھر میں رکھا جا سکتا ہے جبکہ شوہر بہت بوڑھا ہو اور اس کے ساتھ نامحرم جیسا سلوک اختیار کرے۔

الجواب حرمت کے بعد ساتھ رہنے کی اجازت ضرورت شدیدہ کی بناء پر ہے مثلاً بچے بہت چھوٹے ہیں علیحدگی کی صورت میں وہ کہیں کے نہیں رہیں گے یا بہت زیادہ بڑھاپا ہو اور علیحدگی میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو تو کچھ گنجائش ہے ایسی میں بھی یہ خیال رکھیں کہ خلوت میں نہ بیٹھیں نیز اجنبیہ کے جن حصوں کو دیکھنا جائز نہیں اُسے بھی نہ دیکھیں نیز اسے بتا بھی دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے آپ کو بیوی سمجھ کر آپ کی قیدی بنی رہے اور حقیقت اس کے خلاف ہو۔

وکأنہ اراد بمثل ہذا تخصیص ما نقلہ عن المجتبیٰ بما اذا کانت السکنی

معہا لحاجتہ کوجود اولاد یخشی ضیاعہم لو سکنوا معہ او معہا او کو منہم کبیر یلایحنہ

هو من یعولہ ولاشیٔ من یستوی لہا او نحو ذلک (شامی فصل فی المہر صـ ۱۶۲ ج ۲) ـــ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۲/۳/۱۴۱۶ھ

مجنون کی بیوی کیسے تفریق کرائے

ایک لڑکا پاگل ہو گیا ہے اس کے نکاح میں ایک لڑکی ہے ابھی تک انکی خلوت صحیحہ ثابت نہیں ہوئی؟ کیا یہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے اور فسخ کرانے کے بعد اس کے والد کے نکاح میں آ سکتی ہے؟ واضح ہو کہ پاگل اپنے والد کو بھی قتل میں دوڑا ہے ـــ

الجواب نکاح فسخ ہو سکتا ہے صورت تفریق یہ ہے کہ زوجہ مجنون قاضی کی عدالت میں درخواست دے اور خاوند کا مجنون ہونا ثابت کرے قاضی واقعہ کی تحقیق کر کے مجنون کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دے بعد اختتام سال زوجہ پھر درخواست کرے اور شوہر کا مرض جنون ہنوز موجود ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے اسپر اگر عورت اسی مجلس تخییر میں فرقت طلب کرے تو قاضی تفریق کر دے۔ (حیلہ ناجزہ صـ ۶۳)

۲ ـ والد اپنے بیٹے کی منکوحہ سے نکاح نہیں کر سکتا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ جیسا کہ عالمگیریہ میں لکھا ہے:ـــ

حلیلۃ الابن وابن الابن وان سفلوا دخل بہا الابن ام لا۔ (عالمگیریہ صـ ۲۷۴ ج ۱)

فقط واللہ اعلم ـــ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بیوی میرے لئے مردار ہے طلاق ہوگی یا نہیں؟

ایک شخص اپنی بیوی کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرتا ہے "میرے واسطے مردار ہو گئی ہے" کیا ان الفاظ سے طلاق ہو جاتی ہے؟ ـــ

الجواب ولو قال انت علی کالحمار او الخنزیر او ما کان محرم العین فھو کقولہ انت علی حرام ـ (خلاصۃ الفتاوی صـ ۹۶ ج ۲) ـــ ـــ

مذکورہ بالا جواب سے معلوم ہوا کہ طلاق بائنہ واقع ہو گئی ہے ــــ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۲/۵/۱۳۹۸ھ

معتوہ بحالت افاقہ طلاق دے تو واقع ہو جائے گی

زید اور بکر آپس میں حقیقی بھائی ہیں۔ زید نے اپنی نابالغ لڑکی ھندہ کا نکاح بکر کے نابالغ لڑکے فاضل سے کر دیا جب دونوں سن بلوغ کو پہنچے تو زید اور بکر نے فاضل میں ازدواجی صلاحیتیں کمزور دیکھیں کہ فاضل سے بعض اوقات افعال فاسدہ صادر ہوتے ہیں مثلاً نماز میں رکوع بالصوت فارغ ہونا، مشغول ہی بھاگتے ہوئے پاخانہ نکل جانا، برتنوں کو توڑ دینا، ناقابل تصور کام کرنا ...... اور بعض اوقات بالکل صحیح سالم رہتا ہے۔ مثلاً باپ کے کہنے پر بازار سے سودا وغیرہ لانا، رشتہ داروں کے ہاں سے ضرورت کی اشیاء وغیرہ لانا۔ لہٰذا زید اور بکر نے مشورہ کیا کہ فاضل سے طلاق حاصل کر لی جائے۔ پس فاضل سے ایک مجلس منعقدہ جس میں مفتی وقت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحیم صاحب بھی موجود تھے [اور زید اور بکر خود بھی علمی علمیت رکھتے ہیں یہ بھی موجود تھے) اس کے باپ نے مندرجہ ذیل طریقہ سے طلاق دلوائی۔ بکر نے کہا ھندہ تیری بیوی ہے فاضل نے سر کے اشارہ سے جواب دیا ہاں۔ بکر نے کہا طلاق دیدی۔ فاضل نے سر کے اشارے سے ہاں کر دی۔ بکر نے دونوں ہاتھوں کے اشارہ سے طلاق دیدی۔ فاضل نے سر اور دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا ہاں دیدی۔ بعد ازاں ھندہ کا نکاح خالد سے کر دیا گیا جس کو تقریباً چار یا پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہے جس میں ھندہ کی اولاد بھی ہے۔ بکر خاموش رہا بلکہ اپنے خصوصی رشتہ داروں سے کہتا رہا کہ میرے لڑکے فاضل نے طلاق دے دی۔ لیکن اب چند دنوں سے بکر اس در پے ہو گیا کہ فاضل کی طلاق نہیں ہوئی کیونکہ وہ معتوہ ہے اور ھندہ مع اس کی اولاد کے فاضل کے حوالے کر دی جائے لیکن زید کہتا ہے کہ چونکہ فاضل کے افعال صحت غالب ہیں اس لئے وہ معتوہ نہیں ہے اگر بالفرض معتوہ ہو بھی سہی لیکن جس وقت طلاق دی تھی وہ حالت افاقہ تھی اور پورے شعور سے اپنی بیوی سمجھتے ہوئے سر اور ہاتھ کے اشارہ سے فعلاً طلاق دی تھی اور اس فعل کو طلاق سمجھ بھی رہا تھا۔ تو کیا زید اپنی بیٹی ھندہ کو بکر کے کہنے پر فاضل کے حوالے کر دے ...؟

المستفتی: مولوی محمد شریف مہتمم مدرسہ شمس العلوم ضلع رحیم یار خان

الجواب فاصل کے بارے میں یقینی فیصلہ تو معاینہ کے بعد کیا جا سکتا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب فریقین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فاصل مفقود ہے اور طلاق بھی بحالت افاقہ دی ہے تو ظاہر ہے طلاق واقع ہوگئی ہے کما فی الجوہرۃ النیرۃ لہٰذا بکر کا عدم وقوع کا دعویٰ درست نہیں ہے۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۵/۹/۱۳۹۹ھ

نہ زبان سے طلاق دی نہ لکھی اور نہ کسی کو وکیل بنایا تو طلاق نہیں ہوئی

السلام علیکم! آج میری نظروں سے ہفت روزہ اخبار جہاں ۹ گزرا اس کے صفحہ ۳۹ پر حافظ مفتی محمد جمیل الشیخ صاحب قرآن و سنت کی روشنی میں سوالات کا جواب دیتے ہیں۔ میرا ایک سوال یہ ہے۔ میں نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف شادی کی جس پر ان کا اصرار تھا کہ میں اپنی بیوی کو چھوڑ دوں۔ کچھ عرصہ قبل والد صاحب نے ایک سادہ کاغذ پر مجھ سے دستخط کرائے کہ فلاں پلاٹ کا مسئلہ ہے۔ والد صاحب کی بات پر یقین کرتے ہوئے میں نے دستخط کر دیئے۔ انہوں نے اس کاغذ پر طلاق کا مضمون بنا کر میرے سسرال بھیج دیا۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں۔

آپ نے سوال ملاحظہ فرمایا میرے خیال میں طلاق نہیں ہوئی۔ مگر مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ طلاق ہوگئی۔ انہوں نے مندرجہ ذیل احادیث کا حوالہ دیا ہے (بخاری و مسلم) یہ ہفت روزہ ۱۹ دسمبر ۱۹۹۱ء کا ہے۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں۔ میں آپ کا بے حد شکر گذار ہوں گا کیونکہ اس مسئلہ کو پڑھ لینے کے بعد مجھے کچھ شک ہو گیا ہے۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے۔

فقط والسلام محمد اظہر افتخار مکان نمبر ۱۳۶ قذافی بازار پیراں منڈی مرید کے

الجواب حامداً ومصلیاً طلاق واقع ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ طلاق دہندہ خود اپنی زبان سے طلاق دے۔ قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ فرکن الطلاق هو اللفظ الذی جعل دلالۃ علی معنی الطلاق (الی قولہ) واما اللفظ فمثل ان یقول فی الکنایات انت بائن او ابنتک او یقول فی الصریح انت طالق او طلقتک۔ (بدائع الصنائع ص ۹۸ ج ۳)

دوسری صورت یہ ہے کہ لکھ کر دے یا کسی سے لکھوا کر دے۔ واما الرسالۃ فهی ان یبعث الزوج

طلاق امرأت الغائبة على يد انسان فيه صحب الرسول اليها ويبعث الرسالة على وجهها فيقع عليها الطلاق (منحة الخالق ص [illegible]) وقال ابن عابدين [illegible] ولو قال للكاتب اكتب طلاق امرأتي كان اقرارا بالطلاق وان لم يكتب (رد المحتار ص [illegible])

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنا لے۔ تفویض الطلاق للزوجة او غيرها صريحا كان التفويض او كناية (القواعد، تفویض و توکیل [illegible])

لہٰذا اگر تین صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں پائی گئی تو طلاق نہیں ہوئی آپ کو "اخبار جہاں" کی جس عبارت سے شبہ ہوا ہے وہ لفظ بلفظ لکھ کر بھیجیں تاکہ تحقیق کر لی جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۲/۶/۱۴۱۲ھ

جو لڑائی میں مفقود ہو اس کے بارے میں تاجیل سنین کی ضرورت نہیں

عمل شاہ گل میرے ساتھ ۱۴/۱۳ کو مورچے میں موجود تھا کہ دشمن کا حملہ آگیا دشمن اور ہم لوگ آپس میں مل گئے، میں دیکھ رہا تھا کہ عمل شاہ گل اپنے مورچے سے نکل گیا اور توپ خانہ کی گولیوں میں آگیا۔ اور پھر عمل شاہ گل کا کوئی پتہ نہیں چلا حکومت نے میرے سامنے بیان لیا یقین بھی جاری نہیں کیا۔ کیا عمل شاہ گل کی بیوی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے ___

الجواب صورت مسئولہ میں غالب گمان یہ ہے کہ عمل شاہ گل وفات پا چکا ہے اس کی بیوی کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور پورا واقعہ عدالت کو بتایا جائے، حاکم کو چاہئے کہ فیصلہ کر دے کہ عمل شاہ گل وفات پا چکا ہے لہٰذا اس کی بیوی عدت وفات چار ماہ دس دن گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے ___ (حیلہ ناجزہ ص [illegible])

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۹/۲/۱۴۰۵ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

ہے میرا کوئی یقین نہیں ہے۔ ——

مستفتی: مسعود احمد گواہ غلام عباس بہشکور خان۔

الجواب اگر شخص مذکور نے بائن کے لفظ کے ساتھ دوسری طلاق کی نیت نہیں کی تو صورت مسئولہ میں صرف ایک بائنہ طلاق واقع ہوئی ہے۔ ولقع بقولہ: انت طالق بائن او البتۃ ... او اعلمہ او اعنا لا تحل بائنۃ ان لم ینو ثلثا الخ (درمختار علی الشامیہ ص۲۹۹ ج۲) متعدد طلاقیں اس لئے واقع نہیں ہوں گی کہ طلاق بائنہ بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی۔ کما فی الشامیۃ الصریح یلحق الصریح والبائن والبائن یلحق الصریح لا البائن۔ —— اس استفتاء کے ساتھ ایک ابطال نامہ بھی تھا جس میں سائل نے کہا کہ میں نے غصہ میں طلاق دی تھی اب اس پر نادم ہوں اور اپنی طلاق کو منسوخ اور باطل کرتا ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق واقع ہونے کے بعد منسوخ نہیں ہو سکتی، لہذا یہ تحریر شریعت مطہرہ کی نظر میں کالعدم ہے۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۴/ ۱۰/ ۱۳۹۱ھ

دعویٰ رجعت بدون شہادت معتبر نہیں

زید نے اپنی بیوی کو بذریعہ ڈاک طلاق نامہ بھیجا جس میں بیوی کو یہ الفاظ تحریر کیے۔ میں تجھے آج طلاق، طلاق دیتا ہوں اور تحریر ہے کہ آج کے بعد سے تم میری بیوی نہیں رہی۔ طلاق نامہ مورخہ ۲۵/۲/۷۰ کو ڈاک خانہ سے رجسٹری کرا دیا گیا۔ جبکہ طلاق نامہ پر تاریخ ۲۰/۲/۷۰ دانستہ تحریر کی گئی بعد ازاں کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ کیا مدت گزرنے کے بعد زید کی بیوی زید کے نکاح سے خارج ہو گئی اور وہ نکاح ثانی کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا ——

الجواب مطلقہ بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اگر مدت گزرنے کے بعد خاوند یہ کہے کہ میں نے عدت میں رجوع کر لیا تھا تو اس کا قول بدون شہادت شرعیہ معتبر نہ ہو گا اور خاوند کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں عورت کا حلفاً کہنا کہ "مجھے رجوع کا علم نہیں" معتبر ہو گا۔ الحاصل قسم عورت

کی معتبر ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہ
مدرس خیر المدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۶/۳/۱۳۹۸ھ

دو یا تین میں شک ہو تو دو سمجھیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید نے حالت غصہ میں اپنی بیوی کو صریح طلاق دی ہے لیکن اس کو یاد نہیں کہ دو دی ہیں یا تین۔ اب زید اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہے تو کیا وہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی ہے لیکن اگر عدد میں شک ہے کہ دو دی ہیں یا تین تو دو طلاق سمجھی جائیگی اور دو طلاق صریح میں عدت کے اندر بغیر نکاح جدید کے رجوع کرنا صحیح ہے۔ اذا طلق الرجل امرأته تطليقة او تطليقتين فله ان يراجعها رضيت او لم ترض۔ (ہدایہ باب الرجعۃ ص ۳۷۳)

ولو شك أطلق واحدة او اكثر بنى على الاقل (در مختار باب الصریح ص ۴۲۳)

البتہ اگر رجوع نہ کیا گیا ہو تو عورت کو آزاد کر دینا بہتر ہے اگر وہ چاہیں اور جگہ نکاح کرلے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
۲۳/۱۰/۱۴۱۲ھ

ٹاک، ٹاک کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس نئی صورت حال سے نمٹنے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ میں صرف ایک مرتبہ تو اونچے سے طلاق کا لفظ استعمال کروں اور دو مرتبہ صرف ٹاک، ٹاک کہدوں۔ ہماری ناقص فہم کے مطابق صرف ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور بڑی بیوی کو اطمینان بھی ہو جائے گا۔ لہذا جب اس بات پر یعنی فیصلہ دینے پر عمل کا وقت آیا تو میں نے بڑی بیوی کو قدرے فاصلے پر کھڑے ہوکر

پر بیٹھا رہا اور خود چھوٹی بیوی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا اور دل میں خدا سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے خدا میں ہر طرف
ایک مرتبہ طلاق دے رہا ہوں ـــــ اور پھر میں نے کہا کہ میں نے آپ کو طلاق دی تلاک تلاک دی اور
فوراً اٹھ کر ہم دونوں یعنی بڑی بیوی اور میں گھر واپس آ گئے۔ براہ کرم اس سلسلے میں فتویٰ سے نوازیئے
کہ واقعی ایسی صورت میں یہ نکاح باقی رہا یا نہیں، کیونکہ یہ عمل مجھے بے انتہا مجبوری کی صورت میں اختیار کرنا
پڑا کیونکہ بڑی بیوی کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ایک طلاق دے گا۔ یہ واقعہ آج سے پانچ ماہ پہلے کا ہے۔ یعنی
۲۴ ستمبر ۱۹۷۸ء کا ہے ـــــ

الجواب صورت مسئولہ میں ایک طلاق واقع ہوئی ہے۔ مؤخر الذکر لفظ تلاک سے طلاق واقع
نہ ہوگی۔ در مختار میں الفاظ مصحفہ یہ لکھے ہیں طلاغ، تلاغ، طلاک، تلاک، اور علامہ شامی نے ان کا
اور اضافہ نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔ تلاق، تلال۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ ان جملہ الفاظ مصحفہ میں
فا اور لام کلمہ کے مقابل حرف کی تبدیلی ہے۔ اور عین کے مقابل ان سب الفاظ میں الحرف ہے اور صورت
مسئولہ میں لام سرے سے ہے ہی نہیں۔ لہٰذا اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ بالخصوص جبکہ طلاق دینے والے
نے بھی طلاق کی نیت نہیں کی۔ وینبغی ان یقع بها فاء الکلمة [illegible] و [illegible] ولا لام [illegible]
[illegible] و کاف و لام [illegible] ونشان فی حذف بعد قرینة [illegible] صحیحة [illegible] شامی [illegible]

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان	۳/[illegible]/[illegible]ھ

عورت کہتی ہے کہ زوج ثانی نے وطی کی ہے زوج منکر ہے تو پہلے کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟

ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد عورت چاہتی ہے کہ میں اس کے گھر آباد
ہوں اور یہ شخص بھی چاہتا ہے کہ عورت میرے گھر آ جائے۔ اب عورت اور مرد کے والدین سوچتے ہیں کہ حلالہ
کرایا جائے۔ آخر اس عورت کا نکاح طلاق دینے والے شخص کے چھوٹے بھائی کے ساتھ رات نو بجے
کرایا جاتا ہے۔ صبح سات بجے نکاح والا طلاق دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں بالغ ہوں کسی کے کہنے
پر نہیں بلکہ خود طلاق دے رہا ہوں۔ عدت گزرنے کے بعد اس عورت کا نکاح پہلے شخص کے ساتھ کر

گیا، کچھ دن گذرنے کے بعد راز کھل گیا کہ حلالہ کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے اس عورت کو اپنی بھابھی سمجھ کر ہمبستری نہیں کی کیونکہ میری والدہ اور میرے بھائی نے روکا تھا جو بیان میں نے پہلے دیئے تھے یہ سب میری والدہ نے سکھائے تھے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ حلالہ جائز ہے کہ نہیں؟ ۔۔۔۔

خلاصہ: تو عورت کہتی ہے کہ میرے ساتھ سویا رہا اور ہمبستری بھی کی ہے۔ جبکہ مرد کہتا ہے کہ مجھے والدہ اور بھائی نے کہا تھا کہ ہمبستری نہ کرنا۔ لہٰذا میں نے نہیں کی ـــ اس مسئلے میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورت کا قول معتبر ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ مرد کا۔ کس کا قول معتبر ہے؟ ـــ

الجواب: صورت مسئولہ میں عورت کا بیان معتبر سمجھا جائے گا اور بعد از عدت عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہے اور اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ ۔۔۔

قال الزوج الثاني كان النكاح فاسدا أو لم أدخل بها وكذبته فالقول لها الخ
وعبارة البزازية ادعت أن الثاني جامعها وأنكر الجماع حلت للأول وعلى القلب
اھ شامی ج ۲ ـــ فقط واللہ اعلم ـــ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ
مدرس خیر المدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

تعلیق طلاق کو ختم نہیں کیا جا سکتا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی اپنے والدین کے ساتھ گھر سے کبھی باہر جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کے والدین اسے اپنے ساتھ اپنے گھر اسلام آباد لے جانا چاہتے ہیں لڑکی کی ماں فون کر کے اسے ساتھ لے جانے کی مجھ سے اجازت مانگتی ہے میں اسے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دیتا وہ اس بات پر بضد ہے میں نے اسے کہا کہ اگر آپ کی بیٹی اسلام آباد گئی میری طرف سے تین طلاقیں ہوں گی۔ لڑکی کی ماں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ کچھ دن بعد اسلام آباد پہنچنے سے پہلے یا اسلام آباد اپنے گھر پہنچنے سے پہلے وہ پھر مجھے فون کرنے لگی کہ اجازت دو گے یا نہیں۔ تو میں نے کہا میں نہ موجود دن میں اپنے الفاظ واپس لیتے اور کہا کہ تم جا سکتی ہو۔ بیوی نے کہا میں نے جو اسلام آباد کا کہا تھا میرا مطلب اس کے والدین کا گھر تھا مجھے

انت زوج انت طالق. اختلفوا فيه قال بعضهم يكون ردا ولو ج يكون جواب وبه اخذ الفقيه ابو الليث

لقوله يقع الطلاق ولا يكون خلعا بلا عوض. انتهى جواب.

صورت مسئولہ میں لڑکی کے رشتہ داروں کا یہ کہنا کہ لڑکی کو طلاق دے دو ہم دو مکان جو حق مہر میں جا چکے ہیں واپس کر دیں گے۔ مطالبۂ طلاق اور وعدۂ واپسی مہر پر مشتمل ہے۔ لفظ خلع کا ذکر بھی نہیں ہے اور نہ یہ ذکر ہے کہ مہر کے عوض طلاق دو صرف ایک وعدہ ہے کہ ہم مکان واپس کر دیں گے اور خاوند نے بھی جو طلاق دی ہے اس نے بھی یوں نہیں کہا کہ میں طلاق بعوض ان مکان کے دیتا ہوں۔ بلکہ مطلق تین طلاق واقع کر دی ہیں پس اس صورت میں طلاق واقع ہو گئی اور عورت کے رشتہ داروں کو مکان واپس کرنا اخلاقاً ضروری ہے لیکن قضاءً جبراً نہیں۔ عالمگیری میں تو صورت اور ہی ہے اس میں عورت نے صراحۃً لفظ خلع کا ذکر کیا تھا۔ خلعنی علی الف درہم اس لئے اس کے جواب میں جو طلاق دی تھی وہ خلع بن گئی بخلاف صورت مسئولہ کے اس میں طلاق بلا خلع واقع ہو گئی۔ ——— واللہ اعلم ———

بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ
خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

دوسرا خاوند تلاش کر لو، بلا نیت طلاق کہا تو طلاق نہ ہوگی۔

میاں بیوی کے درمیان کشیدہ ماحول میں بیوی نے کہا میرا نصیب خراب تھا۔ خاوند نے یہ سمجھا کہ بیوی یہ کہنا چاہتی ہے کہ میری قسمت اچھی ہوتی تو میری شادی تم سے نہ ہوتی۔ اس پر خاوند نے کہا ابھی تم کو غصہ ہے جب غصہ دور ہو جائے تو غور سے سوچنا کہ آپ نے کیا الفاظ کہے ہیں۔ یہاں تک اس وقت کی بات ختم ہو گئی۔ دوسرے روز دوپہر کے بعد خاوند نے بیوی کی بات یاد دلا کر کہا کہ میری اس قدر خدمت کے باوجود میرے ساتھ زندگی بسر کرنے پر خوش نہیں ہو تو میں مجبور نہیں کرتا تم دوسرا خاوند تلاش کر کے دیکھ لو۔ اس پر بیوی رونے لگی اور کہا کہ میری کل کی بات کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے خوش نہیں ہوں بلکہ میرا مطلب یہ تھا کہ اپنی ہمت کے مطابق آپ کی خدمت کرتی ہوں اور میری تو خدمت نے

میں اس گاؤں میں یہی آدمی گاؤں کے لوگوں کے کہنے کے مطابق اور مجبور ہو کر اور جان چھڑانے کی خاطر یہ قسم اٹھائی گئی اور لڑکے کو یہی معلوم نہ تھا کہ طلاق کیا چیز ہے اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس گاؤں میں شادی ہونی ہے اور کب ہونی ہے۔ سات سال کے بعد اس کی شادی دوسری جگہ ہو رہی ہے لڑکی اسی گاؤں کی تھی

الجواب صورت مسئولہ میں اگر لڑکا نابالغ تھا اس کی یمین منعقد نہیں ہوئی بالغ ہونے کے بعد اگر وہ نکاح کرے تو اس صورت میں عورت مطلقہ نہ ہوگی قال فی العالمگیریۃ ومما یختص منہا ضرراً کالطلاق والعتاق فانہ یوجب الانعدام من الاصل فی حق الصغیر والمجنون الخ

اور اگر لڑکا بالغ تھا تو اس صورت میں یمین منعقد ہو جائیگی اور بوقت نکاح تین طلاق واقع ہو جائیں گی اگر اس نے صرف یہ لفظ کہے ہوں جب بھی شادی کروں مجھ پر تین طلاق اور بیوی حرام اور اگر اس کے علاوہ اور کوئی لفظ بھی صادر ہوئے ہوں تو الفاظ کے تبدل سے حکم متبدل ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ	الجواب صحیح
خادم افتاء خیر المدارس ملتان	خیر محمد عفی عنہ
مورخہ ۱۶ رجب سنہ ۱۳۸۲ھ	خیر المدارس ملتان

عورت کہتی ہے بیماری میں طلاق دی ہے، وارث اس کے خلاف کہتے ہیں تو کس کا قول معتبر ہوگا ———؟

ماجرہ بحضور ذات اہل علم مولوی فیض احمد و پیر حبیب اللہ صاحبان میں اشتباہ واقع ہے کہ ایک عورت دعویدار ہوئی کہ خاوند نے بیماری میں مجھے بطلاق بائن طلاق کی اور بعد انقضائے عدت سے قبل فوت ہوا مورث کے میراث سے حق کی طلب گار ہوں۔ مولوی فیض احمد صاحب کی رائے ہے کہ ایسے واقعہ میں گواہ کی ضرورت نہیں صرف اس کے قول کا اعتبار ہے کہ عالمگیری وغیرہ میں تصریح ہے۔

ادعت انہ ابانہا فی مرض موتہ وانقضت عدتہا وقالت الورثۃ بل فی الصحۃ فالقول لہا ——— ۔

اور پیر حبیب اللہ شاہ صاحب کی رائے ہے کہ اس وقت منصور جبکہ ایک دوسرے کے گواہ

لوگوں کے دباؤ سے اپنا کا دبا کر رہا تو وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور عورت محروم ہو گی اور اگر کسی قسم کے گواہ وارث
قائم نہ کر سکیں تو بصورت اختلاف شوہر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

جھوٹی گواہی پر عدالت نے عورت کو مطلقہ قرار دے دیا تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کسی نور محمد کی بیوی انور خاتون ناراض ہو کر میکے چلی گئی جب نور محمد اس کو اپنے گھر واپس لانے گیا تو میکے والوں نے خرچ کا اسٹام لکھوانا چاہا، نور محمد خرچ کا اقرار نامہ اسٹام خرید کر کے نیچے انگوٹھا نیلی سیاہی کا لگا کر اور باقی اسٹام خالی چھوڑ کر میکوں کے حوالے کر کے اپنی عورت کو ساتھ لے گیا۔ کچھ مدت بعد نور محمد نے اور شادی کی اس شادی کے بعد پھر انور خاتون اس کے گھر خوش راضی آباد رہی۔ کچھ مدت بعد انور خاتون میکوں کو ملنے آئی میکوں نے خالی اسٹام پڑا دیکھ کر طلاق نامہ کا مضمون لکھوا لیا اور گواہ بھی بنا لیے بعد میں مسلمان جج کی عدالت میں انور خاتون کے مطلقہ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ گواہوں نے جھوٹی گواہی دے دی مدعی علیہ نے قرآن کی قسم پیش کی لیکن گواہوں نے قسم نہ اٹھائی، پھر بھی جج نے انور خاتون کو مطلقہ کر دیا گواہ بھی انگوٹھے اسٹام پر کالی سیاہی سے لگے ہوئے ہیں اسٹام خریدنے والے نور محمد کا انگوٹھا نیلی سیاہی کا۔ مسلم جج نے غور نہ کیا اور انور خاتون کو آزادی کا فیصلہ دے دیا عرض یہ ہے کہ کیس مذکورہ بالا میں کا فیصلہ شرع میں نافذ ہو چکا ہے یا نہ وہی گواہ اگر مولوی صاحب کے پاس صحیح گواہی دیں تو پھر کیا حکم ہے بیان فرمائیں ——

الجواب: اگر گواہ جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیں عدالت میں تو قضاءً جج پر لازم ہے کہ فیصلہ سابق کو بدل دے چاہے یہ عدالت کسی اور جج کی ہی کیوں نہ ہو اور اگر وہ کسی عالم دین کے سامنے رجوع کریں تو ان کے رجوع کی وجہ سے نکاح کرنے سے منع کیا جا سکے گا۔ مگر یہ ممانعت بھی اسی قسم کی ہوگی کہ یوں کہا جائے کہ تمہارا نکاح منعقد نہیں ہوگا اگر دوسری جگہ نکاح کرے گی تو زنا میں تمام عمر مبتلا رہے گی وغیرہ وغیرہ۔ ذکر فی الفتاویٰ العالمگیریۃ فی باب الرجوع عن الشہادۃ اما شرطہ فان یکون الرجوع عند القاضی ——

اور اگر واقع میں یہ گواہ جھوٹے ہیں تو فسخ معتبر نہیں ہے۔ دوسری جگہ عورت کے لئے نکاح حلال نہ ہوگا۔

اور اگر نکاح کرلیا تو ثانی زوج کے لئے وطی حلال نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
۲۰ ذوالحجہ ۱۳۸۲ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۸۲ھ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیار فسخ بالغہ کو دیا تھا یا نابالغہ کو؟

الجواب واللہ الموفق للصواب۔ شریعت مطہرہ کا یہ قانون ہے کہ جب نابالغی میں لڑکی کا نکاح کر دیا جائے اور بالغ ہونے کے بعد وہ نکاح ناپسند کرے تو اس کا نکاح حاکم وقت کی اجازت سے فسخ کر دیا جائے گا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک نوجوان لڑکی آپ کے پاس حاضر ہو کر عرض کرتی ہے کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کر دیا ہے اور وہ اسے پسند نہیں کرتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیان پر اسے اختیار دیا یعنی اگر اپنے خاوند کے پاس رہنا چاہے تو رہے ورنہ کسی دوسری جگہ اپنی مرضی کے مطابق نکاح کر لے۔ (دیکھو بلوغ المرام، فتح الباری، نیل الاوطار، سبل السلام، فتاویٰ نذیریہ) ———

اب موجودہ مسئلہ میں لڑکی کو اختیار ہے اگر اپنے خاوند کو پسند کرے تو خاوند کے ساتھ رہے اور اگر ناپسند ہو تو حاکم کی اجازت سے نکاح فسخ ہو کر عدت وغیرہ قطعاً نہیں ہوگی۔ المجیب مولوی عبد الحکیم
مولوی فاضل رحمانی ندوی ———

الجواب مجیب نے غلط لکھا ہے وہ نکاح جو لازم ہو جاتا ہے بغیر طلاق کے فسخ نہیں ہو سکتا البتہ اگر خاوند بیوی کو آباد نہ کرے اور نہ ہی طلاق دے تو حکومت سے فسخ کرایا جا سکتا ہے جس کے لئے چند شرائط ہیں اور یہ جو مولوی عبد الحکیم صاحب نے روایت نقل کی ہے اس میں ان مولوی صاحب نے خیال نہیں فرمایا کہ یہ عورت جس کا نکاح اس کے والد نے بغیر رضا کے کر دیا تھا بالغ عورت تھی اپنے نفس کی خود مختار تھی اس کا نکاح والد بغیر اجازت کے نہیں کر سکتا اور نابالغہ کا نکاح اگر سوچ سمجھ کر کرے یعنی معروف بسوء الاختیار نہ ہو تو لازم ہو جاتا ہے اور صورت مسئولہ میں جب لڑکی کا نکاح والد نے کر دیا ہے وہ نابالغہ ہے اس لئے اس صورت کو حدیث سے اخذ کرنا غلطی در غلطی ہے ———

فقط واللہ اعلم ۔۔۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح خیر محمد عفی عنہ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ

طلاق نامہ پر انگوٹھا خاوند کے بھائی نے لگایا تو طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے اور عورت کو ڈرانے کے ارادے سے اپنے دوسرے بھائی کو کہتا ہے کہ جو میری بیوی کا کاغذ یعنی طلاق نامہ لکھوا کر لے آ کیونکہ میں اپنی بیوی کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ اب اس شخص کا بھائی طلاق نامہ کا کاغذ لکھوا کر لے آتا ہے اور اس پر انگوٹھا بھی خود ہی لگاتا ہے اور اپنے بھائی کو پکڑا دیتا ہے اور وہ اپنی بیوی کو پکڑا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جا تو اپنے میکے چلی جا۔ اب وہ عورت طلاق نامہ والا کاغذ لے کر میکے چلی گئی، مفتیان شرع سے گزارش ہے کہ آیا یہ طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہ، پھر نکاح کرنا پڑے گا یا کہ پہلا ہی نکاح درست ہے ۔۔۔

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت سوال و عبارت مذکورہ بالا جب خاوند نے اپنے بھائی سے کہا کہ طلاق نامہ لکھوا کر لے آ۔ اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ۔۔۔

ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب (شامی [illegible])

چونکہ خاوند نے خود طلاق کا لفظ نہیں بولا۔ اور نہ ہی وہ کاغذ اسے سنایا گیا اور نہ ہی اس پر اس کے دستخط ہیں۔

بلکہ جو نشان انگوٹھا ہے وہ اس کے بھائی کا ہے (جیسا کہ اس کی زبانی معلوم ہوا) اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوئی چونکہ ابھی تک عدت نہیں گزری (کہ عورت کی عدت وضع حمل ہے) اس لئے بچہ پیدا ہونے سے قبل دو گواہوں کے سامنے رجوع کر سکتا ہے۔ دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ اگر خاوند رجوع کرے تو وہ عورت اسی کی بیوی ہے دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق نہیں ۔۔۔ فقط واللہ اعلم ۔۔۔

بندہ غلام رسول جامعہ رشیدیہ منٹگمری

الجواب صحیح ابو النصر منظور احمد عفی عنہ — اصاب من اجاب محمد عبداللہ غفر لہ

الجواب صحیح محمد احمد غفر اللہ لہ — مفتی خیر المدارس ملتان

طلاق کی قسم میں اعتبار حالف کی نیت کا ہوگا

زید گروپ اور بکر گروپ میں لڑائی ہوئی زید نے بندوق سے بکر گروپ پر دو فائر کئے جب کہ بکر گروپ کی طرف سے کوئی فائر نہیں ہوا کیونکہ بکر گروپ کے آدمیوں میں سے صرف ایک کے پاس پستول تھا وہ بھی چھپائے ہوئے تھا، لڑائی ختم ہونے کے بعد تھانے میں رپورٹ درج کرائی گئی دونوں گروپوں نے ایک دوسرے پر پہلے اسلحہ لانے اور پہلے فائر کرنے کا الزام عائد کیا تھا۔ تھانیدار نے سچ معلوم کرنے کے لئے بکر پر طلاق اٹھانے کی شرط عائد کی اور یہ مضمون دیا گیا جو کہ مجمع کے سامنے کے ساتھ تھا کہ بکر یوں کہے :۔۔۔

(۱) ہمارے پاس اسلحہ نہیں تھا (۲) ہم نے کوئی فائر نہیں کیا۔ (۳) زید کی فائرنگ سے پہلے ہمارے پاس اسلحہ نہیں تھا ۔۔۔ زید نے طلاق سے بچتے ہوئے یوں کہا :۔۔۔

(۱) میرے پاس اسلحہ نہیں تھا (۲) میں نے فائر نہیں کیا (۳) میں نے اپنے گروپ میں سے کسی کے پاس اسلحہ نہیں دیکھا ۔۔۔ بکر نے جواب میں تمام جگہ متکلم کا صیغہ بولا تاکہ جھوٹ بھی نہ ہو اور طلاق بھی بچ جائے۔ نیز تین طلاق کے ساتھ متصل ان شاء اللہ بھی آہستہ سے کہا۔ کیا طلاق ہو گئی ؟ ۔۔

۔۔ ۔۔۔ (قاری عبد الرحیم حقی خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف)

الجواب : بر تقدیر صحت سوال صورت مسئولہ میں بکر کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ در مختار میں ہے

" النیة للحالف لو بطلاق وعتاق وفی الاشباہ قال فی الخانیة رجل حلف رجلا فحلف ونوی غیر ما یرید المستحلف ان بالطلاق والعتاق ونحوہ یعتبر نیة الحالف

اذا لم ینو الحالف خلاف الظاھر ظالما کان الحالف او مظلوما " (ج ۳ ص ۱۰۳)

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان	مفتی خیر المدارس ملتان

دوران تعلیم شاگرد سے طلقت امرأتی ثلاثا کہلوانے سے طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان کرام کہ زید جو کہ ناخواندہ ہے اس کو بکر نے سورۃ ملک پڑھانا شروع کیا

چند دنوں کے بعد دو آدمیوں کے روبرو اس نے یہ الفاظ طلقتک امرأتی ثلٰثًا ثلٰثًا تعلیم لینے کے لب و لہجہ کی نقل کر کے پڑھنے والے کو یہ آیت سورۃ کہف کی معلوم ہوتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج کا سبق رٹ رہا ہے جب کئی مرتبہ اس نے اس کو دہرایا تو بکر نے خبر بھی اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے دو آدمیوں نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا تو نے اپنی عورت ستاں کو طلاق دیدی ہے۔ زید مارے تعجب کے حیران ہو گیا چنانچہ یہی مقدمہ بکر منکوحہ کے بھائی نے ایک مولوی کے پاس دائر کر دیا۔ مولوی صاحب نے زید کو اور انہی دو آدمیوں کو (جن کا ذکر اوپر ہوا ہے) بلوا کر ان کے بیانات لئے اور طلاق مغلظہ کا فتویٰ بشکل فیصلہ سنا دیا۔ فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں:۔

اس میں شک نہیں کہ مستفتی زید مذکور ان عربی الفاظ کا معنی نہیں سمجھتا تھا اور کسی سے یہ الفاظ رٹ لے کر کہلوائے گئے مگر اس کی عورت ستاں مطلقہ مغلظہ ہو گئی ہے اور اس کے حق میں نکاح کے ساتھ بھی نہیں آسکتی کیونکہ الفاظ طلاق صریح کے ہیں اور طلاق صریح نیت پر موقوف نہیں ہے۔

(قال فی العالمگیریۃ ۔ جلد ۱ صفحہ ۳۵۷)

واذا قال الرجل لامرأته انت طالق ولا یعلم معنی قوله انت طالق یقع الطلاق

وفی البحر اعتبارًا وصحفًا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجرٰی علی لسانه الطلاق

او تلفظ به غیر عالم بمعناه او غافلًا او ساهیًا یقع قضاءً وهکذا فی [illegible]

(فی العالمگیریۃ واذا قال لامرأته انت طالق ولا یعلم ان هذا القول طلاق طلقت فی

القضاء ولا تطلق فیما بینه و بین الله تعالیٰ ۔ صفحہ ۳۵۴)

اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ جب اس جملہ کو قراءۃ تصور کر کے پڑھ رہا ہے اور معنی سے بھی جاہل ہے تو اندریں حالات کیا مولوی صاحب مذکور کا فتویٰ درست ہو کر زید کی عورت کو مطلقہ مغلظہ کرے گا یا اندریں حالات طلاق واقع نہ ہوگی ـــــ

الجواب: مولوی صاحب کا فتویٰ دربارہ وقوع طلاق غلط ہے اور ایسا مولوی جو اس قسم کی فیصلہ سازیاں خلاف شرع انجام دیتا ہے قابل اعتماد بھی نہیں ہے بلکہ قابل تعزیر بھی ہے فتویٰ مذکور اس لئے غلط ہے کہ طلاق صریح اگرچہ محتاج نیت نہیں ہے اور اس میں بلا نیت وقوع طلاق ہو جاتا ہے عامدًا ہو یا خطاءً لیکن وقوع طلاق کے لئے یہ شرط لازمی ہے کہ اضافت طلاق عورت کی طرف بالقصد ہو اور معنی کا فہم بھی ہو ورنہ لازم آئے گا کہ ایک طالب علم جو فقہ کی کتاب اعرف فی الطلاق کا جملہ پڑھے یا نقل کرے اس کی بیوی مطلقہ ہو جائے۔

ووقوع الطلاق على التی تزوجها بعد الكلام بحنث یمینہ — کذا فی ت ش ج ۲ ص [illegible]

لہٰذا اگر زید نے بوقت حلف کلما تزوجت کے لفظ سے سابقہ بیوی مراد لی ہوئی تھی تو اس پر بھی طلاق واقع ہو جائے گی (۲) اگر ایک قول یا فعل بھی عمرو کی رضا کے خلاف کرے گا تو یمین میں حانث ہو جائے گا کیونکہ شرط میں یہ کہا ہے کہ اگر کوئی میرا قول یا فعل تیری مرضی کے خلاف ہو۔ فقط واللہ اعلم ——

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خیر محمد عفی عنہ	خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
۱۳۷۰ھ ۳/۴/	۲۸ رجمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۷۰ھ

میں نکاح کو فسخ کرتا ہوں کنایاتِ طلاق سے ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ جو لیخ الدین شاہ نامی نے ایک معاہدہ فسخ نکاح بعد پڑھانے جانے نکاح کے تحریر کر دیا ہے کہ اگر مقر ناکح خدا نخواستہ دوسری شادی کرے تو منکوحہ حال کا نکاح فسخ سمجھا جائے گا اب ناکح معاہدہ کنندہ نے دوسری شادی کر لی ہے۔ ویں صورت نکاح اول فسخ سمجھا جائے گا یا نہ؟ اگر فسخ سمجھا جائے گا تو طلاق کس نوعیت کی ہوگی؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سعید احمد بزدالی

الجواب صورت مسئولہ میں فسخ نکاح کو معلق کیا گیا ہے دوسری شادی کے وجود پر۔ فسخ نکاح اور نفی نکاح ہر دو کنایات میں شمار کئے گئے ہیں۔ نیت طلاق یا قرینہ کے موجود ہونے کی صورت میں موجب طلاق ہو جاتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیریہ ص [illegible] ——

ولو قال فسخت النكاح ونوى الطلاق يقع وفي المصفى ص [illegible] ، ولو قال لها لا نكاح بيني وبينك او قال لم يبق بيني وبينك نكاح يقع الطلاق اذا نوى وفي فتاوى قاضي خان ص [illegible] ، ولو قال لها لا نكاح بيني وبينك او قال لم يبق بيني وبينك نكاح او قال فسخت نكاحك يقع الطلاق اذا نوى۔

کابین نامہ میں ایسی تحریرات کے اندر جب لفظ فسخ واقع ہو تو سیاق و سباق کو مدنظر رکھتے ہوئے معنی طلاق ہی ہوتا ہے۔ بناءً علیہ اگر ناکح نے دوسرا نکاح کر لیا ہے تو اس کی پہلی بیوی پر طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ تجدید نکاح

کی عادت ہوگی ذکر حالہ کی ۔ ۔ ۔

(نوٹ) کا پانی نامہ میں یہ لکھنا کہ نکاح فسخ سمجھا جائے گا، ترجمہ ہے کہ انفساخ النکاح کا یعنی انفساخ کا اور فسخت النکاح معروف ہے اور یہ مجہول ہے صیغہ ہول کے اندر بھی اضافت الی الفاعل معنوی ہوتی ہے اور یہ فسخت النکاح کے معنی میں ہے۔ پس نکاح فسخ سمجھا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد عبداللہ عفی عنہ
خیر محمد عفی عنہ	خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
مدرسہ خیر المدارس ملتان ۲۰ رجب	مورخہ ۱۱ رجب

خاوند ثانی کے طلاق نہ دینے کا اندیشہ ہو تو بچنے کا حیلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیدی اب زید چاہتا ہے کہ دوبارہ اپنی بیوی سے نکاح کرے۔ اب چونکہ طلاق مغلظہ ہو چکی ہے اب اسے حلالہ کی ضرورت ہے۔ بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہیں ہوتا ہے لہٰذا وہ زید ایک دوسرے شخص کو کہتا ہے کہ تو میری بیوی طلاق شدہ سے نکاح کرے مگر اس شرط کے ساتھ کہ صحبت کر کے چھوڑ دے۔ وہ آدمی قبول کر لیتا ہے۔ تو اگر یہ طریقہ کیا جائے تو اسلام میں جائز ہے یا نہیں۔ جواب سے سرفراز فرماویں اور اگر طریقہ مذکورہ بالا کے ساتھ نکاح کر کے طلاق لے لی گئی ہو تو اب خاوند اول سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ——

الجواب یہ حیلہ اگر ضرورت کی بناء پر کر لیا جائے تو درست ہے۔ حضرات فقہاء نے بوقت ضرورت حیلہ کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ صورت اس کی مناسب یہ ہے کہ ثالث سے یہ اقرار کرا لیا جائے جسے وہ زبان سے کہہ دے کہ جب میں اس عورت سے نکاح کروں اور ایک دفعہ ہمبستری کر چکوں تو اس کو تین طلاق واقع ہوں گی یا اس عورت کو میری طرف سے تین طلاق۔ تو اس صورت میں ہمبستری کے بعد تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ بعد عدت وہ عورت خاوند اول سے نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ	الجواب صحیح
مفتی خیر المدارس ملتان	خیر محمد عفی عنہ

بیوی کے ساتھ برتاؤ سے مراد "صرف ہمبستری لینا" خلافِ ظاہر ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص زید کہتا ہے کہ اگر میں اپنی منکوحہ ہندہ کے ساتھ برتاؤ کروں تو مجھ پر تین طلاق ہے۔ یہ الفاظ عرفاً عام ہیں اور زید نے پہلے ایک عالم کے سامنے عام مراد بیان کی ہے کہ میری مراد عام بول چال تھی۔ اب زید کہتا ہے کہ میری مراد مخصوص ہمبستری تھی اور اس بات کا اس نے حلف اٹھایا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے ان الفاظ کی مراد عام ہوگی جیسے کہ پہلے وہ کہتا تھا ایک عالم کے سامنے اور گواہ بھی موجود تھے یا یہ مخصوص ہمبستری مراد ہوگی جس پر زید نے حلف اٹھایا ہے اگر عام مراد ہو تو عام حیلہ جو کہ متون میں موجود ہے طلاق بائنہ کے ساتھ اس پر عمل کر سکتے ہیں یا نہ اور یہ بات بھی ملحوظ رکھیں کہ زید کی طلاق کے وقت عورت موجود نہ تھی زندگی بھی نہ ہوئی تھی بعد میں منوا کر لے آئے اور ہندہ بیس دن خاوند کے گھر رہی اور ہمبستری نہیں ہوئی اور اگر زید کی مخصوص مراد ہو اور ابھی تک ہمبستری نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں بھی کوئی شرعی حیلہ ہے کہ طلاق زائل ہو سکے ؟

الجواب اگر میں ہندہ سے برتاؤ کروں تو مجھ پر تین طلاق کہنے کے بعد اگر وہ شخص ہندہ کو گھر لے آیا اور اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا بات چیت کر لی۔ سلام کلام کر لیا ہو تو اگرچہ جماع کی نوبت نہ آئی ہو تب بھی اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی کیونکہ برتاؤ سے بھی معاشرت اور سلوک عرفاً مراد ہوتا ہے اور یہ شخص گواہوں کے سامنے اقرار بھی کر چکا ہے کہ میری مراد واقعتاً یہی تھی۔ اب اس کا دوسری مراد لینا معتبر نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ عفی عنہ
خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان شہر

لفظ آزاد سے نیت نہ کی ہو تو طلاق کا حکم

مسمی زید نے اپنے سسرال کی طرف بدیں مضمون لکھا کہ آپ کی لڑکی باہر ہوتی تھی اور میں اندر اور میرے ساتھ سلوک نہیں کرتی تھی۔ (۲) میرے کہنے پر نہ چلتی تھی جو مجھ کو اس نے کہا کہ میں نے تجھ کو مہر بخش دیا ہے کسی قسم کا دعویٰ نہ کروں گی، خاوند دوسرا نہ کرونگی اب والد کے گھر ہی جینا مرنا ہے۔ تو زید نے تحریر کیا تمہاری لڑکی میری طرف سے آزاد ہے۔ مختار ہے جو جی چاہے کرے تین دفعہ یہ الفاظ لکھ دیئے

دوسرے دن والد نے سوال کیا اور کہا کہ اب میری لڑکی کو طلاق ہو گئی یہ اپنے ہاتھ سے لکھ دو کہ تمہاری لڑکی میری طرف سے آزاد ہے مختار ہے جو جی چاہے کرے تو بندہ نے کہا میری نیت طلاق کی نہیں ہے۔ اگر آپ کا ارادہ طلاق کرانے کا ہے تو میں اپنے باپ سے مشورہ کر کے فیصلہ کا جواب دوں گا۔ اب اس صورت میں طلاق کنایہ ثابت ہے یا نہ؟ ——

الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ خاوند نے طلاق کی نیت نہیں کی جیسا کہ اس کے متوقع جواب سے معلوم ہوتا ہے اس لئے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی ——

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد صدیق غفرلہ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲ صفر [illegible]

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان ۲۲ صفر [illegible]

لفظِ طلاق مکرر کہنے کی صورت میں عوام کے دعویٰ تاکید کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں زید اور ہندہ کا گھریلو کام کاج کے بارے میں دو تین دن سے جھگڑا چل رہا تھا، آخر زید نے غصہ میں آکر دو گواہوں کی موجودگی میں حسب ذیل الفاظ سے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دی۔ میں نے طلاق دی، میں نے خدا کی طلاق دی۔ یہ الفاظ زید نے چار مرتبہ متواتر کہے اسی رات ہندہ نے اپنے شوہر سے علیحدگی کر لی اور والدین کے گھر رہنے لگی، چند روز کے بعد زید نے اپنی عورت سے رجوع کرنا چاہا تو ایک عالم سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ عالم صاحب نے فرمایا اگر زید نے پہلی طلاق، طلاق کی نیت سے دی ہے اور باقی میں انہی الفاظ کی تاکید کی ہے تو زید کا نکاح فسخ نہیں ہوا۔ توبہ کر کے رجوع کر سکتا ہے اور آئندہ زید کو دو طلاقوں کا حق باقی ہے۔ ——

چونکہ زید مذکور عالم صاحب کے پاس حاضر تھا تو انہوں نے دو مسلمان گواہوں کی موجودگی میں زید سے حلفیہ اس بات کو دریافت کیا تو زید نے خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر ان کے سامنے یہ کہا کہ میں نے غصہ میں آکر طلاق صرف ایک دفعہ دی تھی اور تین دفعہ اس کی تاکید کی تھی میری نیت تین طلاق دینے کی نہ تھی، تو عالم صاحب نے اس سے یعنی زید سے توبہ کرائی اور کہا کہ تمہارا نکاح فسخ نہیں ہوا اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا ——

الجواب: صورت مسئولہ میں قضاءً اور دیانۃً تین طلاق واقع ہو چکی ہیں کیونکہ عموماً بہرحال عوام الناس

اور جہاں کا یہی ہے کہ وہ لوگ تاکید کے معنی کو بھی نہیں جانتے جب اپنی عورت کو تین مرتبہ طلاق دیں تو نیت تین کی ہی ہوتی ہے البتہ اگر ایک عالم او واقف مسئلہ تاکید واستیناف جو پہلے سے اس مسئلہ کو جانتا ہے تین مرتبہ اپنی بیوی کو طلاق طلاق طلاق کہے اور پھر یہ کہے کہ میری مراد تاکید تھی تو قضاءً تین اور دیانۃً ایک واقع ہوگی۔ (رد المحتار علی الدر المختار ص ۲۹۳ ج ۳) ۔ ۔ ـــــ

کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین (قال فی الشامی) ای ووقع الکل قضاء وکذا اذا

اطلق اشباہ ای بان لم ینو استینافا ولا تاکیدا لان الاصل عدم التاکید۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح خیر محمد عفی عنہ	بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
مدرسہ خیر المدارس ملتان ۱۹ صفر ۱۳۸۲ھ	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹ صفر ۱۳۸۲ھ

"ہمارا باہم رہنا دشوار ہے" سے طلاق کا حکم

میں نے اپنی ساس کو غصہ میں آ کر یہ الفاظ کہے کہ اپنی بیٹی کو لے جاؤ ہمارا باہم رہنا دشوار ہے ایسی بیوی سے تو جزار ہونا بہتر ہے تو اس سے طلاق ہوگئی یا کہ نہیں؟ ـــــ

الجواب صورت مسئولہ بر تقدیر صحت واقعہ شخص مذکور کی نیت جب ان کلمات سے طلاق دینے کی نہ تھی تو پھر اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے آئندہ کے لئے احتیاط کرنا رہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح خیر محمد عفی اللہ عنہ	بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

اس شرط پر طلاق دینا کہ تم فلاں سے نکاح نہیں کرو گی۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد اپنی عورت کو طلاق دیتا ہے اور یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر تم عورت ان دو شخصوں فلاں اور فلاں کے ساتھ شادی کرو گی تو میری طرف سے تم پر طلاق نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ تم جس کے ساتھ چاہو نکاح کر سکتی ہو۔ تو کیا ان دو شخصوں میں سے کوئی ایک اس عورت سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں اور کیا اس طرح طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں ـــــ

مولوی نور نبی کوئٹہ (بلوچستان)

الجواب صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہو گئی اور عورت جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح کر سکتی ہے اور اس شخص کا یہ کہنا کہ اگر تو فلاں بن فلاں کے ساتھ نکاح کرے گی تو طلاق نہیں ہو گی۔ اس کا کوئی اثر نہیں کیونکہ طلاق کا وقوع پہلے ہو رہا ہے اور شرط بعد میں لگا رہا ہے تو یہ تعلیق صحیح نہیں بلکہ اس شرط کا وقوع قبل از طلاق ناممکن ہے لہٰذا یہ تعلیق اس وجہ سے بھی صحیح نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہ

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

نا الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

ہندوؤں سے جان بچانے کے لیے کہہ دیا کہ میں "ہندو ہوں" تو بیوی نکاح میں رہی یا نہیں؟

جب ہندوپاک میں فسادات شروع ہوئے تو مسمی ضیا ولد محمد مسماۃ جنوں دختر جمال الدین اپنے اہل باپ کے ساتھ کیمپ میں آ گئی پھر اس کا خاوند ضیا اس کو کیمپ سے لینے کے لیے آیا تو لڑکی والوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں بھیجتے کیونکہ تم ہندو ہو چکے ہو حالانکہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے کہا کہ میں ہندو ہو گیا ہوں اس کے ساتھ دو آدمی موجود تھے۔ اس کے بچے ہندوؤں کے گاؤں میں تھے ان ہندوؤں نے کہا اگر تم واپس نہ آئے تو تمہارے بچے قتل کر دیے جائیں گے۔ اس خطرے کی وجہ سے اس نے بچوں کو [illegible] اور کہا واپس اپنے گاؤں جاؤں گا اس کو جواب نفی میں ملا لہٰذا وہ واپس چلا گیا اور جمال الدین وغیرہ پاکستان چلے آئے دو تین ماہ بعد ضیا بھی کسی طرح موقع پا کر پاکستان آ گیا جب وہ جمال الدین کے پاس پہنچ گیا تو جمال الدین نے جواب دیا کہ ہم نہیں بھیجتے کیونکہ جمال الدین نے کسی مولوی سے سابقہ حال سنا کر معلوم کر لیا تھا کہ تو مرتد ہو گیا اس لیے اس نے اپنی بیٹی کا نکاح کسی اور سے کر دیا۔ حالانکہ ضیا نے جو کچھ کہا تھا وہ محض اپنی جان بچانے کے لیے کہا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مرتد ہو گیا یا نہیں۔

الجواب سوال سے معلوم ہوا کہ مسمی ضیا نے محض اپنی اور بچوں کی حفاظت کے لیے جو کہ ہندوؤں کے قبضہ میں تھے یہ کہا کہ میں ہندو ہو چکا ہوں لہٰذا ایسی صورت میں اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی کیونکہ اگر کوئی شخص جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر کہہ دے مگر دل میں ایمان ہو تو اسلام سے خارج نہ ہو گا لہٰذا وہ لڑکا مرتد نہ ہوا اور نہ اس کی بیوی نکاح سے خارج ہوئی ——— قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (الآیۃ)

محمد عبداللہ عفی عنہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۱۴ / ۱ / ۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح خیر محمد عفی عنہ
مہتمم خیر المدارس ملتان

مکمل طلاق، طلاق بائنہ ہے۔

زید اور زینب سفر کر رہے تھے وہیں جھگڑا ہو گیا زینب نے کہا مجھے طلاق دے، زید نے لکھ دیا میں نے تمہیں طلاق دی زینب نے کہا یوں نہیں بلکہ لکھ دو میں نے تمہیں مکمل طلاق دی۔ زینب کے اصرار پر زید نے یہی لکھ دیا کہ میں نے تمہیں مکمل طلاق دی ـــــ تو اس سے کونسی طلاق واقع ہوئی؟

الجواب صورت مسئولہ میں ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی دوبارہ تجدید نکاح کر لیں۔

قال فی البحر الحاصل ان الوصف بما ینبئ عن الزیادۃ یوجب البینونۃ (۳ ص ۲۹۱)

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۹/۶/۱۳۹۳ھ

بیوی نافرمان ہو اور والدین اصرار کریں کہ طلاق نہ دو تو کیا کرے۔

استفتاء: میں نے ۱۹۷۵ء میں اپنے ماموں کی لڑکی سے شادی کی، میری ایک ہمشیرہ کی شادی میری شادی سے بہت عرصہ پہلے دوسرے ماموں کے لڑکے سے ہوئی ہے۔ میرے پاس ایک لڑکا بعمر ۵ برس اور ایک لڑکی بعمر ۸ ماہ اس وقت زندہ ہیں، کئی مرتبہ میری بیوی مجھ سے گستاخانہ طور پر پیش آئی حتیٰ کہ گالیاں بھی دیں میرے زدوکوب کرنے پر والدین نے بیچ میں پڑ کر مصالحت کرادی، گھر کا سلیقہ بالکل نہیں رکھتی جس پر میں نے اُنہیں چھوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر والدین نے کہا کہ تم ہماری مرضی کے خلاف چھوڑ کر زندگی خراب کرو گے والدین میرے اس اقدام میں اس لئے مانع ہوتے ہیں کہ برادری ٹوٹ جائے گی اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ ضعیف والدین ہمیشہ تو بیٹھے نہیں رہیں گے۔ اگر ان کے بعد میں نے اسے چھوڑ کر دوسری شادی کی تو دنیا مجھے بے حیا کہے گی کہ والدین کی موجودگی میں تو نہایت خاموشی سے گذارہ کیا اب یہ قتل کھیلا رہا ہے۔ کئی مرتبہ بیوی سے بہ تکرار جھگڑا ہوا بول چال بند کی مگر والدین اسے مجبور کر کے کہ وہ مجھ سے معافی مانگے اور مجھے معافی دینے پر مجبور کرتے۔

اب عرصہ ڈیڑھ ماہ سے میں نے بول چال بند کی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ [illegible] میری بیوی مجھ سے اور میرے والد سے گستاخانہ طور پر پیش آئی۔ میں نے اپنی والدہ کو کہا کہ اگر آپ اسے بیٹی بنا کر رکھنا چاہیں تو بے شک رکھیں مگر میں تو اسے نہیں رکھنا چاہتا۔

۱ اب عرض ہے کہ میرا اس طرح سے بول چال بند کر دینا ایلاء میں شمار ہوتا ہے یا نہیں؟ نیز ایلاء کو کس موقع پر کیا جاتا ہے؟

۲ میرے یہ الفاظ کہ اپنی بیٹی کر کے رکھنا چاہیں تو رکھیں مگر میں نہیں رکھنا چاہتا طلاق میں شمار ہوتے ہیں یا نہیں ۔؟

۳ والدین میرے طلاق دینے کے ارادے سے متفق نہ ہونے کے باوجود اگر میں طلاق دے دوں تو کیا میرا یہ فعل خلاف شرع ہوگا اور والدین کی نافرمانی میں شمار ہوگا ۔؟

الجواب (۱) بول چال بند کرنے سے ایلاء نہیں ہوتا۔ بلکہ ایلاء کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ چار ماہ صحبت نہ کرنے کی حلف اٹھائے:

فی الهندیة ۔ الایلاء منع النفس عن قربان المنکوحة منعا مؤکدا بالیمین باللہ
او غیرہ من طلاق .... مطلقا او مؤقتا باربعة اشهر۔

۲ ۔ میں نہیں رکھنا چاہتا اس سے طلاق واقع نہ ہوگی ۔

فی الهندیة ولو قال لا اریدک او لا احبک او لا اشتهیک او لا رغبة لی فیک فانه لا یقع وان نوی فی قول ابی حنیفة (کذا فی البحر الرائق) ۔

۳ ۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ موجودہ بیوی اگر پریشان کن ہے کہ اس کے گھر میں رہنے سے مفسدہ دینی پیدا ہوتا ہے اور والدین کو بھی اس کے طلاق دینے میں چنداں تکلیف نہ ہوگی، اگرچہ طبعی تکلیف ہو اور خاوند سخت مجبور ہے تو ایسی سخت مجبوری میں طلاق دے دینا والدین کی نافرمانی نہ ہوگی، گو اولیٰ پھر بھی یہی ہوگا کہ والدین کی اطاعت کرے اور طلاق نہ دے ۔ اور اگر بیوی کے گھر میں رہنے سے کوئی خاص مفسدہ دینی نہیں ہوتا اور والدین کو بیوی کی طلاق سے بوجہ مخالفت برادری کے سخت تکلیف پہنچے گی اور پریشانی ہوگی تو ایسی صورت میں طلاق والدین کی نافرمانی میں داخل ہو کر گناہ کبیرہ بن جائے گی ۔

کذا یفهم من التفصیل الواقع فی بہشتی گوہر ص ۱۴۳ ضمیمہ تعدیل حقوق الوالدین ۔

مشورہ :۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ عورتیں بائیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اگر تم انہیں سیدھا کرو

چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور فرمایا: فاستوصوا بالنساء خیرا ـــــ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہو۔ اس لئے صبر کرنا بہرحال بہتر ہے اور روایات میں آیا ہے کہ مباحات میں سے مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔ اکابر سے سنا ہے کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی بیوی سخت بدخلق تھی مگر آپ صبر کرتے تھے ـــــ

فقط واللہ اعلم
بندہ عبد اللہ عفی اللہ عنہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۱۸ شعبان ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح
خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

تیرا میرا تعلق ختم نیت کے ساتھ طلاق بائنہ ہے۔

(استفتاء) میری عورت اور بندہ کے درمیان کئی وجوہات خاص کی بناء پر نااتفاقی ہو گئی۔

۱۔ چونکہ ہمیشہ میری نافرمان رہی ہے اکثر مرتبہ عورت مذکورہ بندہ کے گھر والوں کی اپنی مرضی اور خود مختاری سے اپنے میکے چلی جاتی۔ معمولی سی بات پر چند روز بعد یا مہینہ کے بعد اپنے میکے چلی جاتی اور پھر منانے پر واپس آجاتی۔ بہرکیف ہر لحاظ سے یعنی لحاظ دیانت و امانت اور عزت وغیرہ ایک خائن عورت ثابت ہوئی پہلے بھی ایک مرتبہ مجھ سے مطلقہ ہو چکی ہے ـــــ

۲۔ اب کچھ عرصہ سے وہ اپنی عادت کے موافق گھر سے بغیر اجازت خاوند کے زیور لے کر اپنے میکے پہنچ چکی ہے جاتے وقت اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی جھگڑا اور لڑائی نہیں ہوئی گھر سے باہر جانے کے وقت پر اس کا خاوند اس کے پیچھے بھاگا اور جا کر کہا کہ کس سے پوچھ کر جا رہی ہو؟ اور کس کے ساتھ جا رہی ہو؟ اکیلی کیوں جا رہی ہو کیا شریعت کا یہی حکم ہے کہ تم بغیر اجازت میرے گھر سے باہر نکل کر اکیلی دو تین میل کے فاصلے پر چلی جاؤ۔ ان تمام باتوں کا جواب اس نے ایک ہی دیا کہ مجھے سفید بال نہ ملے اور گھر سے بھاگ جائیں گے اور اپنے مکانات بیچ لے جائیں گے چنانچہ یہ جواب سن کر بندہ نے جواب دیا کہ آج سے تیرا اور میرا معاملہ ختم آج کا دن یاد رکھنا میں کبھی تیرے پیچھے نہیں آؤں گا۔ چنانچہ عورت نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور اپنی گٹھڑی وغیرہ لے کر اپنے میکے کے اندر چلی گئی اور بڑی جلدی اور تیزی سے قدم اٹھا کر آگے چلی گئی۔ بندہ واپس آگیا۔ اب میری عورت طلاق طلب کر رہی ہے اور خرچہ بھی۔ کیا مذکورۃ الصدر واقعات کے ہوتے ہوئے اب خاوند کے ذمہ کسی قسم کا کوئی تصور ہو تو کیا شرعی طور پر خاوند کے ذمہ عورت کا خرچہ ہو سکتا ہے یا نہ؟

پس صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور نے بحالت مرض اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور دورانِ عدت مر گیا تو اس کی بیوی میراث کی حق دار ہے خاوند کی اگر اولاد موجود ہے تو بیوی ثمن لے گی ورنہ ربع جبکہ کوئی دوسری بیوی موجود نہ ہو جیسا کہ حوالہ بالا سے ظاہر ہے ———— فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۹/۶/۱۳۸۳ھ

مرتدہ کے اسلام لانے کے بعد پہلے خاوند سے تجدید نکاح پر ایک اشکال کا جواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی مسلمان عورت مذہب عیسائیت اختیار کر لے تو کیا از روئے شریعت اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا یا نہیں۔ کتاب اللہ و سنت نبوی اور احکام فقہ کی روشنی میں جواب دیں ——

الجواب یہ عورت بدستور خاوند سابق کے قبضہ میں رہے گی کسی دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں کیونکہ عورت کے مرتد ہو جانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن جب تک تجدید اسلام کر کے تجدید نکاح نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ جماع اور دواعی جماع جائز نہیں ۔ (کذا فی الحیلۃ الناجزۃ ص۱۱۳)

اس پر اشکال کیا گیا کہ مرتدہ کا نکاح جب نہیں ٹوٹتا تو پھر تجدید نکاح کی کیا ضرورت ہے نکاح کی تجدید تو ایک دوسری بار نکاح ہے۔ دوسری بار جب ہو کہ پہلا نکاح فسخ ہو۔ پہلا نکاح اگر فسخ نہیں ہوا تو تجدید بے معنی وارد۔ اگر نکاح میں تجدید درکار ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلا نکاح فسخ ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے فقہاء کے اقوال مختلف ہیں ——

(۱) نکاح ٹوٹ جاتا ہے (۲) نکاح فسخ نہیں ہوتا بدستور سابق شوہر کے نکاح میں رہتی ہے حسب قول مشائخ سمرقند و بلخ و بعض مشائخ ۔ (۳) یہ عورت مرتدہ اپنے خاوند کے پاس بکیفیت کنیز کے رہے گی۔

ان تینوں اقوال میں اگرچہ کچھ فرق ہے لیکن اس بات میں تمام فقہاء متفق ہیں کہ عورت کو بنا بر ارتداد یہ حق نہ ہو گا کہ وہ اپنے پہلے خاوند سے علیحدہ ہو کر دوسری جگہ نکاح کرے کیونکہ اس سے باب ارتداد مفتوح ہوتا ہے جس کا انسداد ضروری ہے۔ اب ان تینوں اقوال میں سے ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا ہے ——

ہمارے ملک میں جہاں انگریزی قانون رائج ہے مشکل ہے کیونکہ فسخ نکاح کے بعد کوئی قوت عورت کو دوبارہ تجدید اسلام پر مجبور کرنے والی نہیں۔ اس لئے مشائخ بلخ کے قول پر فتویٰ ہے کہ نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن بچے کے ساتھ ساتھ جماع اور وطی جماع کے لئے ظاہر الروایۃ پر نظر کرتے ہوئے تجدید اسلام اور تجدید نکاح ضروری قرار دیا گیا۔ یوں سمجھیں کہ ہمارا فتویٰ روایات اولیٰ اور روایات دوم کی رعایت پر مبنی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفر لہٗ ۱ھ

کُلُّ حَلَالٍ عَلَیَّ حَرَامٌ سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہے کُلُّ حَلَالٍ عَلَیَّ حَرَامٌ تو اس لفظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں ہوتی؟ تو کون سی۔؟

الجواب صورت مسئولہ میں اگر خاوند نے یہ الفاظ کہے ہیں تو اس سے طلاق بائنہ واقع ہو گی جس میں عدت کے اندر اور بعد بھی برضامندی طرفین تجدید نکاح ضروری ہے اور عورت بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کرنے کی بھی مجاز ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ الجواب صحیح عبداللہ غفر لہٗ ۳/۱۲ھ

خاوند کے صرف شک و شبہ ظاہر کرنے سے عورت لعان کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بیس سال سے زید کے گھر آباد ہے۔ کل چھ بچے ہیں چھوٹے بچے کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال ہے۔ دونوں خاندانوں کے اختلاف کافی عرصہ سے چلے آ رہے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے بہکاوے میں آ کر ہندہ طلاق حاصل کرنے اور بچوں سے محروم کرنے کے لئے دعویٰ پیش کرتی ہے کہ خاوند مجھ پر کافی عرصے سے الزام لگا رہا ہے اور بچوں کے نسب پر شک ظاہر کرتا ہے۔ خاوند کہتا ہے کہ عورت بالکل جھوٹ بول رہی ہے میں نے کبھی الزام نہیں لگایا ہے اور نہ بچوں کے نسب پر شک و شبہ کیا ہے کیونکہ مجھے بچوں سے گہری محبت ہے اور بچوں کی تعلیم و تربیت دل لگی سے کر رہا ہوں۔ آیا ان صورتوں میں مرد کا قول معتبر ہے یا عورت کا؟ نیز خاوند کے اظہار شک کی بناء پر عورت لعان کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب لعان اس وقت ہو گا جب کہ خاوند بیوی پر صراحۃً زنا کی تہمت لگائے یا ان بچوں کے

نسب کی نفی کرے صرف بلاوجہ شک شبہ سے جائز نہیں۔ اگر خاوند تہمت کا اقرار نہ کرے اور عورت کے پاس گواہ بھی نہ ہوں تو محض عورت کے مطالبہ پر لعان نہ ہوگا۔

او نفی نسب الولد وطالبته بموجب القذف (در مختار ج۲) ای ان اقر بقذفه او ثبت قذفه بالبینة فلو انکر ولا بینة لها المرأة تحلیفه وسقط اللعان۔ (رد مختار علی الدر المختار ج۲)

واضح ہے کہ لعان کے لئے قاضی کا ہونا شرط ہے ــــ

فقط واللہ اعلم | الجواب صحیح
محمد انور علی عنہ | بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خاوند نے تین طلاق کو نکاح پر معلق کیا لڑکی والے کہتے ہیں ہم اہلحدیث ہیں اس تعلیق کا کوئی اعتبار نہیں تو نکاح کرے یا نہ؟

گذارش ہے کہ زید کی منگنی اپنے تایازاد بھائی کی لڑکی سے طے ہوئی تھی کچھ عرصہ آپس میں کشیدگی کی وجہ سے زید نے یہ لفظ کہے کہ اگر میں اب اس لڑکی سے شادی کروں تو اس کو تین طلاق اور یہ بھی کہا کہ اگر میں زندگی میں جس مرتبہ اس لڑکی سے شادی کروں تو اس کو تین طلاق ــــ زید نے جب یہ لفظ کہے اپنی زبان سے تو اس وقت کوئی آدمی وہاں موجود نہیں تھا اس کے بعد زید نے اپنے والدین سے کہا کہ میں یہاں شادی نہیں کروں گا کیونکہ میرے تایازاد بھائی اہل حدیث ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان نظریہ کا اختلاف ہے اور میں نے یہ لفظ کہہ دیئے ہیں جو اوپر بتا چکا ہوں اس پر زید کو اس کے والدین نے اسے گھر سے نکال دیا اور کہا کہ جہاں ہم نے تمہارا رشتہ کرنا تھا کر دیا ہے اگر تم کو یہ رشتہ منظور نہیں تو تم سے زندگی بھر کوئی واسطہ نہیں۔ اب زید عرصہ دراز سے گھر سے باہر ہے اور زید کے والدین اور تایازاد بھائی کے درمیان تعلقات بہت کشیدہ ہو چکے ہیں جس کی وجہ زید کا رشتہ ہے۔

مزید اتفاقاً وہ لڑکی جس کا رشتہ زید سے ہونا قرار پایا تھا کہتی ہے کہ میرا رشتہ زید کے ساتھ ہی ہوا گر ایسا نہیں ہوتا تو میں ساری عمر کسی اور جگہ شادی نہیں کروں گی۔ اس پر لڑکی کے والدین نے اپنی لڑکی سے کہا کہ ان حالات میں ہم تمہاری شادی زید کے ساتھ کیسے کر سکتے ہیں جبکہ وہ ایک مرتبہ آپ کے ساتھ کے متعلق انکار کر چکا ہے ــــ اب اس لڑکی کے والدین نے شادی کے بارے میں پھر سلسلہ جنبانی شروع کر دیا ہے اور کہتے ہیں کہ اگر ہماری لڑکی کے ساتھ زید کی شادی نہ ہوئی تو ساری عمر کے لئے تعلقات منقطع کر دیئے جائیں گے۔ زید ان

سب حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس لڑکی سے شادی کیلئے رضا و رغبت تیار ہے۔ کیا اس مسئلہ میں کوئی شکل نکل سکتی ہے ۔ (ظہور دلیل پاؤس۔ انارکلی لاہور)

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ زید مذکور جب بھی اس لڑکی سے شادی کریگا تو وہ فوراً بسہ طلاق حرام ہو کر مغلظہ ہو جائے گی پس صورت مسئولہ میں زید مذکور کے اس کہنے (اگر میں نے مرتبہ اس لڑکی سے شادی کروں اس کو تین طلاق) سے لڑکی مذکورہ سے نکاح کرنے کی گنجائش نہیں ہے ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ لڑکے کا نکاح اس جگہ نہ کیا جائے۔ (راقم محمد اسحاق غفرلہ)

لڑکی اور لڑکے کے والدین کو احتیاط و تحمل لازم ہے اگرچہ لڑکی کے والدین اہل حدیث ہیں مگر انہیں بھی احتیاط پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ لڑکی کا اصرار بے جا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر دو فریقین کو اچھا سوچنے کی توفیق عطا کریں گے ۔۔۔

اور اس وجہ سے اپنے خاندانی تعلقات کو منقطع کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔ آمین۔ والجواب صحیح۔

عبداللہ عفرلہ

مفتی خیر المدارس ملتان [illegible]

میں بیوی سے کبھی رجوع یعنی تعلق نہیں رکھوں گا ایلاء ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ محمد اسلم اور سلمیٰ میاں بیوی ہیں۔ سلمیٰ زوجہ محمد اسلم سے ناراض ہو کر میکے چلی گئی۔ ناراضگی بڑھ گئی۔ تعلقات زیادہ کشیدہ ہو گئے۔ چار ماہ دس دن قبل یعنی ۲۹ اگست [illegible] کو محمد اسلم نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی کہ اب وہ اپنی بیوی سلمیٰ سے رجوع نہیں کرے گا۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے متعلق شرعی احکام واضح کریں۔ نیز فتویٰ بھی تحریر کریں ۔۔۔

۱ ۔۔۔ کیا اس قسم کی وجہ سے اسلم کی بیوی سلمیٰ کو طلاق ہو گئی ہے یا نہیں؟

۲ ۔۔۔ طلاق کی صورت میں کس تاریخ کو طلاق ہوئی؟ کیا وہ طلاق بائن ہوئی یا رجعی؟ ایک طلاق ہوئی یا دو یا تین ۔۔۔

۳ ۔۔۔ کیا میاں بیوی کے درمیان ہمیشہ کے لئے رشتہ ٹوٹ گیا ۔۔

۴ ۔۔۔ مہر کے متعلق کیا ارشاد ہے جبکہ ابھی تک خاوند کے ذمہ مہر کی رقم واجب الادا ہے۔

۵ ۔۔۔ نکاح ثانی سے اسلم اور سلمیٰ کا دوبارہ رشتہ ازدواج قائم ہو سکتا ہے یا نہیں ۔۔

۹ — اگر میاں بیوی اب دوبارہ صلح کرنا چاہیں تو کیا شرعی طریقہ اختیار کریں جبکہ آج مورخہ دس دسمبر

کو قسم اٹھائے ہوئے پورے چار ماہ اور دس دن گزر چکے ہیں۔ بینوا توجروا ——

الجواب وفی الدر ومن الکنایۃ لا تمسک۔ لا آتیک۔ لا اقربک۔ لا ادخل علیک — روایات بالا سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ وہ اپنی بیوی سے کبھی رجوع نہیں کرے گا۔ ایلاء ہے۔ پس جب اس کہنے کے بعد چار ماہ گزر چکے ہیں تو اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ زوجین کی رضامندی سے دوبارہ تجدید نکاح درست ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں ہے اور یہ عورت بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم ——

بندہ محمد اسحٰق غفر لہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خاوند سے دھوکے سے خلع کے لفظ کہلوالئے تو بھی خلع ہو جائے گا۔

ایک عورت خالدہ نے اپنے خاوند سے کہا کہ میری ملکیتی میں جو کچھ ہے اس کے عوض میں مجھ سے خلع کر لے جبکہ عورت نے اس کو یہی کہا کہ خلع کا معنی صلح ہے اور خاوند خلع کے معنی سے ناواقف ہے جبکہ گھریلو کشیدگی کی وجہ سے عورت اور اس کے والدین نے کئی بار خاوند کو کہا کہ اس کی جان چھوڑ دے لیکن خاوند برابر انکار کرتا رہا ہے اس کے بعد عورت نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میری ملکیتی میں جو کچھ ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کر۔ خاوند نے جواباً تین بار یہ جملہ کہا کہ جو کچھ تیری ملکیتی میں ہے اس کے بدلے میں نے تجھ سے خلع کیا ——

اس مجلس میں عورت نے جواباً کہا کہ مجھے قبول ہے خاوند فوراً سمجھ گیا کہ اس نے مجھ سے کوئی طلاق کے الفاظ کہلوائے ہیں جس کی وجہ سے اس نے کہا کہ میں نے صلح کا لفظ کہا ہے خلع کا نہیں کہا لہٰذا خاوند نے گواہوں کے روبرو عورت کے کہنے پر لاعلمی میں تین بار خلع کا لفظ کہا ہے آیا اس صورت میں خلع واقع ہو گی یا نہیں یعنی خلع کی صورت میں طلاق واقع ہو گی یا نہیں ——

الجواب صورت مسئولہ میں مسماۃ خالدہ مطلقہ ہو چکی ہے، عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے کی شرعاً مجاز ہے الفاظ صریحہ میں نیت کی حاجت نہیں اور ایسے ہی جہالت بھی عذر نہیں۔ دس روپے بدل خلع بن سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے: ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق بما يصلح للمهر بغير عكس

ثم لصحة الخلع بدون العشرة وبما في يدها (الشامية ج۲)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

ظہار کے لئے حرف تشبیہ کا اظہار ضروری ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو بلا تشبیہ کسی عضو کے مطلق کہا ہے کہ تو میری ماں بہن ہے۔ کیا بغیر تشبیہ کے ظہار ہو جاتا ہے یا کہ نہیں۔ ثانیاً اگر متعلق الفاظ میں طلاق کی نیت ہو، تو طلاق وغیرہ پڑتی ہے یا نہیں؟ بعض کتب فقہ میں مطلق ماں بہن کہنے کے الفاظ کو لغو قرار دیا ہے لکھا ہے۔ جب تک تشبیہ نہ دی جائے ظہار نہیں بنتا اور حدیث پاک میں الفاظ مطلق ہیں تشبیہ کا ذکر نہیں ہے بعض ان الفاظ کو بحوالہ فقہ کے حوالے کو نہیں مانتے تسلی بخش جواب مطلوب ہے۔ مستفتی

الجواب ظہار بننے کے لئے حرف تشبیہ کی تصریح ضروری ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی نے محقق ابن ہمام سے نقل کیا ہے۔ ایک طویل اقتباس کے آخر میں ہے۔ فعلم انه لابد في كونه ظهارا من التصريح بأداة التشبيه شرعا. (شامی ج۲) پس تو میری ماں بہن ہے کہنے سے ظہار نہیں ہوگا۔

كما في الشامية نقلا عن الفتح وفي انت امي لا يكون مظاهرا وينبغي ان يكون مكروها

(ج۲ كذا في البحر ج۴ والهندية ج۱)

فتح القدیر، البحر الرائق، النہر الفائق، فتاویٰ عالمگیری وغیرہ کتب میں انت امی کا حکم صرف کراہت لکھا گیا ہے اور نیت وعدم نیت کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی۔ اور در مختار میں اس کلام کو لغو قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نیت وعدم نیت دونوں صورتوں میں اس کا حکم کراہت ہے۔ ظہار وغیرہ کچھ نہیں۔

پس یہ کلام اگر بہ نیت ظہار بھی کہے گا۔ تب بھی ظہار نہیں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سنا کہ اپنی بیوی کو یا اُخَیَّۃ کہہ کر پکار رہا ہے آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔ اور ایسا کہنے سے منع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور سے نہ نیت وعدم نیت دریافت فرمائی۔ نہ ظہار وطلاق وغیرہ کا حکم فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کہنا مکروہ اور لغو ہے۔ کما فی الفتح۔

پس اسی حدیث سے فقہ کے مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔ آپ کے پیش نظر شاید کونسی حدیث ہے

جو مسلک حنفیہ کے خلاف ہو۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
۲۲/۱۰/۱۳۸۶ھ

فقط واللہ اعلم۔
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اگر میں نے صبح تم کو طلاق نہ دی تو تم کو عمر طلاق۔

ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی عورت سے کہا کہ اگر میں نے تجھ کو کل صبح طلاق نہ دی تو پھر تجھ کو عمر طلاق ہوگی اور صبح کو اس نے طلاق نہیں دی تو اب شرع شریف میں اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ شخص مذکور کی عورت پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی جس کا حکم یہ ہے عدت کے اندر اور بعد زوجین کی رضامندی سے تجدید نکاح درست ہے، محض رجوع کرنا کافی نہیں ہے اور تجدید نکاح کے لئے حلالہ کی بھی ضرورت نہیں ہے ——

کما فی فتاوی عالمگیریہ: اذا قال انت طالق عدد کذا الشیء لا عدد له کالشعر والتراب وما اشبه ذلک فهی واحدة بائنة عند ابی حنیفة۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفی عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر لہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ایک، دو، تین جا تو مجھ سے خلاص ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا ایک، دو، تین جا تو مجھ سے خلاص ہے۔ جواب از مولوی گل محمد صاحب اس کی عورت پر صرف ایک طلاق بائن پڑی کیونکہ پہلے الفاظ میں نسبت نہیں ہے بغیر اضافت کے طلاق واقع نہیں ہوتی اور دوسرے جملہ سے ایک بائن واقع ہوگی۔ جواب از مولوی محمد یوسف صاحب، یہ عورت مغلظہ ہوگئی کیونکہ ایک دو تین کا موصوف طلاق ہے نسبت معنوی موجود ہے اور یہ کافی ہے اور تو خلاص ہے یہ قرینہ ہے اضافت کا، ان میں کس کا جواب صحیح ہے

"اگر یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو طلاق" اور خط نہیں بھیجا۔

زید نے بیوی کو لکھا "اگر یہ خط تیرے پاس پہنچنے کے بعد ایک ہفتہ کے اندر اندر تم میکہ سے سسرال واپس نہ آئیں تو تم کو طلاق"۔ لیکن نہ یہ خط مکتوب الیہا کو بھیجا نہ کسی کو علم ہوا بلکہ کئی سال تک چھپائے رکھا اب اس خط کا انکشاف ہوا ہے۔ واضح رہے کہ بیوی سسرال نہیں گئی تو کیا طلاق ہو گئی؟

الجواب مذکورہ تحریر جب تک مکتوب الیہا تک نہ پہنچے گی مؤثر نہیں ہو گی

وان علق طلاقها بمجيء الكتاب بان كتب اذا جاءك كتابي هذا فانت طالق فما لم يجئ اليها الكتاب لا يقع كذا في فتاوى قاضي خان (عالمگیری ج ۱ ص ۳۷۶)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

کسی مصلحت کے تحت طلاق کی جھوٹی خبر دینے کا حکم:

زید نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے چکا ہوں، فلاں رات شاید سو دفعہ طلاق کا لفظ کہہ چکا ہوں اور اس قسم کی اطلاع زبانی اور تحریری طور پر زید نے دوسرے بھائی اور والد کو بھیج دی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اب زید کہتا ہے کہ میرا یہ بیان غلط تھا۔ میں نے جھوٹ ہی کہا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے اب تک ایک دفعہ بھی طلاق کا لفظ زبان سے نہیں نکالا اور نہ ہی طلاق دی۔ مزید کہتا ہے کہ میری سابقہ غلط بیانی کا پس منظر یہ ہے کہ والد صاحب نے میری مرضی کے خلاف ہندہ کو اس کے والدین کے گھر بھیج دیا تھا۔ اس سے ناراض ہو کر میں نے اپنی بیوی ہندہ کو لکھا کہ تمہارا میری اجازت کے بغیر چلے جانا تمہاری آزادی پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا میں تمہیں مکمل آزادی دیتا ہوں۔ اس تحریر سے یہ شہرت ہو گئی کہ میں نے والد صاحب

سے ناراض ہو کر ہندہ کو طلاق دے دی ہے کہ والد صاحب نے ہندہ کو میکے کیوں بھیجا ہے۔ زید کہتا ہے کہ میں اپنی سابقہ غلط بیانی سے ایسا کہنے والوں کو اور والد صاحب کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے والد صاحب کے فعل سے ناراض ہو کر نہیں کیا۔ تحریر بیوی کو بھی بعد میں بھیجی تھی۔ لیکن یہ تحریر غیر مؤثر اور لغو ہے کیونکہ طلاق تو پہلے ہی ایک رات دے چکا تھا اور شاید سو دفعہ طلاق کا لفظ کہا ہو اور اسی رات ہندہ کے بھائی سے جھگڑا ہو گیا تھا جس سے ناراض ہو کر میں نے رات کو طلاق دے دی تھی۔ الغرض یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے یہ والد صاحب کے فعل سے ناراض ہو کر نہیں کیا بلکہ جو کچھ ہونا تھا وہ پہلے ہو چکا تھا اور اس کا سبب ہندہ کے بھائی کے ساتھ جھگڑا تھا۔ اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ زید کی بیوی پر طلاق ہوئی یا نہیں' اگر ہوئی تو کونسی؟

الجواب :

فی الشامیۃ ص۵۸۱/ ج۲ اما ما فی اکراہ الخانیۃ، لو اکرہ ان یقر بالطلاق فاقر لا یقع کما اذا اقر بالطلاق ہازلاً او کاذباً فقال فی البحر ان مرادہ بعدم الوقوع فی المشبہ بہ عدمہ دیانۃ الخ۔ نقل عن البزازیۃ والقنیۃ لو اراد بہ الخبر عن الماضی کذباً لا یقع دیانۃ وان اشہد قبل ذلک لا یقع قضاءً ایضًا

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر زید نے واقعی یہ خبر (کہ فلاں رات سو دفعہ طلاق کہہ چکا ہوں) اپنے بھائیوں اور والد کو جھوٹ موٹ دی تھی تو دیانۃً یہ طلاق واقع نہ ہو گی۔ لیکن اگر یہ معاملہ حاکم یا عدالت تک پہنچا تو فیصلہ وقوع طلاق کا کیا جائے گا اور حکم بھی طلاق مغلظہ ہونے کا دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر زید کی بیوی کو اس واقعہ کا علم ہو گیا تو اس کے لئے اس کے شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں ہو گا۔

لان المرأة کالقاضی قال فی الشامیة (ص ۵۹۳ ج ۲) والمرأة کالقاضی اذا سمعته او اخبرها عدل لا یحل لها تمکینه وایضا فی العالمگیریة (ص ۳۹ ج ۲) المرأة کالقاضی لا یحل لها ان تمکنه اذا سمعت منه ذلک او شهد به شاهد عدل عندها۔

البتہ زید کا اپنی بیوی کو خط لکھنا کہ تمہارا میری اجازت کے بغیر میکے جانا تمہاری آزادی پر دلالت کرتا ہے' لہٰذا میں تمہیں مکمل آزادی دیتا ہوں: "مکمل آزادی دیتا ہوں" یہاں کے عرف میں طلاق کے معنی میں مستعمل ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ (ص ۴۰۷ ج ۲) میں آزادی کو طلاق صریح رجعی فرمایا ہے' مگر خط میں چونکہ مکمل آزادی کا لفظ ہے جو بدوں طلاق بائنہ کے حاصل نہیں ہوتی' لہٰذا خط کی تحریر سے زید کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی' جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر یا بعد میں زوجین میں تجدید نکاح درست ہوگی اور تجدید نکاح کے بغیر زید کے لئے اپنی بیوی ہندہ کو گھر رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفرلہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

اگر طلاق دہندہ کو معلوم ہو کہ بدوں اضافت طلاق نہیں ہوتی اور مدعی ہو کہ میں نے اسی لئے بلا اضافت کہی تھی تاکہ طلاق نہ ہو:

جناب عالی! قصہ اس طرح شروع ہوا کہ میرے خاوند کچھ دوا لے کر آئے تھے اور پلانے کے بعد کہا کہ دیکھ تیرے بھائی نے میری لڑکی کو گالیاں دی ہیں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ اس پر میں نے کہا غلط ہے' لڑکی نے جھوٹ کہا ہے۔ وہ لڑکی کو گالیاں نہیں

دے سکتے۔ وہ آئیں گے تو پوچھ لینا۔ تھوڑی دیر بعد بھائی آ گئے۔ تو انہوں نے پوچھا تو بھائی نے کہا کہ میں نے لڑکی کو اس طرح نہیں کہا' تو ان میں تھوڑی دیر بعد ہاتھا پائی ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے مجھے کہا کہ تم اب چلو میں ابھی کار لاتا ہوں۔ میں نے کہا اچھا۔ لیکن دیگر لوگوں نے کہا کہ دیکھو چار دن کا بچہ ہے (اور عورت زچہ ہے) جانا ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے کہا وہ غصہ میں ہیں' پھر ان کو سمجھاؤ۔ وہ اتنے میں کار لے کر آ گئے۔ اور کہا کہ چلو۔ لیکن دیگر لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ اچھا نہیں ہے اور میں خاموش رہی کہ چپ چاپ چلتی ہوں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ اچھا اگر تم ایسے کہتی ہو (یعنی کہتی ہو کہ طلاق دینا جرم ہے وغیرہ سائلہ کا زبانی بیان) تو میں کہتا ہوں ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق اور چلے گئے۔ اور عورت زچگی میں اس وقت چار دن سے تھی۔ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟

<u>نوٹ</u>۔ بعد میں خاوند کا خط آیا جس کے الفاظ یہ ہیں کہ میں طلاق دے کر نہیں آیا' میرے الفاظ صرف یہ تھے جو میں نے کہے تھے ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق۔ یہ تو نہیں کہا کہ کیسے طلاق اور کس کو طلاق۔ یہ میں نے سوچ لیا تھا۔ مسئلہ کے متعلق مجھے پتہ تھا کہ اس طرح طلاق نہیں ہوتی۔ الخ۔

<u>الجواب</u>:

بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور کو واقعی یہ مسئلہ معلوم تھا کہ جب تک طلاق کی اضافت عورت کی طرف نہ کی جائے اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوتی اور مسئلہ مذکور کو ملحوظ رکھتے ہوئے شخص مذکور نے اپنی عورت کی طرف نسبت کیے بغیر ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق کہا تو پھر اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہ ہو گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح

بندہ عبداللہ غفرلہ مفتی خیرالمدارس

۲۱/۶/۸۱ھ

ماں بہن کے برابر کہنے سے طلاق کی نیت کرنا :

ایک شخص اپنی زوجہ کو میکے جانے سے روکتا ہے۔ اگر میکے گئی تو ناک کاٹوں گا۔ اگر رکھوں تو میری بہن ہے۔ اس کے بعد یہ الفاظ تحریر کئے: اقرار کرتا ہوں کہ یہ آئندہ کے لئے میری ماں بہن کی طرح برابر ہے۔ اس کاغذ کے عنوان میں شروع میں طلاق نامہ لکھا ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ یہ رسید طلاق نامہ ہے۔

نوٹ: ماں بہن کے الفاظ کہے ہوئے سال ہو چکا ہے اور طلاق نامہ دیئے ہوئے ایک ماہ ہوا ہے۔ کیا ایسے الفاظ سے طلاق واقع ہو گئی ہے اور کیا دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے؟

الجواب :

وفی الدر وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی خانیة برا او ظهارا او طلاقا صحت نیته ووقع مانواه لانه کنایة وفی الشامیة علی قول المصنف الا انه کنایة ای من کنایات الظهار والطلاق قال فی البحر واذا نوی به الطلاق کان بائنا کلفظ الحرام اھ ص ۹۴ ج ۲۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور کے اس کلمہ سے کہ یہ میری بیوی بہن کے برابر ہے ایک طلاق بائن ہو گئی۔ حکم اس کا یہ ہے کہ طرفین کی رضامندی سے تجدید نکاح درست ہے۔ اور عدت کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ اور یہ اس وقت سے مطلقہ تصور ہو گی جب سے اس کے خاوند نے تحریری طلاق نامہ دیا ہے۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح

خیر اللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

حلالہ کے لئے التقاء ختانین کافی ہے، انزال ضروری نہیں :

(۱) حلالہ کرنے کے لئے جب دوسرے شخص سے عورت کا نکاح کر دیا اور دوسرا اس سے صحبت بھی کر لے تو اس صحبت میں تحلیل شہوت یعنی انزال بھی ضروری ہے، یا صرف ایلاج کافی ہے۔ کیا صرف ایلاج کے بعد اگر دوسرا شخص طلاق دیدے تو سابق خاوند کے لئے بعد از عدت عورت مذکورہ حلال ہوگی؟

(۲) حدیث میں جو محلل اور محلل لہ پر لعنت آئی ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ تحلیل کا فعل جس صورت میں بھی پایا جاوے موجب لعنت ہے یا یہ موجب لعنت اس وقت ہے جب بوقت نکاح دوسرے شخص سے یہ وعدہ لیا جاوے کہ تم بعد میں طلاق دو گے۔ اگر محلل اور محلل لہ کے ارادے میں تو یہی ہے کہ عورت سابق خاوند کے لئے حلال ہو جاوے، لیکن بوقت نکاح اس کا کوئی تذکرہ نہ کیا جاوے تو حدیث بالا کے بموجب پھر بھی یہ فعل موجب لعنت ہے؟

الجواب :

(۱) صرف ایلاج کافی ہے، انزال ضروری نہیں۔ ویشترط ان یکون الایلاج موجبا للغسل وھو التقاء الختانین ھکذا فی العینی شرح الکنز اما الانزال فلیس بشرط للاحلال (عالمگیری ص ۴۷۳ ج ۱)

(۲) محلل پر لعنت تب ہے کہ وہ اس پر اجرت طے کر آمادہ ہو۔ اگر اس کی نیت اصلاح کی ہے تو پھر اگرچہ اس سے وعدہ بھی لیا ہو تب بھی موجب لعن نہ ہوگا۔

اما اذا اضمر ذلک لا یکرہ وکان الرجل ماجورا لقصد الاصلاح وتأویل اللعن اذا شرط الاجر ذکرہ البزازی (شامی ص ۵۸۶ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ
۲۸/۳/۱۳۸۹ھ

ھزلاً لکھی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے پہلے نکاح کیا ہوا تھا اور اس نکاح کی اہلیہ بھی زندہ تھی کہ میں نے دوسری جگہ اور نکاح بھی کرلیا۔ تو اہلیہ اول میرے اس ثانی نکاح سے ناراض ہوئی اور مجھے کہنے لگی کہ اپنے بال بچے سنبھال' میں جاتی ہوں' کیوں تم نے نکاح ثانی کیا۔ ادھر میں نے حج کی درخواست دے رکھی تھی۔ حسن اتفاق سے وہ بھی منظور ہوگئی۔ تو جیسے میرے حج پر جانے کے دن قریب آنے لگے' اہلیہ اول کا تقاضا زیادہ اصرار سے سامنے آنے لگا۔ تو میں نے خیال کیا کہ زیارت بیت اللہ کا موقع کہاں ہر دن نصیب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے جانا ضروری ہے۔ باقی رہا اہلیہ اول کا معاملہ تو اس کا کسی کے کہنے کے موجب یہ تدبیرو علاج کیا گیا کہ یہ راضی بھی ہوجائے اور کام بھی بن جائے۔ تو میں نے محرر طلاق سے جاکر کہا کہ میں اپنی ثانی اہلیہ کو حقیقتاً ہرگز طلاق نہیں دینا چاہتا۔ فقط اہلیہ اولیٰ کو راضی کرنے کے لئے طلاق لکھوانا چاہتا ہوں۔ تو محرر موصوف نے مجھے دوبارہ کہا کہ واقعی طلاق نہیں دینا چاہتے' محض اہلیہ اولیٰ کو راضی کرنے کے لئے لکھوانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا ہاں' ایسا ہی کرنا مطلوب ہے' نہ کہ حقیقی طلاق علیٰ ہذا۔ اس نے تین دفعہ مجھ سے پوچھ کر پھر مجھے اپنے پاس سے ہٹا دیا اور دوسرے شخص کو بلاکر اس سے پوچھا کہ طلاق کس نے دی ہے' کس کو دی ہے تو اس ثانی شخص نے میرا نام لے کر کہا کہ اس نے فلاں کو طلاق دی ہے۔ تو محرر نے ایک طلاق لکھ کر اسی ثانی شخص کا انگوٹھا اس پر ثبت کراکر مجھے دیدیا۔ میں نے پہلی اہلیہ کو جاکر پکڑا دی کہ دیکھ اسے پڑھا لے۔ وہ پڑھا کر راضی ہوگئی۔ بس میں بغیر خوف کے حج پر چلا گیا۔ اب واپس آیا تو چونکہ ہمارا خیال ہے کہ یہ چونکہ حقیقی طلاق نہ تھی' لہٰذا میں اپنی اہلیہ ثانی کو اپنی بیوی تصور کرکے طلاق کو واپس کرنا چاہتا ہوں۔ تو اس بارے میں میرے لئے کیا شرعی حکم ہے؟

الجواب :

ہزل و اکراہ ایک باب سے ہیں۔ کما فی الشامی وفی التلویح وکما انہ یبطل الاقرار بالطلاق والعتاق مکرھا کذالک یبطل الاقرار بھما ھازلا لان الھزل دلیل الکذب کالاکراہ الخ (ص ۵۷۲ ج ۲) اور اکراہ میں صرف کتابت سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ پس ہزل میں بھی بشرط ثبوت ہزل کتابت طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور شامی کے ایک جزئیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ بدون نیت کے کتابت طلاق سے دیانۃً طلاق نہیں ہوتی۔ ولا یحتاج الی النیۃ فی المستبین المرسوم ولا یصدق فی القضاء انہ عنی تجربۃ الخط بحر۔ ومفہومہ انہ یصدق دیانۃً فی المرسوم رحمتی (شامی ص ۵۸۹)

اور صورت مسئولہ میں سائل نے کاتب کو طلاق ہزل لکھنے کا حکم کیا۔ یعنی اس سے اس کی خواہش ظاہر کی تو اگر سائل خود طلاق ہزل لکھتا تو واقع نہ ہوتی دیانۃً کما مر۔ پس اس کے وکیل کاتب کے لکھنے سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ المفتی خیر المدارس ملتان	۲۹/۵/۹۱ھ

خاوند نے قسم کھائی کہ میں سسرال نہیں آؤں گا' اور چار ماہ تک نہ آیا تو یہ ایلاء نہیں بنے گا :

زید نے بیوی سے کہا اگر اب تو میرے ساتھ نہ گئی تو میں پھر کبھی بھی یہاں نہیں آؤں گا۔ بیوی نے کہا کہ قسم کھاؤ کہ پھر نہیں آئے گا۔ میں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اگر

تو اب میرے ساتھ نہ گئی تو میں پھر کبھی بھی یہاں نہیں آؤں گا۔ آخرکار سائل نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے کہا کہ اب بیوی کو لے جانا۔ دوسرے دن واپسی کا پروگرام تھا۔ اچانک میرے برادر نسبتی نے بلاوجہ مجھ سے جھگڑا کیا۔ اس نے میری بیوی کو روک لیا اور میں واپس آگیا۔ دو مہینے کے بعد سسرال نے مجھے واپس بلایا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہماری لڑکی کو طلاق دیدو۔ میں نے چھ مہینے کی مہلت مانگی اور واپس چلا آیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ سسرال والوں نے مشہور کر دیا ہے کہ ہماری لڑکی کو طلاق واقع ہو گئی ہے۔ کیونکہ آج سے چار مہینے پہلے اس نے قسم کھائی تھی کہ میں نہیں آؤں گا۔ اور اس نے چار مہینوں کے اندر اندر رجوع نہیں کیا۔ کیا واقعی طلاق ہو گئی ہے؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں سائل کے قسم کھانے سے ایلاء شرعی متحقق نہیں ہوا، کیونکہ مولی وہ ہوتا ہے جسے وطی کرنے پر کچھ لازم آئے۔ فی الدر المختار والمولی هو الذی لا یمکنه قربان امرأته الا بشئ مشق یلزمه اھ (شامی ص ۵۹۳ ج ۲)

اور سائل اگر قسم مذکور کھانے کے بعد بیوی سے مجامعت کرتا تو کچھ لازم نہ آتا، کیونکہ حانث نہ ہوا۔ اس لئے کہ اس نے فی الحال قسم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ نیز "کبھی یہاں نہ آنا" عدم وطی کو مستلزم نہیں۔ نیز سائل کی نیت بھی ایلاء کی نہیں۔ الحاصل ایلاء شرعی نہیں ہوا۔ بدستور نکاح باقی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ　　　　الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہ

۲۰/۴/۱۳۹۳ھ

خاوند بیوی والے تعلقات ختم کر دینے سے طلاق کا حکم:

ولایت خان نے اپنی بیوی مسمات مقبول بنت ابراہیم کے بارے میں روبرو گواہان یہ الفاظ کہے کہ: "میں نے اس سے بایں وجہ کہ یہ اپنی نانی سے گفتگو رکھتی ہے عرصہ ایک سال سے خاوند بیوی والے تعلقات ختم کر دیئے ہیں۔ کیا ان الفاظ سے طلاق ہو گئی؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں عبارت خط کشیدہ کنایات کی قسم ثالث سے ہے۔ ای مالا یحتمل السب والرد و یحتمل الجواب۔

فقط اس صورت میں طلاق بغیر نیت کے صرف حالت مذاکرہ طلاق یا حالت غضب میں واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا ان الفاظ سے ایک طلاق واقع ہو گئی اگر حالت مذاکرہ طلاق کی تھی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ
۲۹/۳/۷۰ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ

"میں نے تم کو تین مرتبہ لفظ طلاق ادا کیے" سے طلاق کا حکم:

زید نے اپنی بیوی کے سامنے یہ الفاظ کہے میں نے تم کو یعنی مقصودہ بنت محمد شفیع کو تین مرتبہ لفظ طلاق' طلاق' طلاق ادا کیے۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے پھر یہ کہا تم میرے پر حرام ہو چکی ہو اور میں تم کو طلاق طلاق طلاق دے چکا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ اوپر کے الفاظ میں طلاق دی کی بجائے لفظ طلاق ادا کیے۔ چونکہ ان الفاظ میں طلاق کے وقوع کا ذکر نہیں۔ تو کیا ان الفاظ سے یہ گنجائش نکل سکتی ہے کہ زید اپنی بیوی کو بدوں حلالہ اپنے گھر آباد رکھے۔

الجواب :

او ا کہنے کے لفظ میں اگر کوئی احتمال وابہام تسلیم بھی کر لیا جائے تو نیت سے ایقاع کا احتمال متعین ہو جاتا ہے اور خط کشیدہ الفاظ دال علی النیۃ ہیں کہ زید نے پہلے الفاظ سے ایقاع ہی کا ارادہ کیا تھا۔ پس صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا بدون حلالہ کے زوجین میں تجدید نکاح جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۴ / ۲ / ۹۳ھ	محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

صرف "مجھے کلما ہے" کہنے سے یمین طلاق منعقد نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے خالد کو کہا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا ہے؟ اس پر خالد نے زید کو کہا کہ مجھے کلما ہے میں نے یہ کام نہیں کیا۔ کیا ایسی صورت میں یمین منعقد ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی . محمد طاہر ہو یتی متعلم دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب :

صورت مسئولہ میں صرف اتنے لفظ "مجھے کلما ہے" کہنے سے یمین منعقد نہیں ہوگی، تاوقتیکہ محل لفظ کلما کو وضعاً یا عرفاً ساتھ نہ ملائے۔

فتاویٰ شامی ص ۴۹۵ ج ۲ میں ہے : قال فی نور العین الظاہر انہ لا یصح الیمین لما فی البزازیۃ من کتاب الفاظ الکفر انہ قد اشتہر فی رساتیق شروان ان من قال جعلت کلما او علی کلما انہ طلاق ثلث معلق وھذا باطل ومن ھذیانات العوام اھ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

یمین کے جواب میں صرف ہاں کہنے سے یمین منعقد ہو جائے گی؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ہے مثلاً عمر ہے اس کو ایک اجنبی عورت پکڑتی ہے اور زنا پر مجبور کرتی ہے۔ عمر ابتداء میں تو مجبور کیا گیا لیکن بعد میں خوشی سے اس عورت کے ساتھ زنا کیا۔ بعد میں وہ عورت عمر کو چار صد (۴۰۰) روپے دیتی ہے اور کہتی ہے تو میرے پاس تیسرے چوتھے روز ضرور آیا کر۔ اگر تو نہ آیا تو تجھ پر کلمات طلاق ہے۔ اور عمر اس وقت کہتا ہے ہاں ٹھیک ہے۔ وہاں سے چلا آتا ہے۔ بعد میں عمر کے دل میں خوف خدا آتا ہے اور عورت کے پاس بالکل نہیں گیا۔ اور عورت نے جو الفاظ کہے تھے کہ اگر تو نہ آیا تو تجھ پر کلمات طلاق ہے تو عمر نے اس کی تائید تو کی صرف ہاں سے نہ تو کوئی ارادہ کیا اور نہ کوئی مراد لی۔ تو اب اس کا کیا حکم ہے طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر واقع ہو جائے تو اس بیوی کا کیا حکم ہے جو اس سے پہلے عمر کے نکاح میں ہے۔ اور اس رقم کو کہاں خرچ کیا جائے اور عمر کونسا کام کرے کہ اس کا یہ گناہ معاف ہو جائے۔

الجواب :

محض ہاں کر لینے سے یہ یمین منعقد نہیں ہوئی۔ اس لئے عورت کے پاس نہ جانے سے عمر کی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ پیسے خود دے دے اور صدق دل سے استغفار کرتا رہے۔ بیوی حرام نہیں ہوئی محض ہاں کرنے سے جبکہ اس کے ساتھ کوئی ارادہ و مراد نہ ہو۔ اس سے یمین منعقد نہیں ہو گی۔

كذا في الهندية فصل في تحليف الظلمة۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۰/۳/۸۴ھ

الجواب صحیح
عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

طلاق نامہ میں بیوی کے باپ کا نام غلطی سے غلط درج کرایا تو بھی طلاق ہو جائے گی :

حسب ذیل فتویٰ بموجب احکام شرع محمدی دیا جائے : (۱) کہ میں نے غصہ میں اپنی زوجہ منکوحہ مسماۃ مائی دختر الٰہی بخش کی طلاق بروئے طلاق نامہ بمورخہ (۲۸/۵/۴۰) کو لکھائی مگر طلاق نامہ میں مسماۃ مائی کے والد کا نام غلط درج کیا ہے۔ (۲) گواہان کے روبرو سہ بار طلاق نہیں دی۔ سہ بار وہ جات طلاق نہیں چھیکے۔ (۳) گواہان کے دستخط طلاق نامہ پر نہیں ہوئے، صرف طلاق نامہ لکھا گیا ہے۔ (۴) طلاق ہونے کے روز مسماۃ مائی سے میں نے ہمبستری کی تھی، اب تک عورت مرد کے پاس ہے۔ عورت کو میں نے تین بار طلاق نہیں کی۔ برادری کے جھگڑے پر فرضی طور پر طلاق نامہ ہوا ہے۔ آیا شرعاً طلاق ہو گئی یا نہیں؟

تنقیح : طلاق نامہ میں باپ کے نام کا غلط اندراج غلطی کی وجہ سے ہوا یا قصداً ایسا کیا۔ اور شق ثانی میں اس غلط اندراج کرانے سے کیا مقصود تھا۔ ذرا تفصیل لکھئے۔ نیز فرضی طور پر طلاق نامہ لکھنے کا کیا معنی ہے؟ واقعہ کی تفصیل مطلوب ہے۔

جواب تنقیح : طلاق نامہ میں باپ کا نام غصے کی حالت میں غلط اندراج کرایا۔ ویسے اس کے باپ کا نام درست جانتا ہے۔ مرد اپنی بیوی تھی۔ فرضی طور پر طلاق دینے کا مطلب یہ تھا کہ میری دو بیویاں تھیں۔ میں چھوٹی کو رکھنا چاہتا تھا اور بڑی کو طلاق دینا چاہتا تھا مگر میرے والدین کہتے تھے کہ دونوں کو رکھو یا دونوں کو طلاق دیدو۔ تو میں نے دونوں کے بارے میں الگ الگ طلاق نامے تحریر کرائے۔ لیکن چھوٹی کے بارے میں میرا یہ ارادہ تھا کہ اس کو واپس کر لوں گا اختلاف بڑی کے۔ پس فرضی طلاق دینے سے میری مراد واپس کر لینا ہے۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی بانو پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ عدت کے اندر یا بعد میں زوجین میں برضائے طرفین تجدید نکاح جائز ہے۔ بدوں تجدید نکاح مسمات بانو اس کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ بعد از انقضائے عدت عورت جہاں چاہے نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ باپ کے نام کا غلط اندراج مانع وقوع طلاق نہیں جبکہ مراد اپنی بیوی ہی ہو۔

کما فی الھندیۃ ص ۴۵۱ ج ۲ قال امرأتہ عمرۃ بنت صبیح طالق وامرأتہ عمرۃ بنت حفص ولا نیۃ لہ لا تطلق ... وان نوی امرأتہ فی ھذہ الوجوہ طلقت امرأتہ فی القضاء وفیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ کذا فی خزانۃ المفتین۔

نیز طلاق دیتے وقت رجوع کر لینے کی نیت سے بھی وقوع طلاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بہرحال ایک طلاق بائن واقع ہو گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

طلاق کی قسم اٹھاتے وقت جو چیز حالف اور مستحلف کے ذہن میں مستثنیٰ ہو اس کی وجہ سے حانث نہیں ہوگا :

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ مثلاً زید ایک مدرسہ کا طالب علم ہے۔ مدرسہ میں ایک مرتبہ چوری ہو جاتی ہے جس کی تحقیق کے لئے مدرسہ کی انتظامیہ اور اساتذہ کرام نے طلبہ سے طلاق کی قسم اٹھوائی۔ اس مذکورہ بالا چوری کے ساتھ ایک دوسری برائے نام چوری مثلاً عام حالات کے مطابق طلباء کا ایک کمرہ سے بلب نکال کر دوسری جگہ

استعمال کرنا' اس کو بھی کلمائی قسم کے تحت رکھا گیا۔ جب قسم انھوائی جارہی تھی تو اسی دوران تینوں فریق مذکورہ بالا میں سے صاحب ایک فریق نے بلب کی برائے نام چوری کو کلمائی قسم سے مستثنیٰ کرنے کو کہا۔ جبکہ دوسرے دونوں فریق اس پر خاموش رہے۔ قسم انھانے کی زید کی باری آئی تو اس نے فریق اول جنہوں نے بلب کی برائے نام چوری کو مستثنیٰ کرنے کے لئے فرمایا تھا ان کی اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف مذکورہ بالا اصل چوری کے متعلق کلمائی قسم انھائی۔ فتویٰ اس بات کا چاہیئے کہ زید نے کلمائی قسم انھائی۔ کیا اس قسم کا اس پر اطلاق ہوگا یا نہیں' جبکہ سائل انہیں حضرات میں سے ہے جنہوں نے بلب ایک کمرہ سے نکال کر دوسری جگہ استعمال کیا۔ ساتھ میں یہ قسم بھی انھائی جس کی تفصیل مذکور ہو چکی ہے۔ بندہ نے صرف اصل چوری کی قسم کھائی نہ کہ بلب کے متعلق۔ قسم کے الفاظ یہ تھے: میں نے اگر چوری کی ہو یا اس کے متعلق علم تک بھی ہو تو میں جو بھی بیوی کروں گا وہ مجھ پر حرام ہوگی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ سائل نے جبکہ نکاح اس قسم کے بعد کیا ہے' کیا اس کی زوجہ پر طلاق پڑے گی یا نہیں' اور طلاق پڑ جانے کی صورت میں اب اس کے لئے نکاح اور شادی کی کیا شرعی صورت ہو سکتی ہے؟

جواب تنقیح : محترم المقام حضرت مفتی صاحب' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ازاں آپ نے مستحلف کے اس بلبوں کے استثنیٰ کو برقرار رکھنے یا برقرار نہ رکھنے کے متعلق دریافت فرمایا ہے۔ محترم اس سلسلہ میں بندہ خود ان کے پاس جا کر اس کی تحقیق کر کے آیا ہے اور ساتھ ان کی طرف سے رقعہ مؤکدہ ساتھ لایا جو آپ کی طرف ارسال کیا جا رہا ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ فرما کر فتویٰ دیں۔ باقی آپ نے حلف کے الفاظ کے متعلق دریافت فرمایا' وہ آپ کو بندہ نے جیسے تحریر کر دیا ہے وہی الفاظ ہیں۔ باقی دوسری صورت میں مستحلف اپنے الفاظ اگر واپس نہ لے بلکہ بلبوں والی بات کو برقرار رکھنا چاہتا ہو تو اس صورت میں کیا فتویٰ ہوگا۔ ان دونوں صورتوں سے آگاہی فرمائیں۔

خیر اندیش : مختار احمد

جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرصہ دراز کی بات ہے کہ جامعہ عربیہ چنیوٹ میں ایک طالب علم کی چوری ہوگئی اور اساتذہ کرام جامعہ عربیہ نے تمام طلبہ سے حلف اٹھوایا اور کہا کہ جو طالب علم بھی چور ہوگا وہ "طلاق اضافی" کا مستوجب ہوگا۔ دوران حلف برداری مدرسہ کے بلبوں کی چوری ہوگئی۔ وہ بھی اس حلف میں شامل کردی گئی۔ ایک استاد مولانا عبدالخالق صاحب نے فرمایا کہ اسے مستثنیٰ رکھا جائے۔ تو میں نے کہا کہ چلو ٹھیک ہے۔ طلباء قسم اٹھاتے گئے اور چوری کی بات اصل میں صرف طالب علم کی چوری تھی۔ لہٰذا بلبوں والی بات کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

خیر اندیش: حافظ شیر محمد عفا اللہ عنہ جامعہ عربیہ چنیوٹ

الجواب:

اگر مستحلفین اور زید نے بلب کی چوری کو مستثنیٰ کر کے قسم کھائی تو متنازع فیہ چوری سے بری ہونے کی صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوئی اگر بلب مستثنیٰ نہ ہو یا دوسری قسم میں زید جھوٹا ہو تو صورت مسئولہ میں نکاح کرنے کے بعد صرف ایک طلاق واقع ہوئی۔ بعد ازاں اسی عورت سے اور دیگر عورتوں سے نکاح درست ہے، طلاق واقع نہ ہوگی۔

حتی لو قال ای امرأۃ اتزوجھا فھی طالق لا یقع الا علی امرأۃ واحدۃ کما فی المحیط بخلاف کل امرأۃ اتزوجھا اھ شامی ص ۶۸۸ ج ۲)

سوال میں مذکور الفاظ "کلما" معروف کے لفظ نہیں ہیں بلکہ وہ ای امرأۃ کا مصداق ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور — الجواب صحیح

۱۳۹۰/۱۱/۲۳ھ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تو مجھ پر طلاق ہے ایک دفعہ کہنا یا دس دفعہ کہنا برابر ہے کا حکم :

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ مسمی زید نے اپنی منکوحہ کو تلخ کلامی کے دوران یہ الفاظ کہہ دیئے ہیں کہ "تو مجھ پر طلاق ہے جیسے ایک دفعہ کہنا یا دس دفعہ کہنا برابر ہے" اس لفظ کا کیا حکم ہے؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں کیونکہ طلاق کو تشبیہ دے رہا ہے ایک دفعہ کی طلاق سے یا دس دفعہ کی طلاق سے اور دونوں تشبیہ سائل کے نزدیک برابر ہیں کوئی فرق نہیں۔ تو اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

وتدل علیہ عبارۃ العالمگیریۃ واذا قال لہا انت طالق ...... کعدد الالف او کعدد ثلث او مثل عدد ثلث فہی ثلث فی القضاء وفیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ" الخ (ص ۵۸، ج ۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
یکم ذی قعدہ ۸۳ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

خیر مد خولہ کو کہا "تجھے طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں" تو تینوں واقع ہو جائیں گی

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے اپنی منکوحہ غیر مدخولہ مسمات ہندہ کو کہا کہ میں تجھے طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں، بلکہ یہی الفاظ لکھ کر دیئے۔ اب مسمات مذکورہ زید کے نکاح میں بغیر حلالہ کے آسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں۔ بدوں حلالہ زوجین میں تجدید عقد نکاح جائز نہیں۔ الفاظ مذکورہ انت طالق ثلثًا کے مشابہ ہیں،

کہ مجموعہ کا ایقاع ایک ہی لفظ آخر (دیتا ہوں) سے ہو رہا ہے۔ پس تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱۳۸۰/۱/۱۸ھ

الجواب صحیح
عبداللہ غفر اللہ لہ
خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان

میں بیوی سے رہا طلاق کنایہ ہے:

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی تھی۔ زید اپنی عورت سے لڑتا جھگڑتا تھا۔ آخر عورت تنگ آکر اپنے باپ عمر کے گھر چلی گئی۔ ایک دن داماد (زید) اور سسر (عمر) کی آپس میں لڑائی ہوئی' جس کی وجہ سے زید نے عمر سے کہا کہ میں تیری لڑکی سے رہا رہا اور کئی لکھی لکھی۔ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر ہو جاتی ہے تو کونسی طلاق ہوئی۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں زید کا عمر کو یہ کہنا کہ "میں تیری لڑکی سے رہا" کنایہ طلاق ہے۔ از قسم ثالث۔ التی لا یحتمل الرد والسب وھو کقولہ فارقتک وفیہ یقع الطلاق فی حالۃ الغضب وحالۃ المذاکرۃ (ملخصا عن الشامیۃ ج ۲ ص ۵۶۵) اور صرف تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ حلالہ کی حاجت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایک طلاق بائن واقع ہوئی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
خادم الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان
۱۳۷۲/۱/۲۲ھ

طلاق سے بچنے کے لئے بیوی کے باپ کا نام قصداً غلط لکھوایا تو طلاق نہیں ہوگی

مسمی لعل محمد کو اپنی زوجہ مسمات پٹھانی دختر گلاب کو طلاق دینے کے لئے کہا گیا۔ لعل محمد مذکور کچھ رقم لے کر طلاق دینے پر آمادہ ہوا۔ فریقین طلاق نامہ لکھوانے کے لئے محرر کے پاس پہنچے۔ فریق ثانی نے محرر کو طلاق نامہ لکھنے کے لئے کہا۔ اس نے لکھنا شروع کیا۔ لعل مذکور نے مضمون تحریر میں کچھ نہ کہا' فقط ان سوالوں کا جواب دیا تیرے باپ کا کیا نام ہے؟ تیری بیوی کا کیا نام ہے؟ اور اس کے باپ کا کیا نام ہے؟ البتہ آخری سوال کا جواب اس نے قصداً غلط دیا اور سسر کا نام بہادر لکھوایا' کیونکہ طلاق لکھوانے والوں کو سسر کے نام کا صحیح پتہ نہیں تھا۔ اسٹام کی تحریر کے بعد زبانی طلاق کے لئے لعل مذکور کو طے شدہ رقم سے آدھی رقم دے کر طلاق کا اصرار کیا تو اس نے توریہ کے رنگ میں یوں طلاق دینے کا ارتکاب کیا۔ دبی زبان میں قصداً زوجہ کا نام ایک دو دفعہ پٹھان پٹھان کہتے پایا تھا اور تلفظ طلاق کی نوبت نہیں آئی تھی کہ مستطلق نے ٹوک کر کہا کہ سمجھ کر کہہ۔ اس پر لعل مذکور نے کہا میں نے بہادر کی لڑکی چھوڑ دی اور قصداً بیوی کے باپ کا نام غلط لیا اور صرف جملہ مذکورہ تلفظ کیا۔ جب رقم وصول ہوگئی تو لعل نے فریق ثانی کو کہا کہ نہ میں نے صحیح طور پر طلاق دی ہے اور نہ ہی مجھ پر طلاق واقع ہوئی ہے۔ طلاق واقع ہوگئی یا نہ؟

الجواب:

طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کما یفہم من الرد (ص ۴۳۲' ج ۲) و کذا (یقع الطلاق علی امرأته) لو نسبها الی امها او اختها او ولدها وهی کذلک۔ قید کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر طلاق نامہ میں یہ الفاظ ہوں کہ میری بیوی فلاں بنت بہادر کو طلاق ہو تو ان الفاظ سے بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال امرأته طالق ولم یسم ولهٗ امرأة معروفة طلقت (تنویر) قال

امرأته هي عمرة بنت صبيح وسماها باسمها فكذلك طالقا لا تطلق ويقع على
التي عند ابنه لو كانت زوجته (شامی ص۳۹۹ ج ۲) تو قید آخر سے یہ معلوم
ہوا کہ اگر اس نام ونسب والی اس کی زوجہ نہ ہو تو طلاق نہیں ہوگی اگرچہ پہلے امرأته
کی اضافت موجود ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ　　الجواب صحیح　　الجواب صحیح

بندہ عبداللہ غفراللہ لہ　　خیر محمد عفی عنہ

تجھے جداوادے دیا' طلاق ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ناراضگی میں آکر اپنی بیوی کو کہہ دیتا ہے کہ میں نے تجھے جداوادیا۔ تین دفعہ یہی لفظ کہہ دیتا ہے۔ ایسے شخص کی بیوی کا از روئے شرع کیا حکم ہے؟

(نوٹ: جداوا پنجابی میں طلاق کا نام ہے)

الجواب:

اگر شوہر کو معلوم ہے کہ جداوا طلاق کو کہتے ہیں اور وہاں کے اطراف میں بھی یہی معروف ہے تو صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ بغیر حلالہ شرعی کے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

کیا لفظ فارغ میں ہر حال میں نیت ضروری ہے؟

حضرات مفتیان کرام! السلام علیکم! صورت مسئولہ کے جواب میں تحریر فرمایا گیا ہے اگر طلاق دہندہ نے بہ نیت طلاق تین دفعہ فارغ ہے' فارغ ہے' فارغ ہے اپنی زوجہ کو کہا ہے تو اس صورت میں طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ

جب خاوند نے فارغ ہے' فارغ ہے' فارغ ہے کے الفاظ کے ساتھ ساتھ ایسے لفظ بھی کہہ دیئے ہیں جن سے مزید اس کی نیت دریافت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی' مثلاً اس نے کہہ دیا کہ تو جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے اور عورت کے وارث کو بھی کہا ہے کہ عورت مجھ سے فارغ ہے۔ اس کا جہاں بھی چاہے نکاح کردو۔ اب جواب میں نیت کو مشروط کرنا چہ معنی دارد۔

الجواب :

ان کلمات سے یقیناً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مندرجہ بالا کلمات طلاق کی نیت سے کہے گئے تھے۔ اس لئے نیت معلوم کرنے کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

البحرالرائق الذھبی ؤ تزوجی لا یقع الطلاق الا بالنیة وان نوی فھی واحدة بائنة کذا فی التجبرة وبعد قال الذهبی فنزوحی وقال لم انوی الطلاق لم یقع شیء لان معناه ان امکنك کذافی شرح الجامع الصغیر لقاضیخان (ج۲ ص۳۲۶) کذا فی الشامیة !

جزئیہ ھذا سے ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔

فالجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیرالمدارس ملتان

۸ / ۵ / ۹۰ھ

قسم کھائی کہ بندہ کے ہاتھ کی روٹی کھائی تو طلاق۔ پھر دھوکے سے کھلا دی گئی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میں نے طلاق اتفاقی ہے کہ اپنی ارجی کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی نہیں کھاؤں گا مگر ایک دفعہ مجھے کہا گیا کہ تیری ماں کی پکی ہوئی

روئی ہے۔ حالانکہ بعد میں پتہ چلا کہ بھاوج کی پکی ہوئی روئی تھی۔ اس لاعلمی میں کھا بیٹھا۔ اب سوال یہ ہے کہ مجھ پر طلاق لازم آئے گی یا نہیں۔

الجواب:

ولو الحالف مکرھا او مخطئا او ذاھلا او ساھیا او ناسیا...... فی الیمین او الحنث الخ کذا فی الدر المختار (شامی ص ۵۳ ج ۳)

جزئیہ بالا سے ظاہر ہے کہ اگر لاعلمی میں بھی کام کر لیا ہے تو بھی حانث ہو جائے گا۔ پس صورت مسئولہ میں سائل کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

علاج کے لئے کھائی گئی دوا سے نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم:

ایک شخص کی طبیعت خراب تھی تو اس نے اپنی بیماری دور کرنے کے لئے دوائی کھائی تو اس دوائی کی وجہ سے اس کو نشہ سا ہو گیا یعنی اس کا دماغ الٹ پلٹ ہو گیا۔ جب وہ گھر آیا تو اس نے بیوی کو تین بار طلاق دی۔ یہ طلاق اس نے دوائی کے اثر کی وجہ سے دی۔ جب اس کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو اس نے کہا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں نے کیا کہا۔ ڈاکٹروں سے معلوم کرنے کے بعد پتہ چلا کہ یہ طلاق اس نے دوائی کے اثر سے دی ہے۔ واقعی اس دوائی میں اس قسم کا اثر تھا کہ جس سے مرد کو کوئی پتہ نہیں چلتا کہ میں نے کیا کہا ہے۔ بتائیں کہ مذکورہ عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ لو زال عقلہ بالصداع او بمباح لم یقع۔ وفی الشامیۃ تحت قولہ او بمباح کما اذا سکر من ورق الرمان فانہ لا یقع طلاقہ الخ۔ (رد المحتار ص ۴۲۰ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

خاوند مبہم طلاق جس پر چاہے واقع کر سکتا ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ محمد بخش ولد رمضان کی دو عورتیں ہیں۔ پہلی زوجہ مہر اور دوسری آمنہ ۱۱/۳/۱۹۵۰ کو مولانا عبد الرحیم قاضی کرد آور یہ کے سامنے موضع نوشہرہ تحصیل لیہ میں دعویٰ پیش کیا گیا کہ زوج محمد بخش کے باپ مسمی رمضان نے اپنے لڑکے کی پہلی عورت مسمات مہر کے ساتھ زنا کیا ہے۔ بعد از سماعت کے مولانا مذکور نے عدم حرمت مصاہرۃ کا فیصلہ کیا۔ کمی ثبوت کی وجہ سے لیکن بوجہ عام شہرت کے عورت کی علیحدگی کا حکم جاری فرمایا۔ اسی مسئلہ پر قاضی نے مولوی غلام نبی صاحب نے دستخط فرمائے۔ (نمبر ۲) پھر ۱۵/۷/۵۰ کو موضع تھند کلاں میں مولانا محمد موسیٰ صاحب اور مولوی غلام نبی مذکور اور مولانا شیخ کلیم اللہ کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا گیا۔ ان سب حضرات نے حرمت مصاہرہ ثابت کر کے پہلی زوجہ مسمات مہر کو نکال دینے کا حکم دیا۔ یہ فیصلہ تسلیم کر کے زوج نے پھر بھی قطع تعلق نہ کی۔ اب وہ پہلی زوجہ مسمات مہر فوت ہو چکی ہے۔ (نمبر ۳) اب گذارش یہ ہے کہ زوجہ ثانیہ مسمات آمنہ کا باپ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد بخش ولد محمد رمضان مذکور نے جو میری لڑکی آمنہ کے گھر والا ہے ۲۹/۳/۵۰ فیصلہ اول کے وقت قاضی عبد الرحیم صاحب کے سامنے اپنے باپ رمضان کی صفائی کرتے ہوئے بیان کیا کہ اگر میں کاذب ہوں تو میری عورت تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہے۔ یہ حلف اٹھایا۔ یہ حلف انہوں نے ۲۰/۳/۵۰ کو نوشہرہ میں پہلے فیصلے کے وقت اٹھایا تھا۔ زوجہ ثانیہ مسمات آمنہ کے باپ مدعی کا بیان۔ تین طلاق اور حلف اشہد کہہ کر بیان کیا کہ جہاں محمد بخش نے تین طلاق عورت کا لفظ کہا ہے، اس وقت کے گواہان نہیں ہیں۔ دیگر حلفاً بیان کرکے محمد بخش مجھ کو منت سماجت کر رہا تھا کہ فیصلہ کیا جائے۔ تین طلاق عورت کا لفظ میں نے کہا ہے۔ مگر مسمات مہر زوجہ پہلی کو کہا ہے، مسمات آمنہ زوجہ ثانیہ کو نہیں کہا ہے۔ باقی مدعی کے چار گواہ اس بات پر متفق ہیں کہ محمد بخش سے ہم نے سنا ہے کہ اس نے طلاق کا لفظ کہا ہے، لیکن کوئی عورت مسمات مہر کے متعلق نہ

کہ زوجہ ثانیہ مسمات آمنہ کے متعلق۔

مدعا علیہ کا بیان : محمد بخش ولد رمضان نے اشہد پڑھ کر اور تین طلاق حلفاً اٹھا کر بتایا کہ میں نے تین طلاق کا لفظ نہیں کہا۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں اول تو ثابت نہیں کہ محمد بخش نے اپنی بیوی کے متعلق تین طلاق کے الفاظ کہے ہوں کیونکہ سب گواہ محمد بخش کے اقرار کے ہیں اور محمد بخش اس سے منکر ہے۔ علی تقدیر الثبوت طلاق مبہم کے درجہ میں ثابت ہیں جس کی تفسیر خاوند کے الفاظ سے ثابت ہے کہ میرے الفاظ اپنی بیوی مسمات آمنہ کے متعلق نہ تھے۔ لہٰذا مسمات آمنہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ (عالمگیری ص ۳۵۱ ج ۲)

ولو قال امرأته طالق وله امرأتان كلتاهما معروفتان كان له ان يصرف الطلاق الى ايتهما شاء كذا في فتاوى قاضي خان۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ	الجواب صحیح	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس	بندہ محمد عبداللہ غفراللہ لہ	خیر محمد
	خادم الافتاء خیر المدارس	بانی و مہتمم خیر المدارس

۲۷/۶/۱۳۸۱ھ

دو دفعہ لفظ طلاق کہہ دیا' تیسرا کہنے سے پہلے کسی نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ تجھے طلاق ہے کے الفاظ کہے۔ تیسری مرتبہ کہنے سے پہلے مرد کے باپ نے اس کے منہ پر ہاتھ دیدیا۔ پوچھنے پر مرد نے کہا کہ میرے دل سے لفظ طلاق آیا تھا' ابھی منہ سے ادا نہیں ہوا تھا۔ اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہو گئیں یا تینوں واقع ہو چکی ہیں۔ ہاتھ ہٹانے کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا۔ بیوی مدخولہ ہے۔ مستفتی : محمد عارف' ساکن ادمان پور

الجواب :

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ اگر ہاتھ ہٹانے کے بعد واقعتاً خاموش رہا، کچھ نہیں کہا تو اس کی بیوی پر دو طلاق ہی ہوئی ہیں۔ عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور عدت کے بعد عورت کی رضا کے ساتھ تجدید نکاح کر سکتے ہیں۔ محض دل سے لفظ طلاق نکلنے سے طلاق نہیں ہوتی جب تک تلفظ نہ ہو۔ ولو مات الزوج او اُخذ احد فمه قبل ذكر العدد...... لان الوقوع بلفظه لا بقصده (در مختار على الشامية ص۲۹۵ ج۲) وفيها رجعيتين لو مدخولا بها كقوله انت طالق انت طالق (در مختار على الشامية ص۴۴۸ ج۲) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور

مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

ایک کلام کے تنجیز یا تعلیق ہونے کی تحقیق :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو جھگڑا کرنے کی بناء پر کہا کہ تجھ پر طلاق ہے۔ تجھے یہاں نہیں بیٹھنے دوں گا۔ دو دفعہ کہا یکے بعد دیگرے۔ اور ایک بار یہ کہا کہ تجھ پر عمر بھر طلاق ہے۔ تجھے یہاں نہیں بیٹھنے دوں گا۔ جہاں میں رہوں گا تجھے نہیں رکھوں گا۔ پھر وہ عورت اس جگہ اور اس مکان سے نکل گئی۔ مرد مذکور کہتا ہے کہ میری نیت تعلیق کی تھی۔ مگر بعض علاقہ کے مولوی صاحبان اس کو تنجیز بنا کر مغلظہ طلاق کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اس صورت میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب :

بظاہر تعلیق مفہوم ہوتی ہے۔ وقد تعورف في زماننا في الحلف

الطلاق یلزمنی لا افعل کذا یرید ان فعلته لزم الطلاق و وقع (شامی ص ۴۲۳ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفی عنہ مفتی خیر المدارس　　الجواب صحیح

۲۹/۱۲/۱۴۰۷ھ　　بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عدالت جبراً خلع نہیں کر سکتی:

ایک عورت نے تنسیخ نکاح کا عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ شوہر کسی قیمت پر طلاق دینے پر رضامند نہیں ہے اور نہ ہی عورت کا یہ دعویٰ کسی معقول بناء پر مبنی ہے۔ بلاوجہ عدالت نے خلع کا فیصلہ صادر کر دیا۔ آیا شرعی اعتبار سے عدالت کا یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟ اور عدالت کے فیصلہ سے خلع واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد یٰسین 'قاسم بیلہ ملتان

الجواب:

خلع ایک ایسا عقد ہے جس کا تحقق بدون رضامندی فریقین نہیں ہو سکتا' جیسے کہ خود معاملہ نکاح بھی یہی حیثیت رکھتا ہے۔ حاکم خواہ مخواہ خاوند پر خلع کو لازم نہیں کر سکتا۔ قرآن و حدیث سے اس مسئلہ میں واضح ہدایات ملتی ہیں۔ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ (الآیہ) اور اس آیت میں خاوند کو بدل خلع قبول کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور قبول ورد اختیاری معاملات میں ہوتا ہے۔ اگر خاوند پر خلع جبری طور پر لازم ہو جائے تو اس کے قبول کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے۔ (نمبر ۲) اس آیت میں خلع کو افتداء سے تعبیر کیا گیا ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ فریق مخالف کو کسی چیز پر رضامند کیا جائے۔ اگر عورت یا حاکم جبری طور پر خاوند سے علیحدگی حاصل کر سکے تو اس میں افتداء کی پوری حقیقت نہیں پائی جائے گی۔ علامہ ابن القیم زاد المعاد (ص ۲۳۸ ج ۴) میں لکھتے ہیں: وفی تسمیتہ صلی اللہ علیہ

وسلم الخلع فدیۃ دلیل علی ان فیہ معنی المعاوضۃ ولہذا اعتبر فیہ رضا الزوجین اھ۔ آنحضرت علیہ السلام کا خلع کو فدیہ سے تعبیر کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس میں رضاء زوجین ضروری ہے۔

بخاری شریف ص ۷۹۴ ج ۲ اور نسائی میں حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا کے خلع کا ذکر ہے' جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند کو فرمایا کہ بدل خلع لے کر طلاق دے دو۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ طلاق خاوند ہی دے گا۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر خلع کا حق حاکم کو ہوتا تو آنحضرت ﷺ کو خاوند سے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ طلاق دے دو یا خلع کرلو (احکام القرآن' ص ۳۶۸' ج ۱) امام شافعیؒ اپنی مشہور کتاب "کتاب الام" میں ارشاد فرماتے ہیں: وعلمنا ان لا خلع الا بایقاع الزوج (ص ۱۹۸' ج ۵) کہ ہماری معلومات کی حد تک خلع خاوند کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ نیز اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خلع طلاق ہے۔ (بدایۃ المجتہد ص ۶۹' ۲' عالمگیری ص ۵۱۵' ج ۲) اور آنحضرت علیہ السلام کا طلاق کے مسئلہ میں واضح فیصلہ ہے کہ الطلاق لمن اخذ بالساق (الحدیث)

خلاصہ یہ کہ خاوند کی رضامندی کے بغیر عدالت خلع کو خاوند پر مسلط نہیں کر سکتی' اور اگر کہیں بلاوجہ عدالت ایسا کردے تو وہ عورت خاوند کے نکاح سے خارج نہیں ہوگی۔ ہاں خاوند کے متعنت ہونے کی صورت میں عدالت کو تفریق کا حق حاصل ہے اور یہ تفریق شرعاً بھی معتبر ہوگی۔ صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً بلاوجہ عدالت کی طرف سے خلع کرایا گیا ہے تو یہ عورت خاوند کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	بندہ محمد صدیق
۱۳۹۹/۴/۳ھ	مدرس خیر المدارس

جتنی بار بھی شرط کا ارتکاب کرے' طلاق ایک ہی ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے شادی سے پہلے کہا کہ میں نے اگر فلاں کام کیا تو میری پہلی بیوی جس سے میں نکاح کروں اس کو طلاق۔ پھر اس نے وہ کام کرلیا' پھر شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد اس عورت کو تو طلاق ہوئی' پھر اس سے نکاح کرلیا اور آباد بھی کیا۔ اس کے بعد پھر کہا کہ میں فلاں کام کروں تو میری بیوی کو طلاق۔ پھر اس نے وہ کام چند بار کرلیا۔ تو کیا اس کی بیوی کو ایک طلاق ہوگی یا دو یا تین؟

المستفتی : مولوی عبدالحمید' خطیب جامع مسجد کرتالوی' بھکر

الجواب :

پہلی طلاق چونکہ نکاح کے ساتھ ہی قبل الدخول واقع ہوئی' لہٰذا بائنہ ہوگئی۔ البتہ اس کے بعد جو نکاح کے بعد واقع ہوئی وہ رجعی ہوگی۔ متعدد دفعہ کام کا ارتکاب کرنے سے طلاق ایک بار واقع ہوگی لیکن اس دوسری طلاق ہو جانے کے بعد اب وہ عورت صرف ایک طلاق سے مغلظہ ہو جائے گی' خواہ ایک طلاق نئی تعلیق کے ذریعہ ہو یا بلا تعلیق۔ خلاصہ یہ کہ تاحال ایسے شخص کی بیوی پر صرف دو طلاق واقع ہوئی ہیں' خواہ کتنی بار فعل کا ارتکاب کیا ہو اور عدت کے اندر رجعت بھی درست ہے۔

والفاظ الشرط ان واذ واذا ما و كلما ومتى ومتى ما وفيها تنحل اليمين اذا وجد الشرط مرة الا في كلما اھ (تنوير الابصار على الشامية ص ۳۸۸' ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیرالمدارس
۱۳۹۹/۵/۲۳ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیرالمدارس

خاوند بیوی کی مرضی کے بغیر اس کا سامان خلع میں ضبط نہیں کر سکتا :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کی بیوی زینب اپنے میکے چلی گئی اور تقریباً ایک ہزار کے زیور بھی ساتھ لے گئی۔ والدین نے اس کو خاوند کے ہاں واپس کرنے سے کلیۃً منع کر دیا اور وہ خود بھی والدین کی بات پر راضی ہے۔ غرضیکہ تین سال کا عرصہ ہونے والا ہے' وہ بھی واپس نہیں کرتی۔ اب قابل سوال بات یہ ہے کہ دریں صورت زینب کے کپڑے اور برتن وغیرہ تقریباً ۱۰,۰۰۰ روپے کا سامان ہے۔ کپڑے بوسیدہ اور برتن وغیرہ زنگ آلود ہوتے جا رہے ہیں۔ دریں اثناء زید کا خیال یہ ہے کہ زینب کو طلاق دیدے اور بچہ کو واپس کر لے اور مذکورہ سامان بھی ضبط کر لے۔ علاوہ ازیں جتنا مال بھی زینب کے والدین کا کسی بھی صورت میں ہاتھ آ جائے خلع کے نظریے سے ضبط کر لے (طلاق کے عوض میں) لیکن صورت حال یہ ہے کہ جب مذکورہ بات ان کے سامنے ذکر کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ ہم طلاق لینا نہیں چاہتے بلکہ گھر بٹھائے رکھیں گے۔ البتہ زینب کے والدین کے طرز عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زید کے دوسری شادی کرنے کے بعد قانونی طور پر قانونی کاروائی سے طلاق لینا چاہتے ہیں۔ برادرانہ پنچائتی فیصلہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ غرضیکہ آپ جملہ صورت حال سامنے رکھتے ہوئے واضح فرمائیں۔ دریں اثناء نزاع میں کیا کرنا چاہئے؟ کپڑے اور برتن وغیرہ جو کہ بوسیدہ اور زنگ آلود ہوتے جا رہے ہیں زید زینب وغیرہ کی اجازت کے بغیر استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں مذکورہ بالا صورت جو زیر بحث ہے اس کی خلع وغیرہ مکمل واضح فرمائیں شرعی رو سے کیا کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :

خلع ایک عقد ہے۔ دیگر عقود کی طرح دونوں فریقوں کا اسے تسلیم کرنا

ضروری ہے۔ جب تک مسماۃ زینب مذکورہ سامان دے کر طلاق لینے پر آمادہ نہ ہو اس وقت تک آپ اس کے سامان میں کوئی تصرف کرنے کے شرعاً مجاز نہیں۔ اور بدون قبولیت کے طلاق دینے کی صورت میں یہ طلاق بغیر مال ہوگی۔ مسماۃ زینب جو زیور اپنے ساتھ لے گئی ہے اگر وہ زیور اسے والدین کی طرف سے دیئے گئے تھے یا آپ نے بطور مہر دیئے تھے یا شادی کے بعد ہبۃً کر اس کی ملکیت کر دیئے تھے تو پھر وہ ان کی مالک ہے' آپ کا اس میں کوئی حق نہیں۔ اور اگر وہ زیور آپ کے مملوک تھے تو پھر واپس لینے کے آپ حق دار ہیں۔ اس کے عوض میں بیوی کے سامان کو ضبط کر سکتے ہیں۔ جبکہ زیور کی وصولی ممکن نہ ہو۔ ہدایہ میں ہے: وان شرط الالف علیھا توقف علی قبولھا (ص ۳۸۹' ج ۲) طلاق دینے کی صورت میں خالد سات سال کی عمر تک اپنی والدہ یا نانی کے پاس رہے گا۔ اس کے بعد آپ لے سکتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے: والام والجدۃ احق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین (ص ۴۱۴' ج ۲) طلاق کی بجائے صلح کی کوشش کرنی چاہیے۔ بیوی کی جائز شکایات کا ازالہ کر دیا جائے تو ان شاء اللہ طلاق تک نوبت نہ آئے گی۔ ھذا واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ　　　　الجواب صحیح

۱۱/۱/۱۴۰۸ھ　　　　بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عورت کو کہا میں برسوں تیرے قریب نہیں جاؤں گا' ایلاء ہے اور چار ماہ بعد طلاق بائنہ ہو جائے گی:

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے ناجائز تعلق کر لیا اور پہلی بیوی سے کہہ دیا کہ میں تیرے پاس چھ مہینے کیا برسوں بھی مقاربت نہیں کروں گا کیونکہ میں تیرے سے ہمبستر نہ ہونے کی قسم کھا چکا ہوں۔ چنانچہ وہ شوہر نہ اس کے پاس گیا اور نہ ہمبستر ہوا۔ تقریباً ایک برس کا عرصہ گذر گیا۔ اس عورت کے عزیزوں نے اس کے

شوہر سے عورت مذکورہ کے آباد کرنے کے لئے کہا۔ مگر اس نے آباد نہیں کیا اور کہا کہ میں تو اس سے بیزار ہوں اور بری ہوں۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ کیا ایسی صورت میں عورت پر طلاق واقع ہو سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب :

جب خاوند نے چھ ماہ سے زائد مدت تک اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تو یہ ایلاء ہو گیا۔ کیونکہ چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک عدم مقاربت کی قسم کھانے سے ایلاء ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ ص ۳۷۶' ج ۲) میں ہے: واذا قال لامرأته واللّٰہ لااقربك او قال لااقربك اربعة اشهر فهو مول۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خاوند چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ جائے تو چار ماہ گذرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر چار ماہ گذرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ اب عدت گذر جانے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ	الجواب صحیح
معین مفتی خیرالمدارس ملتان	بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
۹/۸/۰۷ھ	خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان

توں چھٹی ہیں میں کولوں 'میں تیکوں چھوڑا' طلاق صریح ہے :

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف و فضلائے اشراف اس مسئلہ میں جو تحریر متصل ذیل ہے۔ غلام قاسم بیان کرتا ہے کہ میرا اپنی عورت مسمات بخت بی بی اور نوہ کے بارے میں تنازع ہوا کہ تم دونوں دانے ضائع اور خراب کرتی ہو۔ اسی اثناء کے اندر میری نوہ کا بھائی مسمی غازی خان میرے گھر آ گیا۔ میں نے غازی خان کو کہا کہ تیری بہن مسمات باتو بی بی میری عورت کا پکا ہوا نہیں کھاتی' اور میری عورت تیری بہن کا پکا ہوا

نہیں لگاتی۔ میں کیا کروں تا بصورت میرا اور غازی خان کا جھگڑا ہو گیا۔ غازی خان نے کہا
جب تیری عورت ننگی ہے اور میری بہن کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتی تو میری بہن کس
طرح تیری عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھاوے۔ حتیٰ کہ میں نے ایک مٹھ دانوں کی بھر کر
اپنی عورت کی طرف بھگا دی مٹھی پھینک دی۔ اور زبان سے یہ کہا کہ ایک دو تین دانے
دیکھ تو چھٹی ہیں میں کراوں۔ پھر میں نے غازی کو کہا کہ تو دیکھ ہوں خوش ہیں۔ میرے
گھر گواہ بیٹے تھی۔ یہ بیان ہے غلام قاسم خان کا اور غازی خان کہتا ہے کہ مجھے یاد
تھا کہ میرے ماموں اور مامی اور میری بہن کا جھگڑا ہے۔ میں تو ماموں سے گھر والے
سنبھالنے کے واسطے گیا تو ان کا آپس میں جھگڑا تھا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک
دوسری کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتیں اور میرا اور ماموں کا بھی تنازع ہو گیا۔ حتیٰ کہ
میرے ماموں نے ایک مٹھ دانوں کی بھر کر اپنی عورت مسماۃ بخت بی بی کی طرف
پھینک دی۔ اور کہا کہ ایک دو تین دانے دیکھ تو میں کراوں چھٹی ہیں۔ پھر مجھے کہا کہ جا
میرے گھر سے نکل جا اب تو خوش ہے۔ یہ بیان غازی خان نے کیا ہے۔ اور اسی واقعہ کو
ایک اور شخص بھی سن رہا تھا۔ وہ بھی کہتا ہے کہ غلام قاسم نے ایک مٹھ دانوں کی بھر کر
اپنی عورت کی طرف پھینک دی۔ اور کہا کہ ایک دو تین تینوں چھوڑا ہے۔ پھر غازی
کو کہا کہ ہم تو راضی ہیں۔ یہ بیان مدعی نے کیا ہے اور پھر بخت بی بی اپنے بھائیوں
کے گھر چلی گئی۔ لہٰذا بینوا و توجروا۔ عورت غلام قاسم مطلقہ بثلاث ہوئی یا نہ؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ مطلقہ بسہ طلاق ہو گئی۔ "تو میں چھٹی ہیں میں
کراوں" اور "میں تینوں چھوڑا" ہر دو لفظ عرفاً صریح طلاق میں استعمال ہوتے ہیں۔
جیسا کہ علامہ شامی نے لفظ سرحتک کے متعلق تحقیق فرمائی ہے کہ اصل میں کنایہ ہے
لیکن عرف میں صریح طلاق بن چکا ہے۔ کذا فی فتاوی دارالعلوم دیوبند
ص ۱۳۲ ج ۲۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
۱۷ رمضان المبارک ۰۷ھ

الجواب صحیح
خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان
۱۸ رمضان المبارک ۰۷ ۱۳ھ

میرے تمہارے راستے جدا ہیں' مکمل فیصلہ میری طرف سے آزادی' طلاق بائنہ ہے :

خاوند نے بیوی کی طرف لکھا کہ یہ خط میں نہایت سکون اور سوچ سمجھ کر اصولی فیصلہ کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ خط کے آخری الفاظ یہ تھے کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم ڈیرہ میں رہو گی مکمل طور پر۔ یہ الفاظ میں نے پہلی بار بھی لکھے تھے' لیکن وہ غصے میں لکھے تھے۔ لیکن اب یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر لکھ رہا ہوں۔ اگر تم ملتان آئی تو میرے اور تمہارے راستے ہمیشہ کے لئے جدا ہوں گے' یعنی مکمل فیصلہ میری طرف سے آزادی ہوگی۔ کیا ان الفاظ کے لکھنے سے طلاق واقع ہوگئی ہے۔ اگر طلاق واقع ہوگئی تو طلاق کی کونسی قسم ہے بائن' رجعی یا مغلظہ۔ جو بھی صورت ہو تحریر فرمائیں۔ کیا یہ طلاق یہاں ڈیرہ اسماعیل خان میں واقع ہوگی یا کہ میری بہن جب ملتان جائے گی تو واقع ہوگی۔

الجواب :

برتقدیر صحت سوال ان الفاظ کو تحریر کرنے والے کی مذکورہ بیوی جب ملتان آئے گی اسے طلاق ہو جائے گی۔ لکھنے والے نے تین کی نیت کی ہو تو تین' ورنہ ایک بائنہ۔ ایک کی صورت میں تجدید نکاح کر سکتے ہیں جب چاہیں جہاں چاہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

تق تق سے طلاق نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ غلام عباس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میرے کپڑوں کو صاف کریں اور دھولیں۔ تو بیوی نے گذارش کی کہ کل دھوؤنگی' آج نہیں ہو سکتا۔ تو خاوند نے مندرجہ ذیل الفاظ کے تق' تق' تق میں نے دی۔ تو یہ الفاظ بیوی کو کہے۔ باقی زبان سے کچھ نہیں ہوا۔ نیز غلام عباس کا والد بھی موجود تھا۔

نوٹ : یہ عورت آٹھ ماہ سے حاملہ بھی ہے۔ تو خاوند کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی' صرف مذاق کرتا تھا۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لما فی الھندیۃ وان حذف اللام فقط فقال انت طاق لا یقع وان نوی (ص ۵' ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

الجواب صحیح

محمد عبداللہ غفرلہ

۲ صفر [illegible]

میری دونوں بیویوں کو طلاق ثلاثہ' سے دونوں کو تین تین طلاق ہو جائیں گی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی محمد اشرف نے میرے متعلق کچھ دوستوں سے کہا کہ فلاں نے مجھے ماں کی گالی دی ہے۔ اور کہا کہ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو میری دونوں بیویوں کو طلاق ثلاثہ اور مسجد میں کلمہ پڑھ کر کہا کہ فلاں نے مجھے ماں کی گالی دی ہے۔ حالانکہ ایک لڑکا موقع کا گواہ ہے کہ فلاں نے فلاں کو کوئی گالی نہیں دی۔ تو اس صورت میں کیا طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اسے اپنی بیویوں سے علیحدگی

اختیار کرنی چاہئے یا نہیں۔

الجواب :

اگر واقعی سائل نے محمد اشرف کو گالی نہیں دی تو محمد اشرف کی دونوں بیویوں پر تین تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ ولو قال لثلث نسوۃ لہ انتن طوالق ثلاثا او طلقتکن ثلاثا یقع علی کل واحدۃ ثلث ولا ینقسم۔ عالمگیری (ص ۵۳۰ ج ۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

۲۲ صفر ۹۳ھ

"طلاق ہی سمجھو" کو طلاق نہ سمجھیں :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اندریں مسئلہ کہ رخصتی ہونے کے بعد بیوی مروجہ طور پر تین دن کے بعد اپنے میکے واپس آئی تو مروجہ طور پر لے جانے سے انکار کر دیا۔ لڑکی کے والد نے لڑکے کے والد کو بلوا کر کہا کہ یہ میری لڑکی تمہاری ہے' تم اس کو اپنے گھر لے جاؤ۔ اس نے جواب دیا ہم اس تیری لڑکی کو تھوک نہیں مارتے۔ مگر لڑکی کے والد نے لڑکی کو خود بخود اس کے گھر بھیج دیا۔ دو دن کے بعد اس لڑکی کا خاوند سسرال کے ہاں آیا اور کہنے لگا کہ تم اپنی لڑکی لے آؤ۔ سسر نے کہا کہ اگر میری لڑکی نالائق ہے تو اس کو مار کر سمجھا لو۔ اس نے جواب دیا کہ تھوک نہیں مارتے۔ سسرال نے کہا کہ تیرے باپ نے بھی یہی الفاظ کہے ہیں اور تم بھی یہی الفاظ کہتے ہو۔ شاید یہ تمہارا لفظ طلاق نہ بن جائے۔ تو اس نے جواب دیا کہ طلاق ہی سمجھ لو۔ اب لڑکی کو اس گفتگو کے بعد پورے دو سال اپنے میکے بیٹھے ہوئے گذر گئے ہیں۔ کیا شرعاً یہ طلاق ہو گئی یا نہ؟

الجواب :

امرأة قالت لزوجها مرا طلاق بده فقال الزوج داده گیرو کرده گیر - ان نوی یقع ویکون رجعیا وان لم ینولہ یقع ولو قال لها داده انگار لا یقع وان نوی - (عالمگیری ص ۹۳ ج ۲ طلاق) یعنی گیر داده انگار کے مشابہ ہے - لہٰذا عورت مذکورہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی بلکہ بدستور اپنے خاوند کے نکاح میں ہے - واللہ اعلم -

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ
۱۷/۱۲/۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح
عبداللہ غفراللہ لہ
مفتی خیر المدارس ملتان

خاوند بیوی میں وطی میں اختلاف ہو جائے تو کس کی بات مانی جائے گی؟

زوج ثانی سے ایک عورت کا نکاح بطور حلالہ کے ہوا - طلاق دینے کے بعد زوج ثانی گواہوں کے سامنے منکر ہے کہ عورت سے صحبت نہیں کرنے دی اور عورت کا بیان ہے کہ اس نے صحبت کی اور غسل کے لئے پانی بھی میں نے ہی دیا ہے - شرع میں کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب :

فی الدر المختار ویقبل قول الفاسق والکافر والعبد فی المعاملات وشرط العدالة فی الدیانات کالخبر عن نجاسة الماء ویتحری فی خبر الفاسق وخبر المستور ثم یعمل بغالب ظنه وفی ردالمحتار تحت قوله ولو اخبر عدل بطهارة وعدل بنجاسة الخ مانصه فقد اعتبروا التحری بعد تحقیق المعارض بالتساوی بین المخبرین - اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مرد و عورت میں ایک عادل ثقہ اور

دوسرا غیر عادل و غیر ثقہ ہو تو عادل و ثقہ کا قول معتبر ہوگا خواہ وہ شوہر ثانی ہو یا عورت ہو۔ اور اگر دونوں عادل یا دونوں غیر عادل یا دونوں مجہول الحال ہوں تو دونوں کے قول میں تحری کرے۔ جس طرف قلب شہادت دے 'مگر اس شہادت میں نفسانی غرض نہ ہو۔ خود بخود جس طرف دل جھکتا ہو اور جو سچا معلوم ہوتا ہو اس کے قول پر عمل کرے' کیونکہ حلت و حرمت دیانات میں سے ہیں اور دیانات کا یہی قاعدہ اوپر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ (امداد الفتاوی' ص ۳۸۳' ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد اسحاق غفرلہ الجواب صحیح

محمد عبداللہ غفرلہ

خاوند کچھ عرصہ بعد نامرد ہو جائے تو عورت کو فسخ کا حق نہیں :

ایک آدمی تقریباً عرصہ بیس سال سے شادی شدہ ہے اور اس کے چھ بچے ہیں۔ اب وہ آدمی تقریباً چار سال سے نامرد ہے اور اس نے علاج وغیرہ بھی کیا ہے 'مگر وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ اس کی بیوی اس کے پاس رہنا نہیں چاہتی اور وہ طلاق بھی نہیں دینا چاہتا۔ اس عورت کو شرعاً خیار فسخ حاصل ہوگا یا نہیں؟

المستفتی : عطاء الرحمن وہاڑی

الجواب :

اس عورت کو فسخ کا حق نہیں ہے۔ طلاق لے لے یا اس کی رضامندی سے خلع کرلے۔ کما فی الهندية ولو وصل اليها مرة ثم عجز لا خيار لها كذا في التبيين (عالمگیری ص ۵۲۴' ج ۱) فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۴۰۳/۸/۷ھ

میں خالد کی روٹی نہیں پکاؤں گا' پھر بیوی نے اس کی اجازت کے بغیر خالد کی روٹی پکائی تو حانث ہو گا یا نہیں؟

زید کا اپنے بھائی خالد سے جھگڑا ہوا۔ اس نے قسم کھائی کہ مجھ پر میری عورت تین طلاق سے حرام ہے اگر میں نے تیری روٹی پکائی۔ پھر زید کی بیوی نے خالد کی روٹی پکائی۔ گواہ کہتے ہیں کہ اس وقت زید گھر میں موجود تھا اور چپ رہا۔ بیوی کو روٹی پکاتے دیکھا اور اسے منع نہیں کیا۔ تو کیا زید حانث ہو گیا اور اس کی بیوی پر طلاق ہو گئی؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں زید حانث نہیں ہوا' کیونکہ اس نے نہ روٹی پکائی اور نہ بیوی کو روٹی پکانے کا کہا۔ پس عورت کا یہ فعل زید کی طرف منسوب نہیں ہو گا' خواہ زید اس پر راضی بھی ہو۔ جیسے کہ کنز الدقائق میں ہے: لا یخرج فاخرج محمولاً بامرہ حنث وبرضاہ لا اھ وفی العینی حلف لا یخرج فاخرج محمولاً بامرہ حنث وبرضاہ لا بامرہ لا یحنث علی الصحیح لان الفعل انما ینتقل بالامر ولم یوجد فی الھدایۃ فی کتاب الایمان ومن حلف لا یخرج من المسجد فامر انسانا فحملہ فاخرجہ حنث لان فعل المامور مضاف الی الآمر فصار کما اذا رکب دابۃ فخرجت ولو اخرجہ مکرھا لم یحنث لان الفعل لم ینتقل الیہ لعدم الامر اھ۔ اور شامی کتاب الایمان میں ہے: وحنث فی لا یخرج ان حمل واخرج مختارًا بامرہ وبدونہ لا یحنث ولو راضیا بالخروج فی الاصح فی العینی وھذہ العلۃ فی مسئلۃ حیلۃ تزوج من (علق الطلاق) بکلمۃ کلما وھناک موجود ان کان برضاہ لا بامرہ لا یحنث قال الشامی فی تفصیل ھذہ الحیلۃ وینبغی ان یجئی الی عالم ویقول لہ ما حلف

واحتیاجه الی نکاح الفضولی فیزوجه انعالم امرأة ویجیز بالفعل فلا یحنث وکذا اذا قال لجماعة لی حاجة الی نکاح الفضولی فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلاً (ص ۲۹۷ ج ۱۲)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد موسیٰ
مفتی خانقاہ تحصیل کروڑ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس

الجواب صحیح
خیر محمد مہتمم خیر المدارس
۳۰ ذی الحجہ ۷۰ ۱۳ھ

غضب کے درجات ثلثہ میں سے دوسرے درجہ میں دی ہوئی طلاق کا حکم:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری طبیعت میں غصہ رہتا ہے۔ میں نے اپنی کافی بڑی عمر میں (تقریباً ۴۲ سال) شادی کرائی۔ قریباً چار سال کے عرصے میں لڑکی باوجود میری پریشانیوں کے بہت تھوڑا عرصہ میرے پاس رہی۔ گزشتہ سال جبکہ بچہ پیدا ہونے والا تھا میری بیوی اپنے میکے چلی گئی۔ رشتہ داروں کے مجبور کرنے پر میں نے اس کو جانے دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ جائے۔ میں نے اسے منع کیا' مگر وہ بغیر میری اجازت اور اطلاع چلی گئی۔ بچہ پیدا ہو گیا اور مر گیا۔ سنا ہے کہ لڑکی بیمار تھی اس لئے نہ آسکی۔ میں نے کئی خطوط لکھے کہ لڑکی بھیج دو مگر لڑکی کے والدین نے بھیجنے کا نام نہ لیا۔ چونکہ مجھے اپنی طبیعت کے خلاف دوسرے رشتہ داروں کے ہاں کھانا کھانا پڑتا تھا' میری طبیعت کا غصہ اور جنون بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ میں جن رشتہ داروں کی بہت عزت کرتا تھا بعض اوقات غصہ کی حالت میں ان کو صلواتیں سنا دیتا۔ گو کچھ وقت گذارنے کے بعد میں اپنے ہوش و حواس میں ہوتا تو مجھے اپنے کئے پر سخت پشیمانی ہوتی اور بے چینی بھی۔ پشیمانی بڑھتی تو طبیعت میں دوبارہ گرانی' غم و غصہ میں پھر

وہی حالت ہو جاتی۔ چونکہ میرے سسرال والے مجھے معقول جواب بھی نہ دیتے تھے' میں بعض اوقات غصے کی حالت میں اپنے کو قابو میں نہ پاتا تھا۔ اول فول جو منہ میں آتا بکتا۔ یہاں تک کہ فحش گالیاں بھی باواز بلند غائبین اور بعض اوقات حاضرین کو بھی دے دیتا۔ ایسے ہی موقع پر جبکہ میری تکالیف اور پریشانیاں میرے خیال کے مطابق حد سے تجاوز کر گئیں' غصہ کی حالت میں گالی گلوچ کرتے کرتے میں نے اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کر دیئے۔ "میں اس بیوی کو نہیں رکھوں گا' میں اس کو طلاق دوں گا۔ میں نے اس کو طلاق دی' دل سے ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق۔ میرا اس کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ اور بہت برا بھلا کہا۔ میرے ایک رشتہ دار جن کی میں قریباً پندرہ سال سے بہت عزت اور احترام کرتا ہوں' اور ان کی بات خلاف مزاج بھی تسلیم کر لیتا ہوں' بیٹھے تھے' مجھے منع کرتے رہے کہ ایسا نہ کہو۔ مگر میں ہوش میں کہاں تھا۔ غصہ سے تڑپ رہا تھا' کانپ رہا تھا اور جنون کی سی حالت تھی۔ میری زبان سے نہ جانے کیا کیا نکلا۔ جب یہ حالت دور ہوئی تو اس رشتہ دار کے کہنے پر جو کہ میرا پھوپھی زاد بھائی ہے' مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی اور پشیمان ہوا۔ پریشانی کی زیادتی سے مجھ پر اسی جنون کے دورے پڑنے لگے ہیں۔ میرے رشتہ دار کہتے ہیں کہ میں نے ظلم کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے تمام عمر پریشانی آئے گی۔ اور بقایا زندگی خراب ہو گی۔ براہ کرم احکام شریعت مطہرہ سے آگاہ فرمائیں۔ طالب دعا : سعید (۵۱/۹/۳)

میں عرصہ قریباً بیس سال سے سعید صاحب کو جانتا ہوں' ہمیشہ سے طبیعت میں غصہ' دوسروں کو حقارت سے دیکھنا اور بعد میں پریشان ہونا' زیادہ غصہ کی حالت میں جنون کی سی حالت پیدا ہوتا۔ یہاں تک کہ نہ بڑے کا لحاظ نہ چھوٹے کا پاس۔ یہ امور منتج ہوئے اس بات پر کہ اپنی بیوی کے متعلق ایسے الفاظ کہہ دیئے۔ میرے نزدیک اس کے زیادہ غصہ میں فتور عقل کے باعث ایسی حالت ہو گئی تھی جیسے کہ ایک پاگل کی ہوتی ہے۔

(دستخط عبدالرحمٰن ولد حافظ رقم الٰہی مرحوم)

میں محمد سعید صاحب کو عرصہ پندرہ سال سے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ محترمی عبدالرحمن صاحب نے جو رائے ظاہر کی ہے مجھے اس سے اتفاق ہے۔ (دستخط محمد طاہر)

الجواب :

باسمہ تعالیٰ۔ واضح رہے کہ غضب کے تین درجات ہیں: (۱) ابتدائی درجہ میں کوئی تغیر نہیں آتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے' سمجھتا ہے۔ اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (۲) اعلیٰ درجہ غضب کا جس میں بے ہوش ہو جائے' حتیٰ کہ جو کچھ منہ سے نکلے اس کو سمجھ نہ سکے۔ اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ (۳) درمیانی درجہ غضب جس میں مثل مجنون کے تو نہیں ہوا' لیکن پہلے درجہ سے متجاوز ہو گیا۔ تو اس صورت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس تیسرے درجہ میں ابن قیم حنبلی کا اختلاف ہے۔ لیکن حنابلہ کے نزدیک بھی اور ہمارے نزدیک بھی اس میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کما فی الدر المختار لکن اشار فی الغایۃ الی مخالفتہ فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافا لابن القیم اھ وھذا الموافق عندنا انتہیٰ۔ اس تمہید کے بعد اب قابل غور بات یہ ہے کہ مسمی محمد سعید کو جو صورت پیش آئی وہ ان تین صورتوں میں کونسی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غضب کا اعلیٰ درجہ جو جنون اور مدہوشی کے ساتھ ملحق ہے نہیں تھا۔ اس لئے کہ جو کچھ الفاظ غصہ کی حالت میں سرزد ہوئے ہیں وہ پوری طرح یاد ہیں۔ پس ہمارے نزدیک غضب کا درمیانہ درجہ ہے۔ اس صورت میں ہر سہ طلاق واقع ہو گئیں۔ حلالہ کی ضرورت ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح والمجیب مصیب
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
۲۱ ذی الحجہ ۷۰ ۱۳ھ

عمر قید کی بیوی رہائی کیسے حاصل کرے:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی خادم حسین کا پانچ سال سے مسمات عائشہ سے مسمات کے والد نے شرعی نکاح کر دیا۔ نکاح کے تین سال بعد مسمی خادم نے ایک آدمی کو قتل کیا ہے' جس کی وجہ سے وہ قید ہو گیا ہے۔ اپیل پر ایک سال اور اضافہ ہو گیا ہے۔ اب پندرہ برس کے لئے وہ قید ہو گیا۔ لڑکی اس وقت چودہ سال کی ہے جو کہ پوری بالغ ہے' ناکح کو نوٹس دیا گیا کہ تم طلاق دے دو۔ اس کے عوض تجھے دوسری لڑکی نکاح میں دی جائے گی۔ اس نے انکار کر دیا ہے۔ والد بچارہ فتنے کے خطرہ سے سخت پریشان ہے۔ علماء دین سے دریافت ہے کہ اس صورت میں کوئی فسخ نکاح کی صورت ہو سکتی ہے یا نہ؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ زوجہ غائب غیر مفقود الخبر ہے۔ اس کی رہائی کی صورت اول تو یہ ہے کہ اس کے خاوند کو خلع پر راضی کیا جائے۔ اگر وہ خلع پر راضی نہ ہو تو بصورت مجبوری مالکیہ کے مذہب پر قاضی کی عدالت میں درخواست دے کر گواہوں کے ذریعے سے اس غائب کے ساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کرے۔ پھر یہ ثابت کرے کہ وہ مجھ کو نفقہ نہیں دے گیا۔ اور نہ ہی اس نے وہاں سے نفقہ بھیجا اور نہ ہی یہاں کوئی انتظام کیا اور نہ میں نے معاف کیا۔ اور وہ اس واجب میں کوتاہی کر رہا ہے۔ ان باتوں پر حلف بھی کرے۔ اس کے بعد اس غائب کے کسی عزیز وغیرہ نے نفقہ اپنے ذمہ لے لیا تو خیر۔ ورنہ قاضی اس شخص کے پاس حکم بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کا حق ادا کرو' یا بلالو' یا وہیں سے کوئی انتظام کرو۔ ورنہ اس کو طلاق دے دو۔ اور اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی نہ کی تو ہم خود تم دونوں میں تفریق کر دیں گے۔ اس پر بھی وہ خاوند کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی ایک مہینہ انتظار کا حکم دے۔

اس مدت میں بھی اگر شکایت رفع نہ ہو تو عورت کو اس غائب سے جدا کردے۔ (کذا فی الحیلۃ الناجزۃ ص ۱۲۷) واضح رہے کہ عمر بھر قید والے کے متعلق حیلہ ناجزہ میں لکھا ہے: اگر پتہ معلوم ہو تو غائب غیر مفقود کے حکم میں ہے ورنہ مفقود کے حکم میں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم دارالافتاء خیرالمدارس
ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفااللہ عنہ
مفتی خیرالمدارس ملتان
۱۲ شوال ۱۳۷۰ھ

نکاح فاسد کو عورت بھی فسخ کر سکتی ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء اس میں کہ ایک عورت شادی شدہ مطلقہ بطلاق مغلظہ ہوئی۔ جس وقت اس کو طلاق ملی اس وقت اس کو حیض تھا۔ ایک یہ حیض جس میں طلاق دی گئی اور ایک دوسرا گذار کر تیسرے حیض کے اندر جبکہ وہ ختم نہیں ہوا تھا اس عورت کا نکاح پڑھا گیا تھا۔ عورت کی اجازت سے۔ بعد میں تحقیق کی گئی تو وہ نکاح عدت کے اندر پڑھا گیا تھا جو زید کے ساتھ پڑھا گیا تھا۔ علماء دین نے حکم دیا تھا کہ یہ نکاح باطل ہے۔ دوبارہ نکاح پڑھا جائے۔ عدت گذار کر جب عورت نے یہ سنا تھا کہ میرا نکاح زید کے ساتھ نہیں ہوا تو عورت مذکور نے بکر کے ساتھ نکاح پڑھا لیا۔ دوبارہ زید سے نہیں پڑھایا تھا' عدت پوری کر کے بکر کے ساتھ پڑھا لیا تھا۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جو نکاح زید کے ساتھ پڑھا گیا غلطی سے وہی عدت پوری گذر جانے کے بعد صحیح ہو گیا۔ دوبارہ نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جو زید کے ساتھ نکاح پڑھا گیا تھا وہ باطل ہے۔ تو لہٰذا وہ اجازت بھی باطل ہو گئی تھی۔ بکر کے ساتھ جو نکاح پڑھا گیا تھا وہ صحیح ہے۔ مذکورہ عورت کا نکاح اول زید کے

ساتھ ہوا جو عدت کے اندر کیا گیا تھا۔ دوسرا بکر کے ساتھ جو عدت پوری ہونے کے بعد کیا گیا تھا۔ اس کا جواب بادلائل عطا فرمائیں۔

مستفتی : مولوی غلام اللہ ' نواب شاہ

الجواب :

صورت مسئولہ میں دوسرے مولوی صاحب کا قول صحیح ہے ' اور جو مولوی صاحب یہ دلیل دیتے ہیں کہ عدت پوری ہونے کے بعد صحیح ہو گیا وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ معتدہ کا نکاح فاسد ہوتا ہے اور دخول سے پیشتر نکاح فاسد کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور وہ علی شرف البطلان ہوتا ہے ' ادنیٰ عمل سے باطل ہو جاتا ہے۔ عورت ایسی صورت میں زبانی کہہ دے کہ میں اس نکاح کو ختم کرتی ہوں تو وہ نکاح فاسد ختم ہو جاتا ہے۔ جب عورت نے بیان کر کہ میرا نکاح صحیح نہیں ہوا ' دوسری جگہ نکاح کر لیا تو پہلے نکاح کو فسخ کر دیا۔ لہٰذا دوسرا نکاح صحیح ہے۔ فی البحر افاد بالتقیید بالوطء ان الفاسد لا حکم لہ قبل الدخول (ص ۱۸۳ ج ۳) وبعدہ بقلیل فی صفحہ ۱۸۵ لکن فی القنیۃ ان لکل واحد منہما ان یستبد بفسخہ قبل الدخول بالاجماع۔ فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ غفر اللہ لہ۔

خادم الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۸/۵/۱۳۸۰ھ

میرا تیرا تعلق ختم ہے سے نکاح ختم ہو گیا :

کیا فرماتے ہیں علماء اس میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے اپنی سالی کے ساتھ بد فعلی کی ہے۔ آیا اس فعل بد کے بعد اس شخص کا اپنی بیوی سے نکاح رہا۔ اسی مرد مذکور یا کو خاندان والوں میں سے کسی نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو ہم تمہارا نکاح اسی سالی سے کر دیں گے۔ اس مرد نے اس طمع میں آ کر اپنی بیوی کو جا کر

ان الفاظ سے خطاب کیا کہ آج سے میرا اور تمہارا تعلق ختم ہوا۔ پھر اکثر لوگوں کے پوچھنے پر مرد یہی جواب دیتا رہا کہ میرا اپنی بیوی سے تعلق نہیں رہا۔ واقعہ کو ڈیڑھ سال گذر گیا۔ اس مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ ہر قسم کا تعلق ختم کر دیا ہے۔ آیا اس صورت میں نکاح قائم رہا ہے۔ سائل کہتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ اس نیت سے کہے تھے کہ سالی سے نکاح کروں اور اپنی بیوی سے ختم کردوں۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی ہے۔ نیز برضاء طرفین تجدید نکاح جائز ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں۔ عدت گذرنے پر اگر عورت دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ تجدید نکاح نہ کر چکے ہوں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ الجواب صحیح

۱۳۸۰/۶/۲۵ھ عبداللہ عفرالله لہ

طلاق مغلظہ طلاق بائنہ ہے :

مسمی عبداللطیف میری دختر کو طلاق دینے کی اطلاع بذریعہ پوسٹ کارڈ تحریر کر کے حسب ذیل دیتا ہے۔ نقل مصدقہ: "اگر آپ کو اپنی لڑکی کے ساتھ ہمدردی ہے تو آپ آکر لے جائیں۔ کیونکہ بندہ آپ کی لڑکی کو بتاریخ ۲۶/۱/۳۹ بروز بدھ طلاق مغلظہ دے چکا ہے' الخ۔" اب سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟ کیا اس میں رجوع کرنے یا تجدید نکاح کی گنجائش ہے؟ کیا ہم دوسری جگہ نکاح کر سکتے ہیں؟ صورت مذکورہ میں ہمیں کیا اختیار ہے کہ اس طلاق دینے سے جہیز مثل زیور' ظروف و مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں اس تحریر سے کہ بندہ آپ کی لڑکی کو طلاق مغلظہ دے چکا

ہے۔ طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے' بشرطیکہ تین کا ارادہ نہ ہو' ورنہ تین طلاقیں واقع ہوں گی اگر تین کا ارادہ کرے۔ پس اگر اس شخص نے تین طلاق کا ارادہ کیا تھا تب تو تین طلاق پڑ جائیں گی اور بغیر حلالہ کے نکاح میں نہیں لا سکتا۔ اور اگر تین طلاق کا ارادہ نہیں تھا تو طلاق بائنہ پڑے گی۔ تجدید نکاح بغیر حلالہ کے ہو سکتی ہے اور بعد نکاح ثانی وہ اس عورت کو رکھ سکتا ہے۔ فی الدر المختار ویقع بقوله انت طالق بائن او البتة او افحش الطلاق او اکبره او اعرضه ...... او اغلظه ...... واحدة بائنة ان لم ينو ثلاثا الخ۔

نوٹ: بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہے اور حق مہر بھی اور عورت کا جہیز وصول کرنے کا بھی اختیار ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ غفرلہ		الجواب صحیح
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان		خیر محمد عفی عنہ

یمین میں کام خود نہیں کیا بلکہ کسی کو کرنے کا حکم دیا تو بھی حانث ہو جائے گا:

دو شاہد لفظ اشہد سے شہادت دیتے ہیں کہ مسمی شیر محمد نے ہمارے روبرو حلف اٹھایا کہ اگر میں نے تمہاری گائے ماری ہو تو مجھ پر اپنی بیوی تین طلاق سے حرام ہے۔ یا کہا کہ تین طلاق اور حنث کے متعلق کوئی گواہ نہیں۔ شیر محمد مذکور کا بیان ہے کہ گائے میرے کھیت سے سیر ہو چکی تھی۔ جب میں پہنچا تو میں نے اس کے منہ کو رسی کے ساتھ باندھ کر ہانک دیا۔ اور اس کو ایک پتھر بھی مارا جو کوکھ پر لگا۔ تھوڑی دور جا کر وہ گر گئی۔ میں نے جا کر اس کا منہ کھول دیا۔ وہ تھوڑی اٹھ کر بے ہوش ہو گئی۔ میں نے چھری کے لئے آواز دی۔ ایک آدمی نے دوڑ کر گائے کو ذبح کر دیا۔ گائے کو ذبح کرتے وقت اس

نے حرکت بھی کی ہے۔ مسمی مذکور کا بیان ہے کہ مجھے یہ بھی شک ہے کہ گائے کثرت نفخ سے بے ہوش ہو گئی ہو اور یہ بھی شبہ ہے کہ تندرست ہو اور مکر سے گر گئی ہو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسمی مذکور حانث ہو گا یا نہیں۔ نیز شاہد اول کی شہادت میں دو لفظ ترد کے ہیں۔ ایک تو یہ کہ "میں اپنے بس تک سچ کہوں گا" دوسرا لفظ حرام اور طلاق کا اشتباہ۔ علاوہ ازیں شاہد اول فاسق ہے۔ بعض اوقات نماز بھی نہیں پڑھتا۔ اور اس بات کا وثوق ابھی نہیں کہ گائے کس سبب سے مری ہے۔ اب زید کہتا ہے کہ چونکہ تردد شاہد اول کا معتبر نہیں۔ اور عدالت فی زمانا مفقود ہے تو گائے کا مارنے والا یہی شخص سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ایک تو مستحلف کی نیت کا اعتبار ہو گا۔ علاوہ ازیں اس کے حنث کے لئے یہی کافی ہے کہ اس نے ذابح کو بلا کر زندہ گائے ذبح کرا دی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں دو باتیں قابل غور ہیں: (۱) تعلیق کا معاملہ۔ آیا شیر محمد نے تعلیق کی یا نہیں۔ (۲) بعد از تعلیق کیا ایسی صورت میں جب کہ گائے کو پتھر مارا اور ذبح کا امر کیا حانث ہو گا یا نہیں۔ پہلے معاملہ میں دو گواہوں کے بیان درست ہیں۔ اور "اپنے بس تک سچ کہوں گا" کے جملے سے شہادت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ البتہ عادل ہونا ضروری ہے۔ اگر ایک گواہ غیر عادل ہے تو شرعاً تعلیق ثابت نہ ہو گی۔ ھذا فی القضاء و نعم الدیانۃ موکل الی اللہ یعنی قضاء کے طور پر تعلیق ثابت نہ ہو گی۔

دوسرے معاملہ میں اگر کوئی تعلیق ثابت ہو جائے تو یہ صورت پیش آتی ہے کہ شیر محمد نے گائے کے منہ کو رسی سے باندھ کر پتھر مارا اور وہ گر گئی۔ پھر کسی کو کہا چھری لاؤ اور ذبح کرو۔ اس صورت میں شیر محمد کا گائے کو مارنا ثابت ہوتا ہے۔ جس کی وجہ

سے وہ حانث ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کسی فعل کے متعلق نہ کرنے کی حلف اٹھائی ہو تو اس کا امر کرنے سے فعل کی نسبت آمر کی طرف ثابت ہو جاتی ہے۔ فی الہدایۃ من کتاب الایمان حلف لا یخرج من المسجد فامر انسانا فحمله فاخرجه حنث لان فعل المامور مضاف الی الآمر فصار کما اذا رکب دابة الخ (کتاب الافتاء نمبر ۲۴۷ ج ۹) ایں در صورت تعلیق اندریں حالت جبکہ اس نے گائے کو پتھر مارا اور ذبح کا امر کیا۔ حنث ثابت ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان — خیر محمد عفا اللہ عنہ
۲۵/۲/۱۳۷۶ھ

خاوند کی مرضی کے بغیر خلع درست نہیں :

خیریت موجود، خیریت مطلوب۔ جامعہ خیر المدارس کی شاخ مدرسہ عربیہ ضیاء الاسلام بستی محرم میں ایک فتویٰ دیا ہے۔ آپ سے گذارش ہے کہ مدلل فتویٰ کو جواب سے نوازیں۔ فتویٰ یہ ہے :

جناب ملک شیر صاحب نے اپنی بیوی منظوراں مائی کے متعلق عدالت میں یہ درخواست دی کہ میری بیوی نافرمان ہے۔ میرے پاس بسا نہیں کرتی، لہٰذا اسے میرے پاس رہنے پر مجبور کیا جائے۔ دریں اثناء منظوراں مائی نے بھی عدالت میں یہ درخواست دائر کر دی کہ میں ملک شیر کے پاس نہیں رہنا چاہتی۔ میرا نکاح بطور خلع فسخ کیا جائے۔ چنانچہ عدالت نے منظوراں مائی کو پانچ ہزار روپیہ خلع کے بدلے فسخ کرانے کا حکم دیا۔ ملک شیر فسخ و خلع پر راضی نہیں ہوا۔ وہ تو اپنی بیوی اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے، اسے رقم کی ضرورت نہیں۔ مگر عدالت نے شوہر کی مرضی کے بغیر فسخ و خلع

کا فیصلہ کر دیا۔ خاوند نے نہ پانچ ہزار روپے لئے اور نہ ہی خلع و طلاق و فسخ پر راضی ہوا۔ عورت نے عدالت کی کاروائی پر دوسری شادی رچالی۔ از روئے شرع یہ بتائیں کہ عدالت کی کاروائی کے ذریعہ طلاق یا فسخ نکاح یا خلع وغیرہ معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ شرعاً یہ خلع معتبر نہیں۔ خلع میں زوجین کی رضامندی لازم ہے۔ شامی میں ہے: قالت خلعت نفسي بكذا ففي ظاهر الرواية لا يتم الخلع مالم يقبل بعده۔ اھ ص ۵۵۷ ج ۲) پس عورت مذکورہ کا خلع کے بعد دوسری جگہ عقد نکاح کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ عورت پر لازم ہے کہ پہلے شوہر سے طلاق حاصل کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۳ / ۳ / ۱۴۱۱ھ

خاوند ظالم ہو تو خلع کرنے میں کوئی حرج نہیں :

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میرا شوہر مسمی محمد فاروق ولد عبدالحق ایک بے درد اور سفاک انسان ہے۔ مار پٹائی اور گالی گلوچ، طعنہ زنی اس کی روزمرہ کی عادت ہے۔ الزام تراشی اس کا معمول ہے۔ خطرناک قسم کی دھمکیاں دیتا ہے کہ قتل کر دوں گا، زہر دے دوں گا یا تیزاب ڈال کر تمہیں بدصورت کر دوں گا۔ ان حالات میں میرا ان کے ساتھ گزارا ممکن نہیں، نہ ہی وہ طلاق دینے کو تیار ہے۔ میں اپنے شوہر سے خلع چاہتی ہوں۔ مہربانی فرما کر قرآن و سنت کی رو سے اس مسئلہ کا حل بتائیں۔ جناب کی نوازش ہوگی۔

طالب فتویٰ : زاہدہ پروین دلد محمد عاشق، محلہ اسحاق پورہ خونی برج ملتان

الجواب :

اگر خاوند خلع کرنے کو تیار ہے تو صورت مسئولہ میں خلع کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ مسمات زاہدہ عنداللہ مجرم اور گناہ گار نہ ہوگی۔ فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ' الآیہ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۵/۳/۱۴۰۳ھ — بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

جامعہ خیر المدارس ملتان

والدہ اور بیوی کی خودکشی کی دھمکی سے ڈر کر طلاق صرف لکھ کر دی تو واقع ہوگی یا نہیں :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جس کی پہلی بیوی موجود ہے گھر والوں سے پوشیدہ طور پر دوسرا نکاح کر لیا۔ جب گھر والوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس پر زور لگایا کہ زوجہ ثانیہ کو طلاق دے دے۔ حتیٰ کہ شخص مذکور کی والدہ اور پہلی بیوی نے طلاق نہ دینے کی صورت میں اپنی خودکشی پر آمادگی ظاہر کی۔ اور شخص مذکور کو ظن غالب ہو گیا کہ اگر میں نے دوسری بیوی کے لئے طلاق نامہ نہ لکھا تو میری والدہ اور بیوی ضرور خودکشی کرلیں گی۔ لہٰذا اس نے ایک طلاق نامہ محض ان کو مطمئن کرنے کی وجہ سے انگریزی زبان میں لکھا۔ اور اس پر دستخط کر کے سپرد ڈاک کیا۔ لیکن طلاق نامہ بیوی کو ملنے سے قبل کسی نے اسے واپس کر دیا۔ شخص مذکور کا خیال ہے کہ میں نے اپنی والدہ اور بیوی کی خودکشی سے مجبور ہو کر بغیر نیت طلاق کے تین طلاقیں لکھی تھیں۔ اور لکھنے سے قبل بعض لوگوں کو گواہ بنا دیا تھا کہ میں بہ نیت طلاق طلاق نامہ نہیں لکھوں گا۔ نہ الفاظ طلاق بولوں گا۔ بلکہ اپنی والدہ اور اپنی بیوی کی خودکشی کے خطرہ سے مجبور ہو کر محض انہیں مطمئن کرنے کے لئے طلاق نامہ لکھوں گا۔ چنانچہ

ایسا ہی کیا گیا۔ شخص مذکور نے یہ سمجھ کر کہ اس صورت میں جب طلاق نہ ہوئی تو میرے لئے بیوی حلال ہے۔ اس خیال سے وہ اس کے ساتھ تعلقات زوجیت رکھتا رہا۔ جس سے کئی بچے بھی پیدا ہو گئے۔ اب مندرجہ ذیل امور قابل دریافت ہیں:

(۱) صورت مسئولہ میں اکراہ جو مسئلہ طلاق میں عند الفقہاء معتبر ہے پایا گیا یا نہیں؟

(۲) عربی زبان کا لفظ طلاق انگریزی زبان میں لکھنے سے مصحف قرار پائے گا یا نہیں؟ اگر یہ لفظ طلاق انگریزی زبان میں لکھنے کی وجہ سے مصحف قرار پائے تو بغیر نیت کے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ (۳) بر تقدیر وقوع طلقات ثلاثہ جب خاوند کو یہی گمان تھا کہ بحالت مجبوری بغیر نیت طلاق کے طلاق لکھنے سے چونکہ طلاق نہیں ہوتی اس لئے میری بیوی مطلقہ نہ ہوئی۔ یہ سمجھ کر وہ اپنی بیوی سے وطی کرتا رہا۔ اور اس سے کئی بچے بھی پیدا ہو گئے۔ اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ وہ بچے بصورت مسئولہ اولاد الزناء قرار پائیں گے یا ثابت النسب مانے جائیں گے۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں جب اس کو اپنی بیوی اور والدہ کے خودکشی کرنے کا ظن غالب ہو گیا' کیونکہ اکثر عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں۔ وہ ایسے کام کرنے میں گریز نہیں کرتی ہیں۔ تو یہ صورت اکراہ کی ہوئی۔ اور اکراہ میں طلاق تحریر کی گئی۔ اکراہ شرع میں یہ ہے کہ کسی کے ساتھ ناحق ایسا فعل کرنا کہ وہ شخص ایسا کام کرے جس کو کرنا نہیں چاہتا۔ اکراہ کے متحقق ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں: (۱) مکرِہ اس فعل کے کرنے پر قادر ہو جس کی وہ دھمکی دیتا ہے۔ (۲) مکرَہ جس کو دھمکی دی گئی ہے' اس کا غالب گمان یہ ہے کہ اگر میں اس کام کو نہ کروں گا تو جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے اسے کر گزرے گا۔ (۳) جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے وہ جان جانا ہے' یا عضو کاٹنا ہے' یا ایسا غم پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ کام نفسی خوشی و رضامندی سے نہ ہو۔ (۴) جس کو دھمکی دی گئی ہو وہ پہلے سے اس کام کو نہ کرنا چاہتا ہو' خواہ اپنے حق کی وجہ سے یا کسی

دوسرے کے حق کی وجہ سے، یا حق شرع کی وجہ سے۔ (درمختار مع الشامیہ
ص۸۰، ج۵) الاکراه هو فعل يوجد من المکره فيحدث في المحل
معنى يصير به مدفوعا الى الفعل الذي طلب منه۔ صاحب رد المحتار
مدفوعا الى الفعل کی تشریح میں فرماتے ہیں: ای بحیث یفوت رضاه به وان
لم يبلغ حد الالجاء، وشرطه اربعة امور قدرة المكره على ايقاع ما
هدد به سلطانا او لصا والثاني خوف المكره بالفتح ايقاعه اي ايقاع
ما هدد به في الحال بغلبة ظنه ليصير ملجأ۔ علامہ شامی تحت قولہ
ليصير ملجأ تحریر فرماتے ہیں: هذه الشروط لمطلق الاكراه لا
للملجئ والثالث كون الشيء المكره به متلفا نفسا او عضوا
او موجبا غما يعدم الرضى وهذا ادنى مراتبه الخ۔ والرابع كون
المكره ممتنعا عما اكره عليه قبله اما لحقه او لحق شخص آخر
او لحق الشرع (درمختار مع الشامیہ ص۸۸، ج۵) منع امرأته المريضة عن
المسير الى ابويها الا ان تهبه مهرها فوهبته بعض المهر فالهبة باطلة
لانها كالمكره الخ۔ یہ اکراہ صورت مسئولہ سے بھی کم درجہ کی ہے اور اس کو
عدم رضا قرار دیا ہے اور ہبہ کو باطل تسلیم کیا گیا تو صورت مسئولہ میں بطریق اولیٰ
اکراہ معدم رضا ہے۔ صورت مسئول عنہا میں اکراہ کی جمیع شروط متحقق ہیں۔ لہٰذا
یہ تحریری طلاق معتبر نہ ہوگی، کیونکہ اس کو اپنی بیوی اور والدہ کی خودکشی کا ظن غالب
پیدا ہو گیا تھا اور اس نے اس کو ایسا غم دیا جس نے رضامندی کو معدوم کر دیا تھا۔ اگرچہ
اس کا اختیار باقی تھا۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: فلو اكره على ان يكتب
طلاق امرأته فكتب لا تطلق لان الكتابة اقيمت مقام العبارة باعتبار
الحاجة ولا حاجة ههنا۔ (شامیہ ص۳۵۷، ج۲) صورت مسئولہ میں تحقیق و
عدم تحقیق کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر بالفرض تین طلاقیں ثابت بھی ہو جائیں اور مرد یہ
کہتا ہے کہ چونکہ میری نیت طلاق کی نہ تھی۔ اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی اور وہ اس

عورت سے وطی کرتا رہے تو جو اولاد اس سے پیدا ہوگی وہ ثابت النسب ہے۔ درمختار میں ہے: کما یثبت بلا دعوۃ احتیاطا فی مبتوتۃ جاءت بہ لاقل منہما من وقت الطلاق لجواز وجودہ وقتہ ولم تقر بمضیھا کما مر ولو بتمامہما لا یثبت النسب الا بدعوۃ لانہ التزمہ وھی شبھۃ عقد ایضا (ای کما انہا شبھۃ فعل) علامہ شامی وھی شبھۃ عقد ایضا کے تحت فرماتے ہیں: ای کما انہا شبھۃ فعل واشار بہ الی الجواب عن اعتراض الزیلعی بان المبتوتۃ بالثلاث اذا وطئہا الزوج بشبھۃ کانت شبھۃ فی الفعل وقد نصوا علی ان شبھۃ الفعل لا یثبت فیہا النسب وان ادعاہ واجاب فی البحر بان وطی المطلقۃ بالثلاث لو علی مال لم تتمحض للفعل بل ھی شبھۃ عقد ایضا فلا تناقض ای لان ثبوت النسب لوجود شبھۃ العقد الخ (شامیہ ص۶۷۷ ج۲) فقط واللہ اعلم

سید مسعود علی قادری، مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان شہر، ۱۸ جولائی ۵۹ء

الجواب:

شریعت میں اکراہ کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے پر کوئی ایسا فعل واقع کرے کہ جس سے اس کی رضامندی یا اختیار فاسد ہو جائے۔ شرح وقایہ میں ہے: ھو فعل یوقع المکرہ بغیرہ فیفوت بہ رضاہ او یفسد اختیارہ مع بقاء الاھلیۃ (ص۳۳۷ ج۳) اور عالمگیری میں ہے: واما تفسیرہ فی الشرع فھو اسم لفعل یفعلہ المرء بغیرہ فینتفی بہ رضاہ کذا فی الکافی۔ اور صاحب کنز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکراہ کی تعریف ان الفاظ سے فرمائی ہے: ھو فعل یفعلہ الانسان بغیرہ فیزول بہ رضاہ۔ اور علامہ طوری کے تکملہ بحر ص۸۰ ج۸ میں الفاظ تعریف یہ ہیں: لان الاکراہ اسم لفعل یفعلہ الانسان بغیرہ فینتفی بہ رضاہ۔ اور ہدایہ میں ہے: الاکراہ یثبت حکمہ اذا حصل ممن یقدر علی ایقاع ما یوعد بہ سلطانا کان او لصا۔ لان

الاکراہ اسم لفعل یفعلہ بغیرہ فینتفی بہ رضاہ او یفسد بہ اختیارہ مع بقاء الاھلیۃ (ص ۲۳۰ ج ۴) تو ان تعریفات بالا سے یہ امر قطعاً ثابت ہو رہا ہے کہ مکرہ اور جس پر اس کا فعل مہدد بہ واقع ہوگا' ان میں غیریت ضروری ہے۔ تعریفات بالا کے اندر اس بارے میں قطعاً کوئی اجمال یا ابہام موجود نہیں ہے کہ جس شخص پر فعل مہدد بہ واقع ہو رہا ہے وہ اس کے علاوہ ہونا چاہیے۔ جس سے کہ یہ فعل صادر ہو رہا ہے۔ یہ ایک مقدمہ ہوا جو منطوق تعریفات بالا ہے۔ اس کے علاوہ تحقق اکراہ کی شرائط کے سلسلہ میں حضرات فقہاء نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کی دھمکی کو اکراہ اس وقت سمجھا جائے گا جبکہ مکرہ ایقاع ماھدد بہ پر قادر بھی ہو۔ یعنی اسے اتنی قوت وغلبہ حاصل ہو کہ مکرَہ اس کے سامنے بے بس و مجبور محض ہو۔ اور مکرِہ اپنی دھمکی اس پر نافذ یا جاری کر سکتا ہو۔ چنانچہ تکملہ بحر ص ۸۰ ج ۸ میں ہے: ولا یتحقق ذلک الامن القادر عند خوف المکرہ لانہ یصیر بہ ملجأ وبدون ذالک لا یصیر ملجأ ومازوی عن الامام ان الاکراہ لا یتحقق الا من السلطان فذلک محمول علی ما شھد بہ فی زمانہ من ان القدرۃ والمنعۃ منحصرۃ فی السلطان وفی زمانھما کان لکل مفسد لہ قوۃ ومنعۃ لفساد الزمان فافتیا علی ما شھدا وبہ یفتی لانہ لیس فیہ اختلاف یظھر فی حق الحجۃ وفی المحیط وصفۃ المکرہ وھوان یغلب علی ظنہ انہ یوقع ذلک بہ لولم یفعل ولو شئت انہ لا یفعل ما توعدبہ لم یکن مکرھا لان غلبۃ الظن معتبرۃ عند فقد الادلۃ۔

نیز یہ حقیقت اس سے بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ امام صاحب اکراہ کا تحقق صرف سلطان سے مانتے ہیں' کیونکہ سلطان کو ہی ایسی قوت و شوکت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی دھمکی کو جاری کر سکتا ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اصولی طور پر تو غلبہ سلطان ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن غیر آئینی تغلب وقتی طور پر غیر سلطان ڈاکو چور وغیرہ کو بھی حاصل ہو سکتا ہے' جس کی بناء پر وہ کسی فرد کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے پر

مجبور کر سکتا ہے۔ الحاصل مکرہ کا غالب یا متغلب ہونا ضروری ہے۔ قاضی خان وغیرہ اختلاف بدا کی تعبیر ان الفاظ سے کرتے ہیں: وهو لا يتحقق الا من السلطان في قول ابي حنيفة وفي قول صاحبيه يتحقق من كل متغلب بقدر على تحقيق ماهدد به وعليه الفتوى۔

جب یہ دونوں امر ثابت ہو گئے تو لازمی طور پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک شخص کا اپنے کسی عزیز کے کسی غیر متوقع فعل پر ناخوش ہو کر اپنی بے چارگی' بے بسی اور مغلوبیت کی بناء پر خودکشی کی دھمکی دینا اکراہ کی شرعی تعریف میں قطعاً داخل نہیں' کیونکہ یہاں پر سابق الذکر دونوں امر مفقود ہیں۔ فعل مہدد بہ کا وقوع خود مکرہ پر ہو رہا ہے جو منطوق تعریفات کے خلاف ہے۔ دوسرا سائل کی والدہ کا یہ فعل مغلوبیت اور بے بسی کا مظہر اور آئینہ دار ہے اور اسے جبر و اکراہ (جس کا منشاء جابریت و استیلاء ہے) سے کوئی واسطہ نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ کو اکراہ میں داخل کرنا درست نہیں۔ خصوصاً جبکہ فاضل مجیب اپنے استدلال کی حمایت میں کوئی صریح جزئیہ بھی پیش نہیں کر سکے۔ ہم نے بھی اپنے طور پر کتاب الاکراہ کو سرسری نظر سے دیکھا ہے' لیکن ایسا کوئی جزئیہ نہ مل سکا جو صورت مسئولہ کی نظیر بن سکے۔

واضح رہے کہ فاضل مجیب نے تنویر الابصار سے جو جزئیہ نقل کیا ہے' مانحن فیہ سے قطعاً مختلف ہے۔ اور صورت مسئولہ کو اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ مقیس علیہ میں مکرہ کے فعل منع کا متعلق اس کی زوجہ ہے۔ اور اس منع کا منشاء بھی غلبہ و قاہریت ہے۔ بخلاف مقیس کے کہ اس میں یہ دونوں امر مفقود ہیں۔ اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تحقق اکراہ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عاجل ہو۔ اور مکرہ کو فوری خطرہ لاحق ہو' جس کی وجہ سے وہ طبعاً اس فعل کے کرنے پر مجبور اور مدفوع ہو جائے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے: وفي المكره المعتبر ان يصير خائفا من جهة المكره في ايقاع ماهدد به عاجلا لانه لا يصير به ملجئا محمولا طبعا الا بذالك۔ درمختار میں ہے: وشرعا فعل يوجد

من المکرہ فیحدث فی المحل معنی یصیر بہ مدفوعاً الی الفعل الذی طلب منہ وفیہ بعد السطر الثانی خوف المکرہ بالفتح ایقاعہ ای ایقاع ما ھدد بہ فی الحال لغلبۃ ظنہ۔ اور صورت مسئولہ سے یہ قطعاً ظاہر نہیں ہوتا کہ سائل کی والدہ دھمکی دیتے وقت اپنے پاس کوئی آلہ ھدد یا پستول وغیرہ لئے ہوئے تھی اور فوراً اپنے نفس کو قتل کردینا چاہتی تھی۔ اگر اس وقت طلاق نامہ نہ لکھا جاتا یہ تو بجائے خود رہا سوال تو یہ ہے کہ مطالبہ طلاق کا فوری ہونا حیز خفا میں ہے۔ اگر یہ دھمکی فوری بھی تھی تو کیا سائل اپنی والدہ کو خودکشی سے باز رکھنے پر کسی دوسرے طریق سے قادر تھا یا نہیں۔ اور جواب میں تنویر الابصار کی یہ عبارت (او موجبا غما یعدم الرضا) بھی فاضل مجیب کے لئے ہرگز مفید نہیں کیونکہ ہر چیز جو موجب غم ہو اکراہ نہیں کہلاتی بلکہ اس پر اکراہ کی تعریف صادق آنے کے بعد اگر وہ فعل موجب غم ہو تب اکراہ ہوگا۔ والا فلا۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۳/۱/۹۷ھ

واضح رہے کہ اکراہ کی تعریف صادق آنے کے بعد اس کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں: اتلاف جان و اتلاف عضو و احداث غم جو کہ ادنیٰ مرتبۂ اکراہ ہے۔ بغیر صادق آنے حقیقت اکراہ کے ہر احداث غم اکراہ کے اندر داخل نہ ہوگا اور نہ اس پر احکام اکراہ صادق آئیں گے۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ واقع ہو گئی اور برتقدیر وقوع طلاق جو بچے پیدا ہوئے ان میں کچھ تفصیل ہے۔ علی الاطلاق سب کو ثابت النسب کہنا جائز نہیں۔ اور یہ تفصیل اگر حاجت ہو تو دوبارہ الگ سوال کرکے معلوم کی جاسکتی ہے۔

الجواب صحیح

بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ

۲۳/۱/۹۷ھ

خاوند متعنت عدالت میں نہ آئے اور عدالت اس کی غیر موجودگی میں اس کے خلاف فیصلہ دے دے تو نافذ ہو گا یا نہیں :

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ درج ذیل میں کہ زید کی منکوحہ نے اپنے خاوند کے خلاف موجودہ ملکی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا' جس کے حق میں عدالت نے مندرجہ ذیل فیصلہ صادر کیا ہے :

نقل یک طرفہ ڈگری تنسیخ نکاح' دفعہ ۳۴ مجموعہ دیوانی مقدمہ نمبر205 ۵ء' بعدالت جناب ملک لہراسپ خاں صاحب پی سی ایس ایڈیشنل سول جج درجہ دوئم ملتان۔ یہ مقدمہ آج واسطے فیصلہ کے روبرو ہمارے بذریعہ چوہدری محمد یسین وکیل منجانب مدعیہ سماعت ہوا' اور جب اطمینان سے عدالت میں یہ ثابت ہو گیا کہ مدعا علیہ پر سمن کی تعمیل حسب ضابطہ ہو گئی اور باوجود اس کے نام پر دعویٰ کے وہ دعویٰ کی جواب دہی کے لئے حاضر نہیں ہوا۔ پس یہ حکم یک طرفہ صادر کیا جاتا ہے کہ ڈگری تنسیخ نکاح بحق مدعیہ برخلاف مدعا علیہ صادر کی جاتی ہے' اور نیز مدعا علیہ مدعیہ کی رقم مبلغ ۲۲/۱۰۱۰ بابت خرچ نالش بدا ادا کرے۔

نقل حکم۔ ثبوت یک طرفہ پیش کردہ مدعیہ سے دعویٰ مدعیہ کی تائید و تصدیق ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مدعا علیہ آوارہ اور نکھٹو ہے اور اس نے عرصہ ساڑھے تین سال یا چار سال سے مدعیہ کو کوئی گذارہ خرچ نہیں دیا ہے۔ اور بلا وجہ معقول مدعیہ کے حقوق زوجیت ادا نہیں کئے ہیں۔ ان حالات میں مدعیہ مستحق ڈگری تنسیخ نکاح برخلاف مدعا علیہ ہے۔ لہٰذا ڈگری تنسیخ نکاح یک طرفہ بحق مدعیہ مع خرچہ مقدمہ صادر کی جاتی ہے۔ فیس وکیل مبلغ ۱۵/۰۱۰ مقرر کی جاتی ہے۔ دستخط جج نقل مطابق اصل

(۱) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا فیصلہ کی روشنی میں زید کی منکوحہ کا نکاح فسخ ہوا کہ نہیں۔ اور اب وہ اپنا نکاح کسی اور شخص سے کر لے تو یہ نکاح

صحیح ہو گا یا نہ۔ (ب) اگر مسمات مذکورہ اپنا نکاح عدت گذارنے سے قبل ہی بکر سے کرلے اور اس فساد نکاح کی بناء پر بکر سے اس کا دوبارہ نکاح کرائیں تو کیا اب بھی پہلے عدت گذارنی پڑے گی۔ درآں حالیکہ وہ بکر کی تحویل میں ۵۶ء سے ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :

حامداً ومصلیاً۔ وعلیه یحمل ما فی فتاوی قاری الهدایة حیث سئل عمن غاب زوجها ولم یترك لها نفقة فاجاب اذا اقامت بینة علی ذالك وطلبت فسخ النکاح من قاض یراه ففسخ نفذ وهو قضاء علی الغائب وفی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذه یسوغ للحنفی ان یزوجها من الغیر بعد العدة واذا حضر الزوج الاول وبرهن علی خلاف ما ادعت من ترکها بلا نفقة لا تقبل بینته لان البینة الاولی ترجحت بالقضاء فلا تبطل بالثانیة اھ۔ واجاب عن نظیره فی موضع آخر بانه اذا فسخ النکاح حاکم یری ذلك ونفذ فسخه قاض آخر وتزوجت غیره صح الفسخ والتنفیذ والتزوج بالغیر فلا یرتفع بحضور الزوج وادعائه انه ترك عندها نفقة فی مدة غیبته الخ۔ فقوله من قاض یراه لا یصح ان یراد به الشافعی " فضلاً عن الحنفی بل یراد به الحنبلی فافهم (شامی ص ۶۱۳، ج ۲) عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قضاء علی الغائب میں اختلاف ہے۔ مگر حضرات علماء نے اس کی گنجائش نکالی ہے' اور فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی مسئلہ مختلف فیہ میں اگر قاضی فیصلہ کردے تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے" لہٰذا یہ فیصلہ نافذ ہو گیا اور شرعاً نکاح فسخ ہو گیا اور مسمات مذکورہ کو بعد عدت گذارنے کے دوسرا نکاح کرنا جائز ہے اور وہ نکاح صحیح ہو گا۔

(۴) عدت کا گذارنا بعد فسخ نکاح کے لازم ہے اور عدت میں نکاح کرنا فاسد ہے۔ اور ایسے نکاح کے بعد وطی کرنا زنا ہے۔ وہ عورت اس کی مزنیہ ہوگی۔ اگر پہلے عدت گذر چکی ہے تو زانی کا اس اپنی مزنیہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اب جدید عدت کی ضرورت نہیں' اور دوبارہ نکاح کے بعد اس مزنیہ منکوحہ سے اسی وقت سے وطی کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر مزنیہ زانی کے علاوہ دوسرے سے نکاح کرے تب بھی نکاح جائز ہے' مگر مزنیہ حاملہ سے قبل وضع حمل وطی کرنا جائز نہیں اور نہ تقبیل وغیرہ' اور اگر غیر حاملہ ہے' تب بھی ایک حیض کا گذارنا اولیٰ ہوگا۔ قال ابو حنیفة و محمد یجوز ان یتزوج امرءة حاملاً من الزنا ولا یطاء ھا حتی تضع وقال ابویوسف لا یصح والفتوی علی قولھما وکما لا یباح وطئھا لاتباح دواعیه کذا فی فتح القدیر وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأة قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عندالکل وله ان یطئھا عندالکل وتستحق النفقة عندالکل کذا فی الذخیرة۔ واذا رای امرأة تزنی فتزوجھا حل وطئھا قبل ان یستبرئھا عندھما وقال محمد لا احب له ان یطأھا مالم یستبرئھا کذا فی الھدایة عالمگیری ص۲۸۰' ج۱ واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد وحید مدرس مدرسہ اسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ

نوٹ: یہ دوسری عدت کا ہونا جب ہی ہے جبکہ واطی زانی سے یعنی نکاح فاسد کرنے والے ہی سے دوبارہ نکاح کیا جائے اور اگر دوسرے سے نکاح کرنا ہو تو دوسرے واطی کے وطی کے انقطاع سے دوسری عدت گذارنی ہوگی۔ فی الدر المختار مع الشامیة ص۶۶۱' ج۲ اذا وطئت المعتدة بشبھة وجبت علیھا عدة اخری وتداخلتا انتھی وفی البحران الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدة۔

الجواب صحیح	الجواب صحیح
ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ	عبداللہ غفراللہ لہ' مفتی خیر المدارس
۱۱ محرم ۱۳۷۹ھ	۲۰ صفر المظفر ۱۳۷۹ھ

عرضی نویس کو صرف اتنا کہنا کہ طلاق نامہ لکھ دو' اس سے طلاق ہو جائے گی یا نہیں:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج گرامی؟ یہ سوال بعد ظہر خیر المدارس آپ سے شامی کی عبارت ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب (شامی ص ۲۸۹' ج ۲) پر گفتگو ہوئی تھی۔ امید ہے کہ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت مفتی صاحب مد ظلہم سے رجوع فرمایا ہوگا۔ حاصل تحقیق سے احقر کو بھی مطلع فرماویں۔ کیا اس صورت میں زوج کا پہلے طلاق دینا ضروری ہے؟ اگر اس نے پہلے بالکل طلاق نہ دی ہو' بلکہ فقط اکتب الخ' ہی کہا ہو تو اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ اقرار طلاق کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ یہ توکیل نہیں ہے بلکہ اقرار ہے اور اس اقرار میں تقدم طلاق بالفعل کی ضرورت نہیں ہے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

شامی میں اس کو اقرار طلاق فرمایا گیا ہے' جبکہ الاشباہ میں اس کے توکیل ہونے کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے (انظر الاشباہ والنظائر ص ۵۲۸' الفن الثالث) اس ظاہری تعارض کو بھی کسی طرح رفع فرمایا جائے۔ بخدمت حضرت مفتی صاحب مد ظلہم سلام مسنون اور درخواست دعاء۔ فقط والسلام۔ احقر عبد القدوس ترمذی غفرلہ

۲۱ جون ۱۹۹۰ء جمعرات

الجواب:

طلاق لکھوانے کی دو صورتیں ہیں: (۱) توکیل طلاق بالکتابت' (۲) اقرار طلاق کو ضبط تحریر میں لانا۔ صورت اول میں کتابت سے قبل طلاق واقع نہ ہوگی' اور دوسری صورت میں بدون تحریر طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ ضابطہ یہ ہے: ان الامر بکتابۃ الاقرار اقرار کتب ام لا (بحر ص ۲۷۲' ج ۳) اکتب طلاق امرأتی دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔ (۱) اکتب کونھا مطلقۃ لانی قد طلقت (۲) اکتب طلاق امرأتی فانی ارید ان اطلقھا بھذا الصک'

واللہ اعلم۔ شامی کا جزئیہ اسی صورت ثانیہ پر محمول ہے۔ مذکورہ تقسیم بحر کے جزئیات سے واضح طور پر مفہوم ہوتی ہے' ملاحظہ ہو۔ اخبرھا انھا طالق وقل لھا انھا طالق فتطلق للحال ولا یتوقف علی وصول الخبر ولا علی المامور ذلک (بحر ص ۲۷۰' ج ۳) گویا پہلے جزئیہ میں صورت ثانیہ اقرار طلاق مذکور ہے' اور آخری جزئیہ میں توکیل ہے۔

اور ہمارے اس زمانہ میں عرضی نویس کے پاس جانے والے اکثر لوگ عرضی نویس کی تحریر سے ہی طلاق دینا چاہتے ہیں (اقرار طلاق کو مقید تحریر میں لانا مطلوب نہیں ہوتا) چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ نے الاشباہ والنظائر میں یہی لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اسی کا رواج ہے کہ تحریر سے طلاق دینا مقصود ہوتا ہے۔ اختلفوا فیما لو امر الزوج بکتابة الصک بطلاقھا فقیل یقع وھو اقرار وقیل ھو توکیل فلا یقع حتی یکتب وبه یفتی وھو الصحیح فی زماننا (ص ۱۹۸' ج ۲)

مذکورہ تفصیل کے بعد شامی کا ولو استکتب الخ جزئیہ بلا تاویل درست ہو جاتا ہے۔ الحاصل مفتی بہ کوئی مفتی بہ قرار دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۱۳۹۱/۱/۲۷ھ — بندہ عبدالستار عفی عنہ

مسئلہ ہذا کی مزید تحقیق

از قلم مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہم

نائب مہتمم ومفتی جامعہ حقانیہ ساہیوال' سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

کتب معتمدہ بزازیہ' تاتارخانیہ' شامیہ' بحر اور ہندیہ وغیرہ میں امر بکتابة الطلاق کو اقرار قرار دیا گیا ہے' چاہے کتابت نہ ہو۔ ارباب فتاویٰ کا اسی پر عمل ہے اور یہی صحیح ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے: ولو قال للکاتب اکتب طلاق امراتی کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب الخ (شامی ص ۵۸۹' ج ۲) شامی کتاب

الاقرار میں بھی تصریح ہے "لامر بکتابۃ الاقرار اقرار حکماً" یہ جزئیہ بھی اس بات کا مؤید ہے کہ امر بالکتابۃ میں کتابت کی ضرورت نہیں ہے۔ بغیر کتابت کے بھی محض امر بالکتابۃ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ امر بالکتابۃ خود اقرار ہے نہ کہ توکیل۔ صاحب بحرالرائق علامہ ابن نجیم بھی اس امر کی ان الفاظ میں تصریح فرماتے ہیں: ولو قال للکاتب اکتب انها طالق فهي طالق فينبغي ان يقع الطلاق للحال (البحر ص ۲۷۳ ج ۳) پھر چونکہ یہاں اقتضاءً طلاق ثابت ہو رہی ہے، اس لئے قضاءً و دیانۃً دونوں طرح ہی نافذ ہو جائے گی۔ بہر حال جزئیہ اکتب طلاق امرأتی الخ چونکہ اقرار طلاق کو متضمن ہے، اس لئے یہ جملہ کہتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی، گو کتابت نہ پائی جائے۔ اس کو توکیل طلاق قرار دے کر طلاق کو کتابت پر موقوف کرنا درست نہیں ہے کما مر۔ ارباب فتاویٰ اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ چنانچہ بعض ان اکابر حضرات کے فتاویٰ سے متعلقہ حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے جنہوں نے شامی کے اس جزئیہ کو اقرار طلاق پر محمول فرما کر بدون کتابت بھی طلاق کا حکم صادر فرمایا ہے۔

شامی میں ہے کہ اگر شوہر کاتب سے کہے کہ اکتب طلاق امرأتی۔ یعنی میری زوجہ کی طلاق لکھ دے تو اس کہنے سے اس کی زوجہ پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ وہ لکھے یا نہ لکھے (فتاویٰ دارالعلوم ص ١٥٣ ج ٩) اسی طرح فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ٩ کا ص ٧٧، ص ١٨٠ اور حاشیہ ص ١٨٣ بھی قابل ملاحظہ ہے، جس سے اسی سابق مضمون کی صراحتاً تائید ہوتی ہے۔

فتاویٰ محمودیہ ص ١٠٠ ج ٨ میں ہے ولو قال للکاتب الخ۔ یہاں امر کتابت کو اقرار طلاق قرار دیا گیا ہے اور اس کے لئے کتابت کو شرط نہیں کہا گیا۔ نیز ص ١٥٣ ج ٨ میں ہے اگر زید نے قاضی سے یہ کہا ہے کہ طلاق نامہ میری زوجہ کے لئے لکھ دو تو شرعاً طلاق واقع ہو گئی، اگرچہ تحریر طلاق نامہ کی نوبت نہ آئی ہو۔ ولو قال الخ (ص ١٥٣ ج ٨)

احسن الفتاوی ص ۱۸۳ ج ۵ میں بھی اسی جزئیہ کی بنا پر اسے طلاق مستبین غیر مرسوم کی کتابت قرار دے کر بدون کتابت طلاق بھی طلاق واقع ہونے کی تصریح ہے۔
اب رہا جزئیہ ذیل جسے الاشباہ میں بحوالہ قنیہ نقل کیا گیا ہے۔ واختلفوا فیما لو امر الزوج بکتابۃ الصک بطلاقها فقیل یقع وقیل هو توکیل فلا یقع حتی یکتب وبہ یفتی وهو الصحیح فی زماننا کذا فی القنیہ۔ (الاشباہ ص ۵۲۸) تو وہ مرجوح ہے۔ اس کی بناء پر امر بکتابۃ الطلاق کو توکیل قرار دے کر بدون کتابت عدم طلاق کا حکم لگانا بچند وجوہ صحیح نہیں ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ یہ مرجوح ہے' کسی کتاب سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ثانیاً اس جزئیہ میں دونوں ہی قول علی قول سے ذکر کئے گئے ہیں۔ اگرچہ عدم وقوع کو مفتی بہ قرار دیا ہے' مگر چونکہ اس کے ساتھ وهو الصحیح فی زماننا بھی موجود ہے' اس لئے اس کو ان کے زمانہ پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے تمام ارباب فتاوی اکابر نے اس کو اقرار پر محمول فرمایا ہے نہ کہ توکیل پر۔

ثالثاً خود مصنف الاشباہ کی تصریح اس کے خلاف موجود ہے۔ کما مر تحت قول البحر ولو قال اکتب کونها الخ۔

مزید برآں قنیہ اور الاشباہ پر فتویٰ میں انحصار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ قنیہ میں اقوال ضعیفہ اور الاشباہ میں ایجاز فی التعبیر پایا جاتا ہے۔ (کما فی الشامیۃ ص ۲۰ ج ۱) نیز شامی میں تصریح ہے کہ جس مسئلہ میں صاحب قنیہ منفرد ہوں اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔ ذکرہ العلامۃ الشامی ثم لا یخفی ان ما ینفرد بہ صاحب القنیۃ لا یعتمد علیہ (ص ۲۳۷ ج ۴)

رابعاً قنیہ کے دیکھنے سے واضح ہے کہ اس صورت میں وقوع طلاق کی جو وجہ انہوں نے بیان فرمائی ہے وہ افتاء بالشک ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: لانهم قد یطلقون ثم یامرون بکتابۃ الصک وقد یامرون بکتابۃ الصک قبل الطلاق فالافتاء بالوقوع قبل الصک افتاء بالشک فلا یفتی بہ۔ حالانکہ

اس وجہ کا غیر موجہ ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ کتابت سے قبل وقوع طلاق کا حکم شک پر مبنی نہیں ہے' بلکہ یہ حکم یقین پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ طلاق خود طلاق کے اقرار سے ہو رہی ہے' اگرچہ اس نے اس سے قبل طلاق نہ دی ہو۔ لان المرء یوخذ باقرارہ کما قیل ان الامر بکتابۃ الاقرار اقرار حکمًا وان لم یقر قیل فالافتاء بالوقوع بالصلک بعد الامر بالکتابۃ لیس افتاء بالشک بل ھو افتاء بالیقین فالتوجیہ الذی ذکرہ صاحب القنیۃ غیر موجہ کما لا یخفی۔

ان وجوہات کی بناء پر قنیہ کے اس جزئیہ پر فتویٰ دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا' بلکہ امر بالکتابۃ سے ہی وقوع طلاق کا فتویٰ دینا ضروری ہے۔ ھذا ما عندی ولعل عند غیری احسن من ھذا۔

شامی میں خانیہ کے حوالے سے نقل کردہ جزئیہ ثانیہ ولو استکتب کی مختلف توجیہات کتب فتاویٰ میں نظر سے گذری ہیں۔ ان میں سے اگر کسی توجیہ کو بھی اپنایا جائے تو ان دونوں عبارتوں کا ظاہری تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جزئیہ ثانیہ کو فضولی کے استکتاب پر محمول فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: ولو استکتب (ای غیر الزوج) [امداد الفتاویٰ] اسی طرح فتاویٰ دار العلوم دیوبند (ص ۱۵۳' ج ۹) اور کفایت المفتی ص ۵۰' ج ۸ پر بھی استکتاب کا فاعل فضولی کو قرار دیا ہے' جس کا مطلب واضح ہے کہ اگر کوئی غیر متعلق شخص بغیر زوج کی اجازت کے اس کی بیوی کی طلاق لکھوالے تو اس کے واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ خاوند کی تصدیق پائی جائے' ورنہ یہ طلاق واقع نہ ہوگی' کیونکہ فضولی کا یہ فعل اس وقت تک زوج کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا ہے جب تک زوج زبانی یا تحریری اس کی تصدیق نہ کرے۔ اور اس بات کا قرین عقل و نقل ہونا واضح ہے۔ یہی توجیہ زیادہ صاف اور واضح معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض حضراتؒ نے جزئیہ اولیٰ سے طلاق مستبین غیر مرسوم اور جزئیہ ثانیہ سے طلاق مستبین مرسوم متعلق بوصول الکتاب مراد لی ہے۔ و یدل

علیہ قولہ عنونہ وبعث بہ الیہا فاتاہا۔ اس صورت میں جزئیہ اولیٰ وثانیہ کا
تعلق زوج سے ہی ہوگا' ذکر فضول ہے۔ تاہم بہر تقدیر چونکہ جزئیہ اولیٰ اقرار کو
متضمن ہے اس لئے امر بکتابۃ الطلاق سے ہی بدون کتابت طلاق ہو جائے گی
وان لم یکتب۔ اگرچہ بعض حضرات کاتب کی تحریر سے طلاق دینا چاہتے ہیں اس
سے قبل اس لفظ سے ان کا ارادہ طلاق کا نہیں ہوتا' لیکن چونکہ امر بکتابۃ الطلاق
اقرار ہے' اس لئے اس سے ہی طلاق واقع ہونے کی کتابت پر موقوف نہیں ہوگی۔
لانہ اقرار لا توکیل ولا یلزم ان یکون الاقرار صادقا ابدا لانہ ان اقر
کاذبا یقع ایضا کما یقع فی الاقرار الصادق وفتاوی الاکابر ایضا
تؤید ھذا المفہوم لانہم حملوا الامر بکتابۃ الطلاق علی الاقرار لا
علی التوکیل فلذا حکموا وافتوا بوقوع الطلاق والا فکیف یصح
حکمہم بوقوع الطلاق بمجرد الامر بالکتابۃ مع التصریح
عندھم من المسائل ارادۃ عدم وقوع الطلاق بالامر بالکتابۃ فظہر
انہ لا اعتبار لارادۃ الطلاق بعد ھذا الاقرار ھذا ما بدا لی الآن۔ والعلم
عند اللہ المنان۔

اکتب طلاق امرأتی اور استکتب طلاقہا میں فرق

ایک دفعہ آپ شامی کے جزئیہ ولو استکتب الخ پر اشکال فرما رہے تھے کہ
بظاہر اس کا تعارض دوسرے جزئیہ ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی
الخ سے ہے۔ بندہ کو بھی شبہ رہا۔ ایک دفعہ امداد الفتاویٰ میں حضرت کی تعبیر میں
التوسیع لکھی ہوئی نظر پڑی۔ وہ اس طرح تھی ولو استکتب (ای غیر الزوج)
اس سے تعارض کا شبہ تو زائل ہو گیا مگر ایک بات اپنے ناقص فہم میں نہیں آئی۔
استفادۃً آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ ولو قال للکاتب الخ
والے جزئیہ میں وقوع طلاق پر پرانے اور قریب کے اکابر متفق نظر آتے ہیں۔ خلاصۃ

الفتاویٰ میں غالباً کتاب الاقرار میں مذکورہ بالا جزئیہ کے ساتھ یہ جزئیہ بھی لکھا ہوا ہے:

ولو قال للکاتب اکتب لی لفلان علی الف درهم کان اقرارا بالالف وان لم یکتب اھ بمعناه۔ یہ دوسرا جزئیہ تو بالکل سمجھ میں آتا ہے۔ پہلے کے متعلق یہ شبہ ہے کہ اس زمانہ میں اکثر عوام کے ہاں طلاق دینے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر لکھنے پر قادر ہو تو خود طلاق نامہ لکھ دے یا کسی پڑھے لکھے سے لکھوا کر اس پر انگوٹھا لگا دے۔ اس کو وہ پکی طلاق کہتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات غصہ سے مغلوب ہو کر زبانی طلاق بھی دے دیتے ہیں' تو جب طلاق دینے والا کسی کاتب کو کتابت طلاق کا امر کرتا ہے تو اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ مجھے طلاق دینے کا یا اس کے لکھنے کا طریقہ نہیں آتا۔ تم میری طرف سے لکھ دو۔ تو یہ طلاق کی توکیل ہوئی۔ جیسے کوئی شخص دوسرے کو کہے طلّق امرأتی' تو محض کہنے سے طلاق نہیں ہوگی جب تک فعل تطلیق وکیل سے صادر نہ ہو۔ اسی طرح جب تک کاتب کتابت نہ کرے اس وقت تک طلاق نہ ہونی چاہیے۔ شوہر کا یہ مقصود بالکل نہیں ہوتا کہ میں پہلے سے طلاق دے چکا ہوں' اس کا اب اقرار کرتا ہوں۔ تم اس کو لکھ لو' نہ اس کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے۔ البتہ اگر الفاظ اقرار کو متضمن ہوں تو پھر وقوع طلاق میں کوئی شبہ نہیں' اگرچہ کاتب نہ لکھے۔ مثلاً یوں کہے: اکتب ان امرأتی طالق او مطلقة او حرام۔ صرف امر بکتابة الطلاق جو اقرار کو متضمن نہ ہو موجب طلاق نہ ہونا چاہیے۔ جیسے کہے اکتب الطلاق۔۔۔ یہ شبہ اور قوی ہو گیا جب اشباہ کے کتاب الاقرار میں یہ نظر سے گذرا کہ امر بکتابة الطلاق سے وقوع طلاق میں جو اختلاف ہے۔ مگر صحیح عدم وقوع ہے اور ہمارے زمانہ میں مفتٰی بہ یہی ہے (انتھی بمعناه) اس وقت اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ استفادہ کا سلسلہ چلتا رہے۔ حاضر ہونے سے قاصر رہتا ہوں۔ اگر طبیعت میں نشاط ہو تو جواب سے مسرور فرمائیں' ورنہ طبیعت پر بوجھ ڈالنے کی زحمت نہ فرمائیں۔ والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔

مکرمی و مشفق حضرت مفتی صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

ولو استکتب (ای غیر الزوج) یہ تاویل عبارت جزئیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے۔ اور یہ ان مواضع میں سے نہیں جن میں اضمار مذکور جائز ہوتا ہے۔ پورا جزئیہ یہ ہے: رجل استکتب من رجل آخر الی امرأتہ کتابا بطلاقہا وقرأہ علی الزوج فاخذہ الخ۔ امرأتہ کی ضمیر کا مرجع پہلا رجل ہے۔ جو کہ اپنی بیوی کو طلاق لکھوا رہا ہے۔ اگر مرجع غیر زوج ہوتا تو عبارت یوں ہونا چاہئے تھی: الی امرأۃ فلان الخ۔ لہٰذا اب تک تعارض رفع نہیں ہوا۔ البتہ اشباہ سے جو آپ نے دو قول نقل کئے ہیں، تو ہو سکتا ہے کہ دونوں جزئیات ان دونوں اقوال پر متفرع ہوں۔ گو مفتی بہ عدم وقوع ہے۔ لیکن عبارات اکابر اس کے خلاف ہیں۔ بحر و شامی وغیرہ سب میں اسے اقرار بالطلاق ٹھہرایا گیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اکتب طلاق امرأتی کے دو مفہوم ہیں: (ا) طلاق مصدر مجہول ہو تقدیریہ ہو۔ اکتب کون امرأتی مطلقۃ۔ اس صورت میں وقوع طلاق ظاہر ہے۔ جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے کہ اکتب ان امرأتی طالق میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور حضرات فقہاء کے پیش نظر یہی معنی ہے' اس لئے وہ اسے اقرار بالطلاق قرار دے رہے ہیں۔ (ب) طلاق اپنے مصدری معنی میں ہو۔ یعنی میرا طلاق دینا لکھو۔ لانی ارید ان اطلقہا بہذا الخط۔ پس اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور ہمارے عرف میں اسی معنی کے اعتبار سے ایسے الفاظ مستعمل ہیں۔ پس عدم وقوع ظاہر ہے۔ گو اس میں ایک مرجوح احتمال یہ بھی ہے کہ میرا طلاق دینا لکھو۔ لانی قد طلقتہا۔ لیکن یہ مرجوح ہے۔ اگر یہ دونوں احتمال بدرجہ مساوی بھی مان لئے جائیں تو بھی چونکہ اصل عدم وقوع ہے۔ وقوع طلاق کا حکم نہ کیا جاوے گا۔ خصوصاً جبکہ اشباہ کے جزئیہ سے مفتی بہ عدم وقوع مل گیا ہے۔

دعا کی درخواست ہے۔ بندہ بھی دعا گو ہے۔ فقط والسلام

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
۲۵/ ۱۴۰۰ھ

تین الگ الگ کاغذوں پر ایک ایک طلاق لکھی' ایک بھیج دیا دو گم ہو گئے تو کتنی طلاق ہوئیں :

لڑکے نے غصے میں آ کر تین الگ الگ کاغذوں پر ہر ایک پر ایک طلاق لکھوائی اور ایک کاغذ بھیج دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد لڑکے ہی کے گھر میں باقی دو کاغذ گم ہو گئے۔ تو صورت مسئولہ میں کتنی طلاق واقع ہوئیں؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں بصیت تین طلاق طلاق نامہ لکھنے سے ہی تین طلاق ہو گئیں۔ طلاق نامہ گم ہو جانے سے طلاق ختم نہیں ہوتی۔ جاں کتب امابعد فانت طالق فکما کتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الکتابة (شامی ص۴۶۵ ج۲) واللہ اعلم۔

محمد انور الجواب صحیح

مفتی جامعہ خیر المدارس بندہ عبدالستار عفی عنہ

ایسے جنون کی طلاق کا حکم :

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام دریں مسئلہ کہ میں مسمی عبدالکریم ولد خیر محمد قوم بھون حلفاً بیان کرتا ہوں کہ آج سے قریباً ڈیڑھ سال قبل میں بیمار ہوا اور ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ ایک مرتبہ علاج کرانے سے صحیح سالم تندرست ہو گیا۔ پھر کچھ عرصہ گذرنے کے بعد مجھے دوبارہ دورہ پڑا' اور اس حالت کو تمام گھر والے اور رشتہ دار جانتے ہیں کہ واقعی ہی میرا ذہنی توازن خراب ہو گیا تھا۔ دماغ خراب ہونے کا سب کو علم ہے۔ جس وقت دوسری مرتبہ مجھے دورہ پڑا' واقعی مجھے کوئی ہوش و حواس نہ تھا۔ اس دوران میں نے اپنے بالکل نئے کپڑوں کا ایک جوڑا اور ایک جوتوں کا جوڑا جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیئے اور مجھے ان کے ڈالنے کا کوئی علم نہ تھا۔ بعد میں اہل خانہ نے

مجھے بتایا کہ تو نے اپنے کپڑے اور جوتے تنور میں ڈال دیئے تھے۔ اور تو نے ایک مرتبہ اپنی بیوی نسیم بی بی دختر حافظ اللہ داد بعون کو صرف ایک طلاق کہی تھی۔ اس کے بعد میں نے متعدد ڈاکٹرز سے علاج کروایا۔ بالآخر میں پروفیسر شفیق الرحمن' جیشمت پشاور ہسپتال کے علاج سے ذہنی طور پر بالکل تندرست ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے گھریلو ناچاقی کی وجہ سے اپنی بیوی نسیم بی بی دختر حافظ اللہ داد کو اپنے ایک بھائی محمد بلال اور اپنی والدہ کے روبرو اپنی زوجہ کو دو مرتبہ کہا جا تجھے طلاق ہے۔ اس دوران میں بالکل دماغی طور پر ٹھیک تھا۔ مجھے اپنی حالت کی پوری ہوش تھی۔ پھر اسی دن میں نے اپنے علاقے کے علماء کے بتانے پر پھر اپنی بیوی نسیم بی بی سے اپنے گھر والوں کے روبرو لفظا رجوع کر لیا۔ اور متواتر میری زوجہ نسیم بی بی میرے پاس چار دن ٹھہری رہی۔ اس کے بعد لوگوں کے کہنے پر نسیم بی بی میری زوجہ اپنے میکے چلی گئی۔ اب آپ حضرات مفتیان کرام بتائیں کہ واقعی میری بیوی نسیم بی بی مطلقہ ہو چکی ہے یا میرے عقد نکاح میں باقی ہے۔ مہربانی فرما کر اس کو بروئے شریعت حل فرما دیں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب :

اگر واقعتاً پہلی طلاق کے وقت ذہنی کیفیت ایسی تھی کہ اچھے برے کی تمیز نہ تھی اور کسی کام کے انجام کا علم نہ تھا تو ایسی جنونی کیفیت میں دی ہوئی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کے بعد جو ہوش کی حالت میں دو طلاق دی ہیں اور وہ صریح تھیں تو ان کے بعد رجوع درست ہے۔ ہاں اب صرف ایک طلاق کا حق باقی ہے۔ لا یقع طلاق المولٰی علی امرأۃ عبدہ والمجنون والصبی اھ (در مختار) قال فی التلویح المجنون اختلال القوۃ الممیزۃ بین الامور الحسنۃ والقبیحۃ المدرکۃ للعواقب بان لا تظھر آثارھا وتتعطل افعالھا اھ (شامی ص ۲۶۳ ج ۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور

۳/۱۱/۱۴۱۷ھ

یونین کونسل کو طلاق نامہ کی اطلاع نہ بھی دی جائے تو بھی طلاق ہو جائے گی :

میں نے مسمات ''ک'' کو مورخہ ۹۱-۶-۱۱ زبانی شرعی طور پر طلاق ثلاثہ دے دی تھی۔ اس کے بعد میں نے اس سے ہر قسم کا تعلق ختم کر لیا اور ہم کبھی اکٹھے نہ رہے ہیں۔ تاہم مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت چیئرمین یونین کمیٹی کو اطلاع نہ دی گئی۔ بمطابق شرع ایام عدت گزرنے کے بعد طلاق مؤثر ہو چکی ہے۔

مسمات مذکورہ زبانی طلاق کو تسلیم نہیں کر رہی ہے اور ہر جگہ یہ کہہ رہی ہے کہ اسے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔ اب میں ثبوت کے طور پر طلاق کو ضبط تحریر میں لانا چاہتا ہوں۔ بمطابق شرع میری رہنمائی فرمائی جائے کہ کیا اس وقت مورخہ ۹۱-۶-۱۱ کو دی ہوئی طلاق کا اعادہ کرنے سے مقصد پورا ہو جائے گا یا مجھے اب نئے سرے سے طلاق دینا ہوگی جو کہ تین ماہ بعد مؤثر ہوگی۔ مشکور ہوں گا۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ مسمات ''ک'' اپنے خاوند پر ۹۱-۶-۱۱ سے بسہ طلاق حرام بحرمت مغلظہ ہو گئی ہے۔ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کو اطلاع نہ دینے کی وجہ سے طلاق کے وقوع پر ہرگز کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نئے سرے سے طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی ہے۔ اور عدت بھی گذر گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ — الجواب صحیح

یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ — بندہ عبد الستار عفی عنہ

کل امرأة اتزوجها فهی طالق میں تعلیق سے پہلے والی کو طلاق نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو مردوں نے مل کر ایک لڑکے کے ساتھ زیادتی کرنے کا پروگرام بنایا۔ زیادتی کرنے کے لئے گئے۔ ایک مرد اس لڑکے کے ساتھ زیادتی (شرارت) کرنے لگا۔ دوسرا مرد اس کا پہرہ دے رہا تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ شور مچنے کی صورت میں دونوں مرد بھاگ گئے۔ جب ان کو سامنے لایا گیا تو ان میں سے ایک نے (جس نے زیادتی کی تھی) اقرار جرم کر لیا' اور دوسرے (پہرہ دینے والے) نے انکار کر دیا کہ میں اس معاملے میں ملوث نہیں ہوں۔ جبکہ حقیقت میں وہ شامل تھا۔ اس نے قسم اٹھائی اور یہ الفاظ کہے کہ کلمہ کی قسم اٹھاتا ہوں کہ میں اس واقعہ میں شریک نہیں تھا' حالانکہ وہ واقعہ میں شریک تھا۔ لیکن جس نے اس کو قسم اٹھوائی ہے' اس نے کہا کہ اس قسم سے تیری بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ تو قسم اٹھانے والے نے جواب میں یوں کہا کہ اگر میری بیوی کو طلاق ہوتی ہے تو ہونے دو۔ اور پھر اس نے تین گواہوں کے سامنے قسم اٹھائی۔ اب حوالے سے ثابت کریں کہ اس کی بیوی کو طلاق ہوگی یا نہ ہوگی؟

نوٹ : دوسرا آدمی قسم کے وقت پہلے سے شادی شدہ تھا۔

المستفتی : مولوی محمد طارق' رحیم یار خان

الجواب :

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئول میں شخص مذکور کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ چونکہ اس قسم کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہے' زمانہ ماضی سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ ان کلم فلانا فکل امرأة یتزوجها فهی طالق فهو علی التزوج بعد الکلام (بزازیہ ص ۲۸۸' ج ۱) کل امرأة یتزوجها فهی طالق ان

كلمت فلانا فكلمه ثم تزوج لا تطلق ولو كلمه ثانيا بعد التزوج

تطلق (بزازیہ ص ۲۸۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۳ / ۲ / ۱۴۱۸ھ

تم میرے حق سے جُدا ہو طلاق بائنہ ہے :

ایک شخص نے غصے میں آکر تین ڈھیلے اٹھائے اور ایک ڈھیلے پر کہا کہ تم میرے حق سے جُدا ہو اپنی بیوی کو کیا یہ طلاق ہو گئی ہے یا نہیں اسی دن سے دونوں اکٹھے کھانا کھا رہے ہیں ڈیڑھ سال کے عرصے، لہٰذا قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ طلاق ہو گئی یا نہیں ؟ اگر طلاق ہو گئی ہے تو اس کا حل بتا دیں۔ مذکورہ کلمات کے علاوہ طلاق سے متعلق کوئی لفظ نہیں کہا، یہ لفظ طلاق کی نیت سے کہے تھے۔

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ اپنے خاوند پر مطلقہ بائنہ ہو گئی ہے۔ لقوله بائن انت من المتاع اذا نوى (عالمگیری ص ۳۸۶ ج ۱)

جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اور بعد از زوجین کی رضامندی سے تجدید نکاح درست ہے اور بعد از عدت دوسری جگہ عقد نکاح کر سکتی ہے۔ تجدید نکاح کے بغیر میاں بیوی کا اکٹھے رہنا جائز نہیں ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
جامعہ خیر المدارس ملتان
۸ / ۴ / ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۸ / ۴ / ۱۴۱۲ھ

دو دفعہ حرام حرام کہہ کر ایک طلاق صریح دے دی :

ایک شخص نے اپنی بیوی کی طرف طلاق نامہ بھیجا جس میں تھا اپنے نفس تو پر مجھے حرام حرام کر دیا ہے اور عدت ہی میں دوسرا طلاق نامہ بھیجا۔ جس میں ایک طلاق صریح تھی۔ کسی نے محض رجوع کا فتویٰ دیا۔ کیا حکم ہے ؟

الجواب: اگر لفظ حرام سے تین کی نیت نہیں کی تھی تو صورت مسئولہ میں دو طلاق بائنہ واقع ہوئی ہیں۔ اب صرف رجوع کافی نہیں۔ البتہ نکاح جدید ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

خلع دیتا ہوں طلاقِ بائنہ ہے:

حضرت مفتی صاحب! جاوید اقبال نے اپنی منکوحہ خالدہ سعید کو لکھ کر دیا ہے بلو اقبال اپنی بیوی خالدہ سعید کو خلع دیتا ہوں۔ مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔ (المستفتی محمود احمد نور الملک)

الجواب: فقوله لها خالعتک بلا ذكر مال لا يسمى خلعاً شرعاً بل هو طلاق بائن غير متوقف على قبولها بخلاف ما اذا ذكر معه المال او كان بلفظ المفاعلة او الامر فانه لا بد من قبولها كما مر لانه معاوضة من جانبها كما يأتي۔ (فتاویٰ شامی ص ۴۴۰ ج ۲)

مذکورہ صورت میں بہ نیت طلاق یہ الفاظ لکھے ہیں تو طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔

فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دار الافتاء

طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے کر مجھے مار پیٹ کر جبراً طلاق دے لی گئی میں نے تین بار طلاق کے لفظ کہہ دیئے کیا میں دوبارہ اس عورت کو رکھ سکتا ہوں کیا جبراً طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ میرا خیال نہیں تھا طلاق دینے کا۔

الجواب ــــ برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مسمات ساجدہ پر شرعاً تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اب وہ بدوں حلالہ محمد فاروق کے گھر آباد نہیں ہو سکتی۔

لقولہ تعالیٰ فان طلقها فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ (الآیۃ)

زوجین میں فوراً علیحدگی کی جائے تین طلاقوں کے بعد ان کا اکٹھا رہنا شرعاً حرام ہے زبانی طلاق خواہ جبر سے ہو شرعاً واقع ہو جاتی ہے۔

یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغاً عاقلاً سواء کان حراً او عبداً طائعاً او مکرھاً (ہندیہ ص۳۵۳ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ؛ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

میری طرف سے جواب ہے طلاق ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے غصہ کی وجہ سے بیوی کو تین چار دفعہ کہا کہ میری طرف سے جواب ہے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــ اگر اس کے علاوہ کوئی اور طلاق کا لفظ نہیں کہا تو ایک بائنہ طلاق واقع ہو گئی۔ کذا حققہ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی التھانوی فی امداد الفتاوی ص۴۲۲ ج۲ ۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ؛ محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ محمد شریف جالندھری ۱۸ / ۹ / ۱۳۹۸ھ

خاوند نے تین دفعہ حرام کہا کاتب نے تین طلاق لکھ دیں۔

زید اپنی بیوی کو طلاق دینے کے ارادے سے کاتب کے پاس جاتا ہے۔ کاتب طلاق نامہ پُر کر دیا

بکر لکھ کر زید سے کہلواتا ہے کہ تو اپنی زبان سے یہ کہدے کہ فلاں میری بیوی فلاں کی بیٹی اوپر گواہان میرے تن سے حرام میرے تن سے حرام میرے تن سے حرام ہے چنانچہ زید بھی "اسی طرح" کہہ دیتا ہے، مگر عورت نے یوں الفاظ لکھے ہیں کہ فلاں بن فلاں نے اپنی بیوی کو تین طلاق مغلظہ کر کے اپنے تن سے حرام کر دیا ہے۔ لہٰذا در تحریر بالا صورت کونسی طلاق واقع ہوئی ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں چونکہ طلاق نامہ میں مذکورہ الفاظ طلاق سے مقصود انشاء طلاق نہیں بلکہ ان الفاظ کی حکایت ہے جو طلاق کے سلسلہ میں شخص مذکور سے کہلائے گئے تھے، لہٰذا اعتبار اس کے پہلے الفاظ کا ہوگا ——— --- پس شخص مذکور کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ ہو گئی ہے۔ عدت کے اندر اور بعد زوجین میں تجدید نکاح درست ہے عدت کے بعد عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفی عنہ
عبداللہ عفی عنہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

بوقت ضرورت طلاق دینے کا حکم

کیا مجبوری کی حالت میں طلاق دی جا سکتی ہے اور برادری طلاق دینے پر خاوند کو کوئی سزا دے سکتی ہے؟

الجواب بوقت ضرورت طلاق دینا جائز ہے لہٰذا برادری کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خاوند کو طلاق دینے پر کوئی سزا دے۔

وايقاعه مباح عند العامة لاطلاق الآيات اكمل وقيل قائله الكمال الاصح حظره اى منعه الا لحاجة كريبة وكبر والمذهب الاول كما فى البحر وقولهم الاصل فيه الحظر معناه ان الشارع ترك هذا الاصل فاباحه بل يستحب لو مؤذية او تاركة صلاة غاية ومفاده ان لا اثم بمعاشرة من لا تصلى ويجب لو فات الامساك

بالمعروف ۔ (درمختار علی الشامیۃ ص۴۵۹ ج۲) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۰/۳/۱۴۱۱ھ

پنجابی میں "طلاق تینے" کہنے سے بلا نیت طلاق ہوجائے گی

زید نے اپنی بیوی کو یہ لفظ کہے "طلاق تینے" طلاق ماں دی تینے میرے گھر سے نکل جا۔ اس کے بعد اپنے لڑکے کو گالیاں دیتے ہوئے کہا ۔ مجھے اب مار، طلاق ماں دیا تیرا" ۔ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں ایک ہوئی یا زیادہ ہو گئیں ۔

الجواب صورت مسئولہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی ہے نیت تھی یا نہیں ۔ ولو قال لها كوني طالقا او اطلقي او يا مطلقة بالتشديد وقع (درمختار) قوله اي من غير نية لانه صريح وفي الستاتار خانية عن المحيط قال انت طالق ثم قال يا مطلقة لا تقع اخرى اھ ۔ شامیہ ص۴۵۱ ج۲ ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۷ محرم سنہ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

تو مجھ پر چار مذہب میں حرام ہے کہنے کا حکم

محمد اسلم نے اپنی بیوی کو تھپڑ لگائے تو اس کے رشتہ داروں نے محمد اسلم کو مارا ۔ محمد اسلم نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو مجھ پر چار مذہب میں حرام ہے اور تین دفعہ یہی لفظ کہے ۔ اب وہ کہتا ہے کہ جب میں نے یہ لفظ کہے تھے میری نیت طلاق دینے کی نہ تھی ۔ کیا طلاق واقع ہو گئی ؟

(شاہ محمد عمر دند و شاہ بلاول تا گنگ ضلع اٹک)

الجواب: صورتِ مسئولہ میں طلاق بائنہ واقع ہوگئی ہے بدون نکاح جدید کے محمد اسلم مذکورہ عورت کو اپنے گھر نہیں رکھ سکتا

قولہ حرام من حرم الشئ بالضم حراماً امتنع أو بفعله بهذا الوصف ومعنی لا الممنوع فيعمل علی ما سبق وما يأتي وقوع البائن به بلا نية في زماننا للتعارف لا فرق في ذلك بين محرمة وحرمتك سواء قال علي أو لا أو حلال المسلمين علي حرام وكل حل علي حرام وأنت معي في الحرام اهـ رد المحتار ص ج ۲ باب الكنايات ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔ ۲۹ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

طلاق نامہ لکھ کر رکھ لیا تو طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ مسمی شاہد محمود نے مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کرکے طلاق دی ہے اس کا کیا حکم ہے کہ میں شاہد محمود ولد فضل حسین آج مورخہ ۔۔ کو مسمی فرحت دختر ملک عطاء اللہ جشنر کو اپنے نکاح سے آزاد کرتا ہوں ۔ میں مسمی فرحت کو طلاق دیتا ہوں ۔ طلاق دیتا ہوں ۔ طلاق دیتا ہوں ۔ یہ فیصلہ میں نے مکمل ہوش وحواس میں رہ کر کیا ہے اور یہ کہ مجھ پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہے ۔ شاہد محمود

نوٹ : یہ تحریر لکھ کر اس نے بیوی کو نہیں دی بلکہ اپنے پاس رکھ لی ہے ۔ آیا طلاق ہو گئی ہے یا نہیں ؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ شخص مذکور پر اس کی زوجہ بے طلاق حرام بحرمت مغلظہ ہوگئی ہے ۔ اب دوبارہ زوجین میں بدون حلالہ کے عقد نکاح درست نہیں ہے اور یہ عورت بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے ۔

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

لفظِ طلاق سے ایک ہی طلاق ہو گی اگرچہ تین کا ارادہ ہو!

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے تحریر لکھی کہ میں اپنی بیوی زبیدہ کو جو میری منکوحہ مدخولہ ہے بے ادبی اور صد درجہ گستاخی کی وجہ سے طلاق دیتا ہوں۔

عزم یہ تھا کہ طلاقِ ثلاثہ دے رہا ہوں تو کون سی طلاق واقع ہوئی ہے؟

(عبدالحمید توحیدی بیرون حرم گیٹ ملتان)

الجواب صورتِ مسئولہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے۔ دورانِ عدت رجوع اور بعد از عدت نکاح جدید کیا جا سکتا ہے۔

"صریحہ ما لم یستعمل الا فیہ کطلقتک وانت طالق ومطلقۃ ویقع بہا واحدۃ رجعیۃ وان نوی خلافہا او لم ینو شیئاً" اھ۔

الجواب صحیح — [illegible] فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ

طلاق نامہ جلا دیا تو طلاق کا حکم

حاملہ عورت جس کو پانچ ماہ کا حمل ہے۔ اس کے خاوند نے ایک تحریر اس لڑکی کے چھوٹے بھائی جس کی عمر تقریباً سات سال ہے کے ہاتھ میں یہ کہہ کر دی کہ یہ سالگرہ کا کارڈ ہے۔ لیکن جب وہ اپنی بہن کے پاس لے گیا۔ تو وہ طلاق نامہ تھا۔ اور تین مرتبہ طلاق درج تھی۔ اور لڑکی نے طلاق نامہ کا کاغذ جلا دیا۔ تو کیا طلاق ہو گئی ہے۔ یا نہیں۔

ملک محمد شریف جھنگ (؟)

الجواب بر تقدیرِ صحتِ واقعہ طلاقِ ثلاثہ واقع ہو گئی ہیں۔ دوبارہ زوجین میں بدون حلالہ کے عقدِ نکاح درست نہیں ہے۔ طلاق نامہ جلا دینے سے طلاق کے وقوع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفی عنہ — [illegible]

(کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی وقیل مطلقا) (درمختار ص [illegible] ج ۲)

(کتب الطلاق الخ) قال فی الهندیة الکتابة علی نوعین مرسومة وغیر مرسومة ...

وان کانت مرسومة یقع الطلاق نوی او لم ینو ثم المرسومة لا تخلو اما ان

ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطلاق وتلزمها العدة من

وقت الکتابة الخ (شامی ص ۴۴۵ ج ۲) (محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاوی)

زید نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ بھیجا جس کی تحریر حسب ذیل ہے: میں نے اپنی زوجہ کو طلاق قطعی دے کر اپنی زوجیت سے علیحدہ کر دیا ہے ایسے حالات میں میں

> طلاق قطعی دیدی آج سے مطلقہ آزاد ہے
> مجھ پر حرام ہے دو طلاق بائن ہیں

بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا آج سے وہ مطلقہ آزاد ہے اور سائل نے اپنے اوپر اسے حرام کر لیا ہے۔ صورت مسئولہ میں کتنی طلاق واقع ہوئیں کیا زوجین میں دوبارہ نکاح جائز ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر طلاق دہندہ نے "طلاق قطعی" کے لفظ سے تین طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق نامہ ہذا کی رو سے دو طلاق بائن واقع ہو گئیں اب بلا حلالہ نکاح جدید کیا جا سکتا ہے۔

ایک طلاق بائن طلاق قطعی کے لفظ سے واقع ہوئی اور دوسری طلاق "آج سے وہ مطلقہ ہے" کے لفظ سے واقع ہوئی۔ آگے آزاد ہے اور حرام کے لفظ سے مزید طلاق واقع نہ ہوگی۔

"لا یلحق البائن البائن" شامی میں ہے:

ولا یرد انت علی حرام علی المفتی به من عدم توقفه

علی النیة مع انه لا یلحق البائن ولا یلحقه البائن

لکونه بائنا لما ان عدم توقفه علی النیة امر عرض

لہٰذا بحسب اصول وضعیہ (ہدایہ ص ۳۸۵/۲) ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۰/۱۲/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
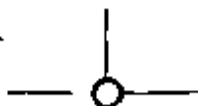
میں ہندہ سے جس وقت نکاح کروں اسے طلاق تو صرف ایک دفعہ طلاق ہوگی

ایک شخص عاقل بالغ بہوش وحواس خمسہ ایک عورت کا نام لے کر کہتا ہے کہ جس وقت بھی میں اس عورت کے ساتھ نکاح کروں تو اس کو اسی وقت ہی طلاق ہے۔ کیا وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے اگرچہ بعد از طلاق بھی ہو؟

الجواب ـــ لفظ جس وقت ترجمہ ہے اذا ما کا اور اذا ما کا حکم یہ ہے کہ جس وقت شرط پائی جائے تو یمین ختم ہو جاتی ہے لہٰذا اس عورت سے جب نکاح کریگا تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی ـــ جب دوبارہ نکاح کریگا تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی" اور اگر یہاں لفظ کلما ہوتا اور الفاظ یوں ہوتے کہ میں جتنی بار بھی نکاح کروں گا تو طلاق تو جتنی بار بھی نکاح کرتا طلاق واقع ہو جاتی ـــ اگرچہ طلاق کے بعد بھی نکاح کرتا۔

ألفاظ الشرط ان واذا واذا ما وكل وكلما ومتى ومتى ما ففي هذه الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت اليمين وانتهت لانها لا تقتضي العموم والتكرار فبوجود الفعل مرة تم الشرط وانحلت اليمين فلا يتحقق الحنث بعده الا في كلما لانها توجب عموم الافعال اھ عالمگیری ج ۱ ص ۴۱۵ (الباب الرابع فی الطلاق بالشرط)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸/۳/۱۴۰۰ھ
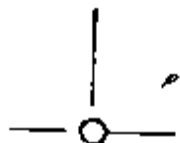
فلاں تاریخ تک پیسے نہ دیئے تو بیوی کو تین طلاق پھر اسکی جگہ کسی اور نے پیسے دے دیئے

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ عبدالرحمان نے غلام عباس سے ایک بھیڑ خریدی۔ بھیڑ کی قیمت نقد ادا نہ کی بلکہ کہا کہ میں اسکی قیمت فلاں تاریخ تک ادا کر دوں گا۔ اگر ادا نہ کر سکا تو میری بیوی کو تین طلاق۔ مگر عبدالرحمان نے فلاں تاریخ تک رقم ادا نہ کی۔ عبدالرحمان کے سسرال والوں کو علم ہوا تو انہوں نے آخری تاریخ سے ایک دو روز قبل غلام عباس کو قیمت ادا کر دی۔ واضح ہو کہ عبدالرحمان نے اس سلسلہ میں نہ تو سسرال والوں کو کوئی ہدایت کی اور نہ ہی غلام عباس سے کوئی رابطہ کیا۔ اب عبدالرحمان کا نکاح باقی رہا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب از جامعہ بنوریہ کراچی۔ صورت مسئولہ میں عبدالرحمان کے سسرال والوں نے مذکورہ بھیڑ کی قیمت ادا کر کے مقررہ تاریخ کے اندر اندر عبدالرحمان کو اطلاع کر دی تھی تو اس صورت میں عبدالرحمان کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اور اگر سسرال والوں نے بھیڑ کی قیمت ادا کر دی ہے اور وہ بعد ازاں خاموش رہا اور خود بھی رقم ادا نہ کی تو اس صورت میں اسکی مقررہ مدت گزرتے ہی تین طلاق مغلظہ سے حرام ہو گئی جس کے بعد نہ رجوع کی گنجائش ہے اور نہ ہی حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ آپس میں نکاح ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ: محمد عبدالحق درس دارالافتاء جامعہ بنوریہ کراچی

۲۱ / ۱۲ / ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح،
محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ،
رئیس دارالافتاء بنوری ٹاؤن کراچی

جواب: از جامعہ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے نزدیک بنوری ٹاؤن کے فتویٰ ہذا میں حانث نہ ہونے کے سبب میں جو توسع اختیار کیا گیا ہے وہ محل نظر ہے۔ اس لئے کہ قسم ٹوٹنے سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ خود ادائیگی کرتا یا کسی اور کو ادائیگی کا حکم کرتا۔ اس کے کہے بغیر سسرال والوں کا رقم ادا کر دینا اس کے خود ادا کرنے کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ خواہ اطلاع کریں یا نہ کریں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل تصریحات سے ثابت ہوتا ہے۔ بہرکیف

صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو گئی ہیں۔

(قال فی البحر) حلف لا یدفع الی فلان ماله فامر غیرہ فضمنه ونقد بضمانه فهو حانث لانه اذا نقد رجع به علیه فصار کانه دفع الیه وکذلك لو احاله علیه فاعطاہ۔ ولو کانت الحوالة والکفالة بغیر امرہ لا یحنث بادائه کذا اذا تبرع رجل بالاداء

(ایضاً) حلف لیعطین فلانا حقه فامر غیرہ بالاداء او احاله فقبض بر ولو کان بغیر امرہ لا حنث (بحر الرائق ص۳۸۹ ج۴)

ومثله فی الدر المختار ص۲۲۴)

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۶/۲/۱۳۹۴ھ

جو بولنے پر قادر ہو اس کی طلاق تلفظ کے بغیر نہیں ہو گی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے دل میں اپنی بیوی پر طلاق واقع کرنے کی صرف نیت کی، اور زبان سے لفظ کوئی نہیں بولا۔ ہاں ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کر دیا۔ تو کیا اس سے زید مذکور کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں۔ جبکہ زید اخرس نہ ہو۔ یا کوئی اسم عدد خالی زبان سے بولا۔ مثلاً ایک اور دل میں نیت بیوی پر طلاق واقع کرنے کی ہے تو کیا طلاق واقع ہو جائے گی۔ یا اسم عدد کسی اور چیز کے ساتھ ملا کر بولا۔ مثلاً ایک کتاب اور اسم عدد ایک سے طلاق کی نیت کی۔ تو کیا اس صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً۔ غیر اخرس کی طلاق بدون تلفظ کے محض نیت سے واقع نہیں ہوتی۔ تلفظ بالطلاق رکن ہے۔ قال فی الدر المختار ورکنه لفظ مخصوص خال عن الاستثناء وقال فی الشامیة وبه ظهر ان من تشاجر مع زوجته

فاعطاها ثلثة احجار ينوى الطلاق ولم يذكر لفظاً لا صريحا ولا كناية لا يقع عليه (ص۴۴۳ ج ۲)

پس صورت مسئولہ میں محض نیت سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۱-۱-۱۳۸۶ھ

"تجھے چھٹی ہے" سے وقوعِ طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید نے کسی کام میں بیوی کی طرف سے نافرمانی صادر ہونے پر بیوی سے کہا کہ تجھے چھٹی ہے۔ تجھے چھٹی ہے اور اس سے زید کا مقصود فقط بیوی کو تنبیہ کرنا تھا نہ کہ طلاق۔ دو دن بعد بیوی نے زید سے کہا۔ آپ میرے ساتھ بولتے کیوں نہیں کیا میں آپ پر حرام ہوگئی ہوں۔ اس پر زید نے کہا نہیں نہیں۔ تو تو میری بیوی ہے میں تجھے کیسے چھوڑ سکتا ہوں میں نے تو صرف تجھے تنبیہ کرنے کے لئے کہا تھا۔ تاکہ تو مجھ سے معافی مانگے۔ اس کے بعد اسی وقت خاوند بیوی باہم بوس وکنار اور پیار و محبت کرنے لگے۔ آیا اس سے طلاق تو نہیں ہوئی۔

السائل:۔ محمد عبداللہ

الجواب صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ اگر زید کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی تو سائل کی بیوی پر قضاءً طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کنایۃ عند الفقهاء ما لم یوضع له ای الطلاق واحتمله وغیره فالکنایات لا تطلق بها قضاءً الا بنیة او دلالة الحال (ردالمحتار ص۴۵۰ ج ۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱-۳-۱۴۰۸ھ

تین طلاق کے وقوع کے بارے میں "مجموعۃ الفتاویٰ" کی عبارت سے دھوکہ نہ کھایا جائے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام دریں مسئلہ۔ کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اب احناف کے نزدیک مذکورہ عورت بغیر حلالہ کے زید کے گھر آباد نہیں ہو سکتی۔ کیا ضرورت شدیدہ کے وقت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کو اختیار کرتے ہوئے تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ مجموعۃ الفتاویٰ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔ کہ تین طلاقوں میں بوقت ضرورت کسی شافعی المسلک عالم سے پوچھ کر اس کے فتوے پر عمل کیا جائے اور اس کی نظیر مسئلہ نکاح زوجۂ مفقود و عدت ممتدۃ الطہر موجود ہے۔ کہ حنفیہ عند الضرورت امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنے کو درست کہتے ہیں۔ چنانچہ رد المحتار میں مفصلاً مذکور ہے۔

الجواب باسم ملہم الصواب: یہاں تین امور کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے

۱۔ مذہب غیر پر عمل کرنا کس وقت جائز ہے؟

۲۔ مسئلہ مذکورہ کو مسئلہ زوجۂ مفقود پر قیاس کرنا۔

۳۔ مسئلہ مذکورہ میں امام شافعی کا مذہب کیا ہے؟ اب ہر ایک پر مختصراً کلام کیا جائیگا

الف۔ مذہب غیر پر فتویٰ کے جواز کے لئے علماء نے مختلف شرائط بیان کی ہیں۔ محض بے فائدہ اور نفسانی خواہش کی خاطر اپنے مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ بلکہ دین اسلام کا مذاق اڑانا ہے۔ اور اسلام کو اپنی نفسانی خواہش کے تابع بنانا ہے۔ دنیا کی چند روزہ راحت وعیش کی خاطر مالک حقیقی کو ناراض کر کے جہنم کی راہ ہموار کرنا بہت بڑی حماقت اور بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس لئے اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ نفسانی خواہشات کی بناء پر کسی مسئلہ میں غیر کے مذہب کو اختیار کرنا حرام ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں۔ حیث قال ومن

نکح عند شهود فسقة ثم طلقها ثلاثا فاراد التخلص من الحرمة بان النكاح كان فاسدا في الاصل على مذهب الشافعي رحمه الله تعالى فلم يقع الطلاق ما نصه وهذا القول يخالف اجماع المسلمين فانهم متفقون على ان من اعتقد حل الشئ كان عليه ان يعتقد ذلك سواء وافق

او شافعی ومن اعتقد تحریمہ کان علیہ ان یعتقد ذلک فی الحالین

وهؤلاء المطلقون لا یتقون ربهم بقاء النکاح بفسق الولی الا

عند طلاق الثلاث لا عند الاستمتاع والتوارث یکونون فی وقت یقلدون من یفسدہ

وفی وقت یقلدون من یصححہ بحسب الغرض والھوی ومثل ذلک لا یجوز باتفاق

الائمة ولو قال المستفتی المعین انا لم اکن اعرف وانا التزم ذلک لم یکن من ذلک

له لان ذلک یفتح باب التلاعب بالدین ویفتح الذریعة الی ان یکون التحلیل

والتحریم بحسب الاھواء

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۔ ۲۴)

(ب) اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر عمل کرنا اس وقت جائز ہے کہ اگر اپنے مذہب کی رو سے کوئی کراہت لازم نہ آوے۔ اور طلاق ثلاثہ میں مذہب غیر پر عمل کرنے سے کراہت تو درکنار حرمت لازم آتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں جائز نہ ہوگا۔ قال العلامہ الحصکفی فی الدر المختار لکن ینبغی الخروج من الخلاف لا سیما للامام لکن یشترط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذھبہ ۔ کذا فی فتاوی دار العلوم ص ۲۴ ج ۹

(۲) مسئلہ مذکورہ کا مسئلہ زوجہ مفقود پر قیاس ۔ علامہ لکھنوی نے مسئلہ مذکورہ میں خروج من المذہب کی نظیر مسئلہ زوجہ مفقود پیش کی ہے۔ ان کا یہ قیاس ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ وہاں مذہب مالکیہ اختیار نہ کریں تو اس کے سوا کوئی حیلہ ہی نہیں اور یہاں ایسا نہیں بلکہ اس خاوند کے علاوہ دوسرے اشخاص سے نکاح کر سکتی ہے اس شخص پر کوئی ضرورت موقوف نہیں ۔۔۔ کذا فی امداد الاحکام

(۳) مسئلہ مذکورہ میں امام شافعیؒ کا مذہب ۔ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کی طرف جو اس قول کی نسبت کی ہے ۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ائمہ اربعہ اور جمہور سلف و خلف کا صورت مذکورہ میں وقوع ثلاث پر اتفاق ہے قال العلامۃ النووی رحمہ اللہ تعالیٰ وقد اختلف العلماء فیمن قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا فقال الشافعی ومالک وابو حنیفة واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث (شرح النووی علی مسلم ص ۴۷۸ ج ۱)

(۴) علامہ بدر الدین العینی رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں تحریر فرماتے ہیں حیث قال ومذھب جماھیر العلماء من التابعین ومن بعدھم منھم الاوزاعی

والنخعی والثوری وابوحنیفۃ واصحابہ ومالک واصحابہ والشافعی واصحابہ واحمد واصحابہ واسحاق وابوثور وابوعبیدۃ وآخرون کثیرون علی أن من طلق امرأتہ ثلاثا وقعن ولکنہ یأثم (عمدۃ القاری ص۲۳۳ ج۲۰)

(۳) ومذہب جماہیر العلماء من التابعین ومن بعدہم وابوحنیفۃ واصحابہ ومالک واصحابہ والشافعی واصحابہ علی ان من طلق ثلاثا وقعن ولکنہ یاثم۔

(زجاجۃ المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص۲۸۶ ج۲)

(۴) اعلم ان الائمۃ الاربعۃ اتفقوا علی وقوع الثلاث جملۃ سواء کان بلفظ واحد او بثلاث الفاظ (منہاج السنن ص۲۸۱ ج۲)

(۵) قال النووی اختلفوا فی من قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا فقال مالک والشافعی واحمد وابوحنیفۃ والجمہور من السلف والخلف یقع ثلاثا

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص۲۹۳ ج۶)

(۶) وذہب جمہور الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث ــــــ فتح القدیر ص۳۳۰ ج۳۔

حوالہ جات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ نیز تقریباً سب صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر متفق ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ جب شوافع کا یہ مسلک ہی نہیں تو ایک طلاق کا فتویٰ کیسے دیں گے۔ اور خود علامہ موصوف کو بھی اس بات کا اعتراف ہے۔ کہ جمہور صحابہؓ ائمہ اربعہ کے مذہب کے مطابق تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ مجموعۃ الفتاویٰ ص۳۵۶ ج۲ پر مفصل فتویٰ درج ہے الغرض مجموعۃ الفتاویٰ کا یہ فتویٰ درست نہیں ہے اور نہ اس پر عمل کرنا چاہیے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ — محمد انور عفا اللہ عنہ

لفظ علاق سے طلاق نہیں ہوگی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ۔ کہ اگر خاوند بیوی کو کہے کہ میں تجھے علاق دیتا ہوں۔ بغیر نیت طلاق کے اور یہ لفظ مصحف بھی نہیں ہے اس لئے کہ اس کے اپنے متعدد معانی ہیں۔ کذا فی کتب اللغات۔ تو اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں لفظ طلاق چونکہ الفاظ مصغر میں سے نہیں ہے اس لئے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۵-۶-۰۰-۱۴۰۴ھ

ایک گواہ لفظِ طلاق کی گواہی دیتا ہے ایک لفظِ حرام کی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑا ہوا جھگڑے کے بعد مشہور ہو گیا کہ اس نے طلاق دے دی ہے خاوند کہتا ہے کہ میں نے طلاق کے الفاظ یا حرام کے الفاظ نہیں کہے سننے والوں میں سے ایک کہتا ہے کہ مجھے کچھ یاد ہے کہ ایک دفعہ طلاق کہا ہے دوسرا کہتا ہے کہ مجھے تھوڑا یاد ہے کہ حرام کا لفظ ہے بعض کہتے ہیں کہ ہمیں صحیح معلوم نہیں۔ اب شرعی محمدی میں طلاق ہو گئی یا کہ نہیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب شہادت کے نامکمل ہونے کی وجہ سے۔ نیز اس میں اختلاف کی وجہ سے اس بناء پر تو طلاق کا حکم نہیں لگا سکتے۔ البتہ احتیاطاً تجدید نکاح ضرور کر لی جائے۔ لو شهد احدهما انه طلقها ثلاثا وشهد الآخر انه قال لها انت حرام علی ثلاث لا تقبل اھ عالمگیری ج ۲ (باب فی الاختلاف بین الشاہدین) فقط واللہ اعلم محمد قبول بے یم احمر ۲۱۰ ۹

عذر کی صورت میں عورت خاوند کو طلاق دے سکتی ہے؟

اخبرنا مالک اخبرنا یحیی عن سعید بن المسیب انه قال ایما رجل تزوج امرأة وبه جنون او ضرر فانها تخیران شاءت قرت وان شاءت فارقت قال محمد اذا کان امرأ لا یحتمل خیرت فان شاءت قرت وان شاءت فارقت والا لا خیار لها الا فی العنین والمجبوب۔ موطا امام محمد ص ۲۴۴

اس کا جواب دیں کہ کس حال میں مرد کو عورت رکھنے یا طلاق دینے کا اختیار ہے۔ اگر مرد نامرد ہے۔ اور عورت کو جدا ہونے کا اختیار بھی ہے۔ وہ عورت مرد کو طلاق دے سکتی ہے؟

الجواب: یہ بات غلط ہے کہ نکاح ہونے کے بعد کسی صورت میں بھی عورت کو اس نکاح سے علیحدہ ہوجانے کا حق نہیں۔ یہ کسی کتاب میں بھی نہیں لکھا۔ بلکہ بعض صورتوں میں عورت نکاح کے بعد اپنے آپ کو علیحدہ کراسکتی ہے۔ جیسا کہ اگر خاوند عنین ہو یا مجبوب ہو۔ کما هو ظاهر من الحوالة المذكورة ايضا فيه (رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۲) هو من لا يقدر على جماع فرج زوجته الى قوله فرق الحاكم بطلبها لو حرة بالغة۔ لیکن اس کے لئے قضاء قاضی شرط ہے۔ عورت خود اپنے پر طلاق واقع نہیں کرسکتی۔ امام محمد کے اس قول "ان شاءت قرت وان شاءت فارقت" کا بھی یہی مطلب ہے کہ ایسی صورت میں عورت حاکم سے تفریق کراسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ — ۵-۴-۱۳۸۵ھ

دورانِ عدت نکاح کرکے تین طلاق دیدیں تو بدوں حلالہ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے

ایک شخص ۴ صفر کو فوت ہوا ۲۳ ربیع الثانی کو اس کی بیوی سے نکاح ثانی کر لیا۔ اس دوسرے خاوند نے اسے تین طلاق دے دیں۔ کیا اب وہی خاوند اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے؟

الجواب: عدت میں کیا ہوا نکاح فاسد ہے اب بدوں حلالہ دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں کیونکہ حرمت مغلظہ ثابت نہیں ہوئی۔

طلق المنكوحة فاسدا ثلاثا له تزوجها بلا محلل (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۸۶)

فقط واللہ اعلم — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۹۰-۱-۲۳ھ

قتل کی دھمکی دیکر طلاق کے الفاظ کہلوانا

میرے بھائیوں نے قتل کی دھمکی دے کر مجھ سے دو مرتبہ مجبوراً کہلوایا "میں نے بیوی چھوڑ دی" میں نے صرف ڈرتے ہوئے یہ لفظ کہے ہیں دل سے نہیں کہے تو کیا طلاق ہوگئی؟

الجواب: صورت مسئولہ میں بیوی کے مدخولہ ہونے کی صورت میں اس پر دو طلاق رجعی

طلاق را ه (عالمگیری ص ۔۔۔ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲/۹/۱۴۰۰ھ

چھوڑ دی کا لفظ تین دفعہ کہا تو تین طلاق ہونگی

خاوند نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے یوں کہا کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا تین سے زائد مرتبہ۔ اور ایک مرتبہ یوں کہا۔ کہ تو میری بہن ہے۔ اور ایک مرتبہ یوں کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے۔ تو از روئے شریعت کونسی طلاق ہوگی بینوا اس کا کیا حکم ہے (بینوا توجروا)

الجواب ۔ "چھوڑ دی" کا لفظ اب صریح کا حکم رکھتا ہے لہذا صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ اب بدون حلالہ اس عورت سے نکاح جدید بھی صحیح نہیں (امداد المفتین ص ۵۲۲ ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان | محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵-۹-۱۴۰۰ھ

۱۱۱ طلاق تین طلاق ہیں

ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اس مضمون کا خط لکھا کہ میں سخت بیمار ہوں صحت مشکل ہے بچہ آپ کے پاس رہے گا نیچے یہ لکھا ہے ۱۱۱ طلاق اب کیا حکم ہے۔ غلام اکبر چکوال

الجواب صورت مسئولہ میں بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں۔ اب وہ بدون حلالہ نکاح جدید نہیں کر سکتا۔

کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی الخ (شامی ص ۴۶۵ ج ۲)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

"مجھ پر طلاق ہے" کا حکم

میری باتوں سے بیوی غصہ میں آ گئی۔ اور قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ مجھ پر طلاق ہے۔ مجھ پر طلاق ہے۔ مجھ پر طلاق ہے۔ صورت مسئولہ میں کتنی طلاق واقع ہو گئی ہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو چکی ہیں فیکون حینئذ قولہ علیّ الطلاق بمنزلۃ انت طالق اھ۔ قال ولسیدی عبدالغنی النابلسی رسالۃ فی ذلک سماہا رفع الانغلاق فی علیّ الطلاق ونقل فیہا الوقوع عن بقیۃ المذاہب الثلاثۃ اقول وقد رأیت (الی ان قال) وما افتی بہ فی الخیریۃ من عدم الوقوع تبعا لابی السعود آفندی فقد رجع عنہ وافتی عقبہ بخلافہ (شامی ص ۲۲۲ ج ۲)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

اضافت صریح طلاق میں ضروری نہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوجین کے مابین کسی امر میں جھگڑا پڑا اور مرد نے یوں کہا کہ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق۔ جا تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ کیا اس طریقے سے طلاق مغلظ واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب مع الصواب۔ مسئلہ مذکورہ نہایت ہی سنگین اور پیچیدہ ہے۔ عام علمائے کرام اس مسئلہ کے جواب میں حیران و پریشان ہیں۔ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ ان کے دماغ چکرا گئے ہیں۔ اور لغزش میں کھا گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ مرد نے صورت مذکورہ میں یہ چار جملے استعمال کئے ہیں جن میں پہلے تین صریح طلاق کے ہیں۔ یعنی ایک طلاق۔ دو طلاق تین طلاق ان میں نیت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر یہ الفاظ اپنے محل پر استعمال کئے جائیں۔ تو مرد نیت کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ باقی رہا جملہ چہارم۔ جا تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ پنجابی زبان میں عربی زبان کے لفظ سرحتک کا معنی ہے یہ کنایہ طلاق کے الفاظ میں سے ایک لفظ ہے جس میں نیت کی ضرورت ہے۔ اگر مرد اس لفظ سے طلاق کی نیت کرے۔ تو طلاق واقع ہو

جاتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ صورت مذکورہ میں مرد نے جو صریح الفاظ (ایک طلاق۔ دو طلاق تین طلاق) بولے ہیں۔ ان الفاظ سے شرعاً طلاق واقع نہیں ہوتی۔ طلاق کے بارے میں لفظ طلاق کی اضافت کا عورت کی طرف ہونا ضروری ہے ورنہ بغیر اضافت کے طلاق واقع نہ ہوگی جیسا کہ کتب فقہ لاسیما کہ شامی ص ۲۲۲ ج ۲ پر مکتوب ہے (لترکہ الاضافۃ) ای المعنویۃ فانھا الشرط والخطاب من الاضافۃ المعنویۃ وکذا الاشارۃ نحو ھذہ طالق وکذا نحو امراتی طالق وزینب طالق الخ اور صورت مذکورہ میں مرد نے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق کہتے کے وقت نہ تو عورت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور نہ ہی نام لیا ہے۔ اور نہ ہی خطاب کیا ہے اور اضافت سے یہی تین معنی مراد ہیں۔ اور اضافت ہی طلاق کے متحقق ہونے کا باعث ہے جب ایک طلاق دو طلاق تین طلاق میں مرد کی طرف سے عورت کی جانب طلاق کی اضافت ہی نہیں پائی گئی جو طلاق کے متحقق ہونے کی موجب تھی تو بدوں اضافت کے طلاق کیسے متحقق ہوگی اس طرح بلا اضافت طلاق کے لفظ بولنے سے ہرگز طلاق واقع نہ ہوگی جیسا کہ شامی میں ص ۲۴۸ ج ۲ پر مرقوم ہے (قولہ اولم ینو شیئاً) لما مران الصریح لا یحتاج الی النیۃ ولکن لابد فی وقوعہ قضاءً ودیانۃً من قصد اضافۃ لفظ الطلاق الیھا الخ اسی طرح اسی کتاب کے ص ۲۶۳ ج ۲ پر مسطور ہے فلا یقع الطلاق الا بالاضافۃ الی ذاتھا او الی جزء شائع منہا او عضو یعبر بہ عن کلہا الخ پس ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ طلاق کے متحقق کے لئے طلاق کی اضافت کا عورت کی جانب ہونا ضروری اور لازم ہے۔ اور صورت مذکورہ میں مرد نے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق کی اضافت عورت کی طرف نہیں کی۔ لہذا طلاق مغلظہ ثابت نہ ہوئی۔ بلکہ یہ تینوں الفاظ ترک اضافت کے باعث لغو قرار دیئے گئے۔ باقی رہا جملہ چہارم۔ جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ لفظ کنایہ طلاق کے الفاظ میں سے ایک لفظ ہے۔ جس میں مرد کی جانب سے طلاق کے متحقق ہونے کے واسطے طلاق کی نیت کرنا ضروری ہے اگر مرد نے اس لفظ سے نیت طلاق کی کی ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ ورنہ نہیں۔ طلاق کی نیت کرنے یا نہ کرنے میں مرد کا قول معتبر ہوگا۔ مسئلہ مذکورہ کے مطابق کتب فقہ میں میری نظر سے عام نظائر گذرے ہیں۔ خاص کر فتاویٰ عالمگیری ص ۳۸۲ ج ۱ پر اس مسئلہ کی نظیر موجود ہے لوسئل شیخ الاسلام الفقیہ ابو نصر عن سکران قال لامرأتہ اتریدین ان اطلقک قالت نعم

فقال بالفارسیة - اگر تو زن منی یک طلاق دو طلاق سہ طلاق فنوی واحدۃ من عندی و
هو یمین و انه لو نوی به الطلاق فالقول قوله - کذا فی المحیط (عالمگیری) کی روایت میں بعینہ
مسئلہ مذکورہ کی صورت مندرج ہے جس طرح صورت مذکورۂ مجیب میں صریح طلاق کے الفاظ ایک طلاق دو
طلاق تین طلاق بدون اضافت کے مذکور ہیں اور بعد میں کنایہ طلاق کے الفاظ جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے مذکور ہیں اسی
طرح عالمگیری کی روایت میں بھی جا بجا بطور یہ پہلے ایک طلاق دو طلاق سہ طلاق صریح طلاق کے الفاظ بلا
اضافت کے مذکور ہیں اور بعد میں کنایہ طلاق کے الفاظ فنوی واحدۃ من عندی مذکور ہیں عالمگیری کے مصنف کا
نے صریح الفاظ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق جو بغیر اضافت مذکور تھے ان میں نیت کی کوئی ضرورت تھی مرد
نیت کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی تھی اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور کنایہ طلاق خود کلام مقام میں حکم فرمایا ہے
ہے ایک یہ ہی اور شبہات تھی جس سے کسی کو انکار نہیں کہ صریح طلاق کے الفاظ نیت کے محتاج نہیں ہیں نیت کرے
یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی ہے صریح طلاق میں صرف لفظ طلاق کی اضافت کا عورت کی طرف ہونا ضروری ہے اور اس
مقام میں گو صریح طلاق کے الفاظ موجود ہیں لیکن ان میں چونکہ اضافت طلاق کی نیت کا بھی ضرورت تھی پس نیت کے
بھی ان الفاظ سے طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی تھی صرف لفظ کے ساتھ متصل اضافت عورت کی طرف ہونا ضروری تھا جو یہاں
نہیں پائی گئی اسی لئے مصنف نے ان الفاظ کو لغو قرار دے کر طلاق مغلظہ کا حکم نہیں فرمایا اگر ان الفاظ میں لفظ طلاق کی اضافت عورت
کی جانب موجود ہوتی تو مصنف عالمگیری اس مقام میں طلاق مغلظہ کا حکم فرماتے اور یہ نہ فرماتے فالقول قوله
کہ اس میں مرد کے قول کا اعتبار ہے صریح الفاظ میں مرد کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی فالقول
قوله کہنا جائز ہے جب انہوں نے اس روایت میں فالقول قوله فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس روایت
میں جو صریح طلاق کے الفاظ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بدون اضافت کے واقع تھے جن میں مرد
کے قول کا اعتبار نہ تھا ان کو نظر انداز اور لغو قرار دے کر کنایہ لفظ فنوی واحدۃ من عندی جو
اس روایت میں مندرج ہے فالقول قوله سے اسی کی تشریح اور بیان کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ
مسلم ہے کہ کنایہ الفاظ میں مرد کی نیت کا اعتبار ہے پس اسی روایت فالقول قوله سے علمائے کرام دھوکہ
میں پڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر مرد نے صورت مذکورہ میں طلاق کی نیت سے ایک طلاق - دو
طلاق تین طلاق کا لفظ بولا ہے تو طلاق مغلظہ واقع ہوگی ورنہ طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوگی فالقول
قوله سے ان کا یہ سمجھنا کیا ہی غلط در غلط ہے۔ یہ تو صریح الفاظ ہیں صریح الفاظ میں نیت کی
کیا ضرورت ہوتی ہے جو نیت کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی ہے نیت کی ضرورت لفظ کنایہ میں

ہوا کرتی ہے۔ ذکر صریح میں فالقول قولہ میں مصنف نے لفظ کنایہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کا حکم بیان فرمایا ہے جو اسی روایت میں قومی واخرجی من عندی میں مذکور ہے۔ نہ صریح الفاظ یک طلاق دو طلاق سہ طلاق کا حکم بیان کیا ہے کہ اس میں مرد کے قول کا اعتبار ہے۔ یہ سمجھنا غلط فاحش ہے۔ اگر صریح الفاظ میں بھی لفظ کنایہ کی طرح مرد کی نیت اور قول کا اعتبار کیا جائے۔ تو پھر صریح صریح کیسے ہوا اور کنایہ اور صریح میں فرق کیسے ہو۔ علمائے کرام مصنف صاحب کی رمز اور اشارہ کو جو انہوں نے فالقول قولہ میں کیا ہے۔ سمجھے ہی نہیں کہ یہ اشارہ کس طرف ہے۔ یہ اشارہ لفظ قومی واخرجی کی طرف ہے۔ نہ کہ صریح لفظ یک طلاق دو طلاق سہ طلاق کی طرف ہے پس ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جیسا عالمگیری کے مصنف صاحب نے صریح الفاظ یک طلاق دو طلاق سہ طلاق قومی واخرجی من عندی میں بوجہ نہ ہونے اضافت کے طلاق مغلظہ ثابت نہیں کی اور نہ صریح طلاق مغلظہ کا پتہ کہیں انہی کی روایت فالقول قولہٗ سے ملتا ہے اگر وہ ان الفاظ سے طلاق مغلظہ ثابت کرنا چاہتے تو فالقول قولہٗ نہ فرماتے۔ صریح الفاظ میں فالقول قولہٗ کا کچھ اعتبار نہیں اور نہ ہی یہ کہنا جائز ہے فالقول قولہٗ اس جگہ بولا جاتا ہے جہاں مرد کی طرف سے نیت کا اعتبار ہو۔ مرد کی طرف سے نیت کا اعتبار لفظ کنایہ ہی میں ہوا کرتا ہے نہ کہ صریح لفظ میں۔ صریح سے تو بدون نیت اور ارادہ کے بھی طلاق متحقق ہو جاتی ہے اسی لئے صاحب عالمگیری نے فالقول قولہ کو کنایہ لفظ قومی واخرجی کے ساتھ ملحق کیا ہے کہ ان الفاظ میں مرد کی نیت اور قول کا اعتبار ہے اور اس مقام میں مرد نے طلاق نہ دینے کی نیت کا اظہار کیا ہے لہذا مصنف علیہ الرحمۃ نے فالقول قولہ کو ملحوظ رکھ کر لفظ کنایہ قومی واخرجی سے طلاق ثابت نہ کی اسی طرح صورت مذکورہ میں بھی ایک طلاق دو طلاق سہ طلاق جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے ان صریح الفاظ سے طلاق مغلظہ ثابت نہ ہوگی۔ بوجہ نہ پائے جانے اضافت کے۔ باقی رہا جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ طلاق کنایہ کا لفظ ہے تمام کتب فقہ میں یہ لفظ طلاق کنایہ میں شمار ہے۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی بہشتی زیور میں حصہ چہارم کے ص۲۵ پر اس لفظ کو کنایہ طلاق میں شمار کیا ہے۔ اور اس میں مرد کی نیت کا اعتبار ہے اگر مرد نے اس لفظ سے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے بحوالہ کتب فقہ لکھا ہے علمائے کرام سے مستدعی ہوں کہ بنظر غور ملاحظہ فرماویں۔ فقط وما توفیقی الا باللہ۔ راقم المعروف۔ ۔ ۔ ۔

الجواب: بظاہر الفاظ زوج ایک طلاق دو طلاق سہ طلاق جا تجھے چھوڑ دیا ہے۔ کلام

مرتبط اور متصل معلوم ہوتی ہے لہٰذا "جا تجھے چھوڑ دیا ہے" بکل تو جہ تفسیر بن کر کلام سابق کے طلاق میں اضافت پیدا کر دیتا ہے یعنی خاوند پہلے اپنی عورت کو تین طلاق دے رہا ہے پھر کہہ رہا ہے کہ جا کیونکہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے لہٰذا اس عبارت میں عورت مطلقہ بسہ طلاق ہو گئی ہے۔ اور اضافت کے لئے صراحۃً اضافت ہونا ضروری نہیں ہے کما فی الشامیۃ ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ شامی ص ۵۶۶ ج ۲ مفتی صاحب نے جو عبارت شامیہ سے نقل فرمائی ہے لعدم الاضافۃ ای المعنویۃ فانھا الشرط والخطاب من الاضافۃ المعنویۃ الخ ص ۵۶۶ اس عبارت کو آخر تک مطالعہ فرماویں تو واضح ہوگا کہ خطاب اور اشارہ کے علاوہ بھی سیاق اور سباق اور دیگر قرائن سے اضافت معنویہ ثابت ہو جاتی ہے اور اضافت معنوی بھی کافی ہے صراحۃً ہونا ضروری نہیں ہے اور خود یہ لفظ بھی دلالت کر رہے ہیں۔ کیونکہ مصنف نے کہا تھا الاضافۃ شامی نے المعنویۃ سے وضاحت کر دی اور کہا کہ الخطاب من الاضافۃ یعنی خطاب بھی اضافت سے ہے۔ اور دیگر امور بھی ہو سکتے ہیں۔ اور صورت مسئولہ میں تو "جا تجھ کو چھوڑ دیا ہے" بوجہ ارتباط کے اور کلام واحد ہونے کے خطاب پر بھی مشتمل ہو گیا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبداللہ غفرلہٗ	الجواب صحیح
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۵ $\frac{۳}{۱۳۹۳}$ ھ	خیر محمد عفی عنہ بانی و مہتمم خیر المدارس ملتان

تین طلاق دینے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری رائے

مندرجہ ذیل عبارت کی تحقیق فرمائی جاوے کہ جس سے غیر مقلد اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں۔ کہ قال الحافظ ابو بکر الاسماعیلی فی مسند عمر اخبرنا ابو یعلی حدثنا صالح بن مالک حدثنا خالد بن یزید بن ابی مالک عن ابیہ قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ما ندمت علی شیئ ندامتی علی ثلاث ان لا اکون حرمت الطلاق وعلی ان لا اکون انکحت الموالی وعلی ان لا اکون قتلت النوائح (اغاثۃ اللھفان فی مصاید الشیطان)

جواب

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ما ندمت علی شیئ ندامتی علی ثلاث ان لا اکون حرمت الطلاق الخ، روایت ہذا سوال میں مذکور سند کے ساتھ

اغاثۃ اللھفان ص۲۰۱ ج۱ میں موجود ہے لیکن غیر مقلدین کا اسے استدلال میں پیش کرنا درست نہیں کیونکہ روایت بالا میں اس امر کا تذکرہ قطعاً موجود نہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے وقوع کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے آخری عمر میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اور آپ اس پر پشیمان تھے اس قسم کا کوئی مفہوم روایت بالا سے ہرگز نہیں نکلتا حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ لوگ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے کے ناجائز اور خلاف مشروع فعل سے باز رہیں۔ مگر آپ نے جب آخر عمر میں محسوس فرمایا کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاق دینے کے واقعات میں اتنی کمی نہیں ہوئی جتنی ہونی چاہیے تھی، تو آپ نے فرمایا کہ اس غیر مشروع فعل کو میں نے حرام اور قابل مؤاخذہ قرار دیا ہوتا تو کیا اچھا ہوتا۔ اور نیز اسے جرم تصور کرتے ہوئے اس پر کوئی تعزیر مقرر کر دی ہوتی۔ ایسا نہ کرنے پر مجھے ندامت وافسوس ہے کیونکہ اسے جرم قرار دینے کی صورت میں ایسے واقعات کے انسداد اور کمی کی زیادہ توقع تھی۔ جیسا کہ ابن قیمؒ نے ایک سوال اور جواب میں اسی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے

فان قیل کان اسھل من ذلک ان یمنع الناس من ایقاع الثلاث ویحرمہ علیھم ویعاقب بالضرب والتادیب من فعلہ لئلا یقع المحذور الذی یترتب علیہ قیل نعم لعمر اللہ کان یمکنہ ذلک ولذلک ندم علیہ فی آخر ایامہ وود انہ کان فعلہ (اغاثۃ اللھفان ص۲۰۱ ج۱) جب روایت بالا کا مطلب صرف یہ ہوا کہ آپؓ کو آخر عمر میں فعل مذکور کے جرم نہ قرار دینے پر ندامت تھی۔ تو اس سے یہ کیسے سمجھا گیا کہ آپ کو اپنی سابقہ رائے میں تردد ہو گیا تھا۔ تو محض روایت بالا کی بنا پر وقوع طلاق ثلثہ مذکورہ کے بارے میں حضرت عمرؓ کا رجوع ثابت کرنا قطعاً غلط ہے خصوصاً جبکہ آپؓ سے وقوع کا قول یقینی طریق سے منقول وثابت ہے اور صحابہؓ نے آپ کے ساتھ اس مسئلہ میں موافقت فرمائی ہے (اغاثۃ اللھفان ص۳۲۹ ج۱ ، مسلم) ان میں سے بعض اکابر صحابہ کے اسماء گرامی یہ ہیں، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو جب وقوع طلاق ثلثہ مذکورہ اس طرح سے ثابت ہے تو ایک روایت کو (جس کا ثبوت بھی محل نظر ہے) غلط معنی پہنا کر رجوع ثابت کرنا محض سینہ زوری ہے۔ روایت ہذا کے بعض راوی میزان الاعتدال وغیرہ میں مل نہیں سکے لہٰذا اس کی سند کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ محمد صدیق غفر لہ خادم دارالافتاء
الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
خادم دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

تو مجھ سے فارغ ہے طلاق بائنہ ہے:

میاں بیوی کا آپس میں جھگڑا ہوا۔ میاں بیوی دونوں گھر جا رہے تھے راستہ کے اندر جھگڑا ہوا، تیسرا آدمی اور کوئی نہیں تھا۔ تو خاوند نے چند کنکریاں اٹھا کر اپنی عورت کی طرف پھینک دیں اور زبان سے کوئی لفظ نہیں بولا۔ ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ طلاق دیتے وقت کنکریاں یا ڈھیلے پھینکتے ہیں۔

عورت کا بیان: کہ ہمارا جھگڑا ہوا تو میرے خاوند نے میری طرف تین کنکریاں پھینکیں اور مجھے کہا کہ جا تو مجھ سے فارغ ہے۔ مرد کا بیان: کہ میں نے عورت سے کہا کہ تو اپنے میکے والوں کے گھر چلی جا اور کنکریاں بھی ماریں اور وہ عورت اپنے میکے چلی گئی۔ شریعت کی رو سے اب میاں بیوی کے لئے کیا حکم ہے شرعاً طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟

الجواب: بقول عورت اس نے کہا "تو فارغ ہے" اور فارغ ہے کا لفظ خلیۃ کے قریب قریب ہے۔ خلیۃ کے لفظ میں مذاکرۂ طلاق میں بلا نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا ان کے مذکورہ جھگڑے میں اگر تو طلاق کا لفظ پہلے آ چکا تھا تو بہر حال طلاق ہو گئی۔ خاوند جس لفظ کا اقرار کرتا ہے اس میں بھی بوقت نیت طلاق ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان کو تجدید نکاح کا حکم دیا جانا چاہئے۔ احتیاط اسی میں ہے اور یہ احتیاط ضروری کے درجہ میں ہے۔ ونحو خلیۃ بریۃ حرام بائن۔ (الدر المختار ص [illegible])

وفی الینابیع ألحق أبو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ بالخمسۃ ستۃ أخری وھی الأربعۃ المتقدمۃ وزاد خالعتک والحقی بأھلک ھکذا فی غایۃ السروجی۔ (عالمگیری ص [illegible])۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۸ محرم ۱۴۰۲ھ

طلاق کا جھوٹا اقرار بھی طلاق ہے

س کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ امام بخش نے اپنی لڑکی کا نکاح محمد اسلم سے کر دیا ـــ پھر عرصہ کے بعد برادری میں جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے محمد اسلم نے ایک ڈھیلا پھینک دیا اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ محمد اسلم کا صرف نکاح ہوا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی کچھ دن کے بعد امام بخش اپنی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنے لگا تو محمد اسلم نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی میرا نکاح باقی ہے اور کہا کہ میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر ایمان کے ساتھ کہتا ہوں کہ بھائی نے مجھ کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا کہا تو میں نے انکار کر دیا لیکن اس نے گالیاں دیں تو میں نے ایک ڈھیلا شمار کر پھینک دیا اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ رحیم بخش کا بھی یہی بیان ہے جبکہ عبد الشکور کہتا ہے کہ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ محمد اسلم نے میرے سامنے تین ڈھیلے پھینک کر کہا کہ میں نے امام بخش کی لڑکی کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح اس نے مولوی غلام محمد کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ شرعاً طلاق ہو گئی یا نہیں؟

الجواب محمد اسلم کی مذکورہ بیوی کو قضاءً طلاق ہو چکی ہے۔ کیونکہ طلاق کا جھوٹا اقرار بھی طلاق ہے۔

قال العلامة الشامی (قوله او هازلا) ای فیقع قضاء و دیانة کما یذکره الشارح وبه صرح فی الخلاصة (الی قوله) واما ما فی اکراه الخانیة لو اکره علی ان یقر بالطلاق فاقر لا یقع کما لو اقر بالطلاق هازلا او کاذبا۔ فقال فی البحر مراده بعدم الوقوع فی المشهور به عدمه دیانة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

۳۰/ ۸/ ۱۴۱۰ھ

جھگڑے کے دوران کہا تم آزاد ہو تمہیں طلاق ہے

س کیا فرماتے ہیں علماء حق دریں مسئلہ کہ میرا شوہر مجھ سے لڑائی جھگڑا کرتا رہا اور لڑائی جھگڑے

کے دوران ایک دن غصے کی حالت میں میرے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ تم میری طرف سے آزاد ہو تمہارا دل چاہے جدھر جا سکتی ہو اور تیرے ماں باپ سے کہوں گا کہ تمہاری بیٹی اب میرے کام کی نہیں رہی، جا کر اپنی بیٹی کو لے آؤ۔ اس واقعہ کے بعد لڑائی جھگڑا مسلسل جاری رہا اور تقریباً ایک ماہ بعد مجھے پھر کہا میں نے تجھے طلاق دی میں نے صرف ایک بار "طلاق دی" کا لفظ سُنا اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ کتنی بار طلاق کا لفظ استعمال کیا کیونکہ طلاق کا لفظ سُن کر مجھ پر بے ہوشی کا عالم طاری ہو گیا تھا۔ اسی حالت میں میرے شوہر نے مجھے اٹھا کر چارپائی پر ڈال دیا اور خود اپنی والدہ کے پاس جا کر سو گئے۔ ان واقعات کے بعد میرے شوہر نے مجھ سے رجوع نہیں کیا، بلکہ میرے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں جیسے ایک غیر مرد ایک عورت کے ساتھ کرتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر مجھے اپنے شوہر سے انتہائی نفرت ہو چکی ہے آپ برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں کہ آیا یہ طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں ہوئی ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت سوال دو طلاق بائنہ جبری کی ہیں اور بائنہ طلاق میں رجوع نہیں ہوتا عدت گزرنے کے بعد آزاد ہیں جہاں چاہیں نکاح کریں۔

ونحو اعتدی واستبرئی رحمک انت واحدة انت حرة اختاری امرک بیدک لا یحتمل السب والرد ففی حالة الرضا ای غیر الغضب والمذاکرة تتوقف الاقسام الثلاثة تاثیرا علی نیة الی قوله وفی الغضب توقف الاولان اھ در مختار۔ قوله توقف الاولان ای ما یصلح ردا وجوابا وما یصلح سبا وجوابا ولا یتوقف ما یتعین للجواب اھ (شامی ص ۲)

فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

تین طلاق کے بعد غیر مقلدین کے فتویٰ کا سہارا لینا

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں ایک شخص نے دوسری شادی کا ارادہ کیا تو پہلی بیوی نے مخالفت کی چنانچہ اس شخص نے اسکی تسلی کے لئے یہ بات ٹیپ کردی کہ اگر میں تجھے طلاق دوں تو اس کو بھی تین طلاق واضح رہے کہ یہ بات اس نے دو کیسٹوں میں ٹیپ کی ایک میں اس شخص نے مذکورہ بالا کلام خود کہی اور دوسری میں مذکورہ بالا الفاظ اسکی پہلی بیوی آگے کہتی گئی اور خاوند پیچھے کہتا گیا اول الذکر کیسٹ کے بارے میں خاوند کہتا ہے مجھے کچھ یاد نہیں واضح رہے کہ یہ کیسٹ خاوند نے توڑ دی تھی اور یہ قول کہ اس شخص نے از خود ٹیپ کی تھی اسکی بیوی کا ہے۔ المختصر شخص مذکور نے دوسری شادی کرلی بعد ازاں ایک یوم دوران جھگڑا اس شخص نے اپنی پہلی بیوی کو کہا کہ کیا تو طلاق لینا چاہتی ہے تو اس نے ٹیپ والی بات یاد دلائی کہ اگر مجھے طلاق دے گا تو اسے بھی طلاق پڑ جائے گی چنانچہ اس شخص نے کہا کہ میں دونوں سے تنگ ہوں اس کے بعد اس نے بنیت طلاق پہلی بیوی کو کہا ایک، دو، تین ——— اس کے کچھ دیر بعد پہلی بیوی کی ماں نے دریافت کیا کہ معاملہ تو ختم ہوچکا ہے اس نے کہا ہاں! پہلے اس شخص کو پریشانی ہوئی مفتی علماء سے استفسار پر اس کو اپنی دونوں بیویوں سے مفارقت ہوئی چنانچہ اس نے اہل حدیث علماء سے پوچھ کر دونوں بیویوں کو رکھا ہوا ہے شخص مذکور کا موقف یہ ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ بوقت ضرورت دوسرے مسلک پر عمل جائز ہے جیسا کہ دوران طواف مس مرأۃ کے مسئلہ میں شوافع احناف کے مسلک پر عمل کرتے ہیں۔ ایسا ہی میں اپنے گھرانے اور پانچ بچوں کی ماں کو آباد کرنے کے لئے مسلک اہل حدیث پر عمل کرتا ہوں شریعت مطہرہ کا اس شخص اور اسکی دونوں بیویوں کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عابد، مدینہ منورہ (السعودیہ)

الجواب

صورت مذکورہ میں از روئے قرآن وحدیث و اجماع امت تین طلاق واقع ہوگئی ہیں۔

وقد اختلف العلماء فیمن قال لامرأته انت طالق ثلاثا

فقال الشافعی ومالک وابوحنیفة واحمد وجماهیر

العلماء من السلف والخلف یقع الثلث الخ ۔ واحتج الجمهور بقوله تعالی ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه ۔ لاتدری لعل الله یحدث بعد ذلك امرا ۔ الآیه قالوا معناه ان المطلق قد یحدث له ندم فلا یمکنه تدارکه لوقوع البینونة فلو کانت الثلاث لم یقع طلاقه هذا الا رجعیا فلا یندم ۔ واما الروایة التی رواها المخالفون ان رکانة طلق ثلاثا فجعلها واحدة فروایة ضعیفة عن قوم مجهولین

(نووی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ باب طلاق الثلاث)

۲۔ لکنهم اجمعوا علی انه من قال لامرأته انت طالق ثلاثا یقع ثلاثا بالاجماع الخ والحجة لنا السنة والاجماع

(تفسیر مظهری تحت قوله تعالی الطلاق مرتان)

۳۔ والبدعی ثلاث متفرقة وفی رد المحتار وکذا بکلمة واحدة بالاولی الی قوله وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلاثا (شامی ص ۴۵۵ ج ۲)

مذکورہ روایات صراحتاً اس بات کی دلیل ہیں کہ یک وقت دی جانے والی تین طلاق کے وقوع پر جمہور امت کا اجماع ہے اور اس کے خلاف قول شاذ و مردود ہے۔ رہا قول الطلاق بوقت ضرورت دوسرے کے مسلک پر عمل جائز ہے تو اس کا جواب روایات مذکورہ بالا سے واضح ہو گیا کہ عدم وقوع ثلاث کسی کا مسلک ہی نہیں لہذا یہ عمل بمسلک الغیر نہیں بلکہ عمل بالشاذ والمردود ہے۔ اور اگر بالفرض والتسلیم یہ کسی کا مسلک بھی ہوتا تو بھی عمل بمسلک الغیر کے لئے چند شرائط ہیں جن میں سے بنیادی شرط یہ ہے کہ عمل ضرورت شدیدہ کی بناء پر ہو اتباع ہویٰ کے لئے نہ ہو اور صورت مسئولہ میں بجز اتباع نفس و ہویٰ اور کچھ نہیں۔ اس قسم کے اعذار واہیہ کی بناء پر تحلیل و تحریم کے فیصلے کرنا تلعب بالدین اور مفاسد کا دروازہ کھولنا ہے بلکہ اندیشہ سلب ایمان ہے۔

واما زماننا فقد ظهر زمان اتباع الهوی واعجاب کل ذی رأی برأیه والتلاعب بالدین فتعین الرجوع متعینا ومتیقنا باعتبار الغالب الاکثر فلا یجوز الافتاء بمذهب الغیر الا بشرائط الضرورة الشدیدة وعموم البلوی والاضطرار کما ذکره العلامة ابن عابدین فی رسالته عقود رسم المفتی

(تمام الخیر فی الافتاء بمذهب الغیر للعلامة المرحوم المفتی محمد شفیع رحمه الله علیه)

وقیل لمن انتقل الی مذهب الشافعی لیزوج له اخاف ان یموت مسلوب الایمان لاهانته للدین بجیفة قذرة الی قوله وان انتقل الیه لقلة مبالاته فی الاعتقاد والجرأة علی الانتقال من مذهب الی مذهب کما یتفق له ویمیل طبعه الیه لغرض یحصل له فانه لا تقبل شهادته

(الشامیة ص ۲۸۲ ج ۳) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۲/۵/۹۷ھ

محض طلاق کے تخیل سے طلاق نہیں ہوتی

ایک آدمی کے ذہن میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کے تخیلات آتے ہیں اور منہ سے لفظ طلاق نکل جاتا ہے اور اس آدمی کو پتہ نہیں چلتا کہ لفظ طلاق منہ سے نکلا ہے یا کہ خیال تھا ۔ تو کیا طلاق واقع ہو گئی یا کہ نہیں۔

(۲) تخیلات طلاق ایک آدمی کو آتے ہیں اور وہ اس بات کا خطرہ کرتا ہے کہ منہ سے لفظ طلاق نہ نکل جائے وہ خدا سے دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ میں اس میں مجبور ہوں کہ مجھے ہر وقت طلاق دینے کے خیالات آتے ہیں حالانکہ میرا طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اگر خیالات کی وجہ سے لفظ طلاق منہ سے نکل جائے تو طلاق واقع نہ ہو یا طلاق سے بچنے کے لئے کہتا ہے کہ جب منہ سے لفظ طلاق نکلے تو میری مراد طلاق کے ساتھ ان شاء اللہ بھی متصل ہو تو کیا طلاق واقع ہو گی یا نہیں ؟

الجواب ۱-۲۔ صرف تخیلات سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ جب تک زبان سے نہ کہہ دے اور اگر اس کو یقین ہو یا ظن غالب ہو کہ میں نے طلاق کا لفظ کہہ دیا ہے۔ تو طلاق واقع ہو گئی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورھا ما لم تعمل بہ او تتکلم۔ متفق علیہ مشکوۃ شریف باب الوسوسۃ ص۱۸ ھو ما جعل دلالۃ علی معنی الطلاق .... ولو حکما فیدخل الکتابۃ المستبینۃ والاشارۃ الاخرس والاشارۃ الی العدد بالاصابع اھ رد المحتار ج۲ ص۴۲۴ فقط واللہ اعلم

حررہ عبد الستار غفر اللہ عنہ نعیمی دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

صرف ایک، دو، تین کہنے سے طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام دریں مسئلہ کہ عظمت نامی شخص نے بوقت مطالبہ نان ونفقہ زوجہ مسماۃ مراد بی بی غصہ میں آکر اپنی زبان (دیہاتی) میں اپنی زوجہ کے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ایک۔ ارٹ۔ ٹرٹ۔ جس کا معنی یہ ہے کہ ایک دو تین۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی زوجہ کے بھائی اور والد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا دنج تسترے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ اب تم ٹھنڈے ہو گئے عظمت نامی کے الفاظ غصہ میں صادر ہوئے۔ جن پر گواہ موجود ہیں۔

الجواب باسمہ تعالیٰ وھو اعلم بالصواب در صورت مسئولہ طلاق ثلاثہ از جانب مسمی عظمت بر زوجہ آں مسماۃ مراد بی بی واقع شد گو از ظاہر الفاظ اضافت الی الزوجہ معلوم نمے شود لیکن از تنازعہ ہمراہ برادر و پدر زوجہ در بارہ تحریک حسن سلوک با زوجہ صادر شدن الفاظ مذکورۃ الصدر از زبان زوج بایں مقدار اضافت معنویہ کہ شرط صحت طلاق است ثابت مے شود کما فی الشامی ج۲ ص[illegible] باب صریح الطلاق۔ ومثلہ فی فتاوی دارالعلوم مبوب جدید ص[illegible] وفتاوی امدادیہ مبوب جدید۔ چونکہ ایں الفاظ در حالت غضب شوہر استعمال کردہ۔ لہذا بدون نیت طلاق ثلاثہ براں واقع میشود۔ ولو قال انت بثلاث وقع ثلاث ان نوی ولو قال لم انو لا یصدق اذا کان فی حالۃ مذاکرۃ الطلاق والا صدق ومثلہ فی الفارسیۃ تو بسہ علی ما ھو المختار للفتوی کما فی العالمگیری ص۳۵۵ قال لہا ترا یکے او ترا سہ او ترا یکے وسہ قال الفقیہ لا یقع شئ وقال صدر الشریعۃ تقع بالنیۃ وبہ نفتی وقال القاضی ان کان حال المذاکرۃ او الغضب یقع والا لا یقع بلا نیۃ ص۲۲۵ قاضیخان برعالمگیری مصری فالکنایات لا تطلق بہا قضاءً الا بنیۃ

کہہ دیتے ہیں تو کیا عورتوں کو طلاق ہو جاتی ہے۔

الجواب اپنی عورت کو طلاق کہنے سے ہر حال میں طلاق ہو جاتی ہے۔ ہنسی میں کہے یا غصہ میں گالی سمجھ کر کہے یا کچھ اور۔

قال لامرأته یا سارقة یا زانیة اف قوله وبخلاف یا طالق او هذه المطلقة حیث کذا حیث تطلق امرأته لتمکنه من اثباته شرعاً فجعل ایجاباً لیکون صادقاً بخلاف الاول اھ

شامی ص ۴۵۷ ج ۲۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ غفرلہ

جب میں تیرے ساتھ نکاح کروں تو تجھے طلاق

ایک شخص کسی اجنبیہ عورت کو کہتا ہے کہ جب میں تیرے ساتھ نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے اور تو مجھ پر حرام ہے۔ بعد ازاں وہ اسی عورت مذکورہ سے نکاح کرتا ہے۔ تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔ بینوا بسند الکتاب توجروا اجراً وافیاً۔

الجواب صورت مسئولہ میں یہ شخص جب بھی مذکورہ عورت سے نکاح کرے گا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ اس یمین کی وجہ سے ایک دفعہ طلاق واقع ہونے کے بعد دوبارہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

والفاظ الشرط ان واذا واذا ما وکل وکلما ومتی ومتی ما وفیها تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرة الا فی کلما اھ (تنویر الابصار علی ہامش رد المحتار ص ۶۹۵ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۸ / ۵ / ۱۴۰۲ھ

الجواب الصحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

گونگے کی طلاق کیسے ہوگی ؟

ایک آدمی گونگا ہے اور اس نے بیوی کو اشارہ سے طلاق دی ہے تو کیا طلاق ہوجائے گی جبکہ اس کا والد کہتا ہے جب تک میں طلاق نہیں دوں گا طلاق نہیں ہوگی

الجواب گونگا اگر ایسے اشارے سے طلاق دے جس سے طلاق ہی مفہوم ہو تو طلاق ہوگی

وإشارته المعهودة، أي الأخرس ولو قادرًا على الكتابة المعهودة فإنها تكون كعبارة الناطق استحسانًا اھ (درمختار)

ويقع طلاق الأخرس بالإشارة يريد به الذي ولد وهو أخرس أو طرأ عليه ذلك ودام حتى صارت إشارته مفهومة وإلا لم تعتبر اھ (شامی ص ۴۲۶ ج ۲) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

(احقر محمد انور عفا اللہ عنہ)

بیوی کے خاندان کو طلاق دینے سے بیوی کو طلاق واقع ہوجائے گی

ایک شخص نے غصہ میں آکر اپنی بیوی کا نام لئے بغیر صرف زبان سے یہ الفاظ کہے میں طلاق دیتا ہوں، طلاق دی، سارے خاندان کو طلاق دی۔ جیسے الفاظ استعمال کئے۔ کیا طلاق ہوگئی ہے؟ (مستفتی ظہیر الدین ملتان)

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ تینوں طلاق واقع ہوگئیں بدون حلالہ نکاح جدید بھی نہیں ہوسکتا۔ خاندان کو طلاق دینا کافی ہے۔ صراحۃً اضافت الی المرأۃ ضروری نہیں۔

ولو قال نساء هذه البلدة أو هذه القرية طوالق وفيها امرأته طلقت كذا في فتاوى قاضي خان (عالمگیری ج ۱)

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۵ / ۶ / ۹۷ھ

فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

"میں نے نکاح توڑ دیا" طلاق بائنہ ہے :

محمد حسین نامی ایک شخص نے بزبان سندھی بیوی کو خط لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے جب سے میں آپ کے گھر آیا ہوں۔ اسوقت سے میں نکاح توڑ کے آیا ہوں آپ کو واضح طور پر معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نکاح توڑ کر آیا ہوں۔ واضح ہو کہ میں نکاح توڑ کر آیا ہوں۔ حضرت اس قسم کے الفاظ سے کونسی طلاق واقع ہوگی۔؟

الجواب ـــ اگر سندھی الفاظ ایسے تھے۔ واقعی جن کا معنی نکاح توڑنے کا بنتا ہے تو بنیت طلاق ان الفاظ کو استعمال کرنے سے طلاق بائنہ واقع ہوگئی اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہوگئیں۔ ولو قال فسخت النکاح ونوی الطلاق یقع وعن ابی حنیفۃ ان نوی ثلاثا فثلاث کذا فی معراج الدرایۃ (عالمگیری ص۳۷۵ ج۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

"تا زندگی والدین کے گھر رہو" کہنے سے طلاق کا حکم

زید نے اپنی منکوحہ بیوی کو ناراضگی کی حالت میں یہ لفظ کہے "تا زندگی تو اپنے والدین کے گھر رہ میرے لئے مرد بہت ہیں اور میرے لئے عورتیں بہت ہیں" کیا اس سے طلاق بائنہ ہو جائے گی ؟

(عبدالرحمان گورنمنٹ ہائی سکول چشتیاں)

الجواب ـــ اگر زید نے یہ لفظ بنیت طلاق کہے ہیں تو اس جملہ سے (تا زندگی تو اپنے والدین کے گھر رہ) اس کی زوجہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی ہے۔

وفی الینابیع الحقی ابو یوسف بالخمسۃ ستۃ اخری وھی الاربعۃ المتقدمۃ وزاد خالعتک والحقی باھلک ھکذا فی غایۃ السروجی الی قولہ وفی البزازیۃ وفی الحقی برفقتک یقع اذا نوی کذا فی البحر الرائق اھ (عالمگیری ص۳۷۵ ج۱)

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ عنہ

میرا ہمیشہ کے لئے بائیکاٹ ہے طلاق بائنہ ہے: عاقد نے نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے

بیوی کے بارے میں کہا کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گا میرا ہمیشہ کے لئے بائیکاٹ ہے نہ رکھا ہے اور نہ رکھوں گا۔ کیا ان الفاظ سے طلاق ہوگئی؟

الجواب یہ لفظ طلاق کی نیت سے کہے ہیں تو طلاق بائنہ واقع ہوگئی۔ وفی الفتاوی لم یبق بینی وبینک عمل ونوی یقع الخ (عالمگیری ص ۳۷۶ ج ۱)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۹/۳/۱۴۰۲ھ

دو بیویوں والے نے طلاق طلاق طلاق کہا تو کس کو طلاق ہوگی؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ منکوحہ عبدالرشید جس کو دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ تین سال کے قریب قریب فاطمہ اپنے والدین کے گھر وقت گذار رہی ہے۔ عبدالرشید کو جب بھی کہا گیا۔ اس نے لے جانے سے انکار کر دیا۔ اور اس نے بغیر کچھ بتلانے کے دوسری شادی بھی کرلی۔ جسے تقریباً دو سال ہو چکے ہیں۔ فاطمہ کے والدین نے پنچایت منگوا کر اس کو بلایا۔ اور طلاق دینے کا اصرار کیا۔ اس نے پنچایت سے بھاگتے ہوئے یہ الفاظ کہے۔ طلاق طلاق۔ طلاق اور کسی عورت کی تصریح نہیں کی قرینہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ الفاظ منکوحہ فیہا کے متعلق ہیں۔ لہذا ارشاد فرمایا جائے۔ کہ یہ طلاق واقع ہوئی یا نہ؟ پنچایت کے بیس آدمیوں میں سے دو گواہ ان الفاظ کی تصدیق کے لئے سائل کے ہمراہ ہیں۔

السائل :- ملک محمد حنیف مخدوم پور پیروالہ تحصیل کبیروالہ ضلع خانیوال

(۱) شاہد مسمی جاگو خان ولد میرا خان   (۲) شاہد مسمی عبدالحمید ولد منگت علی

نوٹ :- پانچ روز ہوئے کہ عبدالرشید کی دوسری اہلیہ جسکے ساتھ وہ رہائش پذیر تھا فوت ہو چکی ہے

الجواب :- صورت مسئولہ میں عبدالرشید کی بیوی فاطمہ پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ عدت کے بعد عورت کا نکاح دوسرے شخص سے جائز ہے۔

اس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں (۱) قرینہ موجود ہے کہ فاطمہ کو طلاق دی ہے کیونکہ تنازعہ اسی کے بارے میں تھا۔ جیسا کہ مذاکرہ طلاق اور حالت غضب کو کنائی طلاق کا قرینہ فقہاء رحمہم اللہ قرار دیتے ہیں

(۲) قاعدہ ہے السؤال معاد فی الجواب۔ چنانچہ ثالث نے بیوی کی طلاق کا مطالبہ کیا تھا اسی کو عبدالرشید نے طلاق دی ہے۔ اور وہ فاطمہ ہے۔

(۳) بالفرض اس کو مبہم طلاق مان لیا جائے تو جب دوسری بیوی مر گئی ہے تو طلاق کے لئے زندہ بیوی متعین ہو گئی ہے نظیرہ ما قال النسفیؒ فی شرح اصول الکرخی ولو انقضت عدۃ احدھما بقیت الاخری للثلاث ص

(۴) عبدالرشید طلاق کے الفاظ کہنے کے بعد فاطمہ کی سوکن کے ساتھ رہائش پذیر رہا۔ اس سے متعین ہو گیا کہ طلاق فاطمہ کو دی تھی۔ ورنہ لازم آئیگا کہ ایک مسلمان کو زنا کا مرتکب قرار دیا جائے۔ حالانکہ امور مسلمین کو تا حد امکان سداد اور صحت پر محمول کیا جاتا ہے۔

قال الکرخیؒ ان الاصل ان امور المسلمین محمولۃ علی السداد والصلاح حتی یظهر غیرہ ص۔

پس فاطمہ ہی مطلقہ ہوئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی عنہ

عبدالقادر عفی عنہ مدرس دارالعلوم کبیروالا
۲۲ — ۲ — ۱۴۱۰ھ

تلاق تلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بارش علی ولد امام الدین نے اپنے گھریلو حالات کی بناء پر اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ یوں کیا کہ میں نسیم کو تلاق دیتا ہوں۔

طلاق - طلاق - طلاق - فوزیہ نسیم کو طلاق دیتا ہے۔ لیکن اس نے لفظ طلاق تحریر کرتے وقت بجائے طاء کے تاء سے تحریر کیا تو اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اگر واقع ہوگئی ہیں تو کتنی واقع ہوئی ہیں۔ وقوع طلاق کے وقت عورت تقریباً تین ماہ کی حاملہ تھی بینوا توجروا

المستفتی خوشی محمد ولد نظام الدین چک ۱۲ فیض

الجواب صورت مسئولہ میں تین طلاق ہوگئی ہیں۔ اب بدون حلالہ و نکاح جدید اس عورت کو گھر میں آباد نہیں کرسکتے۔ ویقع بہا ای بہذہ الالفاظ وما بمعناہا من الصریح ویدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاک وتلاک اھ (درمختار) ومنہا الالفاظ المصحفۃ وھی خمسۃ فزاد علیہا تلاق اھ (شامی ص۴۲۲ ج۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور ۱۰ - ۴ - ۱۳۹۵ھ

طلاق دی، دی، دی سے تین طلاق ہوگئیں

ایک شخص نے اپنی بیوی کو ان الفاظ میں طلاق دی۔

میں نے طلاق دی، دی، دی۔ کیا یہ طلاق ثلاثہ مغلظہ ہے جو کہ بغیر حلالہ کے پہلے شوہر کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

الجواب صورت مسئولہ میں بیوی کے مذکورہ جملے کی صورت میں تین طلاق ہوگئیں ولو قالت مرا طلاق کن، مرا طلاق کن، مرا طلاق کن، فقال کردم کردم کردم تطلق ثلاثاً وعدواله صحوا اھ۔ (عالمگیری ص۳۸۴ ج۱) ومثلہ فی امداد الفتاویٰ ص۳۶۶ ج۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۲ - ۶ - ۱۴۰۰ھ

مطلقہ ثلاثہ کا دوسرا نکاح فاسد ہو تو پہلے کے لیے حلال نہیں ہوگی

ایک شخص کا کئی سال سے نکاح تھا۔ رخصتی کا وقت آیا تو بیوی نے انکار کر دیا۔

مرد نے اسی وقت طلاق دے دی۔ تو اس وقت اس کا نکاح زوج اول کے بھائی سے کر دیا گیا۔ جیسے یہ علم نہیں تھا کہ یہ معتدہ ہے۔ جبکہ وہ منکوحہ ہونے کی حالت میں زنا کی وجہ سے حاملہ تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس عورت کا نکاح زوج ثانی کے ساتھ صحیح ہوا یا نہیں۔ اور یہ پہلے خاوند کے لئے اب حلال ہو جائے گی یا نہیں پہلے خاوند نے تین طلاق بکلمۃ واحدۃ دی ہیں۔

الجواب: جب بوقت طلاق وہ حاملہ تھی۔ تو اس کی عدت وضع حمل تھی اور حالت عدت میں کیا گیا نکاح نکاح فاسد ہے۔ نکاح فاسد سے تحلیل نہیں ہوتی۔ لہذا دوبارہ نکاح صحیح کیا جائے۔ پھر وطی کے بعد طلاق ہو و عدت گذرنے کے بعد پہلا خاوند نکاح کر سکتا ہے لا ینکح مطلقۃ من نکاح صحیح نافذ کما سنحققہ بھا ای بالثلاث لو حرۃ ... حتی یطأھا غیرہ بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف۔ الدر المختار علی ہامش رد المحتار ص ۴۱۲ ج ۲ (قولہ کما سنحققہ) ای فی باب العدۃ حیث قال ھناک والخلوۃ فی النکاح الفاسد لا توجب العدۃ والطلاق فیہ لا ینقص عدد الطلاق لانہ فسخ۔ جوھرۃ (شامی ص ۴۱۲ ج ۲)

فقط واللہ اعلم — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ارتکاب شرط ناسیاً کیا تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی

زید نے قسم کھائی کہ آج کے بعد سگریٹ پیوں تو بیوی کو تین طلاق۔ پھر ایک تقریب میں جانا ہوا۔ وہاں کھانے کے بعد سگریٹ پی لی۔ سگریٹ پیتے وقت یہ بالکل یاد نہ رہا کہ قسم اٹھائی ہوئی ہے۔ تو کیا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی؟

الجواب: صورت مسئولہ میں تینوں طلاق واقع ہو گئیں۔ اب بدون حلالہ نکاح صحیح نہ ہوگا (قولہ فی الیمین او الحنث) متعلق بقولہ ولو مکرھا او ناسیا ای سواء کان الاکراہ او النسیان فی نفس الیمین وفی مباشرۃ الحنث بان فعل ما حلف علیہ مکرھا او ناسیا لان الفعل شرط الحنث وھو سبب الکفارۃ والفعل الحقیقی لا ینعدم بالاکراہ والنسیان (شامیہ ص [illegible] ج ۳) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۴-۵-۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب: برتقدیر صحت واقعہ جب یہ شادی شدہ لڑکا اس صحن میں داخل ہوا۔ تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں۔ کیونکہ شرط پائی گئی ہے جیسا کہ قاضی خان میں ہے۔ حلف ان لا یدخل ھذہ الدار فدخلھا راکبا او ماشیا او محمولا بامرہ حنث فی یمینہ۔ (قاضی خان ص…) لہٰذا اب حالف لڑکا کی بیوی حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہوگئی ہے اور جو حیلہ بنایا گیا تھا۔ وہ حیلہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ہبہ کے لئے قبض شرط ہے اور یہاں خود سے موہوب لہ (جس کو یہ گھر ہبہ کیا تھا) کو قبضہ نہیں دیا ہے لہٰذا یہ حیلہ باطل ہے۔ جیسا کہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ الھبۃ تصح بالایجاب والقبول الی قولہ وتتم بالقبض قال فی النھایۃ القبض لابد منہ لثبوت الملک لان الھبۃ عقد تبرع وفی اثبات الملک قبل القبض الزام المتبرع شیئا لم یتبرع بہ وھو التسلیم فلا یصح الجوھرۃ النیرۃ… وفیہ لان القبض منصوص علیہ فی الھبۃ قال النبی علیہ السلام لا تجوز الھبۃ الا مقبوضۃ فیشترط لکمال التصیق۔ الجوہرہ ص… پس اس لڑکے پر لازم ہے کہ اس بیوی سے فی الحال اجتناب کرے۔ ورنہ حرام میں مبتلا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ

مجبوری کی طلاق کا حکم

عبدالرحمٰن نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔ جبکہ عبدالرحمٰن کی دو بیویاں موجود ہیں۔ تیسری شادی کرنے کے بعد گھر کے حالات بہت خراب ہوگئے۔ دوسری بیوی کے بھائی نے تیسری بیوی کو تین طلاق لکھ کر عبدالرحمٰن کو مجبور کیا ہے کہ یہاں دستخط کرو۔ عبدالرحمٰن نے دل میں یہ خیال کیا کہ دستخط کر دیتا ہوں طلاق نہیں دیتا۔ اور یہ مجبوری باتوں کی تھی۔ کوئی قتل وغیرہ کی دھمکی نہیں دی گئی۔ جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں طلاق ہوگئی ہے۔ اب اس کو بطور بیوی رکھنا حرام ہے۔ فی الدر المختار ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او …

مکرها فان طلاقه صحیح وفی الشامیة (قوله فان طلاقه صحیح) ای طلاق المکرہ

(رد المحتار ص ۴۲۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ | محمد انور ۲۵-۱-۱۴۱۲ھ

کنایہ کے بعد صریح الفاظ کہنا

زید نے اپنی بیوی کو کہا "میں اس کو اپنے نفس پر حرام کرتا ہوں" وہ میرے اوپر حرام ہوگئی، حرام ہوگئی، ہرسہ تین طلاق کے بعد میں کہتا ہوں۔ اس کی رسی اس کی گردن پہ ہے۔ مذکورہ الفاظ سے کونسی طلاق ہوگی؟

الجواب صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئی ہیں اب بدوں حلالہ نکاح جدید اس عورت کو گھر آباد نہیں کرسکتے۔ صورت مسئولہ میں الفاظ بائن کے بعد صریح الفاظ کہے گئے ہیں۔ اور الفاظ صریحہ بائن سے ملحق ہوتے ہیں کما فی الدر المختار الصریح یلحق الصریح ویلحق البائن اھ۔ وفی الشامیة کما لو قال لها انت بائن او خالعها علی مال ثم قال انت طالق او هذه طالق اھ (ص ۵۳۰ ج ۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور ۳ صفر ۱۴۱۲ھ

ہنسی مذاق میں طلاق دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

محمد اقبال ارائیں ولد جمعہ وڈا نے مذاق اور تمسخر میں روبرو عبد المجید، فیض رسول، محمد عثمان کے کہا کہ میری زوجہ کو طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے یعنی تین مرتبہ لفظ طلاق کہا۔ اس صورت میں دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں اور کونسی طلاق واقع ہوئی ہے

گواہوں کے دستخط حاضر خدمت ہیں ——— یہ واقعہ تیئیس رمضان المبارک کو ہوا۔

بینوا بالبرھان توجروا من الرحمٰن۔

دستخط گواہان۔ محمد عثمان بقلم خود — فیض رسول

عبد المجید بقلم خود

الجواب صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو گئیں، اب باپ بدوں حلالہ کے نکاح جدید اس عورت کو گھر آباد نہیں کر سکتے۔ بخلاف الھازل فانہ یقع قضاء و دیانۃ لان الشارع جعل ھزلہ بہ جدا۔ اھ

(درمختار علی الشامیہ ص ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد انور

بندہ عبد الستار عفی عنہ — ۱۲-۱-۱۴۱۵ھ

پتھر پھینکنے کے بعد بطور اخبار کہا "ہم نے چھوڑ دی ہے"

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید اور بکر نے ایک دوسرے کو اپنی اپنی لڑکیاں وٹہ سٹہ کے طور پر ایک دوسرے کے لڑکوں کو نکاح میں دی تھیں یعنی زید نے بکر کے بیٹے "عمرو" کو اور بکر نے زید کے بیٹے "شفیق" کو اپنی اپنی بیٹیاں نکاح میں دی تھیں مگر اکثر اوقات ان کا جھگڑا رہتا تھا۔ زید اپنی بیٹی کی طلاق لینا چاہتا تھا۔ چند رشتہ دار سرپنچ راضی نامہ کرانے کے لئے زید کے گھر آئے مگر زید اپنی لڑکی کی طلاق لینے اور اس کے وٹہ میں بکر کی بیٹی کو طلاق دینے پر مصر تھا جن دونوں لڑکیوں کی رخصتی نہیں ہوئی جب سرپنچ بمع زید اس مسئلہ کو نمٹانے کیلئے بکر کے گھر چلے گئے یعنی بکر کے گھر سرپنچ نے اپنی ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طریقے سے ان دونوں کی صلح ہو جائے مگر جب سرپنچ کو صلح ہوتی ہوئی نظر نہ آئی اور زید کو بھی اپنی بیٹی کا طلاق لینے کا اصرار تھا تو سرپنچ نے کہا کہ تو مسئلہ کا حل یعنی ایک دوسرے کو طلاق دو۔ اب سرپنچ نے بکر کے بیٹے عمرو کو کمرے کے اندر سے بلایا کہ زید کا بیٹا شفیق آپ کی بہن کو طلاق دینا چاہتا ہے لہٰذا تم یعنی بکر کا بیٹا عمرو بھی طلاق دینے کیلئے پتھر پھینکو تو یوں دونوں لڑکوں یعنی زید کے بیٹے "شفیق" اور بکر کے بیٹے "عمرو" دونوں نے طلاق دینے کی غرض سے تین تین پتھر پھینکے (مگر منہ سے لفظ نہیں کہے) پتھر پھینکنے کے بعد بطور فخر الا ایک دوسرے کو مبارک باد دی، تو پھر دونوں کا گلے

برا تر آئے۔ اب دو سبب دلی مجھ کو "بکر" کے بیٹے "عمرو" نے ایک مطالبے کا کاغذ اپنے سابقہ سسر "زید" کے نام بھیجا کہ ہم نے تمہاری لڑکی کو اپنے پیسوں سے 500 روپے کا دودھ پلایا تھا۔ وہ پیسے دو۔ "زید" نے جواباً کہا کہ ہم نے بھی تو آپ کی بہن پر فلاں فلاں خرچ اخراج کئے ہیں۔ لہٰذا وہ پیسے ہمیں دیں۔ نتیجتاً "بکر" کے بیٹے "عمرو" کا اور "زید" کا مذکورہ بالا لین دین پر غلام حسن عبدالکریم حافظ جعفر اور دیگر حضرات کے سامنے اتفاق ہوا۔ "زید" نے کہا ایسا تھا میں نے تمہارے کہنے پر چھوٹی لڑکی (جو پہلے نکاح میں تھی) کی طلاق سے کر بڑی لڑکی تیرے نکاح میں دی۔ مگر تو نے مجھے بہن صفر دیا ہے۔ اب جیسے زید کے بیٹے "شفیق" نے تمہاری بہن کو طلاق دے دی ہے اور تو نے میری دوسری بیٹی کو بھی طلاق دے دی تو تمہارا ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے تو تب "بکر" کے بیٹے "عمرو" نے مذکورہ بالا افراد کے سامنے کہا کہ تیرے بیٹے نے ہماری ایک چھوڑی ہے اور میں (عمرو) نے تیری دو لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ اب مسئلہ سوال طلب یہ ہے کہ کیا دونوں لڑکیوں کو طلاق ہو گئی ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب

وفی الشامیة سئل الخیر الرملی عن رجل قال لزوجته فاعطاها ثلاثة احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایة لا یقع علیه کما افتی به الخیر الرملی۔ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ نیز پتھر پھینکنے کے وقت اور نہ ہی بعد میں ان کلمات سے کہ تیرے بیٹے نے ہماری ایک چھوڑی ہے اور میں نے تیری دو چھوڑی ہیں ان دونوں پر طلاق واقع ہو گی۔ لہٰذا دونوں عورتیں مطلقہ نہیں ہیں۔ ہاں اگر خاوند اپنی بیوی کو نہیں بسانا چاہتا۔ تو صریح طلاق دے کر علیحدہ کر دے۔ فقط واللہ اعلم

مسئلہ بخط کشیدہ الفاظ بظاہر مجمل ہیں۔ اس میں پتھر پھینکنے کو طلاق مجہور کر کے الفاظ کہہ رہے ہیں۔ اور پتھر پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی لہٰذا ان الفاظ سے بھی طلاق واقع نہ ہو گی

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۴۱۵

صرف بول چال اور مجامعت چھوڑنے سے طلاق نہیں ہو گی

اگر بیوی نافرمان ہو جائے اور جھگڑا کرنے لگے۔ اس صورت میں خاوند یہ سوچتے ہوئے کہ بیوی راہ راست پر آ جائے، نہ قربانی چھوڑ دے۔ وہ بیوی سے لڑتا اور ہمبستری چھوڑ دیتا ہے۔

لیکن پھر بھی حالات صحیح نہیں ہونے پاتے۔ حتیٰ کہ میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہتے ہوں۔ بچے بھی ہوں، بول چال میں عرصہ بھی کافی ہو گیا ہو۔ تو کیا اس صورت میں طلاق عائد ہو جاتی ہے نیز ایسی صورت میں کوئی مدت تو درکار نہیں ہے؟ اسلام میں ایسی صورت میں کیا فتویٰ ہے۔

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ محض بول چال اور ہمبستری چھوڑ دینے سے اگرچہ کافی مدت تک ہو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ نیز یہ ترک شرعاً ایلاء شرعی میں داخل نہیں ہے۔ ایلاء شرعی کی تعریف یہ ہے: الایلاء منع النفس عن قربان المنکوحۃ منعاً مؤکداً بالیمین باللہ (ہندیہ ص۴۷۶ ج۱) لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ عورت مطلقہ نہیں ہوگی فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفرلہ جامعہ خیر المدارس ملتان | محمد انور ۲۵-۴-۱۴۰۲ھ

طلاق ہونے کے لئے منکوحہ ہونا یا اضافۃ الی النکاح ضروری ہے

زید کو کہا گیا کہ تم بکر کی لڑکی سے شادی کر لو زید نے انکار کیا اور کہا "بکر کی لڑکی کو طلاق ہے" اب بکر بھی چاہتا ہے کہ یہ نکاح ہو جائے۔ زید کے والدین کی خواہش بھی ہے۔ تو کیا زید اسی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے؟

الجواب زید مذکورہ لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ طلاق واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت نکاح میں ہو یا نکاح کی طرف نسبت ہو کہ "جب وہ میرے نکاح میں آئے اسے طلاق" چونکہ صورت مسئولہ میں ایسی کوئی صورت نہیں پائی گئی۔ لہٰذا زید اس سے نکاح کر سکتا ہے شرط الملک حقیقۃً او حکماً او الاضافۃ الیہ (درمختار ص۲۳۳ ج۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

دو طلاق کے بعد رجوع کر کے تیسری دے دی تو تین ہو گئیں

1۔ بچہ پیٹ میں تھا۔ ایک طلاق لفظ ایسی کے ساتھ تحریر کر کے بیوی کو دی پھر میاں بیوی کی رضامندی سے رجوع ہو گیا۔ 2۔ تین سال کے بعد ایک طلاق تحریر کر دی 1½ ماہ کے اندر پھر رجوع کیا گیا۔ میاں بیوی کی رضامندی سے۔ 3۔ سات سال کے بعد تین عدد طلاق بیک وقت تحریر کر دی گئیں

بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی تجدید کی گئی۔ آیا طلاق ہو گئی یا گنجائش ہے؟

الجواب: تینوں طلاقیں بالفاظ صریحہ تھیں تو تیسری کے بعد اب رجوع کا حق ختم ہو گیا اور وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی تاوقتیکہ حلالہ کے بعد نکاح جدید نہ ہو۔ تین کے بعد جو نکاح کیا گیا ہے شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ واذا اطلقها ثلاثا حرمت عليه حرمة غليظة ...... يبقى الطلاق وان كان لا يزيل الحل والقيد في الحال لانه يزيلهما في المآل حتى لو تمم اليه ثنتان اھ (عالمگیری ص ۲۳۶ ج ۱) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفی عنہ — محمد انور ۱۲-۸-۱۴۰۱ھ

صرف سر ہلانے سے طلاق نہیں ہوگی

اگر زید سے نکاح خواں بحضور شاہدین پوچھے کہ فلاں بنت فلاں بعوض اتنے روپے مہر تجھے قبول ہے اس کے جواب میں اگر زید اقرار کے طور پر صرف سر ہلائے اور منہ سے کچھ نہ بولے تو نکاح نہیں ہوتا۔ اسی طرح طلاق کے بارے میں اگر ہندہ زید کو کہے کہ تمہاری طرف سے مجھ کو طلاق ہے اس کے جواب میں اگر زید اقرار کے طور پر اپنا سر ہلائے تو کیا طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: صرف سر ہلانے سے طلاق نہیں ہوگی در مختار میں ہے والایماء بالراس من الناطق ليس باقرار بمال وعتق وطلاق وبيع ونكاح اھ (درمختار علی الشامیہ ص ۲۳۰ ج ۳)۔ فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور مفتی جامعہ خیر المدارس۔

زبان سے طلاق کہا اور انگلیوں سے اشارہ کیا تو کتنی طلاق ہوں گی

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسمی ولادر حسین نے اپنی بیوی کو طلاق بایں طور دی کہ تجھے طلاق ہے ساتھ ہی تین انگلیوں کا اشارہ بھی کیا۔ زید کہتا ہے کہ اس سے ایک طلاق ہوئی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس طرح تین طلاقیں ہوتی ہیں یا ایک؟ نیز ولادر حسین اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی محمد طاہر یزمانی۔

الجواب: صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ مسمی ولادر حسین کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا بدوں حلالہ ولادر حسین کے لئے یہ عورت

حلال شیء - انت طالق ھکذا مشیرا بالاصابع المنشورۃ وقع بعدد در مختار
علی الشامیۃ (قولہ وقع بعدد) ای بعدد ما اشار الیہ من الاصابع ..
فان اشار بثلاث فھی ثلاث او بثنتین فثنتان او بواحدۃ فواحدۃ کما
فی الھدایۃ (شامی ص۴۹۸ ج ۲) وقال اللہ تعالیٰ - فان طلقھا فلا تحل
لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ - فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق عفر اللہ لہ — محمد انور ۲۶-۲-۱۴۱۸ھ

حال کے صیغہ سے طلاق کا حکم

ما قولکم رحمکم العلماء والکرام مسئلہ میں امان اللہ خان ولد عبداللہ خان مسماۃ بی بی
دختر بشیر اللہ خان کو شرعی محافظ سے پہلی طلاق دیتا ہوں - دوسری طلاق دیتا ہوں تیسری
طلاق دیتا ہوں - آج مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۹ء کے بعد میرا اس سے کوئی لین دین نہیں ہے -
اب قابل غور بات یہ ہے کہ کیا طلاق کے واسطے لفظ ماضی کا ہونا ضروری ہے ؟ طلاق دیتا
ہوں - تو بظاہر لفظ حال معلوم ہوتا ہے - کیا اس لفظ سے طلاق واقع ہو جائے گی - یا - نیز
آج مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۹ء کا جملہ پہلے لفظ طلاق دیتا ہوں کا مؤید ہو گا - یا تعلیق طلاق
کا فائدہ دے گا - پھر مدت مذکورہ گزر جانے کے بعد کیا ہو گا - براہ مہربانی تمام شقوں
پر غور فرما کر جواب مفصل و مدلل بحوالہ کتب دیں -

الجواب صورت مسئولہ میں تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں - اور طلاق دہندہ کا لفظ "آج
مورخہ الخ" مضمون سابق کی تاکید ہے - یہ لفظ تو صراحۃ حال کے ہیں -
صیغہ مضارع جو کہ حال واستقبال دونوں کا ہے - اس میں حال کا معنی غالب ہو - تو اس
سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے - فھذا اولی وفی الشامیۃ وکذا المضارع اذا
غلب فی الحال مثل اطلقک کما فی البحر ص۴۳۲ ج ۲
اب بدون حلالہ مذکورہ عورت سے نکاح جدید صحیح نہیں - واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۰-۳-۱۴۰۱ھ

بیوی کو جھگڑے کے دوران لفظ طلاق کہا اور دعویٰ کرتا ہے کہ میری مراد دوسری بیوی تھی

کیا ارشاد ہے حضرات علماء کرام کا کہ زید کی دو منکوحہ بیویاں ہیں۔ ایک کئی سال سے راولپنڈی میں مقیم ہے اور دوسری تلوال میں زید کے ہاں رہائش پذیر ہے۔ زید کا مسماۃ ہندہ سے اکثر جھگڑا رہتا ہے۔ ایک روز دوران جھگڑا زید نے مسماۃ ہندہ کو کہا کہ "مجھ پر رن طلاق ہے کہ میں بلاواں" بعد ازاں گفتگو کے دوران زید نے ہندہ سے کہا کہ میں نے صرف تجھ پر رعب ڈالنے کے لئے یہ الفاظ کہے ہیں اور میرے تصور میں دوسری بیوی تھی۔ چند روز بعد پھر زید کا ہندہ سے جھگڑا ہوا تو زید نے کہا کہ "مجھ پر رن طلاق ہے کہ میں تجھے بلاواں" پھر زید نے کہا کہ اسی وقت ہماری بول چال ہوگئی ہندہ نے مجھے بلا کر کہا کہ تو دو بار طلاق دے چکا ہے جبکہ دوسری بیوی کی طلاق ہی جو تیری نہیں اس پر جھگڑا زیادہ ہو گیا۔ تو میں نے کہا کہ "اس کی تیرے ہو گئیاں۔ ہو گئیاں تاں تے ہو گئیاں"

ہندہ کا بیان ہے کہ پہلی طلاق تلکے کے پاس زید نے مذکورہ الفاظ کے ساتھ اٹھائی اور دوسری بھی اسی طرح برآمدے میں اٹھائی اور میرے پوچھنے پر آپ نے مذکورہ بالا ہی جواب دیا پھر کئی روز بعد جھگڑا ہوا میں باہر کسی کام کے لئے جانا چاہتی تھی اور زید مجھے روکتا تھا۔ میرا اصرار تھا تو زید نے کہا کہ "مجھ پر رن طلاق ہے کہ تو واپس گھر آویں" ہندہ نے کہا کہ زید کہتا ہے کہ یہ آخری طلاق میرے ذہن میں نہیں آتی، جو کمرے میں ہوئی، پھر ہمارا جھگڑا ہوا اور میرے والدین آگئے اور زید نے میری والدہ کے روبرو مجھے کہا کہ اگر آج تو کہے تو طلاق بھی لکھ کر دینے کیلئے تیار ہوں۔ میری والدہ واپس چلی گئی میں نے رات زید کو بلایا اور کہا کہ ایک طلاق تو نے تلکے کے پاس اٹھائی، دوسری برآمدے میں اٹھائی، اور تیسری میں نے نام ہی نہیں لیا کہ زید نے یہ الفاظ کہے کہ "تری بیٹی ہیں کمرے تے وچ چار اٹھائی تیرے او ہاں تھی گیاں توں بول بیاں تھی گیاں"

نوں ہاں تے پوریاں ہو گیاں نوں" میں یہ حلفیہ بیان دیتی ہوں کہ تمام تر جھگڑے کے دوران میری طرف سے وجہ اختلاف دوسری بیوی کی طلاق نہیں تھی بلکہ ہمارا جھگڑا صرف اور صرف پیٹی کی وجہ سے تھا۔ دوسری بیوی کئی سال سے راولپنڈی میں مقیم ہے اس کا ہمارے پاس آنا جانا ختم ہے

بکر نے زید اور ہندہ کے بیان کے بعد زید سے کہا کہ آپ نے چند روز قبل مجھے کہا تھا کہ جھگڑے کے دوران میں نے ہندہ کو کہا کہ تیرے پوریاں ہو گیاں نوں، پوریاں ہو گیاں نوں" بقول زید کے ہندہ کا جھگڑا تھا کہ تو نے مجھے طلاق دی اور میں نے کہا کہ میں نے دوسری کو دی۔ بکر نے ہندہ سے پوچھا کہ کیا تم نے کوئی بات کہی جس کے جواب میں زید نے یہ الفاظ کہے تو ہندہ نے کہا کہ میں نے زید کو کہا کہ تو نے ایک طلاق نکاح کے پاس اٹھائی دوسری طلاق برآمدے میں اٹھائی اور تیسری کا ابھی میں نے نام نہیں لیا کہ زید نے کہا کہ "تیری جیب کے دستخط پہ آگئی تیرے پوریاں ہو گیاں نوں، پوریاں ہو گیاں نوں" اس سے پوریاں ہو گیاں نوں۔ بکر نے زید سے پوچھا کہ تم نے لفظ طلاق استعمال نہیں کیا جس کی تائید ہندہ کر رہی ہے مگر ہندہ کے بیان کردہ باقی جملے صحیح ہیں تو اس نے جواب میں کہا کہ ٹھیک ہے جی۔ بعد ازاں بکر نے زید سے پوچھا۔ تو اس نے کہا کہ ہندہ کا بیان ٹھیک ہے مگر میں نے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ "توں بچ آکھیں ایں" پھر کہا کہ میں نے دو طلاق دوسری بیوی کو یکے بعد دیگرے دیں تجھ کو نہیں، ہندہ نے کہا کہ تو نے تین کہی ہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے "تیرے تینیں آ گئیاں" وہ میں نے کہی ہیں تصور دوسری بیوی کا تھا۔ میں نے تجھ کو نہیں کہیں۔ جھگڑا زیادہ ہو گیا تو کہا "تیرے پوریاں ہو گیاں نوں، پوری ہو گئیاں نوں ہاں تے پوریاں ہو گیاں نوں" جھگڑا اسی طلاق کا تھا۔ ہندہ کہتی تھی کہ تو نے تین کہیں میں نے کہا کہ وہ کہیں تصور دوسری بیوی کا تھا۔

بکر نے زید اور ہندہ کے روبرو کہا کہ زید نے طلاق کہی مگر تصور دوسری بیوی کا تھا۔ صرف ہندہ پر رعب ڈالنے کے لئے، اسی طرح دوسری طلاق بھی کہی گئی، دوسری بیوی کا تصور تھا، اور جھگڑا ہندہ سے، اب صرف اختلاف کرنے کے انداز کا ہے، ہندہ کہتی ہے کہ تو نے تیسری طلاق کو بھی دی ہے تو زید نے اسی کے جواب میں کہا کہ میں نے تیسری طلاق کو میں نہیں دی، میں بولا ہی نہیں۔ پھر غصہ کی وجہ سے اختلاف بڑھ گیا، لڑائی تک نوبت گئی، اس وقت زید نے کہا کہ تیرے پوریاں

ہوگئیاں نہیں، پوریاں ہوگئیاں نہیں، پوریاں ہوگئیاں ہیں، تھوڑی دیر بعد زید نے پھر کہا کہ "اس وقت بھی کہا تھا کہ تیرے پوریاں ہوگئیاں، ہوگئیاں، تیرے پوریاں ہوگئیاں نوں، ہاں تیرے ہوگئیاں" بعد ازاں ہندہ نے کہا کہ زید نے کئی بار کہا کہ "بیٹا والد کو اور بہنے طلاق نوں"

آخر میں بکر نے زید اور ہندہ کے سامنے کہا کہ دو دفعہ کی طلاقوں پر اختلاف نہیں ہے۔ اور تیسری کے بارے میں ہندہ کے بولنے سے قبل ہی زید نے کہا کہ "میں نے تیسری طلاق نہیں کہی۔ اگر توں آکھتی۔ تیرے پوریاں ہوگئیاں، پوریاں ہوگئیاں۔ ہاں تے پوریاں ہوگئیاں۔ بکر نے زید سے پوچھا کہ کیا یہی بات ہے؟ تو زید نے کہا کہ "ٹھیک ہے جی" اس کے بعد زید کے کہنے پر بکر نے اس مسئلہ کے بارے میں ایک تحریر لکھی اور زید کو سنائی تو زید نے "تیرے" کے لفظ سے انکار کر دیا، بکر نے زید کو وہ کیسٹ سنائی جس میں زید کے یہ الفاظ ریکارڈ تھے۔ تو زید سن کر خاموش ہوگیا۔ پھر ایک روز زید نے بکر سے کہا کہ آپ میرے ساتھ تعاون کریں۔ یہ "تیرے" کا لفظ نکال دیں، مگر بکر نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ یہی مسئلہ زید نے عمر سے بیان کیا۔ اور عمر نے زید کی باتیں ریکارڈ شدہ سنیں اور تصدیق کر دی کہ واقعی یہ آواز زید کی ہے اور کلمات ہندہ کی ہے۔ زید بھی اعتراف کرتا ہے کہ یہ ریکارڈ شدہ بیان میرا ہے۔ اور میں نے خود ریکارڈ کرایا ہے۔ تاکہ شرعی صورت حال سے نہایت احتیاط کے ساتھ معلومات ہو سکے۔

اب حضرات علماء دین سے التماس ہے کہ بیان فرمائیں، ہندہ اور زید شرعی اعتبار سے میاں بیوی ہیں یا ان کے مابین طلاق واقع ہوچکی ہے؟ اگر طلاق واقع ہوئی ہے تو کس بیوی پر؟ براہ نوازش شرعی حکم سے مطلع فرمایا جائے۔ فقط والسلام المستفتی محمد عبداللہ فقیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— حامدا و مصلیا

الجواب

تحریری سوال اور میاں بیوی کی ریکارڈ شدہ گفتگو سے درج ذیل امور واضح ہوئے

(۱) زید کا اپنی بیوی ہندہ سے اکثر جھگڑا رہتا تھا اور اس جھگڑے میں دوسری بیوی کا کوئی دخل یا ذکر نہیں ہوتا تھا۔

(۲) طلاق کے الفاظ یہ ہیں "مجھ پر تین طلاق ہے کہ میں جاؤں گا"

(۲) دوسری بار پھر زید کا اسی عورت ھندہ سے جھگڑا ہوا تو زید نے کہا "مجھ پر دن طلاق ہے"

(۳) تیسری بار جب جھگڑا ہوا تو اس کی صورت یہ ہے کہ زید برآمدہ میں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اور ھندہ قریب سے گذری تو زید نے ھندہ کو شلوار سے پکڑتے ہوئے اپنی طرف کھینچا۔ تو ھندہ نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور اپنے کمرہ میں چلی گئی، زید اٹھ کر وہاں گیا اور یوں کہا کیا تو مجھ سے نفرت کرتی ہے! ھندہ نے جواب دیا کہ جب تو نے مجھے تین بار طلاق دے دی تو تعلق ختم، تو زید نے کہا کہ میں نے دو بار یہ لفظ بولا کہ "مجھ پر دن طلاق ہے" اور اس طلاق سے مراد دوسری بیوی تھی۔ جو راولپنڈی میں مقیم ہے۔ مجھے صرف ڈرانا مقصود تھا تیسری بار میں نے لفظ طلاق استعمال نہیں کیا۔ پھر جھگڑا شروع ہو گیا ھندہ نے کہا کہ تو نے تین دفعہ الگ الگ مقام پر یہی لفظ استعمال کیا۔ ایک بار نلکے کے پاس، دوسری بار برآمدہ میں، تیسری بار کمرہ میں اور تمہارا خطاب میری طرف تھا۔ نہ کہ دوسری عورت کی طرف، تو زید نے اسی لڑائی جھگڑے میں کہا کہ اگر تو کہتی ہے کہ میں نے تین بار ایسا ہی کہا ہے تو پھر تیرے پوریاں ہو گئیاں نوں، تیرے پوریاں ہو گئیاں نوں، ہاں تیرے پوریاں ہو گئیاں نوں۔

(۵) ان دونوں کے جھگڑے کے درمیان طلاق کا بھی ذکر ہوتا رہتا تھا اور اس دن ھندہ کی والدہ کے سامنے بھی یہی ذکر ہوا کہ اگر تم طلاق چاہتی ہو تو ہو جائے گی۔

(۶) ھندہ کہتی ہے کہ زید نے طلاق مجھے ہی دی اور تین بار دی اور آخر کار کہا کہ تیرے پوریاں ہو گئیاں نوں۔ اور زید کہتا ہے کہ میں نے دو بار یہ کہا اور طلاق سے نیت دوسری عورت کی تھی نہ کہ ھندہ کی۔ لیکن بیان ریکارڈ کرنے والے نے جب زید سے پوچھا کہ تم نے ھندہ کے کہنے پر کہ طلاق مجھے ہی مقصود تھی اور تو نے تین بار یہ لفظ کہے کہ تیرے پوریاں ہو گئیاں نوں، کہے تھے تو زید نے جواب دیا آہستہ سے کہ ہاں۔ ان تمام امور میں سے اب قابل غور بات زید کے دونوں جملے ہیں۔

(۱) مجھ پر دن طلاق ہے (۲) تیرے پوریاں ہو گئیاں نوں۔

کیا اس سیاق و سباق میں زید کی نیت معتبر ہو سکتی ہے؟

پہلا جملہ:۔ اب ہم کتب فقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ کیا اس سیاق و سباق میں زید کی نیت معتبر ہے۔ ولو کان له امرأتان اسم کل واحدة منهما زینب احداهما صحیحة النکاح و الاخری فاسدة النکاح فقال زینب طالق۔ طلقت صحیحة النکاح وان قال

کو مخاطب کرکے کہے کہ میں طلاق ہوں یعنی تو نے مجھے طلاق دے دی اس کے جواب میں خاوند نے کہا ہاں۔ تو عورت مطلقہ ہو جاتی ہے۔ زینب نے مسئولہ صورت میں دو بار یہ کہا کہ "تیرے پوریاں ہوگیاں نوں" پہلی بار ہندہ کے کہنے پر کہ تو نے مجھے ہی ہر بار مخاطب کیا اور تین بار ایسا کیا۔ تو اس نے کہا کہ "تیرے پوریاں ہوگیاں نوں" دوسری بار جب دونوں کی گفتگو ریکارڈ ہو رہی تھی تو ریکارڈر نے زینب سے پوچھا کہ کیا تو نے ہندہ کے سوال پر یہ کہا تھا تو زینب نے بہت مجبور ہو کر آہستہ سے ہاں کہا اور تیسری بات یہ ہے کہ اس نے بعد میں ریکارڈر سے کہا کہ آپ کسی طرح تیرے کا لفظ نکال دیں۔

ان تمام قرائن اور سیاق وسباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زینب نے ہندہ کو ہی ہر بار مخاطب کیا اور اسے ہی طلاق دی اور پھر آخری جملے سے تو تمام شک وشبہ رفع ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں نے پہلے تجھے طلاق نہیں بھی دی تو اب تجھے تین یعنی طلاقیں ہو گئی ہیں۔

هٰذا ما عندی والعلم عند اللہ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفی عنہ ۲۲-۱۱-۱۴۱۰ھ

عزیز الرحمن قاسمی جہانیاں
7 - 3 - 90

نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید شراب نوشی کا عادی ہے اور ایک داشتہ سے تعلقات رکھتا ہے۔ بحالت نشہ اس کو بیوی نے لعن طعن کی۔ تو اس نے بیوی کو سات مرتبہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی تو حرام ہے۔ صورت مسئولہ میں کونسی طلاق واقع ہوئی؟

المستفتی: قاری عصمت اللہ متعلم خیر المدارس ملتان

الجواب حامداً ومصلیاً صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو چکی ہیں۔ اب بدون حلالہ نکاح جدید صحیح نہیں۔ ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو سکرانا ولو بنبیذ او حشیش او افیون او بنج زجرا بہ یفتی تصحیح القدوری

(الدر المختار علی رد المحتار ص ۴۳۳ ج ۲)

الجواب صحیح۔ محمد صدیق غفر لہ مدرس
خیر المدارس ملتان ۱۰-۱-۱۳۹۸ھ

محمد انور عفا اللہ عنہ

اگر میں تمہارے قریب آؤں تو سؤر کا بچہ ہوں ایلاء نہیں

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مظفر علی نے اپنی زوجہ عطیہ کو کہا کہ میں سؤر کا بچہ ہوں اگر تیرے پاس آؤں۔ تو کیا ایلاء کی صورت ہو جائے گی؟

الجواب قال فی الفتاوی الشامیۃ ج ۳ ص ۵ تحت قولہ وظاهر کلام الکمال کہ حیث قال ان معنی الیمین ان یعلق الحالف مایوجب امتناعہ من الفعل بسبب لزوم وجودہ ای وجود ماعلقہ کالکفر عند وجود الفعل المحلوف علیہ کدخول الدار وهذا لا یصیر بمجرد الدخول زانیا او سارقا حتی یجب امتناعہ من الدخول بخلاف الکفر فانہ بمباشرۃ الدخول یتحقق الرضی بالکفر فیجب الکف۔ اس کلام سے معلوم ہوا کہ ان الفاظ سے ایلاء نہیں بنے گا۔ بلکہ اس قبیل کے الفاظ کے لیے تعلیق بالکفر والیہودیۃ والنصرانیۃ وغیرہ ہونا موجب یمین ہوتا ہے۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰—۹—۱۳۸۲ھ

بیوی والدین کو ایذاء دیتی ہو تو طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بیوی کا رویہ شوہر کے والدین کے ساتھ بہت نازیبا ہو۔ اور وہ ان کی اذیت کا باعث بن رہی ہو۔ تو اس کو اگر طلاق دے دی جائے تو شوہر کے اوپر کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟ بینوا توجروا

المستفتی: ریاض احمد بال روڈ ہاسٹل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور

الجواب باسمہ تعالیٰ: ایسی حالت میں طلاق دینا درست بلکہ مستحب ہے اور طلاق دینے کی اچھی صورت یہ ہے کہ جب وہ عورت حیض سے پاک ہو۔ اور اس پاکی کے عرصہ میں تم نے کوئی اس سے ہمبستری نہ کی ہو۔ اس وقت اس کو ایک طلاق دے دی جائے۔ اور یہ کہہ دیا جائے کہ میں نے تجھ کو طلاق دے دی۔ رد المحتار میں ہے۔

(قولہ وایقاعہ مباح) ای الطلاق مباح بل یستحب لو موذیۃ (قولہ لو موذیۃ) اطلقہ فشمل

المرضیة له أو لغیره بقولها او بفعلها (رد المحتار ص۸۳۳ ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۸-۴-۱۴۱۰ھ

بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہٗ
۱۸-۴-۱۴۱۰ھ

عدالتی فسخ صرف بعض صورتوں میں معتبر ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسماۃ سلمیٰ نے محمد بشیر خان سول جج وہاڑی کی عدالت میں اپنے خاوند محمد حنیف کے خلاف دعویٰ تنسیخ نکاح کیا ہوا تھا۔ اور خاوند نے بھی اعادۂ حقوق زن و شوہر کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ جج صاحب نے ہر دو مقدمات کو ملا کر مندرجہ ذیل سات تنقیحات مرتب کیں (۱) مدعا علیہ کا سلوک مدعیہ کے ساتھ مسلسل ظالمانہ ہے (۲) مدعا علیہ بدنام عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے (۳) مدعا علیہ مدعیہ کو غیر اخلاقی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے (۴) مدعا علیہ مدعیہ پر بدچلنی کا جھوٹا الزام لگا رہا ہے (۵) مدعا علیہ نے مدعیہ کو دو سال سے زیادہ عرصے کوئی چیز، خرچہ وغیرہ نہیں دیا (۶) کیا اب فریقین حدود اللہ میں رہ کر میاں بیوی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں (۷) کیا مدعا علیہ اعادۂ حقوق زن و شوہر کا حقدار ہے؟

فاضل جج مجسٹریٹ نے ان تنقیحات پر علیحدہ علیحدہ بحث کر کے آخر عورت کو تنسیخ نکاح کی ڈگری دیدی جس پر خاوند نے اپیل کر کے اس ڈگری کو کالعدم قرار دینے کا دعویٰ کیا۔ تو اپیل کا فیصلہ اس کے حق میں ہوا۔ اور تنسیخ نکاح کا فیصلہ کالعدم قرار دے دیا گیا اس کے متعلق ہماری راہنمائی فرماویں۔ بینوا توجروا

المستفتی: محمد حنیف ولد مہر دین ساکن کوٹ مظفر تحصیل میلسی ضلع ملتان

الجواب: عاماً اور مطلقاً حاکم کے اختیارات شرعاً غیر محدود نہیں کہ اس کا ہر فیصلہ بہرحال نافذ اور واجب التسلیم ہی ہو۔ بلکہ قاضی اور جج کے اختیارات محدود ہوتے ہیں۔ اور اس کا وہی فیصلہ نافذ ہوگا جو اپنے دائرہ اختیارات کے اندر رہتے ہوئے کیا گیا ہوگا جیسا کہ رسم المفتی میں ہے والقاضی المقلد اذا قضی علی خلاف مذهبه لاینفذ تفریح به جزم المحقق فی فتح القدیر و تلمیذه العلامة قاسم (ص۳۲) نیز شرعاً فریقین کو اپیل کا حق

بھی دیا گیا ہے۔ اور مخصوص صورتوں میں ماتحت عدالت کے فیصلوں کو رد بھی کیا جا سکتا ہے۔ درمختار میں ہے واذا رفع الیہ حکم قاض ..... آخر ..... نفذہ ..... الا ما عری عن دلیل مجمع او خالف کتابا لم یختلف فی تاویلہ السلف کمتروک تسمیۃ او سنۃ مشہورۃ کتحلیل بلا وطئ لمخالفتہ حدیث العسیلۃ المشہور او اجماعا کحل المتعۃ لاجماع الصحابۃ علی فسادہ وکبیع ام ولد علی الاظہر الخ (رد المحتار ص۳۲۹ ج ۴) اور صورت مسئولہ میں چونکہ خاوند کا تعنت ثابت نہیں جیسا کہ تفصیل شہادت کے فیصلے سے ظاہر ہے۔ اور خاوند علاوہ حقوق زن کا خواہاں ہے۔ پس ایسی صورت میں عورت کو شرعاً فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ جب انفساخ نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے عورت خاوند اول کے نکاح میں ہے۔ بذریعہ خلع شرعی یا طلاق علیحدگی کی کوشش کی جائے۔ اگر عورت آباد نہیں ہونا چاہتی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۸-۱-۱۳۸۹ھ	خیر المدارس ملتان

ایک عبارت کے ایلاء یا تعلیق ہونے کی تحقیق

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ مسمی مولوی مہر علی نے حسب ذیل عبارت پر دستخط کئے کہ

میں مسمی مہر علی ولد میاں زین العابدین اپنے ہوش و حواس قائم رکھتے ہوئے تحریر کرتا ہوں۔ اگر عبدالحی ولد غلام محبوب اپنی بیٹی رشیدہ بی بی سے نکاح کر دے تو اس کے بعد میں اپنی منکوحہ زہرہ بی بی کو آباد کروں یا گھر لے آؤں تو زہرہ بی بی میری منکوحہ مجھ پر تین طلاق حرام ہے۔ مندرجہ بالا مضمون لکھ لیا ہے کہ درست ہے اور تمام گواہوں کو یاد رہے۔ مذکورہ بالا مضمون پڑھ لیا ہے اور تصدیق کرتا ہوں۔ مہر علی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ ایلاء ہے یا تعلیق۔

سائل محمد امیر اترا

الجواب: ایلاء میں ضروری ہے کہ ایلاء کنندہ یا حانث ہو جاتا ہے (جبکہ مدۃ ایلاء کے اندر جماع کرے) یا مدۃ ایلاء گزرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو جاتی

ہے۔ تیسری صورت ممکن نہیں ہوتی۔ اور زیر بحث صورت میں اس کا امکان موجود ہے کہ مولوی مہر علی مدۃ ایلاء میں جماع کرلے اور حانث ہو جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ... زیر بحث بی بی کو اپنے گھر بھی نہیں لاتے اور کوئی دوسرا مکان ہے کہ اس میں اسے آباد بھی نہیں کرتے۔ کہ اس کے نان و نفقہ وغیرہ میں اس کا انتظام کردیں۔ اور خود بھی کبھی کبھی چلے جایا کریں جسے عرف عام میں آباد کرنا کہا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں عمل میں نہیں لاتے۔ مگر دوسرے کسی مقام پر اتفاقاً میاں بیوی کا اجتماع ہو جاتا ہے اور جماع کرلیتے ہیں۔ تو اس صورت میں مولوی صاحب قطعاً حانث نہیں ہوں گے۔ ایسے اتفاقی اجتماع کو عرف عام میں قطعاً آباد کرنا تصور نہیں کیا جاتا ہے پس جب یہ احتمال موجود ہے۔ تو یہ ایلاء نہیں بلکہ تعلیق ہی ہے فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ ۲۹ شعبان ۱۳۸۲ھ

طلاق کی قسم اٹھوانے کا حکم

زید پر چوری کا الزام ہے۔ زید کہتا ہے میں مدعی کو ہر طرح اطمینان دلانے کے لئے تیار ہوں۔ کیا مدعی زید سے طلاق کی قسم اٹھوا سکتا ہے۔ عبدالحمید مدرسہ نعمانیہ ڈی۔ جی۔ خان

الجواب: شرعی فیصلہ وہی قسم ہے جو اسماء الٰہیہ کے ساتھ اٹھائی جائے البتہ تخویف وغیرہ کے لئے طلاق کی قسم کی دھمکی دی جاسکتی ہے۔ وفیہا من الحلف بالتعلیق بما یحلف بالطلاق والعتاق یقول انہ غیر مشروع ولکن یعرض علیہ ان طلبہ الخصم (شامی ص ۴۲۴ ج ۳) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰-۳-۱۴۰۱ھ

مرتد سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں

زید کمیونسٹ ہوگیا اسلامی احکام وعقائد سے نفرت و بیزاری کا اظہار کرتا ہے قرآن مجید کو پرانی کتاب ناقابل عمل کہتا ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں روسی نظام و نظریات و افکار کی تعریف کرتا ہے اور دہریت کا اتنا دلدادہ ہے کہ اپنی منکوحہ مسماۃ ہندہ

کو نماز ادا کرنے اور رمضان میں روزہ رکھنے سے روکتا ہے۔ بلکہ روکنے سے زیادہ مار پٹائی کرتا ہے۔ اس صورت میں نکاح باقی ہے اگر وہ تائب ہو جائے تو تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟

الجواب ـــــ اگر واقعہ صحیح ہے کہ زید اسلامی عقائد سے نفرت و بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ مرتد ہے اس کی بیوی اس دن سے جب سے اس نے یہ کلمات کفر منہ سے بکے ہیں آزاد ہے طلاق لینے کی ضرورت نہیں۔ بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور حکومت پاکستان کو لازم ہے کہ اس شخص کو صرف تین دن کی مہلت دے کہ اپنے شبہات اسلام کے بارہ میں علماء اسلام سے رفع کر لے۔ اگر شبہات ختم کر کے اسلام میں داخل ہو جائے تو فبہا ورنہ یہ شخص واجب القتل ہے حکومت اس کو قتل کر دے دوسرے شخص کو اجازت نہیں۔ فقط

ـــــ بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ـــــ

بیوی خاوند کو طلاق دیدے تو ہو جائے گی یا نہیں؟

السلام علیکم۔ گزارش ہے میاں بیوی میں گھریلو مسائل پر آپس میں لڑائی ہوتی ہے جس کے بعد بیوی اپنے خاوند سے لڑ کر اس کے گھر کو چھوڑ کر علیحدہ اپنے بچوں کے ساتھ رہنے لگتی ہے لڑائی کی وجہ بات شریک لوگوں کا عورت کو کہنا ہے جب کہ خاوند ایسے لوگوں سے میل ملاپ کرنے سے منع کرتا ہے لیکن عورت خاوند کی بات نہیں مانتی اور کہتی ہے کہ ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے جو رشتہ میں عورت کے ماموں کے لڑکے ہیں جو غیر محرم کی تعریف میں آتے ہیں اور پھر جب لڑائی ہوتی ہے تو کہتی ہے کہ مجھے طلاق دے دو۔ اور ایک دفعہ طلاق کا لفظ استعمال کرتی ہے۔ عرصہ پانچ سال سے علیحدہ چھوٹے لڑکے کے مکان میں رہ رہی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ چونکہ میں نے طلاق دے دی ہے لہذا اب عورت اور خاوند کا رشتہ ساقط ہو گیا ہے۔ اس کے لئے شرعی احکام سے مطلع کریں کیا شرعی لحاظ سے یہ ایسا ہی ہو سکتا ہے جبکہ خاوند نے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا مگر بیوی نے طلاق دی ہے۔ محمد انور جمشید

2ـــــ اولاد کو بھی وہ ورغلاتی ہے اولاد کو کوئی جب کہے کہ والد کے حقوق کا خیال کرو تو لڑکے کہتے ہیں کہ رسول پاک نے تین دفعہ ماں کے قدموں میں جنت کہا ہے اور والد کے لئے ایک دفعہ کہا ہے لہذا والد کے لئے کوئی حقوق نہیں بتاتے بلکہ والدہ ہی مقدم ہے جبکہ بیوی۔ لڑکا دو دفعہ حج کر آئے ہیں۔ لیکن اجازت نہ لی تھی اس کے لئے شرعی اسلامی احکام قرآن کے حوالہ سے

مفصل واضح کریں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں عورت کے الفاظ طلاق کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔ اگر واقعی خاوند نے زبانی یا تحریری طلاق نہیں دی۔ تو اس کا نکاح اپنی بیوی کے ساتھ بدستور باقی ہے نکاح ختم نہیں ہوا۔ تعظیم کے لحاظ سے باپ کا حق مقدم ہے۔ والدین پر واجب ہے کہ دونوں (والدین) کی خدمت و احترام کریں۔ کسی کی بھی حق تلفی جائز نہیں فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ ۳-۵-۱۴۰۱ھ

میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو تفریق کی صورت

ایک عاقل و بالغ شادی شدہ عیسائی خاتون اپنی کامل رضامندی سے اسلام قبول کر لیتی ہے۔ لیکن اس کا غیر مسلم شوہر اسلام قبول نہیں کرتا ہے۔ ان کی تاحال کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ وہ خاتون حاملہ ہے اس صورت میں کافر شوہر کا نو مسلمہ سے نکاح رہے گا یا فسخ ہو جائے گا۔ اگر نکاح فسخ ہو گا۔ تو عدت کے بارے میں کیا حکم ہے اور عدت گزارنے کے بعد وہ کن صورتوں میں کسی مسلمان شخص سے نکاح کر سکتی ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

سائل: شفیق احمد طور

الجواب: صورت مسئولہ میں مسلمان حاکم مذکورہ مسلمہ کے خاوند پر اسلام پیش کرے۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کرے یا سکوت کرے تو قاضی / حاکم ان میں تفریق کرے تفریق کے بعد عدت گزارنے کے بعد عورت آزاد ہے ولو اسلم احد الزوجین عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم والا فرق بینہما کذا فی الکنز (عالمگیری ص۳۳۸ جلد ۱ جزء ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفی عنہ ۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۵-۴-۱۴۰۱ھ

مخبوط الحواس کی طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اندریں مسئلہ کہ ایک شخص شوکت ذہنی و دماغی مریض ہے اسے گاہے بگاہے بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں اور شخص مذکور دوا بھی استعمال میں لاتا بھی ہے اکثر اوقات ٹھیک رہتا ہے

شخص مذکور کو دورہ پڑا تو اس کی بیوی اس کے پاس آئی۔ اس نے بیوی کو ڈانٹا کہ میرے پاس سے چلی جا۔ یہ معاملہ رات کا ہے صبح جب پھر اس کی بیوی جب اس کے پاس آئی تو اس نے اپنی بیوی کو مخاطب کرکے پانچ چھ مرتبہ طلاق طلاق کے لفظ کہے۔ مذکورہ صورت میں شرعی حکم مطلوب ہے۔

مذکورہ شخص کے مخبوط الحواس ہونے کا ثبوت دماغی ماہرین کی رپورٹ میں موجود ہیں۔ براہ کرم فتویٰ صادر فرمایا جائے طلاق واقع ہوئی یا نہ اور اقسام طلاق میں سے کونسی طلاق واقع ہوئی ہے۔ واسطہ آں پنجہ لوگوں سے ہے مسئلہ مفصل تحریر فرما دیں۔ المستفتی حاجی ظفر اقبال مکان نمبر 266 بھکر میں حلفاً بیان کرتا ہوں کہ جس وقت شوکت اقبال نے یہ الفاظ طلاق استعمال کئے۔ وہ حالت جنون میں تھا اور میں موقع پر موجود تھا۔

الجواب: اگر یہ بات درست ہے کہ طلاق کہتے وقت شخص مذکور کو واقعی دورہ پڑا تھا۔ اور اس کی بیوی بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس وقت اس کی حالت دورے والی تھی تو پھر شخص مذکور کے اس طرح کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ در مختار میں ہے والمغمی علیہ ضد لغۃ المغشی۔ وفی الشامیۃ وکذا ایضاً فیمن اختل عقلہ لکبر أو لمرض أو لمصیبۃ فاجأتہ فما دام فی حال غلبۃ الخلل فی الاقوال والافعال لا تعتبر أقوالہ وان کان یعلمھا۔ شامی ص ۲۴۴ ج ۲۔ البتہ مسئلہ حلال وحرام کا ہے۔ لہٰذا پورے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ ۲۹ / ۱۴۰۳ھ

خالی کاغذ دینے سے طلاق نہیں ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء دین بیچ اس شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی بیوی کو خالی کاغذ دیا اور اس نے نیچے پھینک دیا اور میں نے زبان سے کچھ بھی نہیں کہا کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بیوی کا بیان: یہ کاغذ میں نے ان سے نہیں لیا۔ ہم دونوں میاں بیوی کا حلفیہ بیان ہے کہ وہ کاغذ بالکل خالی تھا۔ اس پر کچھ بھی نہیں لکھا ہوا تھا اور زبان سے بھی خاوند نے طلاق نہیں دی۔

الجواب: بر تقدیر صحت واقعہ خالی اور صاف کاغذ دینے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہ دونوں شرعاً ناکح و منکوحہ ہیں۔ حسب سابق زوجیت کے ساتھ رہ سکتے ہیں تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ۔ جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۹ / ۲ / ۱۴۰۳ھ

"میں اپنی بیوی سے سات طلاق ہوں" کہنے سے طلاق نہیں ہوگی

زید کا بیوی سے جھگڑا ہوا تو اس نے غصہ میں آ کر کہا میں اپنی بیوی سے سات طلاق ہوں تو کیا ان الفاظ سے طلاق ہو جائے گی؟ عبدالقادر بزدار تونسہ شریف

الجواب: اگر علوم نے خط کشیدہ الفاظ ہی کہے ہیں تو صورت مسئولہ میں طلاق نہیں ہوئی۔ انا منک طالق او بریٔ لیس بشیء ولو نوی در مختار مع شامی ۲/۴۴۲ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — ۲-۱-۹۲ء

بکر نے صرف لکھ کر طلاق دی تو طلاق نہیں ہوئی

زید سسرال اپنی بیوی کو لینے گیا تو وہاں سالوں نے پکڑ لیا۔ اور اس کو جان سے مارنے لگے۔ مطالبہ یہ تھا کہ طلاق دے دو چنانچہ زید نے جان بچانے کے لیے طلاق نامہ لکھ کر دے دیا۔ کیا طلاق واقع ہو گئی؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زید نے زبان سے کچھ نہیں کہا بلکہ صرف طلاق نامہ لکھا ہے یا دستخط کیے ہیں، تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فکتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته کذا فی فتاوی قاضیخان عالمگیری ۱/۳۷۹ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰-۴-۹۲ء

سادے کاغذ پر دستخط کرنے سے طلاق نہیں ہوگی

غلام اکبر جیل میں تھا۔ اس کے سسر محمد خان نے کہا کہ تمہارے لیے وکیل مقرر کرتے ہیں اس کاغذ پر دستخط کر دو اور سادے کاغذ پر دستخط کرا لیے۔ بعد میں اس پر طلاق لکھ لی جب غلام اکبر رہا ہو کر آیا تو اسے بتایا گیا کہ تو نے تو طلاق دی ہے تو کیا اس سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ غلام اکبر بلوچ ڈیرہ اسماعیل خاں۔

الجواب: اگر واقعۃً سادہ کاغذ پر دستخط کئے تھے اور اس نے نہ خود طلاق دی اور نہ کسی کو طلاق کیلئے وکیل بنایا۔ تو طلاق نہیں ہوئی وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع به الطلاق اذا لم یقر انه کتابه اھ (عالمگیری ص۳۷۹ ج۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲ر ۵ ۱۴۱۰ھ

مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص اپنے گھریلو جھگڑے کے دوران انتہائی غصہ کی حالت میں آگیا جس کے حواس باختہ ہوگئے۔ اور بے خود ہو کر قابو سے باہر ہوگیا۔ جسے اپنے وجود کے سنبھالنے کی خبر بھی نہ رہی۔ دماغ میں زبردست فتور آگیا۔ اسے اتنا علم بھی نہ تھا کہ زبان سے کیا کلمات کہہ رہا ہوں۔ اور کیا انجام ہوگا۔ گویا اس کی حالت دیوانگی جیسی ہوگئی۔ اسی حالت میں اس نے اپنی بیوی کے متعلق کہا کہ اسے طلاق ہے۔ طلاق ہے طلاق ہے۔ ان الفاظ کا اسے کوئی پتہ نہیں سننے والوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ آیا ایسی حالت میں شرعاً طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔ المستفتی محمد اسلم شاہ

جب میں شور سن کر آیا تو اس کی کیفیت ایسی تھی کہ اس کو کوئی اپنی خبر نہ تھی چادر گر کر گھٹنوں تک پہنچ گئی۔ اس نے خود کو نہیں سنبھالا میں نے اس کو سنبھالا۔ پھر وہ اسی بیہوشی کے عالم میں چارپائی پر گر گیا۔ جب میں صبح کے وقت اس کے پاس گیا۔ تو اس نے کہا مجھے رات والے واقعہ کا کچھ علم نہ ہے کسی کے آنے جانے کا اور کچھ بولنے کا مجھے کوئی علم نہیں ہے محمد اسلم شاہ ساکن

الجواب: اگر مسمی محمد ارشد طلاق کے وقت ایسا مدہوش تھا۔ تو اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی ہندیہ میں ہے ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمی علیه والمدهوش (ص۳۵۳ ج۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۶-۱۱-۱۴۱۰ھ | الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفی عنہ

"میں نے نکاح نہیں کیا" کنایات سے نہیں

زید اور خالدہ کا نکاح ہوا یہ نکاح زید کی مرضی کے خلاف ہوا تھا۔

اب زید کہتا ہے کہ میرا کوئی نکاح نہیں میں نے یہ نکاح نہیں کیا اس لئے کہ مجھے یہ پسند نہیں تھا ایک دفعہ خالدہ کی بہن نے اسے بہنوئی کہا، تو کہنے لگا میں تمہارا بہنوئی نہیں بلکہ دیور ہوں۔ کیا ان الفاظ سے طلاق ہو گئی؟

الجواب یہ لفظ کنایات طلاق سے نہیں ہے لہذا اگر طلاق کی نیت ہو بھی تو ان لفظوں سے طلاق نہیں ہوگی۔ ولو قال لم اتزوجک ونوی الطلاق لا یقع الطلاق بالاجماع كذا فی البدائع اھ (عالمگیری [illegible]) بخلاف لم اتزوجک لانہ لا یحتمل الطلاق لانہ نفی فعل التزوج اصلا ورأسا وانہ لا یحتمل الطلاق فلا یقع بہ الطلاق اھ (بدائع ص ۱۰۵ ج ۳)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

میں اس شہر میں نہیں رہوں گا کہنے کے بعد چلا گیا پھر کبھی کبھی ملنے آئے تو حانث نہیں ہوگا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ ایک شخص طارق نے اپنے گھریلو تنازعے کی بنا پر غصہ میں آکر یہ کہا کہ اگر میں یہاں کانجوالہ میں رہ جاؤں تو مجھ پر طلاق ہے دوبارہ بھی یہی الفاظ کہے کہ اگر میں یہاں کانجوالہ میں رہ جاؤں تو مجھ پر طلاق ہے یہ واقعہ آج سے پانچ برس قبل کا ہے پھر یہ شخص گھر والوں کو لے کر کسی اور دیہات میں چلا گیا تین سال تک خود بیوی بچے باہر رہے تین سال کے بعد بیوی بچے اسی موضع کانجوالہ میں آگئے۔ اور تقریباً عرصہ دو سال سے رہائش پذیر ہیں۔ یہ طلاق دینے والا شخص اب تک باہر ہے وہاں رہائش پذیر نہیں ہوا البتہ ان دو سال میں دو تین مرتبہ گھر والوں اور بال بچوں کو ملنے کے لئے گیا ہے۔ مگر اسی وقت واپس چلا آیا رات نہیں ٹھہرا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب خود اپنی طرف سے یہ شخص قائم ہے۔ بیوی بچوں سے اس کی رہائش ہو گئی ہے یا نہیں اور جو دو مرتبہ لفظ طلاق کا کہا ہے اس کا کیا ہوگا طلاق پڑتی ہے یا نہیں؟ فقط۔ بینوا توجروا

الجواب بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مسمی طارق کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ کسی شہر یا بستی کے متعلق ترک سکونت کی قسم کی صورت میں خود نکل جانا کافی ہے۔ بیوی بچوں اور سامان کو نکالنا ضروری نہیں۔ حنفیہ میں ہے حلف ان لا یسکن هذا المصر فخرج بنفسه وترك اهله ومتاعه فيه لا يحنث۔ وان كانت اليمين على سكنى القرية فهي بمنزلة المصر حتی کہ طارق اس بستی میں بقصد ملاقات و زیارت آیا جس سے سکونت متصور نہیں ہوتی۔ تو قسم میں حانث نہ ہوگا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے ولو حلف وقال لا یسکنها ثم فخرج باهله ومتاعه ثم عاد وسكن كان حانثا...... قالوا هذا اذا عاد فسكن والقرار، اما اذا عاد للزيارة لا يحنث في يمينه (ص ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۴۰۰-۲-۱

بیوی کو ماں بہن کہنا ناجائز ہے مگر طلاق نہیں ہوگی

زید نے اپنی بیوی کو شدید مارا وہ مظلومہ میکے چلی گئی۔ زید سسرال گیا اور کہا کہ اب اسے لے جاؤں تو ماں بہن کو لے جاؤں اور یہ بھی کہا کہ اب یہ میری ماں بہن ہے میرے دل میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ان الفاظ سے طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں طلاق نہیں ہوئی البتہ بیوی کو ماں بہن کہنا مکروہ اور ناجائز ہے لو قال ان وطئتك وطئت امي فلا شئ عليه اه (عالمگیری ص۱۲۶ ج۲) ويكره قوله انت امي ويا ابنتي ويا اختي ونحوه (الى ان قال) وفي حديث ابي داؤد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول لامرأته يا اخية فكره ذلك ونهى عنه اھ (شامی ص۴۸۳ ج۲) فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

تو میری کچھ نہیں لگتی سے طلاق نہیں ہوگی

خالد نے اپنی بیوی جمیلہ کو ناراض ہو کر کہا کہ تو میری کچھ نہیں لگتی صرف ایک مرتبہ یہ الفاظ کہے۔ اور بعد اس کے جمیلہ نے دو مرتبہ پوچھا کہ میں تیری کچھ نہیں لگتی

تو دونوں ہی مرتبہ خالد نے جواب دیا کہ تو میری کچھ نہیں لگتی۔ بقول خالد کے کہ اپنی بیوی کو دھمکانے کے لئے یہ الفاظ کہے تھے طلاق کی غرض نہیں تھی۔ آپ فرمائیں کہ طلاق ہوئی یا نہ اگر ہوئی تو کونسی واقع ہوئی ہے؟

الجواب اگر مسمی خالد نے صرف یہی کلمات زبان سے کہے ہیں۔ طلاق یا حرام وغیرہ کا کوئی لفظ زبان پر نہیں لایا تو صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی جبکہ طلاق کی نیت نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے لو قال لم یبق بینی وبینک شیء ونوی به الطلاق لا یقع ص ۳۷۵ ج ۱ ولو قال لامرأته لست لی بامرأة ..... وان قال نویت الطلاق یقع الطلاق ہندیہ ص ۳۷۵ ج ۱۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

صرف ڈھیلے پھینکنے سے طلاق نہیں ہوگی

احمد خاں کا اپنی بیوی سے تنازعہ ہوا وہ بھاگ کر اپنی بستی میں ڈھیلے لایا اور بیوی کو کہا کہ یہ ڈھیلے تم نے دیکھے ہیں مگر زبان سے بالکل کوئی لفظ نہیں کہا کیا طلاق ہوگئی؟

الجواب اگر واقعۃً صرف ڈھیلے اٹھائے ہی تھے اور زبان سے کوئی لفظ نہیں کہا۔ تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ وبه ظهر ان من تشاجر مع زوجته فاعطاها ثلاثة احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایة لا یقع علیه الخ (شامی [illegible])

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۸/۵/۱۴۰۰ھ

رجوع کیلئے بیوی کا رضامند ہونا ضروری نہیں، رجوع قول سے بھی ہوسکتا ہے اور فعل سے بھی

میرے چچا نے اپنی بیوی کے کردار کو مشکوک سمجھتے ہوئے اسے گھر بھیجا۔ کہ میں نے بیوی کو طلاق دی بعد میں غلط فہمی رفع ہوگئی۔ اب وہ رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے لئے عورت کا رضامند ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ غلام حسین ننگ پور ضلع مظفر گڑھ

صورت مسئولہ میں رجوع کرنا درست ہے۔ بیوی رضامند ہو یا نہ ہو۔ اور رجوع قول وعمل دونوں سے ہو سکتا ہے قول سے رجوع کرے تو اس پر گواہ بھی بنالے اور اسے اطلاع دے دے۔

(۱) اذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها رضيت بذلك او لم ترض اھ (ہدایہ ص ۳۷۴ ج ۲)

(۲) كما تثبت الرجعة بالقول تثبت بالفعل وهو الوطء واللمس عن شهوة اھ (عالمگیری ص ۴۶۹ ج ۱)

(۳) فالسنة ان يراجعها بالقول ويشهد على رجعتها شاهدين ويعلمها بذلك اھ (عالمگیری ص ۴۶۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳-۷-۱۴۰۲ھ

مطلقہ غیر مدخولہ سے رجوع کا حکم

مؤدبانہ گزارش ہے کہ ایک سال قبل بندہ کا نکاح ہوا تھا۔ مگر اب تک رخصتی عمل میں نہ آئی تھی۔ اور نہ ہی کوئی اس قسم کا رشتہ قائم ہوا تھا۔ کہ چند روز پہلے بندہ نے کچھ ذاتی وجوہ کی بناء پر تحریری طلاق نامہ لکھ دیا تھا۔ مگر اب بندہ اس طلاق کو واپس لینا یا دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہے تو تحریری فتویٰ عنایت فرمایا جاوے۔ آپ کی عین نوازش ہوگی

سائل۔ فیصل قدیر ولد ملک بشیر احمد ۵۶ ولایت آباد نمبر 2 ملتان

جناب عالی۔ میں یہ حلفاً بیان کرتا ہوں۔ عرضی نویس نے پہلے من مقر سے کہلوا دیا کہ میں نے نگہت کو طلاق دی۔ اور پھر لکھنا شروع کیا

یہ لفظ عرضی نویس نے صرف ایک مرتبہ کہلوایا کہ من مقر نے مسماۃ نگہت کو طلاق دی

الجواب

اگر واقعۃً حقیقت یہی ہے کہ عرضی نویس نے پہلے ایک دفعہ زبانی کہلوایا تھا اور صرف ایک طلاق کا لفظ کہلوایا تھا تو مطلقہ غیر مدخولہ ہونے کی وجہ سے اس کے بعد محل طلاق نہ رہی۔ لہٰذا بقیہ تحریری طلاق لغو ہے۔ مذکورہ عورت سے بدون حلالہ دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مسئلہ خُلع

قرآن وحدیث اور فقہائے اُمت کے ارشادات کی روشنی میں عدالت کی جبراً خلع کرنے کی زبردست تردید وتغلیط!

محترم مفتی عبدالستار صاحب جامعہ خیر المدارس (ملتان)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک اہم سوال خلع کے حوالے سے

کر رہا ہوں آپ سے گذارش ہے اس پر جلدی جواب دیجئے کیونکہ جن نامور ایڈووکیٹ عالم کے سوال کے جیب خلع کا یہ سوال آپ سے کر رہا ہوں ان کا انٹرویو رسالے میں دے چکا ہوں ان کے انٹرویو میں بعض سوالات دینی حوالے سے بھی ہیں۔ میں چاہتا ہوں جب ان کا انٹرویو شائع ہو تو خلع سے متعلق آپ کا جواب یہ فتویٰ آ چکا ہو اور اس میں شائع ہو خدا کرے آپ فوراً جواب دے دیں۔

سوالات

س۔ مفتی صاحب ہمارے دینی اداروں اور جید علمائے کرام خلع کے حوالے سے جو فتویٰ دے چکے ہیں بعض اسکالرز اور اپنے طور پر دین کی تحقیق کرنے والے عالم حضرات اس سے مختلف فتویٰ دے رہے ہیں ملک کے نامور ایڈووکیٹ جو دینی علم کے حوالے سے بھی مقام رکھتے ہیں انہوں نے ایک اخبار کو

انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ ان کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ خواتین کو سپریم کورٹ آف پاکستان سے خلع کا حق لے کر دیا ہے اور یہ کہ اب کوئی عورت جو کسی وجہ سے شوہر سے علیحدگی کی خواہاں ہو عدالت میں جا کر خلع حاصل کر سکتی ہے ان کے بقول قرآن کریم کی آیت اور حضور ﷺ کے دور سے وابستہ تمام احادیث سے یہ ثابت ہے کہ عورت کو خلع کے لئے مرد سے کسی اجازت یا شرط وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں چونکہ احباب ہم یہ سنتے اور پڑھتے رہے ہیں کہ خلع کے لئے مرد کی رضامندی بھی لازمی ہے اگر وہ کسی طور پر خلع دینے پر آمادہ نہ ہو تو خلع ہو جاتی نہیں ہے اگرچہ عدلیہ نے دیا ہو آپ سے فتویٰ درکار ہے کہ حقیقی صورتحال کیا ہے یعنی اگر عدلیہ کسی عورت کو خلع دے دیتی ہے تو کیا وہ شرعی طور پر درست ہے یا نہیں۔ اگر درست نہیں تو پھر سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے کی کیا کوئی حیثیت نہیں ہے؟ ان کے بقول یہ تو ہم نے قرآن اور احادیث سے سپریم کورٹ میں ثابت کیا ہے کہ خلع کے لئے عورت ہرگز مرد کی اجازت وغیرہ کی محتاج نہیں اور یہ کہ اگر کسی ایک یا زائد علماء کرام کو اس سے اتفاق نہ ہو تو وہ سپریم کورٹ میں آکر دلائل دیں اور قرآن وسنت سے ثابت کریں کہ اس طرح خلع نہیں ہوتا ہے آپ سے گزارش ہے اس بارے میں واضح فتویٰ دیجئے اور قرآن پاک اور احادیث کی روشنی میں بتایئے۔ شکریہ!

والسلام

فیاض اعوان کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

آپ نے خلع کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے یہ لکھا ہے

کہ ایک نہایت نامور ایڈووکیٹ کا دعویٰ ہے کہ اس نے خواتین کو سپریم کورٹ

پاکستان سے خلع کا حق لے کر دیا ہے۔ اور ان کا یہ بڑا کارنامہ ہے ------ واقعی

ان کا یہ بڑا کارنامہ ہے لیکن گمراہی کے اعتبار سے نہ کہ ہدایت کے اعتبار سے۔ یہ

اصلاح معاشرہ کے حق میں نہیں بلکہ فساد معاشرہ کیلئے ہے قرآن و سنت حضرات

صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین اور تیرہ سو سال مسلسل عدالتی فیصلوں کے علی الرغم

خلع کا یہ خانہ ساز حق دلانا اسے بڑا کارنامہ نہ کہا جائے۔ تو آخر کیا کہا جائے؟

عدالت اسلامی قانون سازی کا حق نہیں رکھتی بلکہ اسلامی قانون کو نافذ

کر سکتی ہے۔ تیرہ سو سال تک جو حق عدالت کے پاس نہ تھا چودھویں صدی میں

وہ حق اس کے پاس کہاں سے آگیا؟ وہ خود محتاج حجت ہے۔ تو ایڈووکیٹ صاحب

نے جو عدالت سے لیکر دیا ہے وہ شرعی حق نہیں ہے بلکہ ہڑپ کیا ہوا ہے۔

باقی ایڈووکیٹ صاحب کا یہ کہنا کہ خلع کا یہ حق قرآن کریم اور متعین

احادیث سے ثابت ہے ------------ یہ تب قابل تسلیم تھا جبکہ قرآن کریم کا

نزول اور احادیث شریف کا ورود ابھی ابھی ایڈووکیٹ صاحب پر ہوا ہوتا اور گزشتہ

تیرہ صدیوں میں اہل اسلام قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے محروم ہوتے اگر

ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں ان آیات و

احادیث شریفہ کے صحیح فہم سے اُمت محروم رہی ہو۔؟ یہ تو ایسی بات ہے جیسے

مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا تھا کہ خاتم النبیین کے معنی سمجھنے سے پوری امت

قاصر رہی اول مرزا صاحب ! کا یہ معنی نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری

گئے ------- اور پادریوں نے زمانہ کی بو ستائیوں کے مطابق فیصلے دیئے اور صحیح مسائل کو پس پشت ڈال دیا۔

دینی حقائق اور سائنسی انکشافات میں ایک بنیادی فرق ہے ------ دینی حقائق ایسے علم پر مبنی ہیں۔ جن میں جہالت کا شائبہ نہیں سائنسی انکشافات کا مدار ہی جہالت پر ہے ---- تجربات کرتے کرتے، جب کوئی تحقیق یا تھیوری سامنے آتی ہے تو گویا قبل ازیں یہ تحقیق و تھیوری جہالت کے پردے میں مستور تھی جہالت کا پردہ چاک ہوا تو یہ حقیقت منکشف ہوئی۔ تو تمام سائنسی انکشافات جہالت سے جنم لیتے ہیں انسانی علوم کی یہی حقیقت ہے۔ جہالت زائل ہو ہو کر علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن دینی حقائق اجماعیہ کا ماخذ علوم وحی ہیں۔ جو علم خداوندی سے ناشی ہیں اور علم خداوندی میں جہالت ہی نہیں۔ تو حقائق دینیہ میں تغیر پذیر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گذشتہ ایک صدی سے اسلام کے نادان دوستوں نے سود کو حلال کرنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن علماء حق اس اٹل حقیقت پر ڈٹے رہے جو تیرہ صدیوں سے مسلسل نقل ہوتی آرہی تھی۔ عصر حاضر کے شور و غوغا سے ہرگز متاثر نہیں ہوئے۔ متاثر بھی کیسے ہوتے جبکہ علماء کا منصب مسئلہ بتانا ہے نہ کہ نیا مسئلہ بنانا اور گھڑنا۔ حرمت سود کے احکام خداوند قدوس کے دربار سے جاری ہوئے ہیں۔ انکی تنسیخ خداوند جل وعلا سے کوئی بڑی اتھارٹی ہی کر سکتی ہے، بندوں کو اس میں ترمیم کا کیا حق ہے؟

اسی طرح سمجھئے۔ کہ حق خلع کا مسئلہ شریعت مقدسہ کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اس میں ترمیم کسی کے اختیار میں نہیں۔ اور ایڈووکیٹ صاحب کا کارنامہ شرعی مسئلہ کا اظہار نہیں بلکہ شرعی قانون میں ترمیم اور اسکی تبدیلی ہے۔ جس کے دو جواز ہیں نہ کوئی دوسری اتھارٹی۔ اشکال ہو سکتا ہے کہ ایسے واضح حقائق کی موجودگی میں پھر اس حق خلع کے مسئلے کو تبدیل کرنے کے اسباب کیا ہیں؟

جواب یہ ہے کہ اس کے تین اسباب ہیں

(۱) عورت کے حقوق کے متعلق مغرب اور ملحدوں کے غلط
پروپیگنڈے سے متاثر ہونا

(۲) اس مسئلے کو قرآنی و حدیثی نصوص کے الفاظ و معانی سے حل
کرنے کی بجائے قرآن و سنت کی روح سے حل کرنے کی کوشش کرنا -------
(واضح رہے کہ دانشوران حضرات کسی مسئلے کے بارے میں اپنے من پسند حل کو
قرآن و سنت میں پانے سے جب مایوس ہو جاتے ہیں۔ تو وہ روح قرآن سے اس کا
من پسند حل تلاش کر کے اسے قرآن و سنت کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ اسی
تکنیک سے یہاں خلع کے مسئلہ میں کام لیا گیا ہے)

(۳) حقوق نکاح کے بارے میں مرد و عورت کی مساوات کا مفروضہ جو
محترم جسٹس ایس اے رحمان صاحب نے پیش کیا۔ چنانچہ موصوف حق خلع کے
فیصلے میں آیت شریفہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف

کہ جس طرح مرد کو عورت کی رضامندی کے بغیر طلاق کا قانونی حق دیا
گیا ہے اسی طرح عورت کو بھی مرد کی رضامندی کے بغیر خلع کا حق ملنا چاہیے
(پی ایل ڈی ۱۹۶۷ء سپریم کورٹ صفحہ ۱۱۳) اب ہم ان تینوں اسباب کے
متعلق لف و نشر غیر مرتب کے طور پر کچھ عرض کریں گے۔

اس تصریح پر شک نہیں کہ جناب موصوف کا یہ استدلال غلط ہے۔ جب
حقوق میں مساوات کا دعویٰ ہے تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ جیسے مرد کو عورت کی
رضامندی کے بغیر طلاق کا قانونی حق حاصل ہے اسی طرح عورت کو بھی مرد کی
رضامندی کے بغیر طلاق کا قانونی حق حاصل ہے۔

حاصل ہے اور ملنا چاہیے میں بڑا فرق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عورت

کو اب تک یہ حق حاصل نہیں (بالکل درست) لیکن جناب جسٹس صاحب عورت کو یہ حق خلع عطا کرنا چاہتے ہیں؟ نیز مرد کیلئے حق طلاق اور عورت کیلئے حق خلع کی تجویز یہ بھی مشیت اور مساوات کے خلاف ہے کیونکہ حق طلاق و حق خلع برابر نہیں اس لئے کہ خلع میں معاوضہ مالی ضروری ہے جبکہ طلاق میں یہ ضروری نہیں۔ علاوہ ازیں اسی آیت شریف میں وللرجال علیهن درجة بھی موجود ہے۔ جو جناب جسٹس صاحب کی مزعومہ مساوات کی نفی کرتے ہوئے مرد کی فوقیت کو ثابت کر رہا ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ (شافعی) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ان الزوج قادر علی تطليقها و اذا طلقها فهو قادر علی مراجعتها شاءت المرأة اولم تشاء اماالمرأة فلا تقدر علی تطليق الزوج ولا تقدر علی المراجعة (تفسیر کبیر ص ۲۲۳ ج ۲)

اس سے مرد کی بالادستی ظاہر ہے الغرض انفصال نکاح کے بارے میں مرد و عورت کی مزعومہ مساوات ثابت نہیں سبب روح قرآنی سے فیصلہ کرنے سے متعلق بھی جناب ایس اے رحمان صاحب کا ارشاد ملاحظہ کریں۔ چنانچہ موصوف محترم اپنے فیصلے میں لکھتے ہیں۔

میری ناقص رائے میں یہ بات قرآن کے الفاظ اور روح کے ساتھ (جو بیوی اور شوہر کو ایک دوسرے کے حقوق کے معاملے میں ایک ہی مقام دیتی ہے) زیادہ ہم آہنگ ہوتی ہے کہ ان آیات کی تشریح اس طرح کی جائے کہ اولوالامر بشمول قاضی خلع کے ذریعہ خود بھی تفریق کا حکم دے سکے اگرچہ شوہر اس سے متفق نہ ہو۔ (پی ایل ڈی سپریم کورٹ ۱۹۶۷ء ص ۱۲۰ ص ۱۲۱)

اس عبارت میں روح قرآنی کا سہارا لینے کی تصریح موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مختلف اشخاص کے نزدیک مطالب روح قرآنی میں اختلاف ہو سکتا

ہے۔ کیونکہ روح کیلئے مکتوب ہونا ضروری نہ محسوس و مشاہد ہونا ضروری۔ دوسرا شخص بھی دعوی کر سکتا ہے کہ روح قرآنی یہ نہیں بلکہ یہ ہے چنانچہ بہت سے زائغین نے روح قرآنی کے حوالے سے عصر حاضر میں اپنے خلاف شریعت خیالات کی کیا کچھ اشاعت نہیں کی؟ منکرین حدیث وغیرہ کے لٹریچر کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے

باقی شاید کسی کو غلط فہمی ہو کہ فیصلہ بالا میں روح کے علاوہ قرآن کے الفاظ کا بھی حوالہ دیا گیا ہے ---------- سو واضح رہے کہ الفاظ قرآن کا اضافہ محض اپنی رائے میں جان ڈالنے اور اسے سہارا دینے کیلئے ہے قرآن کریم کے الفاظ سے وہ ہرگز ثابت نہیں

جیسا کہ دعوی کیا گیا ہے۔ یعنی شوہر اور بیوی کے باہمی حقوق میں مساوات اور انہیں ایک ہی مقام دینا چنانچہ سابقہ نمبر میں تفصیل سے اس پر بحث گزر چکی ہے۔ کہ قرآن کریم میں جہاں پر ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف موجود ہے اسی کے ساتھ بالکل واضح طور پر وللرجال عليهن درجة بھی مذکور ہے۔ تو قرآن نے شوہر اور بیوی کو ایک ہی مقام نہیں دیا بلکہ مرد کو فوقیت دی ہے۔ پس یہ دعوی مساوات خلاف واقعہ ہے۔

جب اس مفروضہ مساوات کی بنیاد پر قاضی کو جو حق خلع دینے کا اختیار ثابت کیا گیا ہے اگرچہ شوہر اس پر راضی نہ ہو ---------- یہ سب بناء الفاسد علی الفاسد ہے قرآن کے الفاظ سے مفروضہ مساوات ثابت ہے نہ اس پر مبنی قاضی کا بغیر رضامندی شوہر کے فیصلہ خلع دینے کا حق خصوصا جبکہ یہ حضرت جمیلہؓ کے واقعہ میں حضور پاک ﷺ کی تصریح کے بھی خلاف ہے ------ چنانچہ ان کے مقدمہ خلع میں آنحضرت ﷺ نے خود نکاح فسخ کر کے حضرت جمیلہؓ کو آزاد نہیں فرما دیا تھا---- بلکہ ان کے شوہر کو

ارشاد فرمایا---------کہ تم باغ (مہر) واپس لے لو اور اپنی بیوی کو طلاق دیدو۔ تو شوہر سے طلاق دلوائی گئی آنحضرت ﷺ نے خود نکاح فسخ نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ خلع و طلاق دینے کا اختیار خاوند کو ہی ہے چنانچہ اس واقعہ کے متعلق حضور پاک ﷺ کے الفاظ یہ ہیں۔

فقال رسول الله ﷺ اتردين عليه حديقته قالت نعم قال رسول الله ﷺ اقبل الحديقة وطلقها

(صحيح بخاری شريف ص ۷۹٤ ج ٢ اصح المطابع)

سنن نسائی شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

فارسل الى ثابت فقال له خذ الذی لها عليك وخل سبيلها قال نعم

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے واپسی مہر کیلئے جیسے حضرت جمیلہؓ سے رضامندی حاصل کی ایسے ہی حضرت قیسؓ خاوند سے بھی رضامندی لی۔ دونوں میاں بیوی نے نعم کہکر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ باقی آنحضرت ﷺ کا حکم دینا بطور ارشاد و اصلاح کے تھا نہ کہ ایجاب کیلئے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ علامہ عینیؒ اور علامہ قسطلانیؒ شراح بخاری نے اسکی تصریح کی ہے۔

بہر حال میاں بیوی میں برابری کا دعویٰ الفاظ قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہو سکتا اگلی رو سے دیا بالکل غلط ہے کہ میاں بیوی میں برابری کا نظریہ و خیال مغرب کی حیوانی تہذیب کی پیداوار ہے جسے ہر ممکن طریقے سے مشرق پر مسلط کرنیکی انتہائی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اعاذنا الله من ذلك۔ امر یہ ہے کہ ہم بری طرح مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ہماری زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی اسکے ہر شعبہ میں شعوری یا غیر شعوری طور پر ہم مغرب سے مرعوب و متاثر ہیں۔

سلف کی تشریحات کے خلاف قرآن و سنت کی ایسی تشریح کرنے بیٹھ جاتا جو آزادی نسواں اور مردوں کے ساتھ ان کی مساوات کے نظریہ پر مبنی ہو، اس سے مغرب سے مرعوبیت کا واضح اثر ملتا ہے۔ یہاں تک ان تینوں اسباب کا بیان ہے۔ جن پر عورت کو حق خلع دینے کا فیصلہ مبنی ہے۔

اہل علم پر مخفی نہیں اب تک تمام فقہاء اور مجتہدین کا اس پر اتفاق چلا آتا ہے کہ خلع شوہر اور بیوی کا باہمی معاملہ ہے جو فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے لہذا کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا۔ غیر منقسم ہندوستان اور پاکستان کی عدالتیں بھی مسلمانوں کے مقدمات میں اسی اصولوں کے مطابق فیصلے کرتی آئی ہیں۔ اس سلسلے میں عمرتی بی بنام محمد دین اور سعیدہ خانم بنام محمد سمیع کے دو مقدمات کافی مشہور ہیں۔ پہلے مقدمے میں جسٹس عبدالرحمن اور جسٹس بارنس نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا تھا۔ کہ عورت شوہر کی مرضی کے بغیر خلع نہیں کرا سکتی۔ (عمرتی بی بنام محمد دین اے۔ آئی۔ آر ۱۹۴۵ء لاہور)

اسی طرح سعیدہ خانم بنام محمد سمیع کے مقدمے میں جسٹس اے۔ آر کارنیلیس، جسٹس محمد جان اور جسٹس خورشید زمان صاحبان نے بھی یہی فیصلہ دیا تھا کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع نہیں ہو سکتا محض اختلاف مزاج یا پسندیدگی اور نفرت کی بنا پر عدالت نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی۔ (سعیدہ خانم بنام محمد سمیع۔ پی ایل ڈی ۱۹۵۲ء لاہور ۱۱۳) (لیکن ۱۹۵۹ء میں پھر ۱۹۶۷ء میں سپریم کورٹ نے اس کے خلاف فیصلے دیئے) اب غور کر لیا جائے۔ کہ قرآن و سنت کی تصریحات کی روشنی میں تیرہ سو سال کے فقہاء مجتہدین اور ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ائمہ ظاہریہ رحمہم اللہ اور انکے متبعین نے عورت کو یہ حق نہیں دیا بلکہ اس حق کی نفی کی ہے اور چودھویں صدی میں اگر کوئی شخص عورت کو یہ حق تفویض کرتا ہے تو یہ انکی

طرف سے خاص ذاتی وطیرہ ہی ہو سکتا ہے ---------- اسے شرعی مسئلہ ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا اب آگے ہم قرآن وسنت ائمہ مجتہدین اور مفسرین سے شرعی حق خلع کے بارے میں دلائل پیش کرتے ہیں **مسئلہ خلع شریعت مطہرہ کی روشنی میں**

خلع کی تعریف علامہ ابن ہمام نے خلع کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ازالة ملك النكاح ببدل بلفظ الخلع خلع کے لفظ کے ذریعے معاوضہ لیکر ملک نکاح کو زائل کرنا

(ابن ہمام فتح القدیر ۱۹۹، ج ۳)

اور خلع عورت کر سکتی ہے جبکہ خاوند راضی ہو ۔

دلیل اول فرمان خداوندی ہے

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة والله عزیز حکیم

ترجمہ :- اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو مثل انہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکیم ہیں

(ترجمہ ماخوذ از حضرت تھانوی)

وللرجال علیهن درجة اس مسئلہ میں حضرات مفسرین کے چند اقوال درج ہیں

۱۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں

وللرجال علیهن درجة قال یطلقها ولیس لها من الامر شیء

فرمان الٰہی وللرجال علیهن درجة کا مطلب یہ ہے کہ مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے لیکن عورت کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں

(الدر المنثور للسیوطی ۲۷۷، ج ۱)

۲۔ امام فخر الدین رازی (شافعی) اس آیت وللرجال علیهن درجة کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں

ان الزوج قادر علی تطلیقها واذا طلقها فهو قادر علی مراجعتها شائت المرأة ام لم تشا ۔ اما المرأة فلا تقدر علی تطلیق الزوج وبعد الطلاق لاتقدر علی مراجعة الزوج ولا تقدر ایضا علی ان تمنع الزوج من المراجعة (تفسیر کبیر ص ۲۴۳، ج ۲)

ترجمہ

بیشک خاوند عورت کو طلاق دینے پر قادر ہے اور جب عورت کو طلاق دیدے تو رجوع بھی کر سکتا ہے عورت چاہے یا نہ چاہے تو عورت نہ خاوند کو طلاق دینے پر قادر ہے اور طلاق کے بعد شوہر سے رجوع کرنے پر بھی قادر نہیں ہے اور نہ خاوند کو رجوع کرنے سے روک سکتی ہے

۳۔ امام قرطبی (مالکی)

اپنی تفسیر میں اس جملے کی تشریح میں علامہ ماوردی کا قول نقل کرتے ہیں له رفع العقد دونها کہ نکاح ختم کرنے کا اختیار صرف مرد کو ہے نہ کہ عورت کو (القرطبی الجامع لاحکام القرآن ص ۱۲۵، ج ۳، دار الکتب مصر ۱۹۳۹)

آیت خلع

فان خفتم الا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به تلك حدود الله فلا تعتدوها ومن یتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون البقرة

ترجمہ: سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر

سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس چیز میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جاوے ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں (ترجمہ ماخوذ از حضرت تھانویؒ) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ خلع کا معاملہ زوجین اپنی رضامندی سے ہی کریں گے کیونکہ اس آیت میں آگے فیما افتدت بہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اس میں بدل خلع کو فدیہ اور عورت کی ادائیگی کو افتداء کہا گیا ہے اور بقول علامہ ابن قیمؒ یہ خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خلع ایک عقد معاوضہ ہے جس میں فریقین کی باہمی رضامندی ضروری ہے

اس لیے کہ فدیہ عربی زبان میں اس مال کو کہا جاتا ہے جو جنگی قیدیوں کو چھڑانے کے لیے پیش کیا جاتا ہے اس مال کو پیش کرنا افتداء اور قبول کرنا فداء کہلاتا ہے دیکھیے امام راغب اصفہانی المفردات فی غریب القرآن اصح المطابع کراچی وابن الاثیر الجزری النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر ۱۲۰۴ المطبعۃ الخیریۃ ابو الفتح مطرزی المغرب ۸۸ ج ۲ دکن (۱۳۲۸ھ) اور علامہ ابو الفتح مطرزی تحریر فرماتے ہیں وخالعت المرأۃ زوجہا اختلعت منہ اذا افتدت منہ بما لہا فاذا اجابہا الی ذلک فطلقہا قیل خلعہا (المطرزی المغرب فی ترتیب المغرب ص ۱۶۵ دکن) ۱۳۲۸ء

(ترجمہ) خالعت المرأۃ اور اختلعت المرأۃ کے الفاظ اس وقت استعمال کیے جاتے ہیں جب عورت اپنی آزادی کے لیے کوئی فدیہ پیش کرے پس اگر شوہر اس کی پیشکش کو قبول کرے اور طلاق دے دے تو کہا جاتا ہے کہ خلعہا یعنی مرد نے عورت کو خلع کر دیا اور حضرت ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں۔ وفی تسمیتہ صلی اللہ علیہ وسلم الخلع فدیۃ دلیل علی ان فیہ معنی

المعاوضة ولهذا اعتبر فيه رضا الزوجين ابن القيم (زاد المعاد ۲۳۸ ج ۲ المطبعة المصرية مصر)

اور حضور علیہ السلام نے جو خلع کا نام فدیہ رکھا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں معاوضے کے معنی پائے جاتے ہیں اور اسی لیے اس میں زوجین کی رضامندی کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے

۳۔ لفظ فدیہ کے علاوہ آیت شریفہ میں فلا جناح علیهما بھی موجود ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلع یکطرفہ فعل نہیں بلکہ اس میں خاوند کی رضامندی بھی ضروری ہے کیونکہ ان الفاظ میں میاں بیوی دونوں سے گناہ کی نفی کی گئی اور گناہ کا احتمال کسی فعل اختیاری پر ہوتا ہے اگر بیوی خلع کرلینے میں مستقل ہوتی اور عورت کے خودبخود کی طرف سے صرف پھینک دینے سے ہی خلع ہوجایا کرتا تو فلا جناح علیهما کہ عورت پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ فلا جناح علیهما فرمانے کا کوئی محل نہ تھا کیونکہ اس میں خاوند کا کوئی فعل اختیاری نہیں پایا گیا پس گناہ کی نفی بے محل قرار پاتی جیسے اگر کوئی مرد عورت کو طلاق دیتا ہے تو مرد کے متعلق گنہگار ہونے کی گفتگو ہوسکتی ہے۔ کیونکہ طلاق اس کا فعل اختیاری ہے عورت کے بارے میں طلاق ملنے سے گنہگار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ طلاق واقع ہونے میں اس کا کوئی دخل نہیں

۴۔ حدیث شریف اور حدیث شریف (جو پیچھے گزر چکی ہے) جس میں حضرت جمیلہؓ کا واقعہ ہے اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ خلع زوجین کی رضامندی سے ہی ہوگا

حضرات فقہاء کی عبارتیں

۵۔ حنفی مسلک شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں

والخلع جائز عند السلطان وغيره لانه عقد يعتمد التراضي

السرخسي المبسوط ۱۷۳ ج ۶ مطبعة السعادة مصر

ترجمہ اور خلع حاکم کے یہاں بھی جائز ہے اور اس کے علاوہ بھی کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جس کی بنیاد باہمی رضامندی پر ہے۔

۶۔ شافعی مسلک حضرت امام شافعی تحریر فرماتے ہیں

لان الخلع طلاق فلا يكون لاحد ان يطلق عن احد ابٌ ولا سيد ولا ولي ولاسلطان كتاب الام ۲۰۰ ج ۵ مكتبه الكليات الازهرية

اس لیے خلع طلاق کے حکم میں ہے لہذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے طلاق دے نہ باپ کو یہ حق ہے نہ آقا کو نہ سرپرست کو اور نہ حاکم کو۔

۷۔ مالکی مسلک علامہ ابن رشد مالکی تحریر فرماتے ہیں

واما مايرجع الى الحال التي يجوز فيها الخلع من التي لايجوز فان الجمهور على ان الخلع جائز مع التراضي اذا لم يكن سبب رضاها بما تعطيه اضراره بها بداية المجتهد ۶۸ ج ۲ المصطفى البابي

رہی یہ بات کہ خلع کونسی حالت میں جائز ہوتا ہے اور کونسی حالت میں ناجائز تو جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ خلع باہمی رضامندی کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ عورت کے مال کی ادائیگی پر راضی ہونے کا سبب مرد کی طرف سے اسے تنگ کرنا نہ ہو

۸۔ حنبلی مسلک ابن قدامہ حنبلیؒ تحریر فرماتے ہیں

ولانه معاوضة فلم يفتقر الى السلطان كالبيع والنكاح ولانه

قطع عقد بالتراضي اشبه الاقالة ابن قدامه المغني ص ٢؟ ج ٧

اور بیع کی طرح یہ عقد معاوضہ ہے لہذا اس کے فسخ کے لئے حاکم کی ضرورت نہیں جیسا کہ بیع اور نکاح نیز اس لئے کہ خلع باہمی رضامندی سے عقد کو ختم کرنے کا نام ہے لہذا یہ اقالہ فسخ بیع کے مشابہ ہے۔ اور علامہ ابن قیم جوزیہ تحریر فرماتے ہیں

وفي تسميته صلى الله عليه وسلم الخلع فدية دليل على ان فيه معنى المعاوضة ولهذا اعتبر فيه رضا الزوجين ابن قيم زاد المعاد ص ٢٣٨ ج ٢.

٩۔ ظاہری مسلک: علامہ ابن حزم ظاہری تحریر فرماتے ہیں

الخلع وهو الافتداء اذا كرهت المرأة زوجها فخافت ان لا توفيه حقه او خافت ان يبغضها فلا يوفيها حقها فلها ان تفتدي منه ويطلقها ان رضي هو والا لم يجبر هو ولا اجبرت هي انما يجوز بتراضيهما ولا يحل الافتداء الا باحد الوجهين المذكورين او باجتماعهما فان وقع بغيرهما فهو باطل ويرد عليها ما اخذ منها وهي امرأته كما كانت ويبطل طلاقه ويمنع من ظلمها فقط ابن حزم المحلى ٢٣٥ ادارة الطباعة المنيرية

خلع فدیہ دے کر جان چھڑانے کا نام ہے جب عورت اپنے شوہر کو ناپسند کرے اور اسے ڈر ہو کہ وہ شوہر کا حق پورا نہیں کر سکے گی یا اسے خوف ہو کہ شوہر اس سے نفرت کرے گا اور اس کے پورے حقوق ادا نہیں کرے گا تو اسے یہ اختیار ہے کہ شوہر کو کچھ فدیہ دے دے اور اگر شوہر راضی ہو تو وہ اسے طلاق دے دے، اور اگر شوہر راضی نہ ہو تو نہ شوہر کو مجبور کیا جا سکتا ہے نہ عورت کو خلع تو صرف باہمی

رضامندی سے جائز ہوتا ہے اور جب تک مذکورہ دو صورتوں میں سے کوئی ایک یا دونوں نہ پائی جائیں خلع حلال نہیں ہوتا لہذا اگر ان کے سوا کسی طرح خلع کر لیا گیا تو وہ باطل ہے اور شوہر نے جو کچھ مال لیا ہے وہ لوٹایا جائے گا اور عورت بدستور اس کی بیوی رہے گی اور اس کی طلاق باطل ہو گی اور شوہر کو صرف عورت پر ظلم کرنے سے منع کیا جائے گا۔

تفسیری اور فقہی ان تصریحات سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عورت خلع نہیں کر سکتی اور نہ ہی عدالت ایسے خلع کی مجاز ہے بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ

خلع کی دو قسمیں ہیں

(۱) باہمی رضامندی سے خلع کرنا

(۲) عدالت سے خلع حاصل کرنا اس دوسری قسم کیلئے شوہر کی رضامندی ضروری نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ خلع کی یہ دو قسمیں بیان کرنا اور پھر ان کے احکام الگ الگ تجویز کرنا یہ سب خانہ زاد ہیں قرآن وحدیث اور ذخیرہ تفسیر وفقہ میں ان کا کوئی نام ونشان نہیں اگر مسائل شرعیہ کی اختراع اپنے ذہن سے ہی کرنی ہے تو دوسرا کوئی شخص دانشور کچھ اور بھی گھڑ سکتا ہے اور ہر معاملے کی دو قسمیں بنا سکتا ہے بہر حال بغیر دلیل شرعی کے ایسی کوئی تقسیم قابل قبول نہیں

اسلام عدل وانصاف کا مذہب ہے خانگی زندگی میں عورت کی حق تلفی کی اجازت دیتا ہے نہ اسے شتر بے مہار بنا کر خانگی زندگی کے امن وسکون کو برباد کرتا ہے کہ روز روز طلاقوں کی بھر مار ہو جائے اور خانگی زندگی بازیچہ طفلاں بن جائے نکاح کا معاملہ مرد عورت کی رضامندی سے طے پاتا ہے اور شریعت نے نکاح سے قبل ایک دوسرے کو دیکھنے کی بھی اجازت دی ہے

نکاح ہو جانے کے بعد اگر عورت کو کوئی حقیقی مضرت پہنچ رہی ہو مثلاً نکاح کے بعد خاوند مفقود الخبر ہو گیا ہے کہ اس کی موت و حیات کا کوئی علم نہیں یا خاوند عنین اور نامرد ہے یا بیوی کے نان نفقہ کا انتظام نہیں کرتا یا متعنت ہے کہ بیوی کو اس کے حقوق کے ساتھ آباد کرتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے یا خطرناک پاگل ہے تو ایسی صورتوں میں اسلام عدالت کو عورتوں کی داد رسی کا حق دیتا ہے کہ شرعی ہدایات کی روشنی میں عدالتیں ایسے نکاح کو فسخ کر کے عورت کو آزاد کر سکتی ہیں۔ لیکن خلع کی صورت اس سے قطعاً مختلف ہے عورت شوہر کی طرف سے کسی تکلیف اور مضرت کی شکایت نہیں کرتی سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے لیکن عورت کا دعویٰ یہ ہے کہ میں اپنے اس شوہر کو پسند نہیں کرتی۔ جسے چند روز یا چند ماہ قبل پسند کر کے نکاح کیا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی حقیقی مضرت نہیں ہے کہ وہ بھوکی مرتی ہے یا اس کی جنسی خواہش پوری نہیں ہو سکتی بس ایک من مرضی ہے اس لیے شریعت نے عدالت کو اس میں یک طرفہ طور پر مداخلت کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ تعلیم دی ہے کہ جیسے باہمی رضامندی سے عقد نکاح کیا گیا تھا ویسے ہی باہمی رضامندی سے اسے فسخ بھی کر لیا جائے تاکہ کسی فریق کی حتی الوسع حق تلفی یا دل شکنی نہ ہو کیسی معتدل تعلیم ہے۔

سبحن ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين . فقط والله اعلم

نوٹ

اس مضمون میں عربی عبارات اور عدالتی فیصلوں کے اقتباسات ہم نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے رسالہ حق تفریق سے لئے ہیں

فقط محمد عبدالحق عفا اللہ عنہ ۲/۲/۱۴۲۰ھ

باب العدّت

معتدہ کو دیور سے عصمت کا خطرہ ہو تو مکان چھوڑ سکتی ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی عورت کو طلاق مل جائے یا اس کا شوہر مر جائے تو (دونوں صورتوں میں) اگر شوہر کے گھر میں بیوہ کے ساتھ رہنے والا کوئی محرم نہ ہو تو دیور وغیرہ جس سے نکاح جائز ہے اپنی عزت و عصمت کے خطرہ سے اس کے ساتھ نہ رہے اور اکیلی بھی نہ رہ سکے بلکہ اپنے ماں باپ کے گھر جا کر عدت گذارے کیا یہ جائز ہے!!

الجواب:

ایسی صورت میں عورت کا نکلنا درست ہے۔ والافضل ان یحال بینهما فی البیونة بستر الا ان یکون فاسقاً فبحائل بامرأة ثقة وان تعذر فلتخرج هی وخروجه اولی اھ (شامیہ ص۶۷۵ ج۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
۱۳۹۹/۷/۳ھ	مفتی خیر المدارس ملتان

حیض میں طلاق دے تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا:

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دیدے تو وہ حیض عدت میں شمار ہوگا یا نہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (۲) دیگر یہ ہے کہ اگر خاوند نے طلاق بائنہ دیدی تو وہ اس خاوند پر حرام ہو گئی ہے۔ اب اگر دوبارہ اس خاوند کے پاس رہنا چاہے تو کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرانا پڑے گا اور

یہ دوسرا خاوند اس عورت کو حق مہر مقرر کرکے دے گا یا نہیں۔ اگر حق مہر دینا پڑتا ہے
تو کتنا؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور یہ بھی کہ کم سے کم شرعی حق مہر کتنا ہے؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں خاوند اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دیدے تو وہ حیض
عدت میں شمار نہیں ہوگا۔ ولا اعتداد بحیض طلقت فیہ ای اذا طلقھا فی
الحیض لا یحسب من العدۃ (شامی ص ۲۶۸ ' ج ۲)
(۲) طلاق بائنہ اگر تین سے کم ہیں اور عورت پہلے خاوند کے پاس رہنا چاہے تو
دوسرے خاوند سے نکاح کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ تجدید نکاح کرکے پہلے خاوند کے
پاس آباد ہو سکتی ہے۔ البتہ اگر تین طلاقیں ہوں تو پہلے خاوند کے پاس آباد ہونے سے
پہلے حلالہ کرنا ضروری ہے اور مہر نکاح کے لئے ضروری ہے۔ واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

عدت واجب ہونے سے پہلے مستقل رہائش والد کے گھر تھی تو عدت بھی وہیں گذارے :

بخدمت محترم المقام مفتی صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمتہ اللہ
ہمارے چچا فوت ہو گئے ہیں۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کی بیوی اپنے والد
مرحوم کے گھر میں تھی اور کئی سال سے وہاں رہائش پذیر تھی۔ جونہی انہیں اپنے خاوند
کی وفات کی اطلاع ملی تو وہ اپنے خاوند کے گھر آگئی ہے۔ اب مسئلہ ہے عدت کا۔ وہ
اپنے والد کے گھر واپس جانا چاہتی ہے۔ کیونکہ ان کا والد فوت ہو چکا ہے۔ اور گھر میں
صرف ضعیف والدہ موجود ہے اور کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا نہیں۔ وہ کہتی ہیں
کہ میں دو چار دن وہاں جاکر گزار آؤں۔ یہی عذر در پیش ہے۔ کیا والد کے گھر جانے کی
گنجائش ہے۔ بعض کہتے ہیں صبح وہاں جائے۔ اور رات کو اپنے خاوند کے گھر واپس
آجائے۔ مفصل جواب سے نوازیں۔ وہاں جاکر اپنی عدت پوری کر سکتی ہے۔
المستفتی : صاحبزادہ محمد حاکم خان عفی عنہ (خانقاہ سراجیہ)

الجواب :

حامداً و مصلیاً۔ صورت مسئولہ میں بیوی کے ذمہ عدت اسی مکان میں گزارنی ضروری ہے جس میں وہ کئی سال سے رہائش پذیر تھی یعنی والد کے گھر میں۔ اب بھی وہ وہیں منتقل ہوجائے۔ اور تا عدت وہیں قیام کرے۔ و تعتدان ای معتدۃ طلاق و موت فی بیت وجبت فیہ اھ (درمختار) (قولہ وجبت فیہ) ھو ما یضاف الیھما بالسکنی قبل الفرقۃ ولو غیر بیت الزوج اھ (شامی ص ۶۲۱ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۸/۴/۸ ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ

نامرد سے خلوت صحیحہ ہوجائے تو عورت پر عدت واجب ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ تھی تقریباً پانچ چھ سال سے اور اس کا نکاح ایک شخص نامرد کے ساتھ کیا گیا۔ اس شخص نے ایک ماہ تک اس عورت کو اپنے پاس گھر میں رکھا اور رات کو ایک ہی چارپائی پر دونوں عورت مرد سوتے رہے یعنی خلوت تو ہوتی رہی لیکن صورت مباشرت یعنی جماع اس شخص نے بالکل نہیں کیا کیونکہ طاقت جماع اس میں نہیں تھی اور وہ شخص نامرد اپنا علاج بھی کرتا رہا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تو پھر ایک ماہ بعد بوجہ اپنی کمزوری کے اور عورت کی ناسازی پر اس نے اپنی عورت کو روبرو دو گواہان اور دیگر چند آدمیوں کے سامنے تین طلاق دے دی ہے۔ تو کیا اب اس شوہر نامرد پر پورا مہر واجب ہوگا یا نہیں اور اس مطلقہ عورت پر عدت واجب ہوگی یا نہیں۔ نیز ایک مولوی صاحب نے اس طلاق کے ایک ماہ بعد اس مطلقہ عورت کا نکاح بھی دوسرے شخص سے کردیا ہے اور اس کی عدت نہ ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے دیا ہے۔ من قبل ان تمسوھن ...... کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرا نکاح کروایا تو پھر ایک دوسرے مولوی صاحب نے اس نکاح خواں مولوی کو بتایا کہ تم نے یہ نکاح غلط کیا ہے کہ اس عورت پر

تو عدت واجب تھی اور عدت کے بعد نکاح پڑھنا تھا۔ لہٰذا یہ نکاح نہیں ہوا۔ تم نے یہ غلطی کی ہے۔ تو یہ مسئلہ سمجھانے کے بعد اس مولوی نکاح خواں نے غلطی کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہے۔ تو پھر ایک تیسرے مولوی صاحب نے بتایا ہے کہ یہ نکاح بالکل نہیں ہوا۔ کیونکہ عدت گذرنے سے پہلے نکاح کرنا نکاح پر نکاح ہوتا ہے۔ اور نکاح پر نکاح کرنے سے نکاح خواں کا بھی نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور جتنے لوگ اس نکاح میں بیٹھے ہیں ان سب کا نکاح ٹوٹ گیا ہے اور یہ سب لوگ پھر نکاح خواں سے اپنا نکاح دوبارہ پڑھوائیں۔ تو کیا اس طرح ہونے سے واقعی نکاح خواں اور دیگر ان سب لوگوں کا نکاح ٹوٹ گیا ہے یا نہیں؟ اور سب لوگ بھی نکاح خواں سے ضروری اپنا نکاح دوبارہ پڑھوائیں یا نہیں؟

المستفتی : محمد اسمٰعیل' ضلع لکی مروت سرحد

الجواب :

فی العالمگیریۃ (ص ۵۲۴' ج ۱) ان اختارت الفرقۃ امر القاضی ان یطلقھا طلقۃ بائنۃ فان ابی فرق بینھما ھکذا ذکر محمد فی الاصل کذا فی التبیین۔ والفرقۃ تطلیقۃ بائنۃ کذا فی الکافی۔ ولھا المھر کاملا و علیھا العدۃ بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بھا۔
اس عبارت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ نامرد کی مطلقہ (جبکہ وہ اس کے ساتھ خلوت کرچکا ہو) کامل مہر کی مستحقہ ہوتی ہے اور اس پر عدت واجب ہوتا ہے اور اس کی عورت پر عدت بھی لازم ہے۔ البتہ یہ بات کہ اس عورت کا نکاح ایک ماہ بعد کردیا گیا ہے' تو اگر مولوی صاحب نے عدم علم کی وجہ سے دوسری جگہ نکاح کردیا ہے (جیسے سوال میں ظاہر کیا گیا ہے) تو پھر اس پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن عدم تحقیق کی وجہ سے اسے توبہ کرنی چاہیئے اور نکاح خواں کا اور دوسرے بیٹھنے والوں کا اس فعل سے نکاح نہیں

توفتا۔ ہاں حق تعالیٰ سے تمام کو معافی مانگنی چاہیئے۔ اور اس عورت مذکورہ کو اپنے اس دوسرے خاوند سے دوبارہ تجدید نکاح کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافتاء جامعہ خیرالمدارس ملتان

۹/۶/۷۳ھ

متوفیٰ عنہا زوجہا کی عدت مہینوں سے گذرے گی' خواہ اس دوران زنا سے حاملہ ہو جائے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا تو خاوند کے مرنے کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد زید کا اس عورت کے ساتھ ناجائز تعلق ہو گیا' جس کا علم زید کے ماں باپ اور عورت کے بھائی کو بھی ہوا اور اس کو حمل بھی زید سے ہو گیا۔ تو پھر زید کے ماں باپ اور عورت کے بھائی نے بعد گذرنے عدت وفات کے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ حالانکہ اس کو حمل بھی تھا اور ان لوگوں کو معلوم بھی تھا۔ اور غالب گمان یہی ہے کہ حمل زانی کا تھا' کیونکہ نکاح ہونے کے ایک ماہ بعد دائی سے ملاحظہ کرایا گیا تو دائی نے بتلایا کہ حمل تقریباً تین ماہ کا معلوم ہوتا ہے' اور زید خود بھی اقرار کرتا ہے کہ حمل زنا کا تھا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ یہ حمل خاوند کا سمجھا جائے یا زانی کا اور یہ نکاح صحیح ہو جائے گا یا نہیں اور نکاح خواں اور شرکاء نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں اس عورت کی عدت بعد وفات خاوند کے مہینوں سے گذرے گی اور چار ماہ دس دن کے گذارنے کے بعد اس عورت نے جو نکاح کیا ہے وہ نکاح صحیح ہے۔ اگر عدت کے ایام میں اس شخص سے زنا کیا تھا تو زنا کی وجہ سے حاملہ

ہو جانے سے عدت مہینوں سے وضع حمل کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ کما فی بدائع الصنائع (ص۲۰۱ ج۳) وقد فصل محمد بینہما فانہ قال فیمن مات عن امرأتہ وھو صغیر او کبیر ثم حملت بعد موتہ فعدتہا الشہور فھذا نص علی ان عدۃ المتوفی عنہا زوجہا لا تنتقل بوجود الحمل من الاشہر الی وضع الحمل۔ یہ حکم متوفی عنہا زوجہا کا ہے اور اس کی عدت وضع حمل کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ پس صورت مسئولہ میں اس عورت کی عدت مہینوں سے گذر گئی اور اس کے بعد کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا۔ اور اگر بچہ بعد از نکاح چھ ماہ گذرنے کے بعد پیدا ہوا تو ثانی ناکح کا ہوگا اور مجلس نکاح میں شامل ہونے والوں اور نکاح خواں کا نکاح صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

مورخہ ۲۲ صفر ۷۲ھ

مسلمان لڑکی کا لاعلمی سے عیسائی کے ساتھ نکاح ہوجائے تو علیحدہ ہونے پر عدت واجب ہوگی یا نہیں؟

ایک مسلمان بچی کی شادی اگر کسی عیسائی (یا یہودی، سکھ، شیعہ کافر، قادیانی) سے ہو جائے۔ بابعد علم ہونے پر کہ ان سے تو نکاح صحیح نہیں۔ وہ فوراً والدین کے گھر آجائے۔ کیا کسی مسلمان شخص سے شادی کے لئے اس پر اب عدت واجب ہوگی یا نہیں ہوگی؟ چونکہ خود ہمارے خاندان پر قیامت گذری ہے کہ بچی کی شادی دھوکے سے ایک فاسق و فاجر شیعہ سے ہوئی۔ جس سے بالآخر بذریعہ عدالت نجات ملی۔ تو سوال سامنے آیا کہ جن بچیوں کی شادیاں بے علمی یا دھوکے سے عیسائیوں، سکھوں،

ہندوؤں' قادیانیوں وغیرہ سے ہوئی ہیں' وہاں علیحدگی پر آیا عدت لازم ہوگی یا نہیں؟
میرے ایک بھائی کے بقول عدت تو نکاح کے ساتھ ہے۔ جہاں نکاح ہی نہ ہو وہاں عدت
کیسی۔ لیکن بہرحال مجھے آپ سے جواب درکار ہے' شکریہ۔

الجواب:

عدت پہلے خاوند یا شریعت کا حق ہونے کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ خاوند اگر
یہودی' نصرانی ہو کہ جیسا کافر ہو جن کے ہاں عدت نہیں ہوتی تو ایسے کافر سے تفریق کے
بعد عدت نہیں ہوگی۔ وظاهر كلام الهداية انه لا عدة من الكافر
عند الامام اصلا وفيه اختلاف المشائخ فذهب طائفة اليه واخرى
الى وجوبها عنده لكنها ضعيفة لا تمنع من صحة النكاح لضعفها
كالاستبراء (بحر ص۲۲۳ ج۳) قال فی الهداية ولابی حنيفةؒ ان الحرمة
لا يمكن اثباتها حقا للشرع لانهم لا يخاطبون بحقوقه ولا وجه الى
ايجاب العدة حقا للزوج لانه لا يعتقده بخلاف ما اذا كانت تحت
مسلم لانه يعتقده اھ۔ وظاهره انه لا عدة من الكافر عند الامام اصلاً
واليه ذهب بعض المشائخ فلا تثبت الرجعة للزوج بمجرد
طلاقها' ولا يثبت نسب الولد اذا اتت به لاقل من ستة اشهر بعد
الطلاق وقيل تجب لكنها ضعيفة لا تمنع من صحة النكاح فيثبت
للزوج الرجعة والنسب' الاصح الاول (رد المحتار ص۳۱۹' ج۲ باب نکاح
الکافر) البتہ استبراء ہے' یعنی عورت ایک حیض گزارے پھر نکاح کیا جاوے۔ وان
كان لا اعتبار بماء الزنا الا انها يحتمل انها علقت منه فاذا جامعها
الزوج واتت بولد لستة اشهر ينسب اليه مع انه فی الحقيقة على هذا
الاحتمال من الزنا فيندب الاستبراء لدفع هذا الاحتمال اذ توهم
الشغل بماء الزانی متحقق بل لو قال قائل بالوجوب لا يبعد القربات

الرافعی ص ۱۸۳ ج ۱ کتاب النکاح) شیعہ سے تفریق کے بعد عدت گذارنا احوط ہے' کیونکہ ان کے ہاں عدت ہوتی ہے [فروع کافی ص ۲۹۸ ج ۲] فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ

وطی کے بعد خاوند مرتد ہو جائے تو عورت پر عدت لازم ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میاں بیوی دونوں مسلمان تھے۔ خاوند مرتد ہو گیا اور بیوی مسلمان تھی۔ بیوی نے خاوند کے مرتد ہونے کے پندرہ دن بعد دوسری جگہ نکاح کر لیا۔ کیا اس کا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس پر عدت لازم تھی یا نہیں؟

الجواب :

باسمہ تعالیٰ۔ عورت مذکورہ پر عدت گذارنا واجب ہے۔ عدت کے اندر اندر دوسری جگہ عقد نکاح صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا زوجین پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ کما فی الحیلۃ الناجزۃ ص ۱۱۳' عبارت (الحیلۃ الناجزۃ) کی یہ ہے۔ اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد ارتداد ہوا ہے تو پورا مہر لازم ہے۔ اور عورت پر عدت بھی واجب ہے۔ انتہی۔ کما فی الدر المختار وارتداد احدھما ای الزوجین (فسخ) فلا ینقص عددا (عاجل) بلا قضاء۔ وفی رد المحتار (قولہ بلا قضاء) ای بلا توقف علی قضاء القاضی۔ (الحیلۃ ص ۱۰۶) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہ

جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۳/۱/۱۴۱۵ھ

ایک ماہ چھبیس دن میں عدت گذر سکتی ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو ۱۷ شوال کو طلاق دی تو اس لڑکی کے والد صاحب نے مطلقہ عورت کا نکاح دوسری جگہ ۱۳ ذی الحجہ کو کر دیا۔ یعنی اس کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی۔ یعنی کہ کل ایام ایک ماہ ۲۶ دن ہوئے۔ کیا یہ نکاح شریعت کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ اور لڑکی کی والدہ کا کہنا ہے کہ تین حیض آگئے ہیں۔ نیز اس کی والدہ اب بھی یہ کہتی ہے کہ لڑکی کو چار ماہ کی امید بھی ہے یعنی اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ جبکہ ۱۳ ذی الحجہ کو اس کا دوسری جگہ نکاح ہوا ہے۔ سابقہ طلاق کے مطابق اس کی عدت تین ماہ دس دن پورے نہیں ہوئے۔ کیا یہ بچہ پہلے خاوند کا ہے یا دوسرے خاوند کا ہے۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں اگر عورت مدعی ہے کہ نکاح کے دن تک عدت گذر چکی تھی تو اس کا قول معتبر سمجھا جائے گا لہٰذا نکاح ثانی صحیح ہے۔ قالت مضت عدتی والمدۃ تحتملہ وکذبھا الزوج قبل قولھا مع حلفھا والا لا اھ (شامی ج ۲ باب العدت ص ۶۱۳) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہ مدرس مدرسہ ہذا
۲۲ / ۲ / ۱۳۹۸ھ

نابالغہ کا خاوند فوت ہو جائے تو اس پر بھی عدت وفات لازم ہے :

ایک بچے بچی کا نابالغی میں نکاح کر دیا گیا۔ اتفاق سے بچہ نابالغی میں فوت ہو گیا تو اس بچی پر عدت واجب ہوگی یا دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب :

متوفیٰ عنہا زوجہا پر عدت چار ماہ دس دن گزارنا واجب ہے۔ خواہ اس کا خاوند بالغ ہو یا نابالغ اور رخصتی ہوئی ہو یا نہ۔ اس کا عدت کے اندر اندر نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ عدۃ الحرۃ فی الوفاۃ اربعۃ اشہر و عشرۃ ایام سواء کانت مدخولاً بہا اولا مسلمۃ او کتابیۃ تحت مسلم صغیرۃ او کبیرۃ الخ۔ (عالمگیری ص۵۲۹ ج۱) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ — الجواب صحیح

۱۲/۲/۱۳۷۷ھ — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

جہاں دونوں دروازے کھلے ہوں وہاں خلوت صحیح نہیں :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مندرجہ ذیل صورت میں خلوت صحیحہ ثابت ہو جائے گی۔ خلوت کے متعلق میرا یہ بیان ہے کہ میں ایک دن عصر کے وقت اپنے سسرال کے گھر گیا۔ میری منکوحہ بیٹھی تھی' بات چیت کرنے لگا۔ وہ نہ بولی' پھر پانی پینے کے لئے کھڑی ہو گئی۔ میں صرف چھاتی پر ہاتھ لگا کر واپس چلا گیا۔ برآمدہ کے دونوں دروازے کھلے تھے' آمد و رفت کی رکاوٹ نہ تھی۔ پھر بغیر شادی کے طلاق دیدی۔ اب یہ عورت دوسری جگہ بغیر عدت کے نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ بغیر انتظار کرنے ایام عدت کے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور خاوند اور بیوی کے درمیان مندرجہ بالا طریق کے ساتھ خلوت کو شرعاً خلوت نہیں کہا جاسکتا۔ شامی میں ہے: أن لا قامۃ الخلوۃ مقام الوطء شروطا اربعۃ الخلوۃ الحقیقیۃ و عدم المانع الحسی او الطبعی او الشرعی فالاول للاحتراز عما اذا کان ھناک

ثالث فليست بخلوة وعن مكان لا يصلح للخلوة كالمسجد والطريق العام والحمام الخ (ص ۳۳۸ ج ۲۔ بیروت) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی خیرالمدارس ملتان
۱۰/۹/۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیرالمدارس ملتان

نکاح فاسد میں عدت کا آغاز متارکۃ یا تفریق قاضی کے بعد ہوگا:

ایک شخص نے بھانجی سے نکاح کیا۔ اس سے کسی رشتہ دار نے جھگڑا کیا۔ لڑکی کو واپس لے آئے بوجہ جھگڑے کے' نہ کہ تفریق اور فساد نکاح کی وجہ سے۔ اس مسئلہ کا علم ان کو بعد میں ہوا کہ یہ نکاح فاسد ہوا۔ کیا یہ جدائی تفریق الحاکم والقاضی کے قائم مقام ہے یا نہ؟ کیا گذشتہ عدت کافی ہے یا حاکم مسلم اور قاضی کے فیصلہ کے بعد عدت کا اعتبار ہے؟

الجواب:

تفریق قاضی یا متارکۃ قولی سے قبل عدت گزر جانے کا اعتبار نہیں۔ کما فی الدرالمختار وغیرہ۔ ومبدأها من التفريق او المتاركة۔ اور جو تفریق سوال میں درج ہے یہ تفریق القاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ پس سابقہ عدت کا گذرنا نکاح ثانی کے لئے کافی نہیں۔ لازم ہے کہ خاوند سے متارکۃ قولی کرایا جائے' یعنی یہ کہلایا جائے کہ میں نے اس عورت کو اپنے سے الگ کر دیا۔ اگر خاوند ایسا نہ کرے تو عورت کو بھی اس طرح متارکہ کا حق حاصل ہے کہ وہ الفاظ مذکورہ کہہ کر نکاح فاسد سے اپنے نفس کو الگ کرلے (كما حققه صاحب البحر وتبعه الخير الرملي والمقدسي ومال اليه صاحب الشامية) متارکۃ مذکورہ کے بعد عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ

الجواب صحیح

عبداللہ غفرلہ

مفتی خیرالمدارس ملتان

۲۷/۱۱/۸۱ھ

عدت گذرنے سے پہلے خاوند مرجائے تو عورت وارث ہوگی :

شمس الدین ولد حبیب قوم بخش نے اپنی بیوی مسمات غلام جنت دختر غلام محمد کو مورخہ ۲۹/۸/۱۹ کو طلاق دی جو یونین کونسل میں بذریعہ رجسٹری دی گئی۔ بوقت طلاق شمس الدین ٹی بی کا مریض تھا جو عرصہ تین چار سال سے بیماری میں مبتلا تھا۔ بوقت تحریر طلاق گواہان کے انگوٹھے لگے ہوئے ہیں' لیکن عدت ۹۰ دن سے قبل فوت ہوگیا' لیکن بوقت تعمیل سمن یونین کونسل کی طرف سے طلاق دہندہ نے انکار کردیا تھا۔ شمس الدین مورخہ ۲۹/۱۱/۱۳ کو فوت ہوگیا ہے۔ وہ صاحب چونکہ ... ہے۔ طلاق دینے سے قبل تقریباً چار ماہ شمس الدین صاحب فراش ہوگیا تھا۔

الجواب :

وان ابانها في المرض ان ابانها بسؤالها لا ترث ايضا وان ابانها بغير سؤالها ثم ماتت وهي في العدة ورثته عنها خانية (ص۴۶۶'۲)

صورت مسئول میں اگر عدت طلاق گذرنے سے پہلے شمس الدین فوت ہوگیا تھا تو مطلقہ مذکورہ متوفی مذکور کے ترکہ سے حصہ پائے گی' جیسا کہ حوالہ بالا سے ظاہر ہے مطلقہ مذکورہ اگر حاملہ اور آئسہ بھی نہیں تھی تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ

۱۳/۵/۹۱ھ

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ

معتدۂ وفات مجبوری میں رات بھی باہر گذار سکتی ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میں تپ دق کی مریض ہوں۔ خاوند نے علاج کرانا شروع کیا لیکن صحت یابی سے قبل ہی فوت ہو گیا۔ اب مجھے دوبارہ وہی تکلیف عود کرتی معلوم ہوتی ہے۔ اور میری عدت کے ایک مہینہ اور چند دن باقی ہیں۔ کیا میں عدت کے ایام میں علاج کے لئے گھر سے ایک دو دن کے لئے باہر جا سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں متوفی عنہا زوجہا کے لئے تپ دق کے علاج کی خاطر بقدر ضرورت گھر سے باہر جانا جائز ہے۔ اگرچہ رات بھی باہر بسر کرنی پڑے۔ بشرطیکہ بغیر خروج علاج کرانا متعذر ہو۔ والدلیل علی ذلک هذه العبارات ففی الشامية وتعتدان ای معتدة الطلاق والموت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه الا ان تخرج منه او ينهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها اولا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات۔ وفی البحر (ص۱۶۷ ج۴) وفی القنية ولا وكيل لها فلها ذلك وفی قاضی خان (ص۲۲۲ ج۴) المعتدة اذا كانت في منزل ليس معها احد وهي لا تخاف من اللصوص ولا من الجيران ولكنها تفزع من امر الميت ان لم يكن الخوف شديداً ليس لها ان تنتقل من ذلك الموضع لان قليل الخوف يكون بمنزلة الوحشة وان كان الخوف شديداً كان لها ان تنتقل لانها لو لم تنتقل يخاف عليها من ذهاب العقل۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان شہر

۱۹/ ۱۲/ ۱۴۰۷ھ

جسے ڈھائی سال بعد حیض آتا ہو تو اس کی عدت بھی حیض ہی سے ہوگی

زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں بعد میں زید کو پشیمانی ہوئی۔ اب وہ اس عورت کے ساتھ حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ عورت کو اڑھائی سال کے بعد حیض آتا ہے۔ اب اس کی عدت تین حیض ہوگی یا کہ تین ماہ اگر تین حیض کے ساتھ عدت پوری کی جائے تو عدت بہت لمبی ہو جائے گی۔ اب کیا کریں۔

الجواب عورت مذکورہ کی عدت حیض کے ساتھ ہوگی یعنی اس کو تین حیض پورے کرنے ہوں گے کیونکہ جس عورت کو حیض آتے ہوں اس کی عدت تین حیض ہی ہوتے ہیں۔ الشابة الممتدة بالطهر بان حاضت ثم امتد طهرها فتعتد بالحيض الى ان تبلغ سن الاياس رد المحتار على الشامية صـ ۶۰۴ ج ۲ ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ اصغر علی حقی عنہ

طلاق بائنہ کی عدت میں میاں بیوی میں پردہ ضروری ہے

میرے لڑکے نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی جو کہ میری بھانجی بھی ہے ہمارے مکان کے دو کمرے ہیں۔ میں نے فوراً لڑکے کو دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا ہے کیا میری وہ بھانجی اس مکان کے دوسرے کمرے میں جس میں ہماری رہائش ہے عدت گزار سکتی ہے؟

الجواب عدت گزرنے تک مذکورہ مطلقہ اسی مکان میں رہے البتہ میاں بیوی میں پردہ ضروری ہے۔

وتعتد اى معتدة طلاق وموت فى بيت وجبت فيه قال فى الجوهرة وهذا اذا كان الطلاق رجعيا فلو بائنا فلا بد من سترة الخ (شامى صـ ۸۴۸ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۱/ ۱۰/ ۹۶ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حج کے موقع پر خاوند فوت ہو جائے تو عدت کہاں گزارے

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی حج کے دوران وفات پا جائے تو اس کی بیوی جو اس کے ساتھ حج پر گئی ہوئی تھی عدت کہاں گزارے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ کے لئے وہیں عدت گزارنا ضروری ہے لیکن اگر حکومتی قوانین کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا ممکن نہ ہو۔ تو وطن آکر عدت گزارنا ممکن ہے۔ قال شارح التنویر ابانها او مات عنها فی سفر ولیس بینها وبین مصرها مدة سفر رجعت (الی قوله) او کانت فی مصر او قریة تصلح للاقامة تعتد ثمة ان لم تجد محرما اتفاقا وکذا ان وجدت عند الامام ثم تخرج بمحرم ان کان اھ (رد المحتار علی شامیہ)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خاوند کے طلاق سے انکار کے باوجود عدت وقت طلاق سے شمار ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء دین۔ کہ خالد نے اپنی بیوی کو مورخہ دس شعبان ۱۴۱۲ھ کو طلاق دی۔ اور اس کا علم اس وقت کسی کو نہیں ہوا، چند دن بعد بیوی نے اپنے سسر کو بتایا، جب سسر نے بیٹے سے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ چنانچہ اس پر باپ نے بیٹے کو گھر سے نکال دیا۔ تقریباً ایک ماہ بعد خالد نے والد سے معافی مانگی اور طلاق کا اقرار بھی کیا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ عورت کی عدت دس شعبان ۱۴۱۲ھ سے شمار کی جائے گی یا خالد کے اقرار کے بعد سے شمار کی جائے گی۔ بینوا توجروا۔

سائل قاری محمود کوٹ ادو۔

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ عورت کی عدت طلاق کے بعد سے ہی شمار کی جائے گی۔ ایک ماہ تک خاوند کے انکار طلاق سے عدت کے شروع ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا۔ ومبدأ العدة بعد الطلاق وبعد الموت علی الفور، سواء اعترف بالطلاق او انکر فلو طلق امرأته ثم انکره واقیمت علیه بینة وقضی القاضی بالفرقة کان ادعته علیه فی شوال وقضی به فی المحرم فالعدة من

وقت الطلاق لا من وقت القضاء (درمختار علی الشامیہ ص ۶۶۲ ج ۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ رئیس دارالافتاء خیر المدارس ملتان

دوران عدت تعلیم کے لئے باہر جانا

میرے شوہر نے مجھے ۱۲/۴/۹۰ کو طلاق دے دی۔ میں گرلز کالج ساہیوال میں ملازم ہوں۔ کیا میں دوران عدت شہر میں یا کالج میں جا سکتی ہوں۔

الجواب: عدت کے دوران آپ گھر سے باہر نہیں جا سکتیں، نہ تعلیم کے لئے اور نہ کسی اور مقصد کے لئے۔ فی الدر المختار ولا تخرج معتدۃ رجعی و بائن بحرۃ مکلفۃ من بیتہا اصلا لا لیلا ولا نہارا اھ (شامیہ ص ۶۲۸ ج ۲)

وان کانت معتدۃ من نکاح صحیح وہی حرۃ مطلقۃ بالغۃ عاقلۃ مسلمۃ والحالۃ حالۃ الاختیار فانہا لا تخرج لیلا ولا نہارا سواء کان الطلاق ثلاثا او بائنا او رجعیا کذا فی البدائع (عالمگیری ص ۵۳۴ ج ۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ایک عرصہ سے بیوی کو چھوڑا ہوا ہو تو بھی طلاق کے بعد عدت واجب ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام دریں مسئلہ۔ کہ ایک شخص دو سال تک اپنی بیوی کے قریب نہیں گیا۔ اب پھر اس کو تین طلاق دے دی تو اب اس عورت مطلقہ کے بارہ میں کیا حکم ہے کہ وہ فوری طور پر دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا عدت گزارنا لازمی ہے۔ بینوا و توجروا

الجواب: جب ایک دفعہ خلوت صحیحہ ہو جائے تو عدت واجب ہو جاتی ہے خواہ طلاق سے پہلے کتنا ہی عرصہ بیوی کے پاس نہ گیا ہو۔

وسبب وجوبہا عقد النکاح المتأکد بالتسلیم وما جری مجراہ اھ (درمختار علی الشامیہ ص ۷۸۵ ج ۲)

فقط واللہ اعلم۔
محمد انور
۱۸/۲/۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

معتدۂ موت کو سسرال کے ہاں عصمت کا خطرہ ہو تو منتقل ہو سکتی ہے

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں۔ کہ ہماری بھابھی ہے۔ اس کا خاوند انتقال کر گیا ہے۔ اس کے گھر والے یعنی ساس اور نند اس کے ہمراہ گھر کے اوپر والے پورشن میں رہتے ہیں۔ اور اکثر ان سے ناچاقی رہتی ہے دوران عدت کی نند کے پاس غیر محرم لوگ آتے جاتے رہتے ہیں اور وہ لوگ شراب نوشی بھی کرتے ہیں جس کی شاہد بیوہ ہے۔ اس صورت حال میں بیوہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ کہ وہ اس گھر میں رہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیوہ کے ہاں دو بچے آپریشن سے ہوئے ہیں۔ اور ابھی بھی وہ تین ماہ کی حاملہ ہے وقتاً فوقتاً ان کو ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لئے بھی جانا پڑے گا اس صورت حال میں ہم یعنی بیوہ کے ماموں بھی اسے اپنے گھر لے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیوہ کے خرچ کے لئے بھی اس گھر میں انتظام نہیں ہے۔ سسرال کے بھائی بھی کہتے ہیں کہ آپ لوگ اسے گھر لے جا سکتے ہیں۔

محمد اسلم خان عمر فاروق سٹریٹ نیو سبزی منڈی روڈ ملتان۔

الجواب وفی العالمگیریۃ ص ۵۳۵ ج ۱ المعتدۃ اذا کانت فی منزل لیس معہا احد وہی لا تخاف من اللصوص ولا من الجیران ولکنہا تفزع من امر المیت ان لم یکن الخوف شدیداً لیس لہا ان تنتقل من ذلک الموضع وان کان الخوف شدیداً کان لہا ان تنتقل کذا فی فتاوی قاضیخان۔

اگر واقعی عورت مذکورہ کو اس مکان میں رہتے ہوئے عصمت کا خطرہ ہے۔ تو پھر وہ اپنے ماموں کے گھر جا سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد انور　　　　بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ جامعہ خیر المدارس

۲۰/۶/۱۴۱۳ھ　　　　۲۰/۶/۱۴۱۳ھ

معتدۂ موت معاشی ضرورت کیلئے دن کو باہر جا سکتی ہے؟

علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک عورت کا خاوند فوت

ہو گیا ہے۔ اور اب اس عورت کے نان و نفقہ کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ وہ خود کمائی کرے تو کیا وہ اپنے اخراجات کی کمائی کے لیے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں۔

محمد ارشاد بیرون حرم گیٹ نزد پرانا سی آئی اے سٹاف ملتان

و فی الدر المختار ج ۲ و معتدۃ موت تخرج فی الجدیدین و تبیت اکثر اللیل فی منزلہا۔ اور شامی میں ہے واما المتوفی عنہا زوجہا فلانہ لا نفقۃ لہا فتحتاج الی الخروج نہارا لطلب المعاش۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ عورت مذکورہ اپنے اخراجات کے لیے دن کو باہر جا سکتی ہے۔ البتہ رات کے دس بجے سے اس مکان میں رہے جس میں خاوند کی موجودگی میں رہتی تھی۔ اور متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۸ — ۱۰ — ۱۳۹۶ھ

سالے کے رشتہ دار دوسرے شہر میں ہوں تو معتدہ وہاں جا سکتی ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں۔

۱۔ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور اب وہ عورت عدت میں ہے ان کی رہائش ملتان میں ہے اور خاوند بھی ملتان ہی میں فوت ہوا ہے لیکن اکثر کنبہ و قبیلہ کمالیہ میں ہے کیا یہ عورت کمالیہ عدت کیلئے جا سکتی ہے کیونکہ گھر اکیلی وہاں نہیں جاتی۔ تو وہاں سے سب لوگ تعزیت کیلئے یہاں ملتان آئیں گے اور پریشانی ہو گی۔ اگر وہ اکیلی وہاں چلی جاتی ہے۔ تو ان سب کی پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن مدت عدت ملتان میں ہی گزار رہی ہے تو اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ عورت اس عدت کے دوران اس مجبوری کی وجہ سے کمالیہ جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور خاوند کی قبر پر بھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ عورت بڑھیا ہے آنکھیں کمزور ہیں۔ ڈاکٹروں نے اپریشن کے لئے مشورہ دیا تھا۔ لیکن یہ حادثہ ہو گیا۔ کیا یہ علاج کے لئے اس عرصہ میں ہسپتال جا سکتی ہے یا نہ۔ اپریشن کروا سکتی ہے یا نہ۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں تاکہ اسی پر عمل کیا جا سکے۔

بینوا و توجروا۔ المستفتی چوہدری محمد رفیق نیو ملتان۔

الجواب صورت مسئولہ میں عدت ملتان میں ہی گذاری جائے۔ مذکورہ عذر کی بنا پر کہیں جا کر عدت گزارنا درست نہیں۔ علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیها بالسکنیٰ حال وقوع الفرقۃ والموت کذا فی الکافی (عالمگیریہ ص۵۳۵ ج۱)

۲۔ عدت کے بعد کر لے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	۱۸-۳-۱۴۰۱ھ

گواہوں کے بغیر پڑھے گئے نکاح میں عدت ہوگی یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک عورت نے ایک مرد کے ساتھ مل کر اپنا نکاح گاؤں کے ایک امام صاحب سے پڑھوا لیا جبکہ نکاح کے وقت امام صاحب اور مذکورہ مرد و عورت کے علاوہ اور کوئی نہ تھا پھر ایک دن رات اکٹھے بھی رہے۔ خاوند نے عورت کے ساتھ جماع بھی کیا لیکن ایک دن رات گذرنے کے بعد عورت کہتی ہے کہ میں نے اپنا نکاح نہیں پڑھوایا جبکہ امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے مذکورہ عورت کا نکاح پڑھایا ہے۔ اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ کیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں اور علیحدگی کی صورت میں عدت ہوگی یا نہیں؟

بینوا وتوجروا۔ المستفتی محمد اشفاق ولد دیوان

الجواب اگر نکاح کے وقت دو گواہ ایجاب و قبول کے سننے والے موجود نہ ہوں۔ تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں دو گواہوں کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا البتہ اگر مرد نے عورت کے ساتھ وطی کی ہے تو عورت پر عدت واجب ہوگی۔ وشرط حضور شاهدين وسياتي في باب العدة انه لا عدة في نكاح باطل وذكر في البحر عن المجتبى ان كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب العدة (شامی ج۲ ص۲۳) فقط واللہ اعلم بالصواب

بندہ عبد الستار عفی عنہ

ماہ دس دن کے بعد عورت مذکورہ کو بچہ پیدا ہوا۔ اب امام پر شبہ ہے کہ اس کی بیوی کو جو بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ اس کے حمل سے نہیں۔ بلکہ پہلے سے ہے۔ تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ طلاق اور نکاح کے درمیان مدت عدت گزرنے کا احتمال ہے۔ کیونکہ عدت پوری ہونے کی کم از کم مدت ۳۹ دن ہے۔ کما فی الشامیۃ ص۲۴۲ ج۲ وعندهما اقل مدة تصدق فيها المرأة تسعة وثلاثون يوما ثلاث حيض بتسعة ايام وطهران بثلاثين۔

لہٰذا نکاح صحیح ہو گیا ہے۔ اور وضع حمل بھی چھ ماہ کے بعد ہے اس لئے حمل کو نکاح سے پہلے کا قرار دینا درست نہیں۔ پس زید مذکور کوئی مجرم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ | بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۲/۱۳۸۵ھ

معتدہ خاوند کی قبر پر نہیں جا سکتی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے۔ وہ عورت سوگ کے دنوں میں اپنے خاوند کی قبر پر جا سکتی ہے یا کسی بھی قبرستان میں جا سکتی ہے یا نہیں علاوہ ازیں عام دنوں میں عورتوں کا قبرستان میں جانا کیسا ہے۔

الجواب معتدہ کے لئے خاوند کی قبر پر جانے کی اجازت نہیں۔ در مختار میں ہے لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها الخروج

مع شامیہ ص۲۴ ج۲ - فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۵/۹/۱۴۰۹ھ

بَابُ النَّسَبْ

وفات کے ساڑھے تین سال بعد پیدا ہونیوالے بچے کا حکم

عبداللہ خان کا ایک بیٹا اور پانچ لڑکیاں ہیں وراثت شریعت کے مطابق تقسیم ہوگئی۔ ساڑھے تین سال بعد زوجہ سے ایک لڑکے کا تولد ہوا، زوجہ نے دعویٰ کیا کہ لڑکا عبداللہ خان کا ہے کیا اس بچے کو بھی وراثت ملے گی؟ اور نسب ثابت ہوگا؟

الجواب حمل دو سال سے زیادہ پیٹ میں نہیں ٹھہر سکتا واکثر مدۃ الحمل سنتان الخ۔ اس لئے یہ بچہ عبداللہ خان کا بیٹا نہیں ہوسکتا نہ اس کا نسب عبداللہ خان سے ثابت ہے اور نہ اس کا وارث بن سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح، الجیب مصیب،
بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ ۷/۱۰/۲۷ھ
محمد ابراہیم عفی عنہ

خاوند کے لاپتہ ہونے کی وجہ سے عورت نے نکاح کر لیا بچے پیدا ہوگئے پھر پہلا خاوند بھی آگیا تو بچوں کا نسب دوسرے سے ہوگا

ایک آدمی اپنی عورت سے بے پرواہ ہوکر چلا گیا بعد کسی دوسری عورت کو ساتھ لے گیا اسی اثناء میں پاکستان بننے کی صورت بنی اس کی عورت پاکستان آگئی وہ اس نے یہاں آکر بھی پرواہ نہ کی اور نہ ہی پتہ کیا کہ میری عورت کہاں ہے تو عورت نے خاوند کی بے توجہی کے پیش نظر دوسرے کسی مرد سے نکاح کر لیا جسے اس کے سابقہ نکاح کا علم نہ تھا اور اس سے ایک لڑکی لڑکا پیدا بھی ہوگئے پہلے خاوند سے کوئی نہ تھا پھر جب اس ثانی شخص کو پتہ چلا تو اس نے فوراً گھر سے نکال دی اور بچے اس کے ہمراہ کر دیئے اور کہا کہ تم سب کی مجھ کو ضرورت نہیں۔ اسی اثناء میں خاوند اول کا ورود ہوا اس سے طلاق کے مطالبہ پر طلاق حاصل کی گئی بعوض کچھ عدۃ کے بعد دوسری جگہ نکاح باقاعدہ کر بیٹھی اور اپنے ثانی شخص سے بچوں کے متعلق اپنے بھائیوں کو کہتی ہے کہ ان کا نکاح اپنی حسب منشاء کرلو ورنہ جہاں اب آباد ہوں وہ اپنی حسب منشاء ان کا نکاح کہیں کروادیں گے جس پر میں ناراض ہوں تو شرعاً عورت مذکورہ کے بھائی اس کے کہنے کے موجب نکاح کروا سکتے ہیں یا نہ یا کسی اور کی اجازت سے ان کا نکاح قابل انعقاد ہے یا نہیں۔

المسائل۔ نور الحسن بھاصل پور

الجواب: غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولاداً ثم جاء الزوج الاول فالاولاد للثانی علی المذهب الذی رجع الیہ الامام وعلیہ الفتوی کما فی الخانیۃ والجوہرۃ والکافی وغیرہ۔ (درمختار ص ۶۳۲ ج ۲)

صورت مسئولہ میں بچوں کا نسب چونکہ زوج ثانی سے ثابت ہے جیسا کہ جزئیہ بالا سے ثابت ہے پس آنکے نکاح کی ولایت بھی اسی کو حاصل ہوگی، زوج ثانی اگر ان بچوں کے نکاح کی اجازت دیدے تو اسکا کیا ہوا نکاح بھی درست ونافذ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح　　بندہ عبدالستار عفی عنہ
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ　　نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۳/۹/۸۰ھ

آٹھ سالہ بچے سے نسب ثابت نہیں ہوگا

زید کی عمر آٹھ سال ہے اسی دوران اس کا نکاح والد نے خالدہ کے ساتھ کر دیا، خالدہ حاملہ ہوگئی بچہ بھی پیدا ہوگیا تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت ہوگا یا نہیں؟

(المستفتی۔ عبدالرشید علی پوری ۔۔۔۔ خیر المدارس ملتان)

الجواب: بارہ سال سے کم عمر کے بچے سے نسب ثابت نہیں ہوتا لہذا یہ بچہ زید کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔

ثم ینبغی ثبوتہ عن المراھق احتیاطاً۔ الی قولہ واما المراھق فیجب ان یثبت النسب منہ (شامی باب العدۃ)۔ وادنی مدتہ ای البلوغ لہ اثنا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین اھ (شامی)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ　　۲۵/۳/۱۴۱۸ھ

نکاح فاسد میں نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

جوانی میں خالد کے ہندہ سے ناجائز تعلقات تھے بعد میں خالد کی شادی

ہندو کی لڑکی سے ہوگی اب پتہ چلا کہ خالد ہندہ کی لڑکی سے شادی نہیں کرسکتا تھا۔ اب خالد کیا کرے اور جو اولاد پیدا ہوچکی ہے اسکے نسب کا کیا حکم ہے؟

الجواب خالد اس عورت کو فوراً علیحدہ کرے اور جو اولاد پیدا ہوئی ہے وہ خالد سے ثابت النسب ہے کیونکہ نکاح فاسد میں نسب ثابت ہوجاتا ہے۔

(وعدة المنكوحة نكاحاً فاسداً) هى المنكوحة بغير شهود ونكاح امرأة الغير بلا علم بانها متزوجة ونكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافاً لهما فتح۔ (رد المحتار ج۲ ص۹۵۹)

وفي الشامية قبيل الحضانة (قوله لانه نكاح باطل) الخ قالوا فيه زنا لا يثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فيثبت به النسب ولذا تكون بالفاسد فراشاً لا بالباطل (رد المحتار ج۲)

فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔

ساس سے نکاح کرلیا جائے اور اولاد پیدا ہو جائے تو نسب کا حکم

زید کی منکوحہ بیوی فوت ہوچکی ہے زید نے اپنی متوفیہ بیوی کی حقیقی ماں خالدہ (جو کہ زید کی ساس ہے) سے ناجائز تعلقات قائم کرلئے حتیٰ کہ اغواء کرکے لے گیا کچھ عرصہ کے بعد مغویہ کے خاوند اصلی (جو کہ زید کا خسر تھا) نے مغویہ کو طلاق دیدی زید نے مغویہ کے ساتھ نکاح کرلیا اس مغویہ سے زید کے بچے بھی پیدا ہوچکے ہیں تو دریافت طلب امور یہ ہیں۔

۱۔ زید کا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر نکاح صحیح نہیں تو اولاد کا کیا حکم ہے؟

الجواب مسماۃ خالدہ زید پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ لقوله تعالى وامهات نسائكم۔ البتہ زید سے نسب ثابت ہے۔ رجل تزوج محارمه فجئن باولاد يثبت نسب الاولاد منه عند ابى حنيفة خلافاً لهما بناء على ان

النکاح فاسد عند ابی حنیفة باطل عندھما۔ کذا فی الخیریة (ص ج)

زید کے اقارب پر خصوصاً اور عوام الناس پر عموماً لازم ہے کہ زید اور خالدہ میں جدائی کرائیں۔

الجواب صحیح: فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۳/۱۴۰۱ھ

زنا سے پیدا ہونے والا بچہ والد کی طرف منسوب نہیں ہوگا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ——— ایک شخص غیر شادی شدہ ایک عورت غیر شادی شدہ سے زنا کرتا ہے کچھ عرصہ بعد زانی مزنیہ سے نکاح کر لیتا ہے پانچ ماہ اور پندرہ دن کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے زانی اقرار کرتا ہے کہ یہ میرا ہے اور میرے نطفہ سے پیدا ہوا ہے اور قبل از نکاح زنا کا اقرار بھی کرتا ہے قابل دریافت امور یہ ہیں۔

۱۔ کیا مذکورہ زانی مزنیہ کا نکاح صحیح ہے؟ ۲۔ کیا بچہ ثابت النسب ہوگا؟ ۳۔ مستحق میراث ہوگا یا نہیں؟ ۴۔ زانی کا اپنے فعل کا علی الاعلان اقرار حد کو لازم کرتا ہے یا نہیں؟ ۵۔ ہم مسلمان ایسے شخص سے اچھے معاملات رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ۶۔ شخص مذکور پر ہم کوئی سزا مقرر کر سکتے ہیں یا وہ صرف توبہ کر لے؟

الجواب: زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا لہٰذا یہ لڑکا زانی کی طرف منسوب نہ ہوگا نہ اس کا وارث ہوگا۔

ولو زنی بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت ان جاءت به لستة اشهر فصاعدا ثبت نسبه وان جاءت به لاقل من ستة اشهر لم یثبت نسبه الا ان یدعیه ولم یقل انه من الزنا اما ان قال انه منی من الزنا فلا یثبت نسبه ولا یرث منه (عالمگیری ص ج)

یہ شخص ضرور سزا کے قابل ہے لیکن مسلمان حاکم کے پاس یہ معاملہ پیش کیا جائے وہ جو سزا متعین کرے وہ نافذ کی جائے گی اور توبہ استغفار لازمی ہے قبل از توبہ اس سے تعلقات منقطع کیے جائیں۔ فقط واللہ اعلم، بندہ محمد انور ۳/۳/۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفی عنہ

بحالت اغوا پیدا ہونیوالے بچے کا نسب فراش کی طرف منسوب ہوگا

ایک شخص مسمی فقیر بخش کی عورت مسماۃ مغلی ایک دوسرے شخص مسمی محمد بخش کے ساتھ اغوا ہو گئی اور محمد بخش کے پاس مسماۃ مغلی سے ایک لڑکی غلام زہراں پیدا ہوئی حالانکہ نکاح فقیر بخش کا قائم تھا پھر اس لڑکی مسماۃ غلام زہراں کی شادی ہو گئی اور اسے ایک لڑکا مسمی حضور بخش پیدا ہو گیا اور فقیر بخش نے ایک اور شادی کی جس سے کئی لڑکیاں پیدا ہوئیں کیا اس لڑکے مسمی حضور بخش کا نکاح فقیر بخش کی لڑکیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو سکتا ہے جو فقیر بخش کی دوسری بیوی کی ہیں سے ہیں یا نہیں ہو سکتا؟

الجواب صورت مسئولہ میں اس لڑکے کا نکاح فقیر بخش کی کسی لڑکی سے جائز نہیں اس لیے کہ حضور بخش کی ماں غلام زہراں بوجہ الولد للفراش رواہ المحدیث فقیر بخش کی بیٹی متصور ہوگی اور حضور بخش فقیر بخش کا نواسہ بنے گا اور فقیر بخش کی باقی لڑکیاں حضور بخش کی خالہ بنیں گی اور خالہ کے ساتھ نکاح حرام ہے ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

المجیب مصیب احقر الانام
غلام محمد بقلم خود
مدرس مدرسہ احسن المدارس جلالپور

سلطان محمود بقلم خود
مدرس مدرسہ دار الحدیث محمدیہ

الجواب صحیح والمجیب مصیب
العبد الاحقر الافقر خادم القوم
غلام رسول غفرلہ پونٹوی

الجواب صحیح
عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مزنیہ کے اقرار کے باوجود کہ یہ بچہ زنا کا ہے خاوند سے نسب منتفی نہ ہوگا

زید نے ہمراہ ہندہ کے شادی کی چند ایام آبادگی کے بعد زید اپنے وطن سے حجاز برائے ملازمت چلا گیا ایام مفارقت کے ۵ ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا۔ زید کو خبر ملی تو زید نے انکار کر دیا بلکہ حکومت حجاز میں رپورٹ دی کہ یہ لڑکا میرا نہیں۔ فریقین کے قبائل کے معتبر لوگوں نے جمع ہو کر بصورت پنچایت

ہندہ سے تحقیق کی کہ زید اس لڑکے سے منکر ہے تم بتاؤ یہ لڑکا کس کا ہے جواباً ہندہ نے کہا کہ میرے ساتھ جبراً عمرو نے مداخلت کی تو یہ لڑکا عمرو کا ہے آخر یہ مقدمہ مطلق حکومت کے پاس دائر ہوا تو مطلق حکومت نے شہادت پنچایت پر فیصلہ کیا کہ لڑکا والدہ کے حوالہ کر دو اور اسکی والدہ کو اپنے والدین کے حوالہ کر دو۔ اس فیصلہ کے بعد زید نے ہندہ کو طلاق دے دی تو ہندہ نے دوسری جگہ شوہر اختیار کیا۔ کیا اب بعد بلوغ وہ لڑکا ترکہ زید سے وارث ہوگا یا نہ ہوگا۔

(مستفتی، مولوی محمد زمان ...)

الجواب: (وان لاعن أي لاعن) ...... (ولا حد عليه) حتى تلاعن أو تصدقه (فيندفع به اللعان ولا حد) وان صدقته أربعاً لأنه ليس بإقرار قصداً ولا ينتفي النسب لأنه حق الولد فلا يصدقان في ابطاله ؛ وفي الشامية ولا ينتفي النسب لأنه إنما ينتفي باللعان ولم يوجد ...... وفيه أي أن من شروط النفي تفريق القاضي بينهما بعد اللعان (شامي ص ...)

جزئیہ ہذا سے معلوم ہوا کہ قطع نسب کے لئے لعان کے بعد تفریق قاضی شرط ہے پس صورت مسئولہ میں جبکہ لعان بین الزوجین ہی نہیں ہوا تو قاضی صاحب موصوف کا قطع نسب درست نہ ہوا لہذا بچہ مذکورہ شرعاً اپنے والد کی میراث کا مستحق ہے اور نسب ثابت ہے۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالستار عفی عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان	۱۷ / ۱۱ / ۰۰ھ

بچہ پیٹ میں سوکھ جائے اور باپ کی وفات کے دس سال بعد پیدا ہو تو نسب کا حکم

زید فوت ہوا اس وقت اسکی بیوی حاملہ تھی چار ماہ کا حمل تھا لیکن چند وجوہ کی بابت بچہ سوکھ گیا اور کم و بیش ۹ برس تک بچہ پیٹ میں رہا کافی علاج معالجہ تعویذ گنڈے کرائے

ہے قدرت الٰہی سے بچہ پیدا ہو گیا بچہ کی پیدائش کے وقت اس کا حقیقی دادا موجود تھا۔ اس نے اپنے پوتے کے نسب کو صحیح قرار دیا پانچ ماہ بعد بچے کا دادا وفات پا گیا۔ اب اس بچے کی والدہ اور حقیقی دادی موجود ہے دادی نسب کا انکار نہیں کرتی اور نہ کوئی اور رشتہ دار انکار کرتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ اس بچہ کا نسب عورت مذکورہ کے خاوند سے ثابت نہیں اسلئے اس بچے کو اس باپ کے ترکہ سے حصہ نہیں ملیگا۔

شامی ص ۶۲۶ ج ۲ میں ہے۔

اکثر مدۃ الحمل سنتان الی آخرہ۔ قال ولا یخفی ان قول عائشۃ مما لا یعرف الا سماعا فھو مقدم علی ھذا لانہ بعد صحۃ نسبتہ الی الشارع لا یتطرق الیہ الخطاء بخلاف الدرایۃ

فقط واللہ اعلم۔
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح۔
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۱۶/۱/۹۳ھ

بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے سالی سے نکاح کیا تو اس سے ہونے والی اولاد کے نسب کا حکم

زید نے پہلا نکاح زینب سے کیا دو ماہ بعد دوسرا نکاح سلمیٰ سے کیا۔ جو کہ زینب مذکورہ کی حقیقی بہن ہے۔ لوگوں نے منع کیا کہ دو بہنیں بیک وقت نکاح میں نہیں آسکتی۔ مگر زید نہ مانا۔ اب دونوں عورتوں سے زید کی اولاد ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح کونسا صحیح ہے اور کونسی اولاد ثابت النسب ہوگی۔

الجواب زید کا زینب کی زندگی میں اسکی حقیقی بہن سلمیٰ کے ساتھ نکاح کرنا حرام تھا۔ لیکن نکاح ہو چکنے کے بعد جب سلمیٰ کے پیٹ سے زید کے ہاں اولاد بھی ہوئی تو اس اولاد کو حرامی نہیں کہیں گے۔ بلکہ یہ اولاد بھی دوسری اولاد کی طرح صحیح النسب ہے۔ کیونکہ یہ دوسرا نکاح فاسد ہے باطل نہیں، اور نکاح فاسد میں دخول کے بعد نسب ثابت ہو جاتا ہے۔

وان تزوج احداهما بعد الاخرى جاز نكاح الاولى وفسد نكاح الثانية (بدائع الصنائع ص [illegible] ج ۲) وهكذا في الهندية وزاد فيها عن المحيط في هذه الصورة يفرق بينهما وعليها العدة ويثبت النسب وقال في البدائع ص ۳۳۵ ج ۲ واما نكاح الفاسد فلا حكم له قبل الدخول واما بعد الدخول فيتعلق به احكام منها ثبوت النسب الخ۔

بعض فقہاء کی عبارات میں جو بیوی کی بہن سے نکاح کو باطل کہا گیا ہے اس بطلان کی تاویل فساد سے کی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۶/۵/۱۴۰۹ھ

مطلقہ ثلاثہ سے بدوں حلالہ دوبارہ نکاح کر لیا تو ثبوت نسب کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک شخص سے کیا۔ وہ بالغ ہو کر لڑکی کسی کے ساتھ اغوا ہو گئی۔ میں نے اس سے طلاق لے لی۔ اس کے بعد مغوی نے لڑکی سے نکاح کر لیا اور کچھ عرصہ بعد طلاق ثلثہ دیدی ہے مجھے اس نکاح ثانی اور طلاق ثانی کا علم نہ تھا تو میں نے اپنی لڑکی اور مغوی کو اب تک اکٹھے رہتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ تم آپس میں نکاح کر لو۔ تب رہو۔ ورنہ تمہارے خلاف کاروائی کریں گے انہوں نے میرے کہنے پر نکاح کر لیا بدوں حلالہ کے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہ۔ اور عورت بدوں طلاق حاصل کئے آگے کسی جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہ؟

الجواب ولو طلقها ثلثا ثم تزوجها قبل ان تنكح زوجا غيره فجاءت منه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح فالنسب ثابت وان كان يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب ايضا عند ابي حنيفة هكذا في التاتارخانية ناقلا عن تجنيس الناصري (عالمگیری ص [illegible]) وهكذا في المنحة على البحر للعلامة الشامي

نافذٌ عنہ. مجمع الفتاویٰ.

جزئیہ ہذا سے معلوم ہوا کہ طلاق ثلاثہ دینے کے بعد خاوند اگر اسی عورت سے بدون حلالہ شرعی کے دوبارہ نکاح کرے تو اس نکاح میں پیدا ہونے والی اولاد صحیح النسب متصور ہوگی اور ثبوت النسب نکاح صحیح یا نکاح فاسد میں ہوتا ہے نہ کہ نکاح باطل میں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ نکاح فاسد ہے باطل نہیں۔ نکاح ہذا سے عورت کی خلاصی کی صورت یہ ہے کہ خاوند یہ کہہ دے کہ میں نے اس عورت کو چھوڑ دیا یا اس کو طلاق دی اس کے بعد عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، اگر خاوند چھوڑنے سے انکار کرے مسلمان جج سے تفریق حاصل کر لی جائے۔ پھر عدت کے بعد آگے نکاح کرے۔ واضح رہے کہ موجودہ نکاح کو فسخ کرانا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

الجواب صحیح عبداللہ عفر اللہ لہ

لاعلمی میں حقیقی بہن سے نکاح کر لیا تو اولاد کے نسب کا حکم

ہندوستان کی تقسیم کے وقت مختلف خاندان منتشر ہو گئے نتیجۃً خاوند اور بیوی کو ایک عرصہ کے بعد پتہ چلا کہ ہم دونوں بہن بھائی ہیں جبکہ ان دونوں سے اس وقت اولاد بھی موجود ہے دونوں ایک دوسرے سے شرمندہ ہیں اور آپس میں جدا ہو گئے ہیں۔ مطلوب ہے کہ ان سے جو اولاد پیدا ہوئی شرعاً اُن کا نسب باپ سے ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب شرعاً یہ بچے اسی باپ کی طرف منسوب ہوں گے۔ وجعل مسئلہ تزوج بمحارمہ مجتہدٌ باو فیہ یثبت نسب الاولاد منہ عند ابی حنیفۃ اھ۔ (عالمگیری ص ج ۱) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

موطوءہ بالشبہ کے بچے کا نسب واطی سے ثابت ہوگا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ہندہ

کے خاوند زید کو مفقود ہوئے تقریباً تیس برس گزر چکے تھے وہ مفقود ہو کر جب بھی تھا ہندہ جو کہ جوان
تھی، علاوہ ازیں اسکی وجہ معاش کا کوئی کفیل نہ تھا اور دوسرا خاوند کرنے کے لئے علماء دین کی جانب
متوجہ ہوئی، بنا بریں ایک عالم دین مدرس مستند از دار العلوم دیوبند اور فن فتاویٰ میں بھی کسی قدر
روشناس تھا، نے علماء قول مالکیہ جو کہ ایسے خاوند کی عورت چار سال کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے
فتاویٰ عبدالحیٰ کو دیکھ کر جس میں وہ شرائط درج نہیں جو الحیلۃ الناجزہ میں ہیں فتویٰ لکھ دیا کہ
یہ عورت بغیر کسی مزید پابندی شرط کے نکاح کرسکتی ہے اور شاید وہ صاحب اس نکاح میں شریک
بھی ہوں چنانچہ ہندہ نے بنا بر فتویٰ بکر کے ساتھ نکاح کرلیا اور بعد از نکاح اسے حمل بھی استقرار
پکڑ گیا اور مدت حمل کے انقضاء کے بعد لڑکی پیدا ہوئی بعد ازاں انکو خبر ہوئی کہ یہ فتویٰ بنا بر مالکیہ
مطلق نہیں ہے بلکہ اس میں شرائط ہیں بعد از شرائط عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے چنانچہ
دوبارہ علماء کرام کی طرف توجہ کی گئی اور شرائط پورا ہونے کے بعد نکاح کیا گیا، دریافت طلب امر یہ
ہے کہ یہ لڑکی جو قبل از نکاح صحیح پیدا ہوئی ہے اگرچہ وہ بنا بر فتویٰ تھی اس کے نکاح کا
متولی کون ہوگا زوج اول مفقود کا بھائی جو کہ صاحب عیال نہیں ہے اور جوگی بن زندگی بسر کرتا ہے جانے
ان اس کا کوئی مکان نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی مسکن ہے گویا اس کا گھر اس کے اپنے وجود کے
ساتھ ہے کسی وقت اپنے وطن میں آجاتا ہے لیکن اس کو اپنی برادری کے معاملات میں کوئی سروکار نہیں یا
یہ متولی ہوگا یا ہندہ کا زوج بکر جس کے نطفہ سے بنا بر فتویٰ یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے یہ لڑکی ولد الزنا
تصور ہوگی، بکر اور ہندہ کو فتویٰ کے لحاظ سے معذور و عند الشرع ثابت کرتے ہوئے اس تہمت سے
بری تصور کیا جائے گا، شرعاً یہ لڑکی بکر کی وارث ہوگی یا نہ؟

الجواب — صورت مسئولہ میں اس لڑکی کا نسب شخص مذکور زوج ثانی جس نے بنا بر فتویٰ نکاح کیا ہے سے ہوگا اور یہ لڑکی اسی سے ہی وارث ہوگی۔

كما في الشامية والنسب من ان لا يرث لها لان النسب كما يثبت
بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد وبالوطء عن شبهة ص۲۲ ج۲
وفيه ايضاً ص۳۵ ج۶ تحت قول الدر المختار ولا يرثون بانكحة مستحلة عندهم
الى قوله لان النسب يستحق الميراث ولو كان بسبب محظور كما في
النكاح الفاسد والوطء بشبهة. فقط والله اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفراللہ لہ

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ
۲/ ۲۷/ ۵ ۱۹۷ء

خاوند کی وفات کے وقت غیر حاملہ تھی چھ ماہ بعد حاملہ ہوگئی تو نسب کا حکم

مسمی نور خان نے مرض الموت میں اپنی عورت مسماۃ سرداراں کو طلاق دیدی طلاق دینے کے تقریباً چھ سات گھنٹے بعد فوت ہوگیا اور عورت مذکورہ کے تعلقات پہلے ہی سے ایک شخص کے ساتھ خراب تھے تو عورت مذکورہ کو اس کے خاوند کے مرنے کے تقریباً چھ سات ماہ بعد حمل بالزنا ہوگیا کیونکہ جس وقت اس کا خاوند فوت ہوا ہے اس وقت عورت مذکورہ حیض کی حالت میں تھی اور اب عورت مذکورہ یہ کہتی ہے کہ یہ حمل میرے خاوند کا ہے تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ حمل بقول عورت کے اسکے خاوند کا تصور ہوگا یا حمل بالزنا ہی اسے قرار دیا جائے گا اور متوفی نور خان مذکور کی جائیداد کی عورت مذکورہ اور حمل شرعاً وارث ہونگے یا نہیں حالانکہ زانی خود مدعی ہے کہ یہ حمل میرا ہے اور عورت مذکورہ خاوند کے مرنے کے قبل تقریباً ڈیڑھ سال کے عرصہ سے اپنے والدین کے گھر رہتی تھی اس عرصہ میں خاوند کے پاس بالکل نہیں آتی تھی اور زانی کے ساتھ تعلقات وابستہ تھے اور خاوند کی موت کے بعد اسی زانی کے پاس چلی گئی اور عدت کے اندر ہی اس کے ساتھ نکاح کرلیا۔

الجواب: فی العالمگیریۃ جلد ۱ ص ۵۳۶ وان کانت معتدۃ من طلاق بائن او من وفات فجاءت بولد الی سنتین فانکر الزوج الولادۃ او الورثۃ بعد وفاتہ وادعت ھی فان لم یکن الزوج اقر بالحبل ولا کان الحبل ظاھراً لایثبت النسب الا بشھادۃ رجلین او رجل وامراتین فی قول ابی حنیفۃ

عبارت مذکورہ سے واضح ہوا کہ عورت اور وارثوں کے اختلاف کی صورت میں جبکہ موت کے وقت حمل ظاہر نہ ہو تو دو گواہوں کی ضرورت ہے ورنہ متوفی سے نسب ثابت نہیں ہوگا بلکہ

صورت مسئولہ میں عورت خاوند کی جائیداد سے حصہ لے سکے گی کیونکہ عورت کی عدت میں خاوند فوت ہو گیا اور عورت سے بعد وفات خاوند کے جو لڑکا پیدا ہوا چونکہ دوسرے وارث اس کے انکاری ہیں اور اس وقت عورت کے حمل بھی ظاہر نہیں تھا۔ اس لئے جب تک دو عادل گواہ ثبوت نسب کی گواہی نہ دیں نہ نسب ثابت ہوگا اور نہ ہی لڑکا وارث ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۷/۹/۷۵ھ

ڈیڑھ سال سے عورت کے پاس نہیں گئے اور وہ حاملہ ہو تو اس بچے کا حکم

زید اپنے مقام سے کسی دوسری جگہ ملازمت کرتا تھا رخصت نہ ملنے کی وجہ سے ڈیڑھ سال بعد گھر آنا ہوا۔ آنے پر پتہ چلا کہ بیوی کو ۵ ماہ کا حمل ہے۔ میں نے عورت سے دریافت کیا تو اس نے تسلیم کیا کہ واقعتاً میرے فلاں شخص سے تعلقات ہیں اور یہ حمل اسی کا ہے۔

میں نے پنچایت بلائی۔ پنچایت نے فیصلہ کیا کہ یہ بچہ میرا نہیں اور میں نے طلاق بھی دے دی۔ اب لوگ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ یہ بچہ تیرا ہے اور تم اس کی کفالت کرو۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟

(محمد سعید۔ آزاد کشمیر)

الجواب شرعاً یہ لڑکا آپ ہی کا ہے اور شرعاً اس کا نسب آپ سے ثابت ہے کیونکہ نسب منتفی ہونے کے لئے لعان شرط ہے۔ (الشامیہ ج۲) (ولا ینتفی النسب لانه انما ینتفی باللعان ولم یوجد وبه ظهر ان ما فی شرح الوقایة والنقایة من انها اذا صدقته ینتفی غیر صحیح اھ شامی)

وفی العالمگیریة ج۱ ولو نفی ولد زوجته الحرة فصدقته فلا حد ولا لعان وهو ابنهما لا یصدقان علی نفیه اھ

اور واقعہ مذکورہ میں اب لعان بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عورت مطلقہ ہو چکی ہے اور طلاق بائن کے ساتھ لعان ساقط ہو جاتا ہے اور پھر لوٹتا بھی نہیں خواہ بعد میں نکاح کر لے۔

فی الدر علی الشامیة ج۲ ویسقط اللعان بعد وجوبه بالطلاق البائن ثم لا یعود ولو تزوجها بعده لان الساقط لا یعود۔

الحاصل اب لڑکے مذکور کا نسب آپ سے ہی ثابت ہوگا اور یہ آپ کا وارث بنے گا۔

صورت مسئولہ میں آپ کو پریشانی اٹھانی پڑ رہی ہے کہ جو بچہ آپ کے نطفہ سے نہیں ہے اس کا نسب آپ ہی کی طرف کیا جارہا ہے اور وہ لڑکا آپ کا وارث بھی بنے گا مگر اس میں شریعت کا کوئی قصور نہیں جس وقت آپ کو علم ہوا تھا کہ میری عورت کے رحم میں جو نطفہ ہے میرا نہیں ہے آپ کو تحقیق کرنی چاہئے تھی کہ میں کس طرح اس بچے سے نجات حاصل کروں دیہات کے سادہ بیچارے لوگ علم نہیں ہوتا وہ ایسے مسائل سے خود ناواقف ہوتے ہیں آپ کی رہبری کیا کریں گے آپ لڑکا کا وصول کرکے اسکی پرورش کریں کیونکہ لڑکا تو بے قصور ہے اور اگر عورت تائب و نادم ہے تو اس کو واپس دوبارہ نکاح کرکے رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ طلاق تین نہ دی ہوں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہ
خادم الافتاء خیر المدارس، ملتان
۲۲ / ۱۱ / ۱۴۰۵ھ

حاملہ کو خون آسکتا ہے اور پیدا ہونے والا بچہ خاوند ہی کا ہوگا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی کی شادی ۱۸ دسمبر ۱۹۸۰ء کو ہوئی اور وہ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء تک خاوند کے ساتھ آباد رہی ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء کو اس کا خاوند بیرون ملک چلا گیا خاوند کی عدم موجودگی میں جنوری، فروری ۱۹۸۱ء میں ایک ایک ماہ کے باقاعدہ وقفوں سے لڑکی کو دو دفعہ خون آیا۔ مارچ میں خون اچانک بند ہو گیا جس پر لڑکی کے حاملہ ہونے کا انکشاف ہوا عوام کے خلاف اسی واقعہ پر رفع شکوک و تعجب کے لئے لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا جس کی رائے حاملہ مدت ہے خاوند کی جدائی کے گیارہ مہینے بعد اسی لڑکی نے ایک بچی کو جنم دیا دونوں باتیں چونکہ ضابطۂ قدرت کی عمومی شکل کے خلاف ہیں لہٰذا سسرال والوں نے خاوند سے لڑکی کو بدچلن قرار دے کر طلاق دلوادی مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے ضمن میں راہنمائی فرمائیں۔

۱۔ کیا حالت حمل میں خون آنا مظہر قدرت کے خلاف ہے یعنی کیا شریعت مطہرہ کا فیصلہ طبی رائے سے اختلاف رکھتا ہے کیا حالت حمل میں خون آنا اور بچے کا عمومی مدت سے زیادہ عرصے بعد پیدا ہونا دیگر شوہر کی عدم موجودگی میں لڑکی کو بدچلن یا زانیہ قرار دینے کی کافی دلیل ہے کیا اس بچی کو حرامی قرار

دیا جائے گا۔ ۳۔ اگر سوال نمبر ۱ کی تمام جزئیات کا جواب اثبات میں ہے تو لڑکی کی سزا شریعت کی رُو سے کیا ہے اور پرورش بچی کی کس کے ذمے ہے اور اگر جواب نفی میں ہے تو لڑکی کو بدچلن اور زانیہ قرار دیا گیا ہے اور کیا یہ بہتان کے ضمن میں نہیں آتا اور شریعت میں مقدمہ بہتان کی سزا کیا ہے اور اس حالت میں بچی کی پرورش کس کے ذمہ ہے اور شریعت کی نظر میں لڑکی کو بدچلن قرار دے کر طلاق دینا جائز فعل ہے یا نہیں؟

الجواب: حالتِ حمل میں خون آسکتا ہے اور اس خون کو غیر حاملہ ہونے کا ثبوت قرار نہیں دے سکتے۔ ودم الحامل استحاضۃ کرمحث ۲۔ شریعت میں اکثر مدت حمل دو سال ہے لہٰذا جدائی کے گیارہ ماہ بعد پیدا ہونے کی صورت میں یا حالتِ حمل میں خون آنے کی وجہ سے لڑکی کو زانیہ قرار دینا سخت غلطی اور جہالت ہے اور بچی خاوند کی طرف منسوب ہوگی۔

لخبر عائشۃ لا یکون الحمل اکثر من سنتین (درمختار علی الشامیۃ ص ۶۳۳ ج ۲)

لڑکی پر جو زنا کی تہمت لگائی گئی ہے اس سلسلے میں اگر خاوند چار عینی گواہ پیش نہ کر سکے تو لڑکی اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے لعان کا مطالبہ کر سکتی ہے لیکن اگر لعان سے پہلے طلاق بائنہ یا رجعی ہو جائے مگر عدت گزر جائے تو لعان ساقط ہو جائے گا لہٰذا صورت مذکورہ میں لعان کے ساقط ہونے کی وجہ سے خاوند کو سزا تو نہیں دی جا سکتی البتہ اسے بلاوجہ الزام لگانے کا گناہ ضرور ہوگا۔ بچی اسکی ہے لیکن حق پرورش والدہ کو حاصل ہے نو سال کی عمر تک بچی والدہ کے پاس رہے گی بشرطیکہ کوئی امر ایسا پیش نہ آجائے جو حق پرورش کو ختم کردے۔

ویسقط اللعان بعد وجوبہ بالطلاق البائن ثم لا یعود (درمختار ص ۵۸۶ ج ۲)

متی سقط اللعان بوجہ ما او ثبت النسب بالاقرار او بطریق الحکم لم ینتف نسبہ ابداً۔ (شامی ص ۵۹۲ ج ۲)

محض اپنی غلط فہمی کی وجہ سے اور کم علمی کی وجہ سے بدچلن قرار دے کر طلاق دینا جائز نہیں ہاں اگر واقعۃً بیوی فاحشہ ہو تو طلاق دینا مستحب ہے واجب پھر بھی نہیں۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفی عنہ

مزنیہ کی بچی سے نکاح کیا۔ تو اولاد کے نسب کا حکم

ایک عورت کو زید اغواء کر کے لے گیا۔ ۲۵ دن بعد اسے واپس لایا گیا۔ عورت کا بیان ہے کہ جس وقت میں اغواء کی گئی تھی اس وقت مجھے حمل تھا۔ بہرحال بچی پیدا ہوئی اس بچی کا نکاح مغوی کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ اس اغواء کنندہ نے عورت کے ساتھ زنا بھی کیا تھا۔ اگر اس بچی کا نکاح اس مغوی کے ساتھ کر دیا گیا ہو تو جو اولاد پیدا ہوگی۔ ان کے ساتھ رشتہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب (۱) اغواء کرنے والے کے لئے وہ بچی حرام ہے اس سے اس کا نکاح صحیح نہیں اب بھی فوراً اس کو چھوڑ دے اور اپنے سے علیحدہ کر دے۔

وحرم اصل مزنیتہ و ممسوستہ بشہوۃ الخ و فروعھن مطلقا الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۳۲

(۲) جو ان سے اولاد پیدا ہوتی ہے وہ ثابت النسب ہے اور ان کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ رجل مسلم تزوج بمحارمہ فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی ہندیہ ج۱ ص۵۴۰ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

طلاق کے آٹھ دن بعد پیدا ہونے والی بچی کے نسب کا حکم

ایک آدمی نے منظوراں بیگم سے شادی کی۔ اس عورت عبدالستار سے شادی کروانے سے پہلے تین جگہ مطلقہ ہو چکی تھی۔ اس کے بعد آپس میں اختلاف ہو گیا۔ کیونکہ منظوراں بدچلن عورت تھی اس وجہ سے عبدالستار نے منظوراں کو طلاق دے دی۔ بوقت طلاق منظوراں حاملہ تھی اس کے آٹھ یوم بعد بچی پیدا ہوئی۔ اب عورت کے والدین اس بچی کو دینے سے انکاری ہیں [illegible]

المستفتی چوہدری عبدالستار ولد شاہ محمد مغل مکان ۱۴۲ کوٹ زید [illegible]

الجواب شرعاً یہ بچی عبدالستار کی ہے۔ اپنی والدہ کے پاس نو برس کی عمر تک رہے گی۔ جبکہ کسی غیر محرم جگہ شادی نہ کرے نو برس کی ہونے کے بعد یہ لڑکی

والد کے حوالہ کر دی جائے گی ۔ اس لڑکی کے نکاح کا اختیار والد کو ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۱۳/۹۸ھ

خاوند کی وفات کے پورے دو سال بعد پیدا ہونیوالے بچے کا نسب

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ۔ کہ ایک عورت کی شادی ہوئی ۔ اور دو ماہ کے بعد اس کا خاوند فوت ہو گیا ۔ اور پھر وہ گھر میں ہی رہی ۔ اور خاوند کی وفات کے پورے دو سال بعد اس کو بچہ پیدا ہو گیا تو یہ بچہ کس کی طرف منسوب ہو گا ۔ بینوا توجروا ۔

المستفتی ۔ مولانا محمد الطاف صاحب راؤ خیر پور ٹامیوالی

الجواب بر تقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ نے اگر اس دوران اپنی عدت کے گزرنے کا اقرار نہیں کیا تو یہ بچہ اس خاوند کا ہو گا جو فوت ہو چکا ہے ۔

ويثبت نسب ولد المتوفى عنها زوجها ما بين الوفاة وبين السنتين واذا اعترفت المعتدة بانقضاء عدتها ثم جاءت بولد لاقل من ستة اشهر يثبت نسبه وان جاءت لستة اشهر لم يثبت (هدايه ص ۲۲ ج ۲) ويثبت نسب ولد معتدة الموت لاقل منهما اى من سنتين (درمختار ج ۲ ص ۹۲۲) اكثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة كما فى الدارقطنى والبيهقى (درمختار ج ۲ ص ۹۲۴) ولو جاءت به قبل ان تقر بانقضاء العدة ثم جاءت به لاقل من سنتين يثبت النسب منه وان جاءت به لاكثر من سنتين من وقت الوفاة لا يثبت النسب منه الا اذا اقر بانقضاء عدتها (عالمگیری ج ۱ ص ۵۴۰) واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴/۲/۱۴۰۲ھ

جس عورت کو بغیر نکاح گھر رکھے رکھا اس کی اولاد کا نسب

ایک عورت زینب حاملہ تھی ۔ زید نے اسے بعوض خرید لیا ۔ اور اسے بغیر نکاح کے ہی گھر رکھا ۔ اور کچھ عرصہ بعد اس سے سابقہ حمل کی بنا پر بچہ پیدا ہوا ۔ پھر کچھ عرصہ بعد ایک لڑکا پیدا ہوا ۔ اور ایک لڑکی پیدا ہوئی ۔ اب زید یہ دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ کر مر گیا ہے ۔

واضح رہے کہ آخر تک نکاح نہیں کیا تھا۔ آیا یہ زید کی وراثت میں حصہ دار ہیں؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں بچے زید سے میراث نہیں پائیں گے کیونکہ ان کا نسب زید سے ثابت نہیں۔ البتہ اپنی ماں کے وارث ہوں گے۔

بان المرأة حيث يثبت نسب الولد منها لا ابوة ثبت به فان هذا الكون انه يثبت بعد العقد (فتح القدير ج۴ باب ثبوت النسب نقلاً عن فتاوی دار العلوم ج ۱۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

نکاح کے بعد چھ ماہ سے پہلے پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب نہیں ہے

زید نے مورخہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ کو ہندہ کے ساتھ نکاح کیا اور مورخہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ کو ہندہ نے وضع حمل کیا تو یہ مدت تقریباً پانچ ماہ دس یوم بنتی ہے کیا یہ بچہ ثابت النسب ہے؟ کیا نکاح دوبارہ پڑھا جائے یا وہی سابقہ نکاح باقی ہے؟

الجواب یہ بچہ ثابت النسب نہیں ہے اور پہلا نکاح باقی ہے دوسرا نکاح پڑھنے کی حاجت نہیں۔ واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه لان العلوق سابق على النكاح فلا يكون منه۔

ہدایہ ج۲ ص۴۳۲ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۲-۲-۱۳۹۳ھ

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ

زید والد حقیقی نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک آدمی سے کر دیا۔ آدمی مزدوری کے لئے کہیں دور دراز چلا گیا جب واپس آیا تو اس کی بیوی حاملہ تھی۔ اس بات پر لوگوں نے شور مچایا کہ حمل حرام کا ہے۔ اب بچہ پیدا ہوا ہے بشرطیکہ وہ کس کا سمجھا جائے گا۔ آپ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے وضاحت کریں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں مذکورہ لڑکا خاوند ہی کا سمجھا جائے گا۔ ایسے طلاء الحرام کہنے والے سخت مجرم اور قابل سزا ہیں۔ آپ کے علاقہ میں شرعی قوانین نافذ ہوں تو مذکورہ افراد کے خلاف مقدمہ درج کرایا جا سکتا ہے۔ تاکہ تحقیق واقعہ کے بعد ہر مجرم کو مناسب سزا دی جاوے۔ وان جاءت به لستة اشهر فصاعدا يثبت نسبه منه اعترف به الزوج او سكت اھ عالمگیری ص۵۳۶ ج۱ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۴/۶/۹۹ھ

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
جامعہ خیر المدارس ملتان

مرزائیہ سے نکاح کر لے تو اولاد کے نسب کا حکم

مرزائی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اس نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ یا اولاد جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: صورت مسئولہ میں ان بچوں کا نسب ثابت ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ ولا حد ايضا بشبهة العقد اى عقد النكاح عند الامام كوطء محرم نكحها الى ان قال ، حرر فى الفتح انها من شبهة المحل وفيها يثبت النسب اھ (درمختار علی رد المحتار ص۱۵۲ ج۳) قال الشامى صوابه فى النهر فانه بعد ما ذكر ما قدمناه عن الفتح قال وهذا انما يتم بناء على انها شبهة اشتباه قال فى الدراية وهو قول بعض المشائخ والصحيح انها شبهة عقد لانه روى عن محمد انه قال سقوط الحد عنه لشبهة حكمية فيثبت النسب اھ وهذا صريح بان الشبهة فى المحل وفيها يثبت النسب على ما مر اھ وفى مجمع الفتاوى يثبت النسب عنده خلافا لهما ص۱۶۸ ج۳ محرم کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی نے تزوج مجوسیہ کو بھی داخل کیا ہے۔ اور عالمگیری میں مجوسیہ و مرتدہ کا ایک حکم لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۸/۷/۹۹ھ

حالتِ عدت میں کیے گئے نکاح کے بعد اولاد پیدا ہو تو ثابت النسب ہوگی

زید نے شادی کی کسی وجہ سے منکوحہ کو طلاق دے دی مطلقہ نے فوراً بعد دو دنوں میں شادی رچالی ۔ اس مدت میں مطلقہ کو حیض وغیرہ نہیں آیا جب خاوند اول سے مطلقہ ہوئی تو غیر حاملہ تھی ۔ دوسری شادی کے تین سال بعد اولاد پیدا ہوئی ۔ یہ اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہ؟ اور اس اولاد سے نکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب مذکورہ صورت کا نکاح ثانی فاسد ہے شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں نیز دو میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کی وجہ سے سخت مجرم ہیں بعد از نکاح ثانی کے بعد پیدا ہونے والی بچیاں اس باپ سے ثابت النسب ہوں گی ۔ انہیں ولد الزنا کہنا درست نہیں اور ان سے عقد نکاح درست ہے ۔

واذا تزوجت المعتدة بزوج آخر ثم جاءت بولد فان علم ذلك وقع النكاح الثاني فاسدا فجاءت بولد فان النسب يثبت من الاول ان امكن اثباته بان جاءت به لاقل من سنتين منذ طلقها الاول او مات ولستة اشهر فصاعدا منذ تزوجها الثاني لان نكاح الثاني فاسد ومهما امكن احالة النسب الى الفراش الصحيح كان اولى وان لم يمكن اثباته منه وامكن اثباته من الثاني فالنسب يثبت من الثاني بان جاءت به لاكثر من سنتين منذ طلقها الاول او مات ولستة اشهر فصاعدا منذ تزوجها الثاني لان النكاح الثاني وان كان فاسدا لكن لما تعذر اثبات النسب من النكاح الصحيح فاثباته من الفاسد اولى من الحمل على الزنا هكذا في البدائع (عالمگیری ج۱ ص۵۳۶) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور ۲۳-۱۰-۹۹ھ

علامہ شامی نے نکاح معتدہ کا بعض صورتوں میں جو باطل ہونا اور موجب عدت نہ ہونا نقل کیا ہے ۔ یہ بدائع وغیرہ کی اس تصریح کے مقابلہ میں مرجوح ہے ۔

فالجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار مفتی خیر المدارس ملتان

زانی مزنیہ سے نکاح کرے اور چھ ماہ سے پہلے بچہ پیدا ہو تو نسب کا حکم

ایک کنواری بالغہ لڑکی سے زید نے زنا کیا۔ پھر برادری نے ان دونوں کا نکاح کر دیا اب بچہ پیدا ہوا ہے۔ بچہ نکاح کے چار ماہ بعد پیدا ہوا ہے تو کیا یہ بچہ زید ہی کا کہلائیگا اور زید کی وراثت بھی لے گا۔ غلام محمد راجڑ چاروں آباد

الجواب اگر زید یہ کہے کہ یہ بچہ میرا ہی ہے تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ زید یہ نہ کہے کہ زنا سے پیدا ہوا ہے۔

ولو زنى بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت ان جاءت به لستة اشهر فصاعدًا ثبت نسبه وان جاءت به لاقل من ستة اشهر لم يثبت نسبه الا ان يدعيه ولم يقل انه من الزنا اما ان قال انه مني من الزنا لا يثبت نسبه ولا يرث منه كذا في الينابيع اه (عالمگیری [illegible]) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

منکوحہ کا بیٹا خاوند ہی کا سمجھا جائے گا

بدوں لعان نسب منتفی نہیں ہوگا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے۔ زید اور بکر دو سگے بھائی ہیں۔ زید کی شادی ہو گئی۔ زید نے اپنی عورت (منکوحہ) کو طلاق دے دی بعد ازیں اس مطلقہ عورت کا نکاح بکر سے برتے شریعت ہو گیا لیکن مطلقہ زید کے پاس ہی رہی۔ اور اب تک اسی کے پاس ہے۔ تین لڑکے اور پانچ لڑکیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ بکر نے دوسری شادی کر لی۔ جس سے اس کے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ بکر نے اپنے لڑکے کی شادی اپنی ہمشیرہ کی لڑکی سے کر دی۔ اب وہ حاملہ ہے۔ لیکن زید نے بکر کے لڑکے شادی شدہ کو دور ٹھیکیدار اپنے ساتھ ملالیا۔ اور اپنی لڑکی (جو مطلقہ عورت سے ہے اور بکر سے اس کا نکاح ہو چکا ہے) سے شادی کر دی ہے اور پہلی عورت کو بذریعہ ڈاک رجسٹری طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ کیا یہ طلاق

اور شادی درست ہے ؟ زینب سے جس وقت طلاق دی اس کی اولاد نہیں تھی ۔ بعد اغواء کرنے کے اولاد پیدا ہوئی ۔

الجواب : صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ چونکہ بکر کی منکوحہ ہے اور اس سے طلاق بھی حاصل نہیں کی گئی ۔ لہذا عورت مذکورہ کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد بکر کی اولاد متصور ہو گی ۔ تا وقتیکہ لعان کر کے ان کا نسب منقطع نہ کر دے پس بکر کا لڑکا شکی کا علاتی بھائی ہوا ۔ اور علاتی بہن بھائی میں نکاح درست نہیں لہذا نکاح مذکورہ باطل ہے ۔ بکر کے لڑکے کی طلاق واقع ہو گئی ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ بندہ محمد عبد اللہ عفی عنہ | بندہ عبد الستار عفی عنہ
۹ ـ ۹ ـ ۷۹ | مفتی خیر المدارس ملتان

مرزائی سے نکاح کیا تو اولاد ثابت النسب نہ ہو گی

مرزائی مرد اور مسلمان عورت کا نکاح ہو سکتا ہے ؟

مرزائیوں سے تعلقات رکھنا کیسا ہے ؟ مسمی ولاور نے اپنی بیٹی کا نکاح عنایت سے کیا جبکہ وہ گیارہ سال کی تھی دس سال آباد رہی پھر اس کو والد نے گھر بلایا اور دوسری جگہ بغیر طلاق لئے نکاح کر دیا ۔ یہ نکاح کیسے ہے ؟ اس سے پیدا ہونے والی اولاد کے نسب کا حکم کیا ہے ؟

الجواب : یہ نکاح ایسے ہے جیسے کسی عیسائی چوہڑے کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح کر دیا جائے یہ باطل کالعدم ہے اور یہ اولاد بھی ولد حرام ہے ۔ نکح کافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نكاح باطل (الاشباه ص ۲۹۳)

۲ ۔ ان سے تعلقات رکھنے جائز نہیں اور ان کے جنازوں و نکاحوں میں شرکت کرنا بھی ممنوع ہے

۳ ۔ دوسرا نکاح جائز نہیں لہذا زوجین میں تفریق کرانا لازم ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر لہ ۲۵/۴/۹۵ھ | بندہ عبد الستار عفی عنہ

ثبوتِ نسب کی ایک نادر الوقوع صورت:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو مریض ہیں جن میں سے ایک مریض کی قوت باہ یعنی مردانہ طاقت بالکل زائل ہوچکی ہے اور یہ مریض شادی شدہ ہے دوسرے مریض کی مردانہ طاقت تو ٹھیک ہے لیکن کسی دوسرے مرض میں مبتلا ہے یہ دونوں مریض ایک لائق اور قابل یورولوجی سرجن کے زیر علاج ہیں۔ قدرت کو ایسا منظور ہوا کہ وہ مریض جس کی قوت مردانہ ٹھیک تھی، مرچکا۔ اب یورولوجی سرجن اس مریض کے ذکر کاٹ کر دوسرے مریض کو لگا دیتا ہے جس کی مردانہ طاقت ختم ہوچکی تھی۔ اور اس کا ذکر (آلۂ تناسل) کاٹ کر مُردہ کو لگا دیا۔ اب یہ مریض جس کی قوت باہ زائل ہوچکی تھی ٹھیک ہوگیا۔ اسکی طاقت بحال ہوگئی۔ اور اس دوسرے ذکر (آلۂ تناسل) کے لگا دینے سے اسکی اولاد بھی پیدا ہونے لگی۔ اور یہ اپنی بیوی کی خواہش کو پورا کرنے کے قابل بھی ہوگیا تو کیا اس اولاد کا نسب اس سے ثابت ہوگا۔ کیا شریعت میں یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اگر سرجن ایسا عمل نہ کرتا تو یہ قوت باہ کی بیماری میں مبتلا مریض ٹھیک نہیں ہوسکتا تھا اور اسکی زندگی مفت میں تباہ ہو جاتی۔ نیز اگر شریعت میں یہ صورت جائز نہیں۔ تو کیا یہ مریض مذکور شادی شدہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے کیونکہ پھر وہ تو اپنی بیوی کی خواہش کو پورا نہیں کرسکتا۔ بینوا توجروا۔

الجواب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ انسانی اعضاء سے انتفاع کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ عام ضروریات کے لئے استعمال کرنا ۲۔ عام حالات میں تداوی کی غرض سے استعمال کرنا ۳۔ علاج کی اضطراری حالت۔ پہلی اور دوسری حالت میں انسان کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں۔ خواہ یہ جزء کسی زندہ انسان کا ہے یا مُردہ کا۔ جیسا کہ فقہاء کرام کے کلام سے ظاہر و باہر ہے۔ انسانی بالوں سے انتفاع کے عدم جواز کا تذکرہ صراحۃً تمام کتب میں موجود ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

ولا یجوز بیع شعور الانسان ولا الانتفاع بہا لان الآدمی مکرم لا مبتذل فلا یجوز ان یکون شیٔ من اجزائہ مہانا مبتذلا۔ (ہدایہ ص ۵۳ وقایہ ص ۴۴/۳ درمختار ص ۲۲/۲۷)

اسی تعلیل پر اضافہ کرتے ہوئے ابن ہمام لکھتے ہیں۔

في جميعها اهانة له وكذا في امتهانه بالانتفاع جلد انسان کی دباغت
اور اس کے استعمال کے سلسلہ میں فقہاء کرام کی تصریحات بھی اسی پر دال ہیں چند عبارتیں یہ ہیں۔

واما جلد خنزير وآدمي فلا يدبغ لكرامته ولو دبغ طهر وان حرم
استعماله (درمختار) (ب) وحرمة الانتفاع باجزاء الآدمي لكرامته
(ج) اما دبغ جلد انسان طهر لكن لا يجوز الانتفاع به كسائر اجزائه
نهاية بحواله فتح القدير ص ٢٢ زيلعى (د) وجلد الآدمي لكرامته
لئلا يتجاسر الناس على من كرمه الله بابتذال اجزائه حاشية
على الهداية ص ٢٢ ۔ اس حرمۃ الانتفاع ہونے میں زندہ اور مردہ دونوں انسان
برابر ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا عبارات سے ظاہر ہے کیونکہ جلد آدمی کی دباغت اور
اس کے استعمال کا سوال موت کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں فقہاء کرام نے تصریح
بھی فرمائی ہے کہ موت کے بعد بھی مردے کا ویسا ہی احترام واجب ہے جیسا کہ زندگی میں تھا
ابن الہمامؒ ایک مسئلہ کی تعلیل و توضیح میں لکھتے ہیں۔

توضيحه الاتفاق على ان حرمة المسلم الميت كحرمته حياً اھ

بغرض تداوی کسی چیز کا استعمال یہ بھی ایک قسم کا انتفاع ہے اور عبارات بالا میں اجزائے
انسانی سے انتفاع کو علی الاطلاق حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا بطور دوا بھی اجزائے انسانیہ
کو استعمال کرنا درست نہیں ہوگا۔ چنانچہ امام محمد سے انسانی ہڈی کو دوا استعمال کرنے
کا عدم جواز منقول ہے۔

قال محمد في السير الكبير لا باس بالتداوي بالعظم اذا كان
عظم شاة او بقرة او بعير او فرس او غيره من الدواب الا عظم الخنزير
والآدمي فانه يكره التداوي بهما فقد جوز التداوي بعظم
ما سوى الخنزير والآدمي (فتاوى هندية ص ٣٥٤)

دباغت جلد اور اس کے استعمال کرنے کے سلسلے میں جلد انسان اور جلد خنزیر کو جیسے ایک ہی
سطح پر رکھا گیا تھا تداوی کی بحث میں بھی ان کی ہڈیوں کو ایک ہی درجہ میں ممنوع ٹھہرایا گیا ہے
اگرچہ علت الگ ہو۔ تداوی ہی کی بحث میں عالمگیری میں یہ جزئیہ بھی موجود ہے۔

الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز قیل للنجاسة وقیل للکرامة هو الصحیح کذا فی جواہر الاخلاطی۔

سابقہ عبارات سے اجزائے انسانی سے انتفاع کا عدم جواز گو انتفاع علاجاً ہی ہو ظاہر ہے کسی نابینا کو بینا کرنا یا کسی کی قوت مردمی کو بحال کرنا یا اسی قسم کے دوسرے عیوب کو دور کرنا ہمارے نزدیک عدم تداوی میں داخل ہے۔ علاج کی اضطراری حالت میں اسے داخل نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ آئندہ اضطراری حالت کی تعریف سے خود ظاہر ہو جائے گا۔ پس ایسے معالجات میں کسی عضو انسانی کا دوسرے مریض کی طرف منتقل کر دینا جائز نہیں، علاوہ ازیں اگر عام معالجات میں انسانی اجزاء کی اس طرح منتقلی کی اجازت دے دی جائے تو انسانی اعضاء کی خرید و فروخت کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسا کہ ناکارہ موٹروں وغیرہ کے کارآمد پرزے اس میں سے نکال لئے جاتے ہیں۔ اور باقی کباڑ خانے میں پہنچ جاتا ہے اور ایسی صورت میں احکام شریعت کی جو خلاف ورزی ہو گی۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ بیع میتہ نعش کی بے حرمتی تیری کتاب الجنائز کے مسائل غسل، کفن دفن وغیرہ کا خاتمہ۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں نعش کا مثلہ ہونا لازم آتا ہے جو کہ بنص حدیث پاک ممنوع و حرام ہے نابینا کو بینا کرنا یا ازیں قسم دیگر معالجات فرض و واجب نہیں اور محظورات مذکورہ بالا کا ارتکاب حرام ہے۔ تو محض ایک مباح کے لئے ارتکاب حرام کی کیسے اجازت دی جا سکتی ہے عدم جواز کی چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ باقی اشیاء کو حق سبحانہ تعالیٰ نے متاع ہونے کی حیثیت میں پیدا فرمایا ہے اور انسان کو بلا تمیز کافر و مسلم کے متمتع اور استعمال کنندہ قرار دیا ہے۔ یہ اشیاء توڑ پھوڑ کر کاٹ چھانٹ کر حسب ضرورت انسانی ضروریات میں کام آتی رہتی ہیں۔ باقی اشیاء میں شاعیت اور مالیت کے اعتبار فرق ہی کیا رہ جائے گا۔ اسی فرق اور حقیقت کو شریعت میں پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور انسان کی اسی خصوصیت کو فقہاء کرام نے تکریم انسانی کے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے۔ فائدہ: اگر اپنا کوئی عضو کٹ جائے تو اسے اس کی جگہ پر لگا لینا جائز ہے بقول امام ابو یوسف۔ وفی السراج الوہاج وان قطعت اذنہ قال ابو یوسف لا باس بان یعیدہا الی مکانہا وعندہما لا یجوز (بحر صفحہ ۱۱۳)

علماء کے لئے جزئیہ ہذا کے پیش نظر یہ امر قابل غور ہے کہ کیا اس سے اپنے بدن کے کسی ٹکڑے کو دوسرے حصے کی طرف منتقل کرنے کا جواز نکل سکتا ہے؟ بظاہر اسکی گنجائش معلوم ہوتی ہے

معالجہ کی اضطراری حالت: ثبوت اضطرار کے لئے اندیشہ موت کا وجود ضروری ہے اگر کسی مرض سے موت کا ظن غالب نہیں ہے۔ تو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس مرض کے لئے کوئی دوسری مباح دوا نہ مل سکے اور موجود نہ ہو۔ پھر یہ دو حال سے خالی نہیں ہوگا۔ اس دوا سے شفاء مظنون ہے۔ جیسا کہ معالجات میں ہوتی ہے یا شفاء ایسی یقینی ہے جیسا کہ حالت مخمصہ میں کوئی چیز کھا لینے سے جان کا بچ جانا تو یہ دو صورتیں ہوئیں۔

۱۔ شفاء مظنون ۲۔ شفاء یقینی۔ مؤخر الذکر صورت میں تداوی بالحرام بالاتفاق جائز ہے بشرطیکہ یقینی شفاء ہو۔

في شرح الدر أن قوله لا للتداوي محمول على المظنون والا فجوازه باليقيني اتفاقا كما صرح به في المصفى اهـ وبعد اسطر وظاهر المذهب المنع محمول على المظنون كما علمته وقال ايضا في الشامية مجيبا عن حديث العرنيين من جانب الامام حتى لو تعين الحرام مدفعا للهلاك يحل كالميتة والخمر عند الضرورة كله في الشامية ص ۱۹۲ ج ۱۔

یہ بحث الگ رہی کہ علماء کے قول سے تیقن شفاء ہو جاتا ہے یا نہیں لیکن لحم خنزیر کے ساتھ اس حالت پر بھی تداوی کی ممانعت ہے۔ قال في الشامية ص ۱۹۲ ج ۱:

ونقل الحموي ان لحم الخنزير لا يجوز التداوي به وان تعين

مگر بظاہر یہ خلاف نص ہے کیونکہ قرآن مجید میں مضطر کے لئے لحم خنزیر کی اجازت دی گئی ہے۔ کما لا یخفی۔ پس غالباً یہ جزئیہ پہلی صورت (یعنی شفاء مظنون) پر محمول ہوگا نیز اس صورت میں اسکی بھی گنجائش معلوم نہیں ہوتی کہ انسانی عضو کو کاٹ کر مریض کی جان بچانے کے لئے استعمال کیا جائے جیسا کہ خود حالت مخمصہ جو کہ مقیس علیہ ہے کی اضطراری حالت میں ایسا کرنا جائز نہیں نہ اپنے جسم کا کوئی ٹکڑا۔ نہ دوسرے انسان کا کوئی عضو۔

مضطر لم یجد میتۃ وخاف الہلاک فقال لہ رجل اقطع یدی وکلہا او قال اقطع منی قطعۃ فکلہا لا یسعہ ان یفعل ذلک ولا یصح امرہ بہ کما لا یسع للمضطر ان یقطع قطعۃ من لحم نفسہ فیأکل اھ۔

البتہ ایسی حالت میں اگر کسی ایسے جزء انسانی کو استعمال کیا گیا جس کے حصول میں انسانی جسم کی قطع و برید لازم نہیں آتی تو اس کی گنجائش ہے جیسا کہ وجوہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے عورت کا دودھ دکھتی آنکھ میں استعمال کرنا عام حالات میں مختلف فیہ ہے۔ کما فی البحر لیکن ابن نجیم کے صنیع سے ترجیح جواز معلوم ہوتی ہے پس جب آنکھ کے لئے اس کا استعمال جائز ہے تو جب اس کا دفع ہلاکت ہونا متیقن ہو تو ایسی حالت میں بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔ عالمگیری کے اس جزئیہ سے صراحۃً اس کا جواز معلوم ہوتا ہے گو اضطراری حالت نہ ہو۔

ولا بأس بأن یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشرب للدواء اھ

ولا یجوز للمرضعۃ دفع لبنہا للتداوی ان اضر بالصبی (ہندیہ ج ۴)

ان مؤخر الذکر جزئیات سے اگر اضطراری حالت میں مریض کو خون دینے کی گنجائش کا استنباط کیا جائے تو قرین قیاس ہے کیونکہ دم و لبن استحقاق تکریم کے اعتبار سے مساوی ہیں اور یہی تکریم اکل و شرب کی ممانعت ہے۔ (وھو الشیء کا امر) اور نجاست و طہارت کا فرق قابل لحاظ نہیں کیونکہ حالت اضطرار میں تداوی بالنجس والطاہر دونوں جائز ہیں۔ الحاصل علاج کے طور پر کسی عضو انسانی کو دوسرے مریض میں منتقل کر دینا جائز نہیں خواہ اضطراری حالت ہی ہو۔ البتہ ایسی حالت میں خون دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

فی الدر المختار وسیجیء فی الاستیلاد ان الفراش علی اربع مراتب وفی الشامیۃ (قولہ علی اربع مراتب) ضعیف وھو فراش الامۃ لا یثبت النسب فیہ الا بالدعوۃ ومتوسط وھو فراش ام الولد فانہ یثبت فیہ بلا دعوۃ لکنہ ینتفی بالنفی وقوی وھو فراش المنکوحۃ ومعتدۃ الرجعی فانہ فیہ لا ینتفی الا باللعان واقوی کفراش معتدۃ البائن فان الولد

لا ينتفى فيه اصلا لان نفيه متوقف على اللعان وشرط اللعان الزوجية (رد المحتار ج۲ ص۶۳۶) وفى الهندية ج۱ ص۳۴۳ رجل عالج جاريته فيما دون الفرج فانزل فاخذت الجارية ماءه فى شئ فاستدخلته فى فرجها فعلقت عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ان الولد ولده وتصير الجارية ام ولد له كذا فى فتاوى قاضى خان انتهى۔

جزئیات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی آدمی سے پیدا ہونے والی اولاد کا نسب اسی سے ثابت ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ

چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح کر لیا تو اس سے ہونے والی اولاد کے نسب کا حکم

اگر کسی شخص نے پہلے چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں بیوی سے نکاح کر لیا ہو اور اس پانچویں بیوی سے اولاد پیدا ہوئی ہو تو کیا پانچویں بیوی کی اولاد کا نسب اس شخص مذکور سے ثابت ہوگا یا نہیں اور اس شخص کے مرنے کے بعد پانچویں بیوی کی اولاد مرحوم باپ کی جائیداد سے حصہ لینے کی حقدار ہوگی یا نہیں۔ کیا پانچویں بیوی کی اولاد بھی چار بیویوں کی اولاد کے برابر مرحوم باپ کی جائیداد میں حقدار ہے جبکہ شخص مذکور نے اس بیوی کی اولاد کا اندراج میونسپل کمیٹی میں درست رجسٹر کرایا ہو؟

الجواب فقہائے حنفیہ نے پانچویں شادی کا تذکرہ کتاب الحدود میں زنا کی صورتیں ذکر کرتے ہوئے کیا ہے جس سے مسئلہ ہذا میں فیصلہ کی بات سامنے آجاتی ہے چنانچہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ حضرات فقہا نے باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ میں تین قسم کے شبہات کا ذکر فرمایا ہے۔

ا۔ شبہ فی الفعل جسے شبہ اشتباہ بھی کہا جاتا ہے ۲۔ شبہ فی المحل جسے شبہ حکمیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ۳۔ شبہ فی العقد۔ ان شبہات ثلٰث کو تمام مصنفین مثلاً قاضی خان صاحب فتاویٰ عالمگیری صاحب درمختار صاحب کنز الدقائق وغیرہ نے بیان فرمایا ہے نیز

ان عورتوں کی الگ الگ فہرست بھی دی ہے جن سے نکاح کے بعد مجامعت کرنے میں حلت کا کوئی شبہ پایا جاتا ہے اور اس امر کی وضاحت بھی بالاتفاق تمام فقہاء نے کر دی ہے کہ جن عورتوں کے بارے میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے اگر کسی شخص نے ان سے مجامعت کر لی اور اس سے اولاد پیدا ہوئی تو اس کی اولاد کا نسب مجامعت کنندہ سے ثابت ہو جائے گا۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

(۱) والشبهة ما يشبه الثابت وليس بثابت وهي انواع شبهة في الفعل وتسمى شبهة اشتباه وشبهة في المحل وتسمى شبهة حكمية فالحد يسقط بالنوعين والنسب يثبت في الثاني ان ادعى الولد ولا يثبت في الاول وان ادعاه ... وشبهة في العقد (عالمگیری ص ۱۴۷ ج ۲)

صاحب تنویر الابصار لکھتے ہیں۔

(۲) الشبهة ثلاثة انواع شبهة حكمية في المحل وشبهة اشتباه في الفعل وشبهة في العقد (در مختار ص ۱۵۵ ج ۳ شامی)

ان شبہات کی تفصیل کرنے کے بعد حکم بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۳) ان ادعى النسب يثبت في الاولى شبهة في المحل لا في الثانية اي شبهة الفعل (تنویر مع الدر ص ۱۵۵ ج ۳)

(۴) کنز الدقائق میں ہے۔ لا حد بشبهة المحل ... وشبهة في الفعل وان ظن حله ... والنسب يثبت في الاول فقط (اي يثبت النسب في شبهة المحل بالدعوة الخ كنز مع بحر الرائق ج ۵)

دیگر حوالہ جات بھی اس سلسلہ میں بہت ہیں لیکن بنظر اختصار انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے حوالہ جات بالا سے یہ امر بالکل عیاں ہو گیا کہ جن عورتوں کے بارے میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے ان سے پیدا شدہ بچہ صحیح النسب تصور ہو گا اور مجامعت کنندہ سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اب قابل تحقیق یہ امر باقی ہے کہ چاروں بیویوں کی موجودگی میں پانچویں عورت کے بارے میں کونسا شبہ پایا جاتا ہے اسی بحث سے فقہاء حضرات کی تصریح مل گئی ہے کہ ایسی صورت میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ایسی عورتوں کی

فہرست دیتے ہوئے لکھتے ہیں والشبهة فی المحل فی وطی امة ولده وولد ولده ومعتدة فی الکنایات… چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں وکذا لو تزوج خمساً فی عقد واحد او تزوج الخامسة فی نکاح الاربع او تزوج باخت امرأته او بامها فجامعها وقال علمت انها علی حرام او تزوجها متعة لایجب الحد فی هذه الوجوه وان قال علمت انها علی حرام ص۲؎۔ قاضی خان میں بھی ایسی عورتوں کی فہرست دی گئی ہے جن میں پانچویں شادی کا تذکرہ بھی ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں لایجب الحد عند ابی حنیفة فی هذه الوجوه اس کے بعد لکھا ہے۔ وان قال علمت انها علی حرام ص۸۲۱ ج۲؎

ظاہر ہے واضح ہے کہ جن عورتوں میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے انسے مجامعت کنندہ اگر یہ اقرار بھی کرے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ عورت مجھ پر حرام ہے اسکے باوجود میں نے مجامعت کی ہے تو بھی اسپر حد نہیں لگے گی چنانچہ عبارت نمبر۲ سے ظاہر ہے اور دیگر تمام کتابوں میں بھی مصرح ہے۔ بخلاف شبہ فی الفعل کہ اگر ان عورتوں کے بارے میں یہی اقرار کرے تو حد ساقط نہیں ہوتی بلکہ حد زنا اسپر جاری کی جاتی ہے چنانچہ درمختار میں ہے۔ ان حد بشبهة فی الفعل…

ان ظن حله. قال الشامی فنفی الحد هنا مشروط بظن الحل بخلاف ما مر درمختار مع الشامی ج۳ ص۱۵۶، ۱۵۵ پس اسی تنبیہ کے پیش نظر عالمگیری اور قاضی خان کی عبارت میں جملہ "وان قال علمت" کے اضافہ نے یہ بات بالکل صاف کردی کہ مذکورۃ الصدر عورتوں (جن میں پانچویں شادی والی عورت بھی ہے) میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے ورنہ اقرار کے باوجود سقوط حد کا حکم نہ کیا جاتا۔

الحاصل تفصیل بالا سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ جس نے چار عورتوں کی موجودگی میں پانچویں عورت سے شادی کی تو اس سے مجامعت کی صورت میں شبہ فی المحل کا تحقق ہو گیا ہے اور ہر ایسی عورت جس کے بارے میں ایسا شبہ پایا جائے مجامعت کنندہ خاوند سے اسکی اولاد کا نسب ثابت ہو جاتا ہے پس اس تحقیق کے پیش نظر صورت مسئولہ میں بھی یہی حکم کیا جائے گا کہ مسئولہ پانچویں بیوی سے پیدا شدہ اولاد خاوند کی صحیح النسب اور جائز اولاد ہے اور ثبوت نسب کے بعد میراث سے محرومی یا عدم استحقاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ میراث کا مدار ثبوت پر

ہے کہ نسب کسی بھی طریق سے ثابت ہو لیکن گو اس کا نسب غیر مشروع اور ناجائز ہو چنانچہ علامہ شامی علامہ مقدسی سے نقل فرماتے ہیں ۔ لان النسب یستحق به المیراث ولو کان بسبب محظور کما فی النکاح الفاسد والوطء بشبهة ۔ شامی ص۵۲۶ ج۵)

۲۔ علاوہ ازیں قانون میراث کا یہ ایک مستقل اصول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے بچہ کے متعلق بصحت ہوش وحواس یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بچہ ہے اور اس کا نسب کسی دوسرے شخص سے ثابت نہ ہو تو یہ بچہ شخص مذکور کا بیٹا قرار دیا جائے گا دیگر جائز اولاد کے ساتھ یہ بچہ بھی مستحق میراث قرار پاتا ہے قال فی الشریفیة ما نصه اما الاول فلان اقراره بمجهول النسب بنسبه منه اذا لم یتضمن تحمیل النسب علی غیره واشتمل علی شرائط معتبرة اوجب ثبوت نسبه منه وانتقض بما ذکره من الوراثة النسبية کان یقر له بانه ابنه وفی الحاشیة کما اذا قال انه ابنه فیثبت بنوته منه ویکون وارثاً فی العصبات انتہی وفی حاشیة السراجیة عن انوار السراج یشارک الورثة فی المیراث ۔ پس اسی ضابطہ کی بناء پر پانچویں بیوی کی اولاد مستحق میراث ہے جبکہ ناگی نے اسی بیوی کی اولاد کو اپنی اولاد ہونا ظاہر کیا ہو اور اسی سوال سے ظاہر ہے کہ ناگی نے اس بچہ کا اندراج اپنی ولدیت کے ساتھ کمیٹی کے کاغذات میں کرا دیا تھا۔

الحاصل پہلی دلیل کی بناء پر بھی اور مؤخر الذکر ضابطہ کے تحت بھی مسئول عنہا پانچویں بیوی کی اولاد صحیح النسب اولاد ہے اور مستحق میراث ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱۴ / ۱۰ / ۹۳ ھ

الجواب صحیح
عبداللہ عفا اللہ عنہ
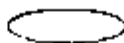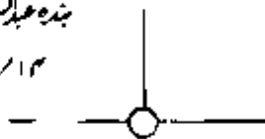
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ:

حق جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ کے مقتضاء کے مطابق ہر نوع میں زوجین پیدا فرمائے۔ وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (الذاریات آیت نمبر ۴۹) نباتات کے علاوہ حیوانات میں بھی نر اور مادہ کے ذریعے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری فرمایا اور ہر نوع کی افزائش نسل اور بقاء نشوونما کے مختلف اسباب رکھے۔

بنی نوع انسان کو تمام کائنات پر فضیلت و شرافت سے نوازا گیا۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ○ (بنی اسرائیل' آیت ۷۰) دیگر حیوانات میں سلسلہ توالد و تناسل محض نفسانی خواہش اور اس کی تحریک کے تابع ہوتا ہے' جب کہ انسان کو نعمت نکاح سے امتیاز بخشا گیا۔ چنانچہ نکاح و ازدواج ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسے دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ نکاح کے ذریعے خاندانی نظام کی پہلی اکائی وجود میں آتی ہے جس کے بعد نسبی و صہری رشتوں کے جدا جدا حلقے قائم ہو کر پھیلتے چلے جاتے ہیں اور انسانی معاشرہ محبت و اخوت' شفقت و ہمدردی کے جذبات سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ یہ حق جل شانہ کا عظیم احسان ہے جسے قرآن نے پیرایہ میں ارشاد فرمایا کہ: "وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِھْرًا وَکَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا ○" (الفرقان' آیت ۵۴) پھر ہر ایک کے لئے مختلف حدود و حقوق اور احکامات دیئے گئے۔ جبکہ حیوانات اس شرافت و کرامت' حدود و حقوق و احکامات سے یکسر محروم ہیں۔ نہ نکاح کی حاجت' نہ نسبی و سسرالی رشتوں کا احترام و تحفظ۔ ان میں

جوڑ محض شہوانی تحریک کی حد تک ہوتا ہے۔ قضائے شہوت کے بعد ان میں کوئی قانونی، اخلاقی رشتہ باقی نہیں رہتا جس پر احکام کا ترتب ہو۔ لیکن چونکہ بچوں کی پرورش ماں کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اس لئے خالق کائنات نے ماں کے دل میں بچوں کی پرورش کا بے لوث، ناقابل شکست، قوی و فطری جذبہ ودیعت فرما دیا تاکہ بچے ضائع نہ ہوں۔ مرغی انڈوں پر بیٹھنے سے لے کر چوزوں کے مستغنی ہونے تک ان کی خدمت پر مامور ہے۔ بڑے ہونے کے بعد نہ ماں ماں ہے نہ بچے بچے ہیں۔ اور وہ ماں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھتے ہیں جو کہ دیگر افراد نوع اس کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہ کتے، بلے، گائے، گدھے وغیرہ جانوروں کی حیوانی معاشرت ہے۔ جبکہ انسانی معاشرت اپنی شرافت و کرامت کے سبب اس سے یکسر مختلف ہے۔ جو نکاح، رشتوں کے تحفظ و احترام اور ان کے خصوصی و امتیازی احکامات پر مبنی ہے۔

یورپ اپنی شہوت پرستی کے جنون میں انسانیت کی فطری حدود کو توڑ کر حیوانیت کے قعر مذلت میں گر چکا ہے۔ خانگی امن و سکون اور نظام عصمت و عفت کی تباہی، کنواری ماؤں کی شرح میں سال بہ سال اضافہ کا ہونا اسی کا نتیجہ ہے۔

(۱) امریکہ میں ہر سال دس لاکھ لڑکیاں ماں بن جاتی ہیں۔ ان امریکی لڑکیوں میں کچھ فیصد کنواری ہوتی ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں پچاس فیصد ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ امریکہ میں شادی کے بغیر میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے والوں کی تعداد ایک کروڑ تیس لاکھ ہو گئی۔ (نوائے وقت ص ۶، ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۱ء)

اسلام انسانیت کی صلاح و فلاح کے لئے جامع مذہب ہے۔ اس میں انسان کی پیدائش سے لے کر وفات تک پیش آنے والے حالات کے احکامات دے کر رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات، مناکحات ہوں یا عقوبات، ترکات ہوں یا مواریث، ملکی امور ہوں یا خارجی، حقوق العباد ہوں یا حقوق اللہ، سب کے بارے میں مفصل احکام دیئے گئے ہیں۔

پھر نوع انسانی دو قسم کے افراد پر مشتمل ہے ۔ مرد و عورت

اسباب کے درجے میں بقائے نوع کی ذمہ داری ان دونوں قسم کے افراد پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ بقائے نوع کے لئے دو امر ضروری ہیں : (۱) نئے انسانی افراد کی ایجاد و پیدائش' اور (۲) موجودہ انسانی افراد کی بقا و نشوونما کا انتظام۔ اگر امر اول مفقود ہو جائے تو ظاہر ہے کہ موجودہ افراد فنا کی زد میں ہیں۔ ایک روز آئے گا کہ سب ختم ہو کر نوع انسانی سے یہ زمین خالی ہو جائے گی۔ اور اگر انسانوں کی پرورش' کھانے پینے وغیرہ کا کوئی انتظام نہ ہو تو بھی نوع انسانی باقی نہیں رہ سکتی۔ بہرحال بقائے نوع کے لئے ہر دو امور بالا کا پایا جانا ضروری ہے۔ خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت فطری طور پر ان ہر دو امور کو مرد و عورت پر تقسیم فرما دیا ہے۔ امر اول کی تمام تر ذمہ داری خلقی اور فطری طور پر عورت کے ذمہ ڈال دی گئی۔ جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل یا وارہ بندی نہیں ہو سکتی۔ اور امر ثانی کی ذمہ داری مرد کے کندھوں پر لاد دی گئی کہ وہ خود اپنی روزی و معاش کا بھی فکر کرے اور عورت اور اس سے پیدا ہونے والے افراد انسانیہ کے تمام تر نان و نفقہ' لباس و مکان' غذا و دوا وغیرہ کا انتظام بھی کرے' تاوقتیکہ وہ خود کفالت کی عمر کو نہ پہنچ جائیں۔ اسی فارمولے کے تقاضا کے مطابق عورت کو پرورش اولاد اور امور خانہ داری کی منتظمہ اور ملکہ بنا کر گھر میں بٹھا دیا گیا۔ اور مرد کو کسب معاش کے لئے شب و روز محنت کرنے' لمبے لمبے سفروں کی صعوبتیں جھیلنے' زراعت' تجارت' ملازمت کی مشقتیں برداشت کرنے کے لئے متعین کر دیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی فطری اور نہایت معتدل و موزوں تقسیم ہے۔

یورپ عورت کو آزادی و مساوات کے سبز باغ دکھا کر اس پر ظلم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس کی فطری و خلقی ذمہ داری بالکلیہ اس کے ذمے رکھتے ہوئے (کیونکہ اس میں کوئی تقسیم یا وارہ بندی ممکن نہیں کہ ایک مرتبہ عورت بچہ جن لیا کرے اور دوسری مرتبہ یہ کام مرد کر لیا کرے) اسے بھی کسب معاش کے لئے بازار میں' فیکٹریوں میں' ریستورانوں میں' دفتروں میں---- اور نمائش گاہوں میں بھی کھینچ لایا ہے۔ اب یہ

صرف خاوند ہی کے لئے محبت و مودت کی روانی نہیں بلکہ اب اسے شہوت پرستوں کی ہوس ناکیوں کا نشانہ بھی بننا پڑتا ہے۔ اب اسے نت نئے گاہکوں کی تلاش ہے جو کسی اچھے ہوٹل میں اس کے ساتھ شب باشی کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں' خانگی امن و سکون کا نام و نشان نہیں۔ عصمت کا دامن تار تار ہو چکا ہے اور طلاقوں کی بھرمار ہے۔ لاکھوں لاکھ غیر شادی شدہ جوڑے گناہ کی زندگی گزار رہے ہیں جنہیں ہر طرح کا قانونی تحفظ حاصل ہے۔ یہ سب حیوانی معاشرہ میں حیوانی زندگی گزار رہے ہیں اور ثم رددناہ اسفل سافلین (التین آیت ۵) کا مصداق بن رہے ہیں۔

اسلام انسانیت کو عصمت و عفت پر مبنی ایک پاکیزہ نظام معاشرت دیتا ہے۔ اور نکاح کے مقدس رشتے کی ضرورت و اہمیت واضح کرتے ہوئے فریقین کو باہمی حقوق کی ادائیگی کا پابند بناتے ہوئے اس رشتہ کو مضبوط اور دیرپا بنانے پر زور دیتا ہے۔ ایسے ہی معاشرہ کو فحاشی کی گندگی سے پاک رکھنے کے لئے نکاح کو عام کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ "وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم۔ (النور آیت ۱۸): گر آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ ہو تو باندیوں سے ہی نکاح کر لیا جائے۔ "ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المومنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات۔" (نساء آیت ۲۵) اس سے نکاح کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ نیز بیوی کو خوش دلی سے خاوند کی اطاعت کرنے کی ترغیب دی گئی۔ حدیث میں آتا ہے کہ: "قیل لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای النساء خیر قال التی تسرہٗ اذا نظر وتطیعہٗ اذا امر ولا تخالفہ فی نفسہا ولا مالہا بما یکرہ۔" (مشکوٰۃ ص ۲۸۳ ج ۲) اسی طرح مردوں کو حکم دیا گیا کہ عورتوں کے حقوق کا خصوصیت سے خیال رکھیں۔ ورنہ قیامت کے دن مدعی خود اللہ تعالیٰ ہوں گے۔ "عن حکیم بن معاویۃ القشیری عن ابیہ قال قلت یا رسول اللّٰہ ما حق زوجۃ احدنا

علیہ قال ان تطعمھا اذا طعمت۔ وتکسوھا اذا اکتسیت ولا تضرب الوجہ ولا تقبح ولا تھجر الا فی البیت (مشکوۃ ص ۲۸۱ ج ۲) وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا وخیارکم خیارکم لنسائھم۔" (ص ۲۸۲ ج ۲) دوسری جگہ فرمایا کہ عورتوں کو معلق کر کے نہ رکھو کہ نہ تو ان کے حقوق ادا کرو اور نہ انہیں طلاق دے کر فارغ کرو۔ "فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ۔ (نساء آیت ۱۲۹) پھر اس مقدس رشتہ نکاح کو باقی رکھنے کی ترغیب دی گئی۔ اسباب تفریق کو ختم کرنے کی بھی ہدایات جاری کی گئیں' لیکن مع ہذا بعض حالات میں زوجین کے مابین علیحدگی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اسلام نے بہترین طریقے پر طلاق کی بھی اجازت دی ہے۔

طلاق کی اہمیت اور مسائل طلاق سے لاپرواہی :

دین کے دوسرے کاموں میں جیسے آجکل سستی ہو رہی ہے اور انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی' اسی طرح طلاق کے بارے میں ہمارے معاشرے کے اندر شعوری یا غیر شعوری طور پر بہت سی غلطیاں کی جاتی ہیں۔ عوام کی طرف سے یہ کوتاہی کی جاتی ہے کہ نکاح اور شادی کی تقریبات بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہیں' لیکن نکاح و طلاق کے مسائل کا اجمالی تعارف بھی نہیں ہوتا اور نہ انہیں سیکھنے سکھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے' حالانکہ ضروری مسائل کا سیکھنا فرض ہے اور بہت بڑی فضیلت کا حامل ہے۔

حضرت علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : لان اغدو الی قوم اسألھم عن اوامر اللہ تعالٰی او یسألونی احب الی من ان احمل علی مائۃ فرس فی سبیل اللہ (تنبیہ الغافلین) یعنی صبح کے وقت میں لوگوں کے پاس جاؤں اور ان سے اللہ تعالٰی کے احکام کے بارے میں سوال کروں یا وہ مجھ سے سوال کریں۔ یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ سو گھوڑے اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے دوں۔

شادی ہو جانے کے بعد کبھی طلاق کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ مسائل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے عموماً تین طلاقیں ہی دی جاتی ہیں اور پھر غلط بیانی کر کے غلط فتوے حاصل کئے جاتے ہیں۔ نتیجتاً عمر بھر کے لئے حرام کاری میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک معزز خاندان میں طلاق کا واقعہ پیش آیا۔ لڑکی کے والد دین دار تھے۔ مفتیان کرام سے مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے طلاق کا فیصلہ فرمایا۔ خاندان میں بات چلی کہ لڑکی کو تین طلاقیں ہو گئی ہیں۔ اب یہ تجدید نکاح کر کے بھی خاوند کے گھر آباد نہیں ہو سکتی۔ اس فیملی کے اکثر لوگ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں۔ اکثر نے ان میں سے کہا کہ اس طرح کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ہم تو اس طرح روزانہ کہتے رہتے ہیں۔ گویا کہ پورا خاندان اس گناہ میں مبتلا ہے۔ اور ایک صاحب کہنے لگے کہ اس لڑکی کو بھیج دو گناہ کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ کبھی اس قسم کی بات برادری کی طرف سے کہی جاتی ہے۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ اللہ جل جلالہ کی حرام کردہ چیزوں کو کوئی برادری، کوئی فرد، کوئی عدالت یا کوئی پارلیمنٹ حلال نہیں کر سکتی۔

اور خواص کی طرف سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ خطبات جمعہ میں، اپنے مواعظ میں، بیانات میں اور تقریر و تحریر میں طلاق کا مسئلہ شدید ضرورت کے باوجود بھی بیان نہیں کیا جاتا۔ عوام خود تو ان مسائل کے سیکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر علماء کی طرف سے بھی اس کی تبلیغ وسعی نہ کی گئی تو ان مسائل کا علم آخر کیسے ہوگا؟ اسی وجہ سے عوام میں بلکہ دین دار گھرانوں تک میں تین طلاق کے واقعات پیش آنے کے باوجود بھی انہیں ہضم کر لیا جاتا ہے اور شرعی احکام پر عمل درآمد نہیں ہو پاتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ طلاق کے مسائل کی تقریر و تحریر کے ذریعہ سے اشاعت کی جائے۔

طلاق کے اہم مسائل

طلاق کی تعریف :

نکاح کی قید کو مخصوص لفظ کے ذریعہ حالاً یا مآلاً ختم کرنا۔ (در مختار علی ہامش رد المحتار ص ۴۲۹، ج ۲)

طلاق کے ارکان :

مخصوص الفاظ جو استثناء سے خالی ہوں۔ (در مختار علی ہامش رد المحتار ص ۴۵۳، ج ۲)

طلاق کا حکم :

طلاق رجعی میں عدت کے بعد اور اس کے علاوہ (یعنی رجعی کے علاوہ) میں بغیر عدت کے جدائی کا واقع ہونا۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۳۴۸، ج ۱)

طلاق کی صفت :

اصل میں تو یہ ممنوع ہے، لیکن ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔ (ایضاً ص ۳۴۸، ج ۱) اور اگر عورت ضرر رساں ہے یا تارک صلاۃ ہے تو اسے طلاق دینا مستحب ہے۔ (در مختار علی ہامش رد المحتار)

شرائط طلاق :

خاوند کا عاقل بالغ ہونا (فتاویٰ ہندیہ ص ۳۵۳، ج ۱) اسی لئے مجنون اور نابالغ کی طلاق شرعاً معتبر نہیں۔ نہ وہ خود طلاق دے سکتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف سے اس کا باپ یا ولی طلاق دے سکتا ہے۔ یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغاً عاقلاً سواء کان حراً او عبداً (ایضاً)۔ ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون (ہندیہ ص ۳۵۳، ج ۱) وکذا لا تصح من غیرہ کابیہ ووصیہ

والقاضی للضرر۔ (ردالمحتار ص۱۲۱' ج۵)

البتہ اگر خاوند خطرناک مجنون ہے یا متعنت یا مفقود الخبر ہے تو شرعی ضوابط کے مطابق عدالت عورت کو آزاد کرسکتی ہے۔ قال محمدؒ ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان الجنون مطبقا فهو کالجب وبه ناخذ کذا فی الحاوی القدسی۔ (عالمگیری ص۵۲۶' ج۱) وقد قال فی البزازیة الفتوی فی زماننا علی قول مالك وقال الزاهدی کان بعض اصحابنا یفتون به للضرورة (ردالمحتار ص۳۳۲' ج۳)۔ اختیار طلاق مرد کو ہے۔ طلاق دینا مرد کا حق ہے۔ عورت یا عدالت کو عام حالات میں طلاق دینے کے اختیارات حاصل نہیں۔ قرآن و سنت میں فعل طلاق کو صرف مرد کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یاایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن (الطلاق آیت نمبر۱) اور فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره۔ اور حدیث میں ہے کہ الطلاق لمن اخذ بالساق (ابن ماجہ ص۱۵۲' ج۲) قرآن و سنت میں عورتوں کو مطلقہ قرار دیا گیا ہے نہ کہ طلاق دہندہ۔ "والمطلقات یتربصن۔" (بقرہ' آیت ۲۲۸)

یہ اختصاص بڑے مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہے۔ عدالتی طلاق میں مفاسد ہیں اور اس کے لئے بڑے مصرف کی حاجت ہوتی ہے۔ اور ضیاع وقت اور کچہریوں کے دھکے اور تذلیل الگ رہی۔ عورت کی طرف سے قبول طلاق ضروری نہیں۔ مرد کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ خواہ اسے عورت قبول کرے یا نہ کرے۔ طلاق نامہ وصول کیا جائے یا واپس کردیا جائے۔ ثم المرسومة لا تخلوا اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الکتابة۔ کذا فی الخلاصة۔ (ردالمحتار ص۲۴۵' ج۲)

زبانی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے :

جیسے تحریری طلاق نامے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے' بہت سے جہلاء تحریری طلاق کو ہی طلاق سمجھتے ہیں۔ اور زبانی طلاق کو طلاق تصور نہیں کرتے۔ حالانکہ اصل طلاق زبانی ہی ہے۔ تحریری طلاق زبانی طلاق کے قائم مقام ہے۔ کما قال الشامی۔ "لان رکن الطلاق اللفظ او مایقوم مقامہ" (ردالمحتار ص ۴۶۵' ج ۲) غصے اور زبردستی کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ غصے یا کسی کے ڈرانے دھمکانے سے زبانی طلاق دے دی تو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ عام لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم نے غصے میں طلاق دی ہے' لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہونا چاہیے۔ حالانکہ طلاق عموماً غصے میں ہی دی جاتی ہے۔ خوشی میں کون طلاق دیتا ہے۔ یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلاً سواء کان حرا او عبدا طائعا او مکرھا۔ (ہندیہ ص ۳۵۳' ج ۱) ویقع طلاق من غضب۔ (ردالمحتار ص ۴۶۳' ج ۲)

کتابت طلاق کرہاً معتبر نہیں :

اگر زبان سے کچھ نہیں کہا' قتل یا اتلاف عضو کی دھمکی دے کر طلاق نامہ لکھوا لیا گیا تو بعض حالات میں یہ تحریری طلاق نامہ شرعاً معتبر نہ ہو گا۔ "فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا کذا فی الخانیۃ۔" (ردالمحتار ص ۴۵۷' ج ۲)

طلاق نامہ لکھ کر پھاڑنے کا حکم :

طلاق نامہ لکھ کر اگر پھاڑ دیا تب بھی ویسے ہی طلاق واقع ہو جائے گی جیسے طلاق لکھی گئی تھی۔ "ثم المرسومۃ لا تخلوا اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب ھذا یقع الطلاق وتلزمھا العدۃ من

وقت الکتابۃ کذا فی الخلاصۃ۔" (ردالمحتار ص ۳۹۵' ج ۲)

ہنسی مذاق کی طلاق بھی معتبر ہے :

بعض واقعات میں خاوند کہتا ہے کہ میں نے بطور ہنسی و مذاق کے طلاق دی تھی۔ یاد رہے کہ طلاق قصداً دی جائے یا ہنسی مذاق میں دی جائے' دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے : "ثلث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ (مشکوۃ ص ۲۸۴' ج ۲) و طلاق اللاعب والھازل بہ واقع۔" (ہندیہ ص ۳۵۳' ج ۱)

ڈرامے کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے :

واضح رہے کہ ڈرامے کی طلاق بھی شرعاً واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ طلاق ہزل ہے اور ہازل کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ہزل کی حقیقت یہی ہے کہ الفاظ طلاق کا تلفظ کیا جائے اور اس کے حکم (یعنی وقوع طلاق) کا ارادہ نہ ہو۔ "او ھازلاً لا یقصد حقیقۃ کلامہ۔" (الدر المختار علی حاشیہ ردالمحتار ص ۲۱۵' ج ۱)

طلاق کا حکم :

طلاق کا عمل حدیث پاک کی رو سے ابغض المباحات ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق۔" (ابوداؤد شریف ص ۲۹۶' ج ۱)

کیونکہ عقد نکاح بہت سے دینی و دنیاوی مصالح کو متضمن ہوتا ہے' مثلاً بقائے نسل انسانی' نظام عصمت و عفت کا قیام' نیز نسبی و سسری رشتوں کے ذریعے باہمی اخوت و محبت کا قیام وغیرہ۔ اور طلاق سے چونکہ ان مصالح کی نفی ہو جاتی ہے' اس لئے اصولی طور پر اسے محظور و ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

شیطانی قوتیں طلاق سے خوش ہوتی ہیں۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ شیطان

اعظم پانی پر اپنا دربار لگا کر شیاطین کی کارکردگی سنتا ہے۔ اور اس شیطان سے بہت خوش ہوتا ہے جو یہ بتائے کہ میں نے میاں بیوی میں تفریق کرا دی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸ ج ۱) خوشی کی وجہ ظاہر ہے کہ اس شیطان نے دو انسانوں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان عداوت کے بیج بو دیئے ہیں جو بہت سے چھوٹے بڑے گناہوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ اس لئے ہدایت فرمائی گئی کہ عورتوں کی معمولی کج خلقی برداشت کرلینی چاہئے' کیونکہ عورت کی تخلیق ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے۔ اگر اسے سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ بیٹھو گے۔ (مسلم شریف ص ۴۷۵' ج ۱)

غرضیکہ اس مقدس رشتہ نکاح کو باقی رکھنے کی ترغیب دی گئی اور اسباب تفریق کو ختم کرنے کی بھی ہدایات جاری کی گئیں' تاہم بعض اوقات خانگی حالات ایسی نازک صورت اختیار کرلیتے ہیں جن میں امساک بالمعروف فوت ہو جاتا ہے اور زوجین کے درمیان ادائے حقوق اور محبت کی فضاء قائم نہیں رہ سکتی۔ تو ایسے حالات میں زوجین کا بذریعہ طلاق علیحدگی اختیار کرلینا ہی ان کے دین و دنیا کے اعتبار سے مصلحت مند و مفید ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اسلام نے بہترین طریقے پر طلاق کی بھی اجازت دی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر کام اچھی طرح سے کرو۔ یہاں تک کہ اگر جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کے لئے بھی تیز چھری استعمال کرو تاکہ اسے غیر ضروری تکلیف سے بچایا جا سکے۔ ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء واذا ذبحتم فاحسنوا الذبحۃ۔ (نسائی ص ۱۸۳' ج ۲) اسی طرح اگر بیوی کو آباد کیا جائے تو اعزاز و اکرام اور ادائے حقوق کے ساتھ آباد کیا جائے اور اگر چھوڑنے کی نوبت آئے تو بھی احسان کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔ فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ (البقرۃ' آیت ۲۲۹)

طلاق دینے کے طریقے

اسلام میں طلاق دینے کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) احسن ' (۲) حسن ' اور (۳) بدعی۔ ان میں یہ امر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ طلاق کا کم از کم استعمال ہو ' اور مطلقہ کی عدت لمبی ہونے کا احتمال نہ ہو ' تاکہ اسے انتظار نکاح میں طویل مدت نہ گزارنی پڑے۔

طلاق احسن :

یہ ہے کہ ایسے طہر میں جو مجامعت سے خالی ہو ' ایک طلاق رجعی دے کر چھوڑ دیا جائے۔ (ردالمحتار ص ۴۵۳ ' ج ۲)

طلاق حسن :

یہ ہے کہ غیر مدخولہ کو ایک طلاق دینا یا مدخولہ کو تین طلاقیں ایسے تین طہروں میں جدا جدا کرکے دینا جن میں مجامعت نہ کی ہو۔ (ردالمحتار ص ۴۵۳ ' ج ۲)

طلاق بدعی :

یہ ہے کہ ایک طہر میں یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا ' یا حیض میں طلاق دینا ' یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مجامعت ہو چکی ہو۔ (ردالمحتار ص ۴۵۳ ' ج ۲) پہلی دو قسم کی طلاقوں کے وقوع کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ ایک طہر میں یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے بارے میں معمولی نوعیت کا اختلاف ہے۔ واضح رہے کہ حضرات فقہاء کرام کے فیصلے کے مطابق درحقیقت یہ اختلاف نہیں ہے ' محض خلاف ہے جس سے مسئلے کے اجماعی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (بحرالرائق ص ۲۵۷ ' ج ۳)

قرآن پاک ' احادیث مبارکہ ' آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ' اجماع امت اور ائمہ مجتہدین کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ مدخول بہا پر ایک مجلس

کی دی ہوئی تین طلاقیں اکٹھی ہوں یا جدا جدا تین ہی واقع ہوں گی۔ لیکن اس کے بر خلاف غیر مقلدین کا قول یہ ہے کہ ایک طہر میں تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق واقع ہوگی' خواہ کلمہ واحدہ سے ہو یا کلمات متفرقہ سے' مجلس ایک ہو یا مختلف مجالس میں دی گئی ہوں' بلکہ دوران طہر اگر ہر روز سو طلاقیں بھی دیتا رہے تو بھی ایک طلاق ہی ہوگی۔ (دوسری طلاق کا وقوع دوسرے طہر سے پہلے ناممکن ہے) اس حساب سے ماہوار تین ہزار طلاقیں بنتی ہیں۔ اگر مطلقہ مستدۃ الطہر ہو تو پھر اس سے بھی بڑھ جائیں گی۔

زمانہ جاہلیت میں طلاق کا حق محدود نہ تھا۔ سو طلاق کے بعد بھی حق رجعت باقی رہتا تھا۔ اس میں عورت کی تذلیل وایذا رسانی ظاہر ہے کہ روز طلاقیں مل رہی ہیں' لیکن اس ظالم سے جان چھوٹنے کی کوئی سبیل نہیں۔ لیکن غیر مقلدین کا یہ مسئلہ زمانہ جاہلیت کی طلاقوں سے بھی زیادہ رسوا کن ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت کی تو سو طلاقوں کا ذکر آتا ہے اور اسے ظلم قرار دیا گیا مگر غیر مقلدین کے نزدیک اس کی کوئی تحدید ہی نہیں۔ ایک طہر میں ہزار' دو ہزار جتنی چاہیں طلاقیں دی جائیں' مظلوم عورت کی جان نہیں چھوٹ سکتی' فیاللعجب۔

آج کل ابتلائے عام کی وجہ سے یہ مسئلہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہم قرآن مجید اور احادیث مبارکہ' آثار صحابہ' اور اجماع امت' نیز عقلی دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک مجلس میں دی جائیں یا ایک طہر کی مختلف مجالس میں' وہ تین ہی واقع ہوتی ہیں نہ کہ ایک۔ واللہ الموفق والمعین۔

قرآن مجید میں طلاق کے احکام

(۱) فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره۔ (الآیہ) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ عام ازیں کہ مختلف مجلسوں میں دی ہوں یا ایک ہی مجلس میں دی ہوں' ایک طہر میں ہوں یا کئی طہروں میں۔ چنانچہ امام ابوبکر رازی اپنی کتاب احکام القرآن میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: فحكم بتحريمها عليه بالثالثة بعد الاثنين ولم يفرق بين ايقاعهما في طهر واحد او في اطهار فوجب الحكم بايقاع الجميع على اي وجه اوقعه من مسنون او غير مسنون ومباح او محظور وقال هذه الاية تدل على وقوع الثلاث معا مع كونه منهيا عنها۔ (احکام القرآن ص۳۸۶٬۳۸۷ ج۱) محلی ابن حزم میں ہے کہ فهذا يقع على الثلاث مجموعة ومفرقة ولا يجوز ان يخص بهذه الاية بعض ذالك دون بعض بغير نص۔ (محلی ابن حزم ص۱۷۰ ج۱۰)

(۲) يا ايها النبي اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن الى قوله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدري لعل الله يحدث بعد ذالك امرا (الطلاق آیت نمبر۱)

اس آیت مبارکہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک کرکے تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں تاکہ ایک طلاق دینے کے بعد اگر ندامت ہو تو اس کی تلافی ہو سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں اور جو ان سے تجاوز کرے گا فقد ظلم نفسہ۔ یعنی جو تین طلاقیں اکٹھی دے گا تو یہ اپنے نفس پر ظلم کرے گا' کیوں کہ پھر اگر اسے ندامت ہوئی تو یہ رجوع نہیں کر سکے گا اور تلافی ناممکن ہوگی۔ پس اگر تین طلاقیں دینے سے ایک ہی واقع ہوتی تو اس کی تلافی بھی ممکن ہوتی اور اس

کو ظلم نہ فرمایا جاتا۔

اور اگر تین طلاقیں بلفظ واحد دینے سے ایک ہی ہو تو پھر آیت مبارکہ میں اس تقویٰ سے کون سی صورت مراد ہوگی جس کو اختیار کرنے والے کے لئے "مخرج اور آسانی" کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور پھر تین طلاق دے کر اور آیت مذکورہ کی خلاف ورزی کرکے اپنی جان پر ظلم کرنے والے اور اللہ کی حدود کو توڑنے والے کی سزا کیا ہوگی؟ اس لئے کہ جو آدمی ایسا قول منکر کہے جس کا اثر اس پر مرتب نہ ہو اس پر شارع نے اس کی سزا مقرر کی ہے جیسے جملہ ظہار کہنے والے پر "کفارۂ ظہار" کی سزا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دینے والے کو اس کی طلاقیں نافذ کرکے سزا دی گئی ہے۔ اور اس کے لئے مخرج نہیں۔ بسبب اس کے حدود سے تجاوز کرنے کے، واللہ اعلم۔ اگر ایک ہی مان لیں تو نہ تقوے اور مخرج والی صورت نکلتی ہے اور نہ ہی اس ظالم کی سزا۔ چنانچہ جمہور علماء نے اسی آیت سے طلاق ثلثہ فی مجلس واحد کے وقوع پر استدلال کیا ہے۔ "واحتج الجمہور بقولہ تعالیٰ ومن یتعد حدود اللّٰہ فقد ظلم نفسہ۔ لا تدری لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امراً۔ قالوا معناہ ان المطلق قد یحدث لہ ندم فلا یمکنہ تدارکہ لوقوع البینونۃ فلو کانت الثلاث لم تقع لم یقع طلاقہ ھذا الا رجعیاً فلا یندم (نووی علی مسلم ص ۴۷۸ ج ۱)"

اور امام رازی فرماتے ہیں کہ "فلولا انہ اذا طلق لغیر العدۃ وقع ما کان ظالماً لنفسہ بایقاعہ ولا کان ظالماً لنفسہ بطلاقہ وفی ھذہ الآیۃ دلالۃ علی وقوعہا اذا طلق لغیر العدۃ ویدل علیہ قولہ تعالیٰ فی نسق الخطاب ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجاً واللّٰہ اعلم انہ اذا اوقع الطلاق علی ما امرہ اللّٰہ کان لہ مخرجاً مما اوقع ان لحقہ ندم وھو الرجعۃ وعلی ھذا المعنی تاولہ ابن عباس"۔

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : لو ان الناس طلقوا نساء ھم کما اُمروا لما فارق الرجل امرأته وله الیھا حاجة ان احد کم یذھب بطلق امرأته ثلثا ثم یقعد ثم یعصر عینیه مھلاً مھلاً بارك الله علیکم فیکم کتاب الله وسنة رسوله فما ذا بعد کتاب الله وسنة رسوله الا الضلال ورب الکعبة۔ (حکم الطلاق الثلاث)

پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دفعتاً دینے سے واقع ہو جاتی ہیں اگرچہ ایسا کرنا شریعت مطہرہ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔

(۳) "ومن یتق الله یجعل له مخرجاً" (الطلاق آیت ۲)

اس آیت کے تحت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں : لکنھم اجمعوا علی ان من قال لامرأته انت طالق ثلثا یقع ثلثا بالاجماع الخ (تفسیر مظہری ص۳۰۰ ج۳)

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور ایک ایک کرکے طلاق دو۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے رجعت کا مخرج رکھا ہے۔ اور جو اللہ جل شانہ سے نہیں ڈرتا اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا ہے اس کے لئے کوئی مخرج نہیں۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ قال ابن عباس "وانك لم تتق الله فلا اجد لك مخرجا عصیت ربك وبانت منك امرأتك (ابوداؤد ص۲۹۹ ج۱) وقال لرجل آخر "ان عمك عصی الله فاثمه الله واطاع الشیطان فلم یجعل له مخرجا (طحاوی شریف ص۳۷ ج۲)

(۴) امام بخاریؒ نے اس آیت سے بھی طلاق ثلاثہ کے وقوع پر استدلال کیا ہے کہ "الطلاق مرتان الخ۔" یعنی فرمایا اپنی کتاب صحیح بخاری میں کہ باب من اجاز طلاق الثلاث لقول الله تعالیٰ۔ الطلاق مرتان فامساك

بمعروف او تسریح باحسان (بخاری ص۷۹۱ ج۲) اس آیت میں ترتیب طلاق کو نہیں بلکہ تعداد طلاق کو بیان کیا ہے۔

محلی میں ہے کہ: واما قولهم معنی قوله الطلاق مرتان ان معناه مرة بعد مرة فخطاء بل هذه الآية كقوله تعالى نؤتها اجرها مرتين اى مضاعفا معا (محلی ابن حزم ص۱۲۸ ج۱۰)

وايده الكرماني لانه لا يوجد من يفرق بين الاثنين والثلاث في صحة الوقوع الخ (كتاب الاشفاق في حكم الطلاق ص۳۸) وقال الامام الرازیؒ ان هذه الآية تدل على وقوع الثلاث مع كونه منهيا عنها (احكام القرآن للجصاص ص۳۸۶ ج۱)

احادیث مبارکہ سے طلاق کے احکام

(۱) عن عائشة رضي الله عنها ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبي ﷺ اتحل للاول قال لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول۔ (بخاری ص۷۹۱ ج۲۔ مسلم ص۴۶۳ ج۱)

یہ حدیث طلاق ثلاثہ کے یک وقت نافذ ہونے میں ظاہر ہے۔ چنانچہ فتح الباری میں ہے کہ: فالتمسك بظاهر قوله طلقها ثلاثا فانه ظاهر في كونها مجموعة (فتح الباری، ص۳۰۱ ج۹) اور عمدۃ القاری میں ہے: مطابقته للترجمة في قوله طلق امرأته ثلثا فانه ظاهر في كونها مجموعة۔ (عمدۃ القاری، ص۲۳۷ ج۲)

(۲) عن محمود بن لبيد قال اخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعا فقام غضبان ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم حتى قام رجل فقال يا رسول الله الا

(نسائی ص ۸۲، مشکوۃ ص ۲۸۴ ج ۱)

یعنی رسول اللہ ﷺ کو ایک آدمی کے بارے میں بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دی ہیں تو آپ ﷺ غصہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کو کھلونا بنایا جاتا ہے اس حال میں کہ میں تم میں موجود ہوں۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے اٹھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کر دوں۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، ورنہ آپ ﷺ اس قدر غصے کا اظہار کیوں فرماتے؟ محض ایک لغو بات کرنے پر اس قدر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ دین والے اس آدمی کے قتل کے لئے تیار ہو جائیں یہ اس پر دال ہے کہ واقع میں تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ ایسا کرنا ناپسندیدہ اور لغو عمل ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک انصاری بچہ کے فوت ہونے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ عصفور من عصافیر الجنۃ۔ آپ ﷺ اس بات سے روکنا چاہتے تھے تو آپ نے صرف اتنا ہی فرمایا کہ "او غیر ذالک"۔ اس کے علاوہ نہ تو غصے ہوئے، نہ ہی زجر و توبیخ کی۔ پس معلوم ہوا کہ ایک ہی مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

(۳) وقال فی الطلاق الثلاث لا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ وقال لیث عن نافع کان ابن عمرؓ اذا سئل عمن طلق ثلثاً قال لو طلقت مرۃ او مرتین فان النبی ﷺ امرنی بھذا فان طلقھا ثلاثاً حرمت حتی تنکح زوجا غیرہ۔ (بخاری ص ۷۹۲، ج ۲) یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں، تو وہ فرماتے کہ اگر ایک یا دو طلاق دی ہو تو پھر وہ حلال ہو سکتی ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے اسی کا حکم دیا تھا۔ ہاں اگر تین طلاقیں دی ہوں تو پھر وہ حرام ہو جاتی ہے۔ جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کر لے۔ پس اس حدیث سے بھی

معلوم ہوا کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(۳) ابوداؤد میں حضرت عویمر عجلانی کے واقعہ میں ہے کہ فلما فرغا قال عویمر "کذبت علیہا یا رسول اللہ! ان امسکتہا فطلقہا ثلاثا" (ابوداؤد ص ۳۰۵ ج ۱۔ نسائی ص ۸۳ ج ۲) یعنی جب حضرت عویمرؓ اور ان کی بیوی لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اب اگر میں اس کو روکوں تو مطلب یہ ہوگا کہ میں نے اس پر جھوٹ بولا ہے۔ یہ کہہ کر پھر انہوں نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔ آگے فرمایا: عن ابن شہاب عن سہل ابن سعد فی ہذا الخبر قال فطلقہا ثلاث تطلیقات عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانفذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ما صنع عند النبی ﷺ سنۃ (ابوداؤد ص ۳۰۶ ج ۱) یعنی آپ نے ان کی تین طلاقوں کو نافذ بھی کر دیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دفعتاً دینے سے واقع ہو جاتی ہیں۔
اس پر یہ اشکال نہیں ہو سکتا کہ "یہ تین طلاقیں امر زائد ہیں۔ جدائی تو لعان سے ہی ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ نے اس پر انکار نہ فرمایا۔ لہٰذا آپ کا اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں" کیونکہ صرف لعان سے بغیر قاضی کی تفریق کے جدائی نہیں ہوتی۔ چنانچہ "فتح القدیر" میں ہے کہ: "واذا التعنا لا تقع الفرقۃ حتی یفرق الحاکم بینہما حتی لو مات احدہما قبل تفریق القاضی ورثہ الآخر" "وقال لو ظاہر منہا فی ہذہ الحالۃ او طلقہا او آلی منہا صح لبقاء النکاح غیر ان وطأہا محرم لان ثبوت الحرمۃ یفوت الامساک بالمعروف فیلزمہ التسریح بالاحسان" فاذا امتنع ناب القاضی منابہ دفعا للظلم دل علیہ قول ذلک الملاعن عند النبی ﷺ کذبت علیہا یا رسول اللہ ان امسکتہا ہی طالق ثلاثا قالہ بعد اللعان (فتح القدیر ص ۲۸۸ ج ۳) اور خصم کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ "عویمرؓ کو

مطلق لعان سے جدائی کے وقوع کا علم نہ تھا۔" اس لئے کہ انہوں نے یہ بات اگر بے علمی کی وجہ سے کہی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کی تقریر نہ فرماتے۔ چنانچہ نسائی شریف میں حدیث مذکور کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ : "ومن يقول بخلافه ويعتذر بان عويمر ما كان عالما بالحكم وفيه انه لو كان عن جهل كيف قرره النبي ﷺ على ذالك الخ (ص ۸۳ ج ۲)

(۵) عن عامر الشعبي قال قلت لفاطمة بنت قيس حدثني عن طلاقك قالت طلقني زوجي ثلثا وهو خارج الى اليمن فاجاز ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم (ابن ماجہ ص ۱۴۷ ج ۱) یعنی عامر شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے فاطمہ بنت قیس سے ان کی طلاق کا قصہ پوچھا تو فرمایا کہ میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دیں جب کہ وہ یمن کو جا رہے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو نافذ کر دیا۔

(۶) اسی واقعہ کو نسائی نے (باب الرخصة في ذالك اى الثلاث المجموعة) میں اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ قال حدثني ابوسلمة قال حدثتني فاطمة بنت قيس ان ابا عمرو بن حفص طلقها ثلثا فانطلق خالد بن الوليد في نفر من بني مخزوم الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ان ابا عمرو بن حفص المخزومي طلق فاطمة ثلثا فاجاز ذالك رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (نسائی ص ۸۳ ج ۲) کہ آپ نے ابو عمرو بن حفص مخزومی کی دفعتاً دی ہوئی تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا تھا۔ آئندہ حدیث نمبر ۱۵ سے صراحتاً معلوم ہو رہا ہے کہ ابو عمرو بن حفص نے فاطمہ کو ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ (ابو داؤد ص ۳۱۶ ج ۱)

(۷) حدثنا علي بن محمد بن عبيد الحافظ قال نا محمد بن

شاذان الجوهري نا علي بن منصور نا شعيب بن زريق ان عطاء الخراساني حدثهم عن الحسن قال نا عبدالله بن عمر انه طلق امرأته تطليقة وهي حائض ثم اراد ان يتبعها تطليقتين اخراوين عند القرئين، فبلغ ذلك رسول الله، فقال يا ابن عمر ما هكذا امرك الله انك قد اخطأت السنة والسنة ان تستقبل الطهر فيطلق لكل قروء قال فامرني رسول الله صلى الله عليه وسلم فراجعتها ثم قال اذا هي طهرت فطلق عند ذلك او امسك فقلت يا رسول الله الخ ارأيت لو اني طلقتها ثلثا كان يحل لي ان اراجعها قال لا كانت تبين منك وتكون معصية (سنن دارقطني ص۴۳۸، ج۲۔ زادالمعاد ص۲۵۷، ج۴)

یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی حالت حیض میں۔ پھر اس کے بعد دو اور طلاقیں دینے کا ارادہ کیا دو حیضوں میں۔ آگے فرمایا کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! بتائیے کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا اس سے رجوع کر سکتا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، وہ تجھ سے بائنہ ہو جائے گی اور ایسا کرنا گناہ ہے۔

(۸) حدثنا احمد بن محمد بن سعيد نا يحيى بن اسماعيل الجريري حسين بن اسماعيل الجريري سيدنا يونس بن بكير نا عمرو بن شمر عن عمران بن مسلم و ابراهيم بن عبدالاعلى عن سويد بن غفلة قال لما مات علي رضي الله عنه جاءت عائشة بنت خليفة الخثعمية امرأة الحسن بن علي، فقالت له لتهنك الامارة فقال لها تهنيني بموت امير المومنين انطلقي فانت طالق فتقنعت بثوبها وقالت اني لم ارد الا خيرا فبعث اليها بمتعة عشرة آلاف وبقية صداقها فلما وضع بين يديها بكت وقالت متاع قليل من حبيب مفارق فاخبره الرسول فبكى وقال لولا اني ابنت الطلاق لها

لراجعتها ولكني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ايما رجل طلق امرأته ثلثا عند كل طهر تطليقة او عند رأس كل شهر تطليقة او طلقها ثلثا جميعًا لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره۔

(دارقطنی ص۴۳۸'ج ۲۔ بیہقی ص۳۳۶'ج ۷)

اس کی سند کے متعلق ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ "اسنادہ صحیح۔" (کتاب الاشفاق ورواہ الطبرانی واعلاء السنن ص۱۵۴'ج ۱۱) یعنی حضرت حسن بن علیؓ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو اس لفظ سے طلاق دی : "انطلقی فانت طالق ثلثا۔" "تو چلی جا' تجھے تین طلاقیں ہیں۔ عائشہ چلی گئیں۔ بعد میں حضرت حسنؓ کو معلوم ہوا کہ عائشہؓ کو جدائی کا بہت غم ہے تو روئے اور فرمایا کہ اگر میں نے بائنہ طلاق نہ دی ہوتی تو رجوع کر لیتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق اس طرح دے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے یا ہر مہینہ کے شروع میں ایک طلاق دے یا تین طلاق ایک ساتھ دے دے تو جب تک وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے پہلے کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ پس اس حدیث سے صراحتًا معلوم ہو گیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(۹) عن زاذان عن علیؓ قال سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلا طلق البتة فغضب وقال تتخذون آيات الله هزوًا او دين الله هزوا ولعبا من طلق البتة الزمناه ثلثا لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره۔ (سنن دارقطنی ص۴۴۳'ج ۲) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق سنا کہ انہوں نے طلاق بتہ دی ہے لفظ البتہ سے تین طلاق کی بھی نیت ہو سکتی ہے) آپؐ غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو کھیل اور مذاق بناتے ہو۔ جو کوئی طلاق البتہ دے گا ہم اس کے ذمہ تین لازم کر دیں گے۔ پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہو گی۔ یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔ تو

آپ ؐ نے ناراضگی تو فرمائی لیکن تینوں کو بھی لازم کر دیا۔

(۱۰) حدثنا محمد بن محمد البلی انہ قال سمعت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول يا معاذ من طلق للبدعة واحدة او اثنين او ثلاثا الزمناه بدعته (دارقطنی ص ۴۴۳-۴۴۴، ج ۲۔ اغاثۃ اللہفان ص ۱۶۸) یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بدعی طریقے پر طلاق دے گا، چاہے ایک دے یا دو یا تین دے، تو ہم وہ طلاقیں اس پر لازم کر دیں گے۔ یہ بھی طلاق ثلاثہ کے وقوع پر صراحت ہے۔

(۱۱) عن ابراهيم بن عبيد الله بن عبادة بن الصامت عن ابيه عن جده قال طلق بعض آبائی امرأته الفا فانطلق بنوه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا يا رسول الله ان ابانا طلق امنا الفا فهل له من مخرج فقال ان اباكم لم يتق الله فيجعل له من امره مخرجا بانت منه بثلاث على غير السنة وتسع مائة وسبعة وتسعون اثم في عنقه (دارقطنی ص ۴۴۳، ج ۲۔ زاد المعاد ص ۵۵، ج ۴)

(۱۲) مصنف عبد الرزاق میں یہ روایت یوں ہے: عن داؤد بن عبادة بن الصامت قال طلق جدی امرأة له الف تطليقة فانطلق ابی الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له فقال النبي صلى الله عليه وسلم اما اتقى الله جدك اما ثلاث فله واما تسع مائة وسبعة وتسعون فعدوان وظلم ان شاء الله تعالى عذبه وان شاء غفر له۔ (مصنف عبد الرزاق ص ۳۹۳، ج ۶۔ اغاثۃ اللہفان ص ۱۶۸، ج ۱۔ فتح القدیر ص ۳۳۰، ج ۳) یعنی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے والد نے اپنی زوجہ کو ہزار طلاقیں دیں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان

کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی بیوی تین طلاقوں سے بائنہ ہو گئی ہے۔ اور تو سو ستانوے ظلم اور عدوان ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ظلم کی سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دینے سے واقع ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) عن صفوان بن عمر الطائی ان امرأة کانت تبغض زوجها فوجدته نائما فاخذت شفرة وجلست علی صدره ثم حرکته وقالت لتطلقنی ثلاثا او لا ذبحنك فناشدها الله فابت فطلقها ثلاثا ثم جاء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فسأله عن ذلك فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم لا قیلولة فی الطلاق رواه محمد باسناده۔ (زجاجة المصابیح ص ۲۷۶ ج ۲۔ انوار السنن ص ۱۸۲ ج ۱) یعنی صفوان بن عمر سے روایت ہے کہ ایک عورت کو خاوند ناپسند تھا' ایک مرتبہ اس کو سوتا ہوا پا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئی اور چھری اس کے سینے پر رکھ کر کہنے لگی کہ مجھے تین طلاقیں دو' ورنہ تمہیں ذبح کر دوں گی۔ خاوند نے قسم دے کر کہا کہ میں تجھے بعد میں طلاق دے دوں گا۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ مجبور ہو کر اس نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق میں فسخ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس سے بھی پتہ چلا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں نہ کہ ایک۔

(۱۴) واحتجوا ایضا بحدیث رکانة رضی الله عنه انه طلق امرأته البتة فقال له النبی صلی الله علیه وسلم آلله ما اردت الا واحدة؟ فقال آلله ما اردت الا واحدة فهذا دلیل علی انه لو اراد الثلاث لوقعن والا فلم یکن لتحلیفه معنی۔ (مسلم شریف مع نووی ص ۴۷۸ ج ۱) یعنی حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔ اب طلاق بتہ چونکہ

کنایات میں سے ہے اور اس کا یہ حکم ہے کہ اس میں طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو تین ہی واقع ہوں گی اور اگر ایک طلاق کی نیت کی ہے تو ایک ہی واقع ہوگی۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اللہ کی قسم دے کر پوچھا کہ کیا تم نے ایک طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہاں! اللہ کی قسم میں نے ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ تو جمہور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کا ارادہ تین کا ہوتا تو تینوں واقع ہو جاتیں۔ ورنہ تو قسم دینے کی کیا ضرورت تھی۔ قسم اسی لئے دی کہ تین کا ارادہ ہوگا تو تین ہوں گی ورنہ ایک ہوگی۔ اسی حدیث کی روشنی میں حدیث علی ؓ کو سمجھنا چاہئے جس میں طلاق بتہ کا ذکر ہے۔ یعنی طلاق بتہ دینے سے اس وقت تین طلاقیں واقع ہوں گی جب کہ ایک کا ارادہ نہ کیا ہو بلکہ تین کا ارادہ کیا ہو۔

(١٥) حدثنا ابو عبید القاسم بن اسماعیل ..... نا سلمۃ بن ابی سلمۃ عن ابیہ انہ ذکر عندہ ان الطلاق الثلاث بمرۃ مکروہ فقال طلق حفص بن عمرو بن المغیرۃ فاطمۃ بنت قیس بکلمۃ واحدۃ ثلثا فلم یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاب ذلک علیہ۔ (سنن دار قطنی ص٤٣٩ ج٢) وفی روایۃ منہا وطلق عبدالرحمٰن بن عوف امرأتہ ثلثا فلم یعب ذلک علیہ۔ (ایضا) یعنی ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ بات ذکر کی گئی کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا مکروہ ہے۔ فرمایا حضرت حفص بن عمرو بن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس کو ایک کلمہ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ ہمیں اس کی خبر نہیں ملی کہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہو۔ اسی طرح عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔ پس ان تمام احادیث مرفوعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک وقت تین طلاقیں دینے سے واقع ہو جاتی ہیں۔

مجموع فقہی (مسند زید) میں زید بن علی عن ابیہ عن جدہ کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش کے ایک آدمی نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو فرمایا کہ تین کے ساتھ اس سے بائنہ ہو گئی اور ستانوے طلاقیں ان کی گردن میں معصیت ہیں۔ (مسند زید ص۲۸۹)

آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

احادیث حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

(۱۶) عن انسؓ قال کان عمرؓ اذا اتی برجل قد طلق امرأتہ ثلثًا فی مجلس او جعہ ضربًا و فرق بینہما۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۱ ج۵۔ سنن بیہقی ص۳۳۴ ج۷۔ بدائع الصنائع ص۹۶ ج۳۔ طحاوی ص۳۳ ج۳) یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوتیں تو آپ اس کو سزا دیتے اور دونوں میں تفریق کر دیتے۔ اس حدیث سے بھی واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اگر ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں کوئی دے تو واقع ہو جاتی ہیں۔

(۱۷) وکان عمر بن الخطابؓ اذا اتی برجل طلق امرأتہ الفًا فقال لہٗ عمرؓ اطلقت امرأتک؟ فقال انما کنت العب فعلاہ عمرؓ بالدرۃ فقال انما یکفیک من ذلک ثلاث۔ (محلی ابن حزم ص۱۷۲ ج۱۰۔ سنن بیہقی ص۳۳۴ ج۷۔ زاد المعاد ص۲۵۹ ج۲۔ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳ ج۵۔ مصنف عبدالرزاق ص۳۹۳ ج۶) یعنی زید بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ اس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا تو نے اتنی طلاقیں دی ہیں؟! اس نے کہا میں تو مذاق

کر رہا تھا تو حضرت عمرؓ نے اسے کوڑے سے سزا دی اور فرمایا کہ تجھ کو ایک ہزار میں صرف تین کافی تھیں۔

(۱۸) حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو خط میں لکھا تھا کہ "من قال لامرأته انت طالق ثلاثا فهي ثلاث۔" یعنی جو شخص بیوی سے کہے کہ "تجھے تین طلاق" تو تین واقع ہوں گی۔ (سنن سعید بن منصور ص۲۵۹، ج۳۔ رقم الحدیث ص۱۰۶۹)

حدیث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(۱۹) روى وكيع عن جعفر بن برقان عن معاوية بن ابي يحيى انه قال جاء رجل الى عثمان بن عفان فقال طلقت امرأتي الفا فقال بانت منك بثلاث فلم ينكر الثلاث۔ (محلی ابن حزم ص۱۷۲، ج۱۰۔ زاد المعاد ص۲۵۹، ج۴۔ فتح القدیر ص۳۳۰، ج۳۔ طحاوی ص۳۰، ج۲) یعنی ایک شخص حضرت عثمانؓ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں تو آپؓ نے جواب دیا کہ تیری بیوی تجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہو گئی۔ اس سے بھی وقوع طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد ثابت ہوتا ہے۔

حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ

(۲۰) روى وكيع عن الاعمش عن حبيب بن ابي ثابت عن بعض اصحابه قال جاء رجل الى علي بن ابي طالب رضي الله عنه قال اني طلقت امرأتي الفا فقال له علي بانت منك بثلاث واقسم سائرهن بين نسائك فلم ينكر جمع الثلاث۔ (سنن بیہقی ص۳۳۵، ج۷۔ زاد المعاد ص۲۵۹، ج۴۔ محلی ابن حزم ص۱۷۲، ج۱۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳-۱۲، ج۵۔ فتح القدیر ص۳۳۰، ج۳)

ایک آدمی نے آکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا: وہ تجھ سے تین سے بائنہ ہو گئی۔ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ طلاق ثلاثہ کے وقوع کے قائل تھے۔ (نیل الاوطار ص ۲۴۵ ج ۶)

دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علیؓ کو آکر کہا کہ: انی طلقت امرأتی عدد العرفج قال تأخذ من العرفج ثلاثا وتدع سائرہ۔ قال ابراہیم واخبرنی ابوالحویرث عن عثمانؓ بن عفان مثل ذلک۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۴ ج ۶)

یعنی یہ کہ میں نے اپنی بیوی کو عرفج کے درختوں کے برابر طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا ان میں سے تین لے لو باقی چھوڑ دو۔

(۴۱) عن الاعمش انہ کان بالکوفۃ شیخ ..... الی قولہ ..... فاخرج کتابہ فاذا فیہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا سمعت علی بن ابی طالبؓ ۔ یقول اذا طلق الرجل امرأتہ ثلاثا فی مجلس واحد۔ فقد بانت منہ ولا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ قلت ویحک ھذا غیر الذی تقول قال الصحیح ھو ھذا ولکن ھولاء ارادونی علی ذلک (سنن بیہقی ص ۳۳۹ ج ۷) یعنی اعمش کوفی سے روایت ہے کہ کوفہ کے ایک بوڑھے شخص یہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی شخص ایک مجلس میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے تو اس کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا۔ میں نے شیخ سے کہا کہ تم نے حضرت علیؓ سے یہ کہاں سنا ہے؟ اس نے کہا کہ میری کتاب میں موجود ہے۔ شیخ نے کتاب نکالی۔ اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا تھا کہ یہ حدیث میں نے حضرت علیؓ سے سنی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب کوئی شخص ایک مجلس میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے تو عورت اس سے جدا ہو جائے گی۔

جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے طلاق دینے والے کے لئے حلال نہ ہوں۔
میں نے کہا کہ افسوس ہے کہ یہ تو تمہارے بیان کے خلاف ہے۔ تو شیخ نے کہا کہ صحیح یہی
ہے۔ لیکن لوگوں نے مجھے مجبور کیا تھا اس لئے میں نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔

احادیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۴۲) مالکؒ انه بلغه ان رجلاً جاء الی عبداللہ بن مسعود فقال
انی طلقت امراتی بمائتی تطلیقات فقال ابن مسعودؓ فما ذا قیل لك
قال قیل لی انها قد بانت منی فقال ابن مسعودؓ صدقوا الخ۔ (موطا امام
مالکؒ ص ۵۱۱ ج ۱۔ فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳) امام مالکؒ تک یہ روایت پہنچی کہ ایک
آدمی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو دو سو
طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا تجھ کو دوسروں (مفتیوں) کی جانب سے کیا جواب دیا گیا؟ اس
نے کہا کہ مجھے یہ جواب ملا کہ وہ عورت مجھ سے بائنہ ہو گئی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ
نے فرمایا کہ وہ لوگ صحیح کہتے ہیں۔ "یعنی حکم شرعی بھی یہی ہے۔"

(۴۳) عبدالرزاق عن معمر عن الاعمش عن ابراهیم عن علقمة
قال جاء رجلٌ الی ابن مسعودؓ فقال انی طلقت امراتی تسعة
وتسعین وانی سالت فقیل لی قد بانت منی فقال ابن مسعودؓ لقد
احبوا ان یفرقوا بینك وبینها قال فما تقول رحمك اللّٰه فظن انه
سیرخص له فقال ثلث تبینها منك وسائرها عدوان (مصنف عبدالرزاق
ص ۳۹۵ ج ۶) تین طلاقوں سے وہ بائنہ ہو گئی اور باقی سب زیادتی ہے۔

(۴۴) عن مطرف عن الحکم عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ قالا
فی رجل طلق امراته ثلثا قبل ان یدخل بها لا تحل له حتی تنکح
زوجا غیره۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص ۲۲،۲۱ ج ۹ ۵) یعنی حضرت عبداللہ بن
عباسؓ و عبداللہ بن مسعودؓ تین کو نافذ کرتے تھے۔

احادیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

(۲۵) ابوداؤد میں ہے کہ : عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال انه طلق امرأته ثلثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال يطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس " وان الله قال " ومن يتق الله يجعل له مخرجا وانك لم تتق الله فلا اجدلك مخرجا عصيت ربك وبانت منك امرأتك الى ان قال قال ابوداؤد روى هذا الحديث حميد الاعرج وغيره عن مجاهد عن ابن عباس ورواه شعبة عن عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير عن ابن عباس وايوب وابن جريج جميعا عن عكرمة بن خالد عن سعيد بن جبير عن ابن عباس وابن جريج عن عبدالحميد بن رافع عن عطاء عن ابن عباس ورواه الاعمش عن مالك بن الحارث عن ابن عباس وابن جريج عن عمرو بن دينار عن ابن عباس كلهم قالوا في الطلاق الثلاث انه اجازها قال وبانت منك نحو حديث اسماعيل عن ايوب عن عبدالله بن كثير (ابوداؤد ص۲۹۹ ج ۱۔ فتح القدیر ص۳۳۰ ج ۳۔ بدائع الصنائع ص۹۶ ج ۳۔ طحاوی ص۳۱ ج ۲۔ دارقطنی ص۴۵۱-۴۰۲ ج ۴ و ۵۔ سنن بیہقی ص۳۳۱ ج ۷)

یعنی مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس کے پاس تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو یک بارگی تین طلاقیں دے آیا ہوں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ابن عباس چپ رہے۔ یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ رجعت کا حکم دے دیں گے۔ پھر فرمایا کہ لوگ پہلے حماقت پر سوار ہو جاتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ اے ابن عباس! اے ابن عباس۔ بے شک خدائے پاک نے فرمایا ہے کہ جو خدا سے ڈرے اس کے لئے چھٹکارے کی صورت ہوتی ہے۔ اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا۔

اس لئے تیرے واسطے کوئی مخلص نہیں ہے۔ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے جدا ہو گئی ہے۔ اس کے بعد امام ابو داؤدؒ نے بیان فرمایا کہ ان حضرات نے متفقہ طور پر ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔

(۴۶) حدثنا ابراهيم بن مرزوق في آخر السمن عن مالك بن الحارث قال جآء رجل الى ابن عباسؓ فقال ان عمي طلق امرأته ثلثا فقال ان عمك عصى الله فاندمه الله و اطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجا فقلت كيف ترى في رجل يحلها له فقال من يخادع الله يخادعه (الطحاوی شریف ص ۳۷ ج ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱ ج ۵۔ فتح القدیر ص ۳۳۲ ج ۳۔ سنن سعید بن منصور ص ۲۵۸ ج ۳۔ اغاثۃ اللهفان ص ۱۳۶ ج ۱)

کہ میرے چچا نے اپنی عورت کو دفعتاً تین طلاقیں دی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تیرے چچا نے خدا کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کی۔ اور آپ نے اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکالی۔ مالک بن حارثؒ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ آپ اس کے بارہ میں کیا کہتے ہیں جو اس عورت کو اس کے شوہر کے لئے حلال کرے تو فرمایا: "کہ جو اللہ تعالیٰ سے چال بازی کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے گا۔"

(۴۷) عن محمد بن اياس بن بكير انه قال طلق رجل امرأته ثلثا قبل ان يدخل بها ثم بدا له ان ينكحها فجآء يستفتي قال فذهبت معه فسأل اباهريرةؓ وابن عباسؓ فقالا لا ننكحها حتى تنكح زوجا غيره فقال انما كان طلاقي اياها واحدة قال ابن عباسؓ ارسلت من يدك ما كان لك من فضل۔ (موطا امام محمد ص ۲۵۹۔ فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳۔ طحاوی ص ۳۰ ج ۲۔ سنن بیہقی ص ۳۳۵ ج ۷۔ موطا امام مالکؒ ص ۵۲۱ ج ۱)

یعنی ایک آدمی نے صحبت سے قبل ہی اپنی منکوحہ کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر چاہا کہ اس سے نکاح کرے۔ اس لئے فتویٰ دریافت کرنے کے لئے نکلا۔ محمد بن ایاس" فرماتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ ہو گیا۔ وہ ابن عباس" اور ابو ہریرہ" کے پاس گیا۔ دونوں نے فرمایا کہ اب تم اس سے نکاح نہیں کر سکتے' جب تک کہ دوسرے مرد سے وہ نکاح نہ کرے۔ اس نے کہا کہ میری نیت ایک طلاق کی تھی۔ ابن عباس" نے فرمایا کہ 'انت طالق ثلاثاً" کہہ کر وہ گنجائش ختم کر دی جو تجھے حاصل تھی۔

احادیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

(۲۸) عن نافع عن ابن عمر" ..... اما انت طلقتها ثلاثاً فقد عصيت ربك فيما امرك به من طلاق امرأتك وبانت منك۔ (مسلم ص ۴۷۶ ج ۱۔ دارقطنی ص ۴۳۶ ج ۲۔ اغاثۃ اللہفان ص ۱۹۸ ج ۱) تین کو نافذ کر دیا۔

(۲۹) حدثنا سعيد المقبري قال جاء رجل الى عبدالله بن عمر" وانا عنده فقال يا ابا عبدالرحمن" انه طلق امرأته مائة مرة قال بانت منك بثلاث وسبعة وتسعون يحاسبك الله بها يوم القيامة۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۴۳ ج ۵) ایک آدمی نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں تو حضرت ابن عمر" نے فرمایا کہ تین سے وہ بائنہ ہو گئی اور ستانوے کا اللہ تعالیٰ تجھ سے قیامت کے دن حساب لیں گے۔

(۳۰) عن علقمة عن عبدالله" انه سئل عن رجل طلق امرأته مائة قال ثلث تبينها منك وسائرها عدوان۔ (طحاوی ص ۳۷ ج ۲) یعنی تین طلاقوں سے وہ تجھ سے بائنہ ہو گئی۔ پتہ چلا کہ تین اکٹھی واقع ہو جاتی ہیں۔

حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

(۳۱) عن عطاء بن یسار انہ جاء رجل الی عبداللہ بن عمرو بن العاص فسالہ عن رجل طلق امراتہ ثلثا قبل ان یمسھا قال عطاء فقلت لہ طلاق البکر واحدۃ فقال عبداللہ انما انت قاص الواحدۃ تبینھا والثلاث تحرمھا حتی تنکح زوجا غیرہ۔ (طحاوی ص ۳۷ ج ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۵۔ مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۳ ج ۶۔ موطا امام مالک ص ۵۲۱ ج ۱) کہ عطاء بن یسارؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے پاس آیا اور اس شخص کے متعلق سوال کیا جس نے صحبت سے قبل عورت کو تین طلاقیں دے دی ہوں۔ عطاءؒ فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ غیر مدخولہ پر تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ تو نرا قصہ گو اور واعظ ہے۔ پھر فرمایا کہ غیر مدخولہ ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔ اور تین طلاقوں سے ایسے حرام ہو جائے گی کہ جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے حلال نہ ہو گی۔

حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۳۲) عن محمد بن ایاسؒ ان ابن عباسؓ وابا ھریرۃؓ وعبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سئلوا عن البکر یطلقھا زوجھا ثلاثا فکلھم قالوا لا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ۔

(۳۳) ان رجلا من اھل البادیۃ طلق امراتہ ثلثا قبل ان یدخل بھا فماذا تریان فقال ابن الزبیرؓ ان ھذا الامر مابلغ لنا من قول فاذھب الی ابن عباس وابی ھریرۃ فسالھما ثم ائتنا فاخبرنا فذھب فسالھما فقال ابن عباسؓ لابی ھریرۃؓ افتہ یا اباھریرۃ فقد جاءتک معضلۃ فقال

ابو هريرة الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتّٰى تنكح زوجا غيره۔
(بخاری ص ٧٦٢ ج ٢۔ موطا امام مالک ص ٥٢١ ج ١۔ سنن بیہقی ص ٣٣٥ ج ٧۔
مصنف عبدالرزاق ص ٣٣٣ ج ٦)

حدیث ام المومنین حضرت عائشہ

(٣٤) حدثنا ابوبكرؒ قال نا عبدة عن يحيىؒ بن سعيد عن بكير بن عبدالله الاشج عن رجل من الانصار يقال له معاويةؓ ان ابن عباسؓ واباهريرةؓ وعائشةؓ قالوا لا تحل له حتّٰى تنكح زوجا غيره۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ٢٢ ج ٥) کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ نے (اس عورت کے بارے میں جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں) فرمایا کہ اب وہ شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرا نکاح نہ کرے۔

حدیث ام المومنین حضرت ام سلمہؓ

(٣٥) حدثنا ابوبكر قال نا عبداللهؒ بن نمير عن اشعث عن ابى الزبير عن جابرؓ قال سمعت ام سلمةؓ سئلت عن رجل طلق امراته ثلاثا قبل ان يدخل بها فقالت لا تحل له حتّٰى يطأها زوجها (مصنف ابن ابی شیبہ ص ٢٢ ج ٥) یعنی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو صحبت سے قبل تین طلاقیں دے دی ہوں۔ آپؓ نے جواب دیا کہ اب اس شوہر کے لئے حلال نہیں کہ اس سے وطی کرے۔ پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

حدیث حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ

(٣٦) حدثنا ابوبكر قال حدثنا غندرؓ عن شعبة عن طارق عن قيس بن ابى حازم انه سمعه يحدث عن المغيرة بن شعبةؓ انه سئل

عن رجل طلق امرأته مائة فقال ثلث تحرمها عليه وسبعة وتسعون فضل۔ (مصنف ابن ابي شيبه ص ۱۳‘ ج ۵۔ اغاثة اللهفان ص ۳۲۹‘ ج ۱) طارق فرماتے ہیں کہ قیس بن ابی حازم حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہؓ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں تو فرمایا تین طلاقوں نے عورت کو شوہر پر حرام کر دیا اور بقیہ ستانوے طلاقیں بے کار ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

(۳۷) حدثنا ابوبکر الی آخر السند قال سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلثا في مجلس قال اثم بربه وحرمت عليه امرأته۔ (مصنف ابن ابي شيبه ص ۱۰‘ ج ۵۔ احکام القرآن للجصاص ص ۳۸۳‘ ج ۱۔ اغاثة اللهفان ص ۳۲۱‘ ج ۱۔ سنن بيهقي ص ۳۳۳‘ ج ۷) حضرت عمران بن حصینؓ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں تو فرمایا کہ اس نے گناہ کا کام کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی ہے۔

حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ

(۳۸) حدثنا سعيد قال حدثنا سفيانؒ عن شقيق سمع انس بن مالكؓ يقول في الرجل يطلق امرأته ثلثا قبل ان يدخل بها قال هي ثلاث لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره وكان عمرؓ اذا أتى به اوجعه۔ (سنن سعيد بن منصور ص ۲۶۰‘ ج ۳۔ طحاوی ص ۳۸‘ ج ۲۔ مصنف ابن ابي شيبه ص ۲۲۵‘ ج ۵) یعنی شقیق فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ اس شخص کے متعلق جو صحبت سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے فرماتے تھے کہ یہ تین

طلاقیں ہیں۔ اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں' الخ۔

حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۳۹) عبدالرزاق عن ابی سلیمان عن الحسن بن صالح عن مطرف عن الحکم ان علیاً و ابن مسعود و زید بن ثابت قالوا اذا طلق البکر ثلاثاً فجمعها لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ فان فرقها بانت بالاولی ولم تکن الاخرین شیئاً۔ (مصنف عبدالرزاق ص۳۳۶'ج۶۔ سنن سعید بن منصور ص۲۶۳'ج۳) حضرت علیؓ' ابن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب مرد غیر مدخول عورت کو بیک لفظ تین طلاقیں دے دے تو وہ شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرلے الخ۔

حدیث حسن بن علی رضی اللہ عنہ

(۴۰) لولا انی ابنت الطلاق لها لراجعتها لکنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما رجل طلق امرأته ثلثاً عند کل طهر تطليقة او عند رأس کل شهر تطليقة او طلقها ثلاثاً جميعاً لم تحل له حتی تنکح زوجاً غيره۔ (دارقطنی ص۴۳۸'ج۲۔ سنن بیہقی ص۳۳۶'ج۷۔ اغاثہ ص۱۳۹'ج۱) اس کی سند کے بارے میں ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اسنادہ صحیح" یعنی حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ اگر میں نے اس کو طلاق بائنہ نہ دی ہوتی تو رجوع کرلیتا' لیکن میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیوے' ہر طہر میں ایک یا ہر ماہ میں ایک یا تینوں اکٹھی دے تو وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرلے۔

حدیث ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

(۳۱) لو ان الناس طلقوا نساءھم کما امروا لما فارق الرجل امرأته وله الیھا حاجة ان احدکم یذھب فیطلق امرأته ثلثا ثم یقعد ثم یعصر عینیه مھلا مھلا بارک اللّٰہ علیکم فیکم کتاب اللّٰہ وسنة رسوله فماذا بعد کتاب اللّٰہ وسنة رسوله الا الضلال ورب الکعبة۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۲۱ ج ۵) کہ لوگ اگر اپنی بیویوں کو ویسے طلاق دیتے جیسے مامور ہیں تو کوئی بھی اپنی بیوی سے حاجت کے ہوتے ہوئے جدا نہ ہوتا۔ تم میں سے ایک جاکر بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیتا ہے' پھر گھر بیٹھ کر روتا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر طلاق دو' اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے۔ تمہارے اندر قرآن و حدیث ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ ان کے بعد تو رب کعبہ کی قسم! سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا۔

حدیث عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

(۳۲) تاریخ خمیس میں ہے کہ شہادت سے قبل غزوہ موتہ میں انہوں نے فرمایا تھا کہ اے نفس! اب تجھے اترنا ہوگا۔ خوشی سے اترے یا ناگواری سے۔ اب تجھے کس چیز کا اشتیاق باقی ہے۔ اگر بیوی کا ہے تو اسے تین طلاق' غلاموں کا ہے تو سب آزاد الخ۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں ایک اور تین طلاق میں فرق تھا۔ اس لئے کہ اگر ان کے ہاں اس میں فرق نہ ہوتا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ یہ عبارت نہ بولتے۔ کیونکہ وہ غلاموں اور بیوی سب کو بالکلیہ اپنے سے آزاد کرنا چاہتے تھے تو بیوی کو تین طلاق کہا۔ ان کو معلوم تھا کہ بیوی کی بالکلیہ آزادی تین طلاق سے ہی ہوگی۔ جیسا کہ غلاموں کی بالکلیہ آزادی ایک مرتبہ "آزاد ہے" کہنے سے ہو جاتی ہے۔ اگر میں بیوی کو ایک ہی طلاق دوں گا تو میرا مقصد

مجھے حاصل نہ ہو گا۔ یعنی بیوی کی مکمل آزادی۔

لہٰذا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ہاں ایک اور تین کا فرق معروف تھا اور تمام صحابہؓ کے نزدیک تین طلاقیں اکٹھی دینے سے تینوں واقع ہو جاتی تھیں۔ ان تمام مرفوع احادیث مبارکہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں' جب کہ غیر مقلدین ایک روایت بھی صحیح صریح اس بات کی نہیں دکھا سکتے کہ خیر القرون میں تین طلاقوں کو ایک مجلس میں ہونے کی وجہ سے ایک ہی شمار کیا گیا ہو۔

حدیث حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ

(۴۳) حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث حدثنا ابوبکر نا علی بن مسهر عن اسماعیل عن الشعبی عن ابن مغفل فی رجل طلق امرأته قبل ان یدخل بها قال لا تحل له حتّٰی تنکح زوجا غیره (مصنف ابن ابی شیبه ص ۲۳' ج ۵) کہ تین طلاقیں ہو جاتی ہیں۔

آثار تابعین رحمھم اللہ تعالٰی

(۴۴) حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثنا وکیعٌ عن اسماعیل عن الشعبی عن شریح قال رجل انی طلقتها مائة قال بانت منك بثلاث وسائرهن اسراف ومعصیة۔ ایک مرد نے پوچھا کہ میں نے بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا کہ تین سے وہ تجھ سے بائنہ ہو گئی ہے اور باقی سب اسراف اور گناہ ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳' ج ۵)

(۴۵) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثنا جریر عن مغیرة عن ابراهیم فی الرجل یتزوج المرأة فیطلقها ثلٰثًا قبل ان یدخل بها قال ان کان قال طالق ثلٰثًا کلمة واحدة لم تحل له

حتی تنکح زوجا غیرہ واذا طلقہا ثلاثا متصلا فہو کذلک۔ حضرت مغیرہ رحمہ اللہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور صحبت سے قبل تین طلاقیں دے دے تو آپ نے فرمایا کہ اگر ایک جملہ میں تین طلاقیں دی ہیں تو عورت اس کے لئے اب حلال نہیں ہے۔ یہاں تک کہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے الخ۔ اس سے بھی صراحتًہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں نافذ ہوجاتی ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳' ج ۵)

(۴۶) حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثنا عن جریر یعنی عن مغیرۃ عن حماد عن ابراھیم قال اذا خیرھا ثلاثا فاختارت مرۃ فھی ثلاث۔ فرمایا جب عورت کو تین طلاقوں کا اختیار دیا گیا تو پھر اس نے ایک ہی مرتبہ تینوں کو اختیار کرلیا تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۵' ج ۵)

(۴۷) حضرت مکحول رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثنا حاتم بن وردان عن مکحول فیمن طلق امراتہ قبل ان یدخل بہا انہا لا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ۔ مکحول فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو صحبت سے قبل طلاق دے دے تو وہ جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳' ج ۵)

(۴۸) حضرت قتادہ رحمہ اللہ کی حدیث عن معمر عن قتادۃ فی رجل قال لامراتہ اعتدی اعتدی۔ اعتدی ھی ثلاث۔ یعنی جب شوہر نے بیوی کو اعتدی' اعتدی' اعتدی تین مرتبہ کہا تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۶۳' ج ۶)

(۴۹) حضرت امام شعبی رحمہ اللہ کی حدیث عبدالرزاق عن معمر عن عطاء ابن السائب عن الشعبی قال فی الرجل یطلق البکر ثلاثا جمیعا ولم یدخل بہا قال لا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ الخ۔ امام

شعبیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۳۳۹ ج۶)

(۵۰) حضرت امام زہری رحمہ اللہ کی حدیث: وکان عمرؓ وابوہریرۃؓ وابن عباسؓ وابی عثمانؓ وعمرانؓ وغیرھم یقولون من طلق امرأتہ قبل الدخول بہا ثلاثاً لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ یہ سب حضرات طلاق ثلاثہ کے وقوع کے قائل تھے کہ اگر غیر مدخولہ کو صحبت سے پہلے اکٹھی تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی۔ (کشف الغمہ للشعرانی ص۱۰۱ ج۱)

(۵۱) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی حدیث: حدثنا سعید حدثنا حزم ابن ابی حزم قال سمعت الحسن وسألہ رجل فقال یا ابا سعید رجل طلق امرأتہ البارحۃ طلاقاً ثلاثاً وھو سکران فقال بحالہ نسائبی وبرئت منہ۔ حضرت حسن بصری سے پوچھا گیا کہ ایک مرد نے گزشتہ رات اپنی بیوی کو نشہ کی حالت میں تین طلاقیں دیں۔ آپ نے فرمایا اس کو اتنی کوڑے مارو اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہو گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۳۲ ج۵)

(۵۲) حضرت مصعب بن سعید ابی ملک اور عبداللہ بن شداد رحمہم اللہ کی حدیث: حدثنا ابوبکر قال نا وکیعؒ عن سفیان عن منصور عن ابراھیم وعن جابر عن عامر وعن عمران بن مسلم عن انس عفان عن مصعب بن سعید وابی منلک وعبداللہ بن شداد قالوا اذا طلق الرجل امرأتہ ثلاثاً وھی حامل لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ یعنی جب کوئی حاملہ کو تین طلاق دے دے تو پھر اس کے لئے حلال نہ ہو گی جب تک کہ دوسرے خاوند سے وہ نکاح نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۳۳ ج۵)

(۵۳) حضرت عطاءؒ ابن ابی رباح کا اثر: عبدالرزاق عن ابن جریج قال

قلت لعطاء البتة قال يدين فان اراد ثلثاً فثلث وان اراد واحدة فواحدة۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو لفظ البتہ سے طلاق دے دے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اگر وہ تین طلاقوں کا ارادہ کرے گا تو تین ہوں گی۔ اگر ایک کا ارادہ کرے گا تو ایک ہی واقع ہوگی۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۵۵' ج ۶)

(۵۴) حضرت امام جعفر صادقؒ کی حدیث عن ابان ابن تغلب قال سالت جعفر بن محمد عن رجل طلق امرأته ثلاثا فقال بانت منه ولا تحل له حتى تنكح زوجا غيره فقال أفتي الناس بهذا قال نعم۔ حضرت ابان ابن تغلبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام جعفرؒ صادق سے سوال کیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو کیا وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی؟ تو فرمایا کہ وہ اس سے بائنہ ہوگی۔ اب وہ اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔ میں نے کہا کہ میں لوگوں کو اس کا فتویٰ دوں؟ تو فرمایا کہ ہاں دو۔ یعنی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ (سنن دارقطنی ص ۴۲۳' ج ۲)

(۵۵) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حدیث' قال عمر بن عبدالعزيز لو كان الطلاق الفاً ما ابقت البتة منه شيئاً من قال البتة فقد رمى الغاية القصوى۔ (موطا امام مالک ص ۵۱۸۔ سنن سعید بن منصور ص ۳۹۰' ج ۳۔ اعلاء السنن ص ۵۳۲' ج ۱۱) فرمایا کہ اگر مرد کو شریعت کی طرف سے ایک ہزار طلاق دینے کا اختیار ہوتا اور کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق بتہ دیتا تو ایک بھی طلاق باقی نہ رہتی' ہزار ہی واقع ہو جاتیں۔

(۵۶) حضرت امام محمد بن سیرینؒ کی حدیث اخبرنا سعيد قال نا هشيم قال ابو عوذ عن ابن سيرين انه كان لا يرى بأساً ان يطلق ثلاثاً۔ کہ حضرت محمد ابن سیرین رحمہ اللہ تین طلاقیں دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (سنن سعید

بن منصور ص ۲۶۰ ج ۳)

(۵۷) مروان بن الحکم رحمہ اللہ کی حدیث مالک عن ابن شہاب ان مروان ابن الحکم کان یقضی فی الذی یطلق امرأته البتة انها ثلاث تطلیقات۔ ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق البتہ دیتا تو مروان اس کو تین قرار دیتے تھے۔

(۵۸) حضرت سلیمان اعمش کوفی رحمہ اللہ کی حدیث عن الاعمش انه کان بالکوفة شیخ یقول سمعت علی ابن ابی طالب رضی اللّٰہ عنه یقول اذا طلق الرجل امرأته ثلثا فی مجلس واحد فانه یرد الی واحدة والناس عنقا واحدا اذ ذاک یأتونه ویسمعون منه قال فأتیته فقرعت علیه الباب فخرج الی الشیخ فقلت له کیف سمعت علی ابن ابی طالب رضی اللّٰہ عنه یقول فیمن طلق امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فانه یرد الی واحدة قال فقلت له الحدیث۔ (بیہقی ص ۳۳۹ ج ۷) اعمش فرماتے ہیں کہ کوفہ کے ایک شیخ کہتے تھے کہ میں نے حضرت علیؓ سے سنا ہے کہ جو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے ایک کی طرف رد ہوگی۔ حدیث نمبر ۲۱ میں اس کی تفصیل گزر گئی ہے۔ اس واقعہ سے سلیمان اعمشؒ کا مذہب بھی معلوم ہوگیا۔

حضرت مسروق رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا سعید عن شعبی عن مسروق فیمن طلق امرأته ثلثاً ولم یدخل بها قال لا تحل حتی تنکح زوجا غیرہ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳ ج ۵ کذا فی سعید بن جبیر فی مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۴ ج ۶۔ رقم الحدیث نمبر ۱۱۰۷۵ و سنن سعید بن منصور ص ۲۷۳ ج ۳ رقم الحدیث ص ۱۰۸۷ و طحاوی ص ۳۷ ج ۲)

سعید بن جبیرؒ سعید بن المسیبؒ اور حمید بن عبدالرحمٰنؒ کی حدیث حدثنا ابوبکر قال نا عبدالاعلی عن سعید عن قتادةؒ عن سعید بن المسیب

وسعید ابن جبیر و حمید بن عبدالرحمٰن قالوا لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره الخ۔ (سنن سعید بن منصور ص ۲۶۲ ج ۳)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی حدیث وروی محمد بن الحسن فی الاثار بسندہ عن ابراھیم النخعی رحمہ اللہ فی الذی یطلق واحدة وھو ینوی ثلاثا او یطلق ثلاثا وھو ینوی واحدة قال ان تکلم بواحدة فھی واحدة ولیست نیته بشیء و ان تکلم بثلاث کانت ثلاثا ولیست نیته بشیء قال محمد رحمہ اللہ بھذا کله ناخذ وھو قول ابی حنیفة رحمہ اللہ۔ (اعلاء السنن ص ۵۲۲ ج ۱۱) یعنی ابراہیم نخعیؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی آدمی ایک طلاق دے کر تین کی نیت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اگر ایک طلاق کا تلفظ کیا تو ایک ہی ہوگی۔ تین کی نیت اس میں کرنا غیر معتبر ہے۔ اور اسی طرح اگر تین طلاقیں زبان سے دیں تو وہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ان میں ایک کی نیت کرلینا بے کار ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں ہم لیتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

پس ان تمام احادیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ نیز چاروں ائمہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ کما یاتی۔

اجماع ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالےٰ

(۱) احکام القرآن میں ہے کہ فالکتاب والسنة و اجماع السلف الصالحین توجب ایقاع الثلاث معا وان کان معصیة۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۳۸۸ ج ۱) یعنی قرآن و سنت اور اجماع سلف کا یہی فیصلہ ہے کہ یک بارگی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اگرچہ ایسا کرنا معصیت ہے۔

(۲) تفسیر مظہری میں ہے کہ لکنھم اجمعوا علی انه من قال لامرأته

انت طالق ثلثا يقع ثلثا بالاجماع۔ (تفسیر مظہری ص ۳۰۰ ج ۱۱) یعنی جمہور علماء قائل ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں مجتمعاً دے گا تو بالاجماع تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

(۳) عینی شرح بخاری میں ہے کہ : ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الاوزاعي والنخعي والثوري وابو حنيفة واصحابه ومالك واصحابه والشافعي واصحابه واسحاق وابو ثور و ابو عبيد و آخرون كثيرون على ان من طلق امرأته ثلثا وقعن ولكنه يأثم وقالوا من خالف فيه فهو شاذ مخالف لاهل السنة انما تعلق به اهل البدعة ومن لا يلتفت اليه لشذوذه عن الجماعة۔ (عینی ص ۵۳۷ ج ۹) یعنی جمہور علماء تابعین اور ان کے بعد کے علماء و فقہاء و محدثین اور امام اوزاعیؒ، امام نخعیؒ، امام ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب و امام مالکؒ اور ان کے اصحاب، امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب، امام اسحاقؒ، امام ابو ثورؒ، امام ابو عبیدؒ اور دیگر فقہاء قائل ہیں کہ "جو کوئی اپنی عورت کو تین طلاقیں دے گا وہ پڑ جائیں گی، لیکن طلاق دینے والا گنہگار ہو گا اور ان حضرات نے کہا ہے کہ جو اس کی مخالفت کرے وہ اہل سنت کا مخالف ہے اور اہل بدعت میں داخل ہے۔ اس قول کو اہل بدعت نے اور ایسے لوگوں نے اختیار کیا ہے جن کا جماعت سے الگ ہونے کی وجہ سے کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۴) مرقاۃ المفاتیح میں ہے کہ وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلث۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ المصابیح ص ۲۹۳ ج ۶) یعنی جمہور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین قائل ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(۵) زجاجۃ المصابیح میں ہے کہ ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الاوزاعي والنخعي والثوري وابو حنيفة

واصحابه ومالك واصحابه والشافعي واصحابه واحمد واصحابه واسحاق وابو ثور وابو عبيد رحمهم الله وآخرون كثيرون على ان من طلق امرأته ثلثاً وقعن ولكنه يأثم وقالوا من خالف فيه فهو شاذ مخالف لاهل السنة والجماعة۔ (زجاجة المصابيح ص۲۶۹-۲۷۰، ج۲) اس کا مطلب تقریباً وہی ہے جو نمبر تین پر گزرا ہے۔

(۶) بخاری شریف میں ہے کہ: قال اهل العلم اذا طلق ثلاثا فقد حرمت عليه فسموه حراما بالطلاق والفراق وليس هذا كالذي يحرم الطعام لانه لا يقال لطعام الحل حرام ويقال للمطلقة حرام وقال في الطلاق الثلاث لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره۔ (بخاری شریف ص۷۹۳، ج۲)

(۷) نووی علی مسلم میں ہے کہ: وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته انت طالق ثلثا فقال الشافعيؒ ومالكؒ وابو حنيفةؒ واحمدؒ وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث۔ (نووی ص۴۷۸، ج۱) جو شخص اپنی بیوی کو کہے "انت طالق ثلاثا"۔ اس کے حکم میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ اور جمہور علماء سلفاً و خلفاً فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں ہو جاتی ہیں۔

(۸) زاد المعاد میں ہے کہ وهذا (ای وقوع الثلث بكلمة واحدة) قول الائمة الاربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين۔ (زاد المعاد ص۲۵۵، ج۲) یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کا وقوع ائمہ اربعہؒ اور جمہور تابعینؒ اور بے شمار صحابہؓ کا قول ہے۔

(۹) بذل المجہود میں ہے کہ: وايضا وقع في الحديث ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه امضاهن وهذا بمحضر من الصحابة في

زمن تو فرهم ولم ينكر عليه احد فلولا لا يظن بعمر بن الخطاب ؓ ان يخالف رسول الله ﷺ في الامر الصريح الشائع ثم لا يظن بالصحابة ان لا ينكروا عليه فيما يخالف فيه رسول الله ﷺ فصار الاجماع على ذلك ولا يمكن اجماعهم على باطل فالحق الصريح انه اذا طلق الرجل امرأته ثلثا مجموعا او متفرقا يكون ثلثا لا واحدا وهو الذي ادين الله به ۔ (بذل المجهود ص ۲۷۲ ج ۳) اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر ؓ نے تین طلاقوں کو نافذ کیا تھا اور یہ صحابہ کی بڑی جماعت کی موجودگی میں ہوا تھا۔ اور حضرت عمر ؓ پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ پس پہلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک امر صریح شائع میں حضور اقدس ﷺ کی مخالفت کرتے۔ پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر انکار نہ کرتے۔ پس "صریح حق" یہ ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے اکٹھی یا جدا جدا تو تین ہوں گی نہ کہ ایک۔

(۱۰) اعلاء السنن میں ہے کہ والحاصل ان وقوع الثلاث مجموعة موضع اتفاق بين جميع من يعتد بقولهم كما قاله ابن التين ولم ينقل الخلاف الا عن غالظ او عمن لا يعتد بخلافه۔ (اعلاء السنن ص ۵۲۳ ج ۱۱) کہ اکٹھی تین طلاقوں کا وقوع سب معتبر علماء میں موضع اتفاق ہے۔

(۱۱) اعلاء السنن میں ہے کہ: قال الخطابي القول بعدم وقوع الطلاق البدعي قول الخوارج والروافض وقال ابن عبدالبر لا يخالف في ذلك الا اهل البدع والضلال۔ اس کے تھوڑا آگے فرمایا۔ فوصل الى نتيجة ان وقوع الثلاث مجموعة على المدخول بها مسئلة اجماعية كتحريم المتعة على حد سواء۔ (اعلاء السنن

ص ۵۲۵ ج ۱۱) یعنی خطابی اور ابن عبدالبر کے نزدیک تین طلاقوں کے واقع نہ ہونے کا قول صرف بدعتی اور گمراہ، خارجی اور شیعہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مدخولہ عورت پر تین طلاقیں واقع ہونے کا مسئلہ اجماعی ہے۔ جیسے متعہ حرام ہے برابر درجے میں۔

(۱۲) اعلاء السنن میں ہے کہ: واما قولهم فی ایقاع الثلاث مجموعة علی المدخول بها فکقول الجمهور علی حد سواء وقال بعد ذلك ففی الروض النضیر ص ۱۳۷ ج ۴ ان وقوع الثلاث بلفظ واحد هو مذهب جمهور اهل البیت الی ان قال فلا یصح نسبة الافتاء بعدم الوقوع الیهم بعد هذا البیان الصریح۔ (اعلاء السنن ص ۵۲۹ ج ۱۱) کہ ایک لفظ سے تین طلاقوں کا وقوع جمہور اہل بیت کا بھی مذہب ہے۔ پس ان کی طرف یہ منسوب کرنا کہ وہ ان کے عدم وقوع کا فتویٰ دیتے تھے، اس صریح بیان کے بعد جائز نہیں۔

(۱۳) المغنی میں ہے کہ: قال ابن قدامةؒ وان طلق ثلثا بکلمة واحدة وقع الثلاث وحرمت علیه حتی تنکح زوجا غیره ولا فرق بین قبل الدخول وبعده روی ذلك عن ابن عباسؓ وابی هریرةؓ وابن عمرؓ وابن مسعودؓ وانسؓ وهو قول اکثر اهل العلم من التابعین والائمة بعدهم۔ (المغنی لابن قدامه ص ۱۰۴ ج ۷) ان سب حضرات کے نزدیک دخول سے قبل یا بعد میں ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہو جاتی ہیں۔

(۱۴) فتح القدیر میں ہے کہ: وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلث۔ (فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳)

(۱۵) بحرالرائق میں ہے کہ: ولا حاجة الی الاشتغال بالادلة علی رد

قول من انکر وقوع الثلث جملۃ لانہ مخالف للاجماع کما حکاہ فی المعراج ولذا قالوا لو حکم حاکم بان الثلاث بفم واحدۃ واحدۃ لم ینفذ حکمہ لانہ خلاف لا اختلاف۔ (بحر الرائق ص ۲۵۷ ج ۳) یعنی جو مجموعی تین طلاقوں کے وقوع کا قائل نہیں اس کے قول کو رد کرنے کے لئے دلائل اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اس کا یہ قول اجماع کے خلاف ہے۔ جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم فیصلہ کرے کہ ایک مرتبہ کی دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہیں تو اس کا یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ خلاف ہے (جو مذموم ہے) اختلاف نہیں (جو کہ رحمت ہے)

(۱۶) بدایۃ المجتہد میں ہے کہ: جمھور فقھاء الامصار علی ان الطلاق بلفظ الثلث حکمہ حکم الطلقۃ الثلاثۃ۔ (بدایۃ المجتھد لابن رشد ص ۶۱ ج ۲)

(۱۷) فتاوی خیریہ میں ہے کہ: نعم یقع ای الثلاث بقول عامۃ العلماء المشھورین من فقھاء الامصار ولا عبرۃ بمن خالفھم فی ذلک او حکم بقول مخالف والرد علی المخالف القائل بعدم وقوع شیء او وقوع واحدۃ فقط مشھور۔ (فتاوی خیریہ ص ۳۳ ج ۱) کہ نہ ماننے والوں کا جواب مشہور ہے جو اکٹھی تین طلاقوں کے وقوع کے قائل نہیں ہیں۔

(۱۸) شامی میں ہے کہ: قال فی فتح القدیر بعد سوق الاحادیث الدالۃ علیہ الی ان قال وقد اثبتنا النقل عن اکثرھم صریحا بایقاع الثلاث ولم یظھر لھم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال۔ (فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳) یعنی تین کے وقوع کی مخالفت کرنا سوائے گمراہی کے کچھ نہیں۔

(۱۹) شرح وقایہ میں ہے کہ: وعندنا الثلث دفعۃ سنی الوقوع ای وقوعھا مذھب اھل السنۃ۔ (شرح وقایہ ص ۷۰ ج ۲)

(۲۰) کفایۃ المفتی میں ہے کہ: وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلث۔ (کفایت المفتی ص۳۲۹ ج۶)

(۲۱) وقال الکاسانی: واما حكم الطلاق البدعة فهو انه واقع عند عامة العلماء وقد ذكر منها الثلاث بلفظ واحد (بدائع الصنائع ص۹۹ ج۳)

(۲۲) قال القرطبی: "قال علماؤنا واتفق ائمة الفتوى على لزوم ايقاع الطلاق الثلاث بكلمة واحدة وهو قول جمهور السلف۔" (تفسیر قرطبی ص۱۲۹ ج۳) یعنی ائمہ فتویٰ کا اتفاق ہے کہ ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(۲۳) قال المرداوی: وان طلقها ثلاثا مجموعة قبل رجعة مرة واحدة طلقت ثلاثا وان لم ينوها على الصحيح من المذهب نص عليه مرارا وعليه الاصحاب بل الائمة الاربعة واصحابهم في الجملة۔ (الانصاف ص۴۵۳ ج۸) یعنی اکٹھی تین طلاقیں دیں تو اگرچہ نیت نہ بھی ہو صحیح مذہب یہی ہے کہ تین واقع ہو جائیں گی۔ اسی پر ائمہ اربعہ ہیں۔

(۲۴) وقال شیخ الاسلام: "في اثناء كلام على بيان المذاهب في ذلك الثاني انه طلاق محرم لازم وهو قول مالك وابي حنيفة واحمد في الرواية المتاخرة عنه واختاره واكثر اصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين۔" (مجموع الفتاوی ص۳۳ ج۸) ان سب حضرات کے ہاں یہ طلاق حرام اور لازم ہے۔

(۲۵) اضواء البیان میں ہے کہ: وقال الشيخ محمد امين الشنقيطي وعلى هذا القول اي اعتبارها ثلاثا جل الصحابة واكثر العلماء

منہم الائمۃ الاربعۃ وقد استدل لہٰذا المذہب بالکتٰب والسنۃ والاجماع والآثار والقیاس۔ (اضواء البیان ص ۱۷۲ ج ۱)

(۲۶) قال ابن رجب حنبلیؒ : اعلم انہٗ لم یثبت عن احد من الصحابۃ ولا من التابعین ولا من ائمۃ السلف المعتد بقولہم فی الفتاوٰی فی الحلال والحرام شیء صریح فی ان الطلاق الثلث بعد الدخول یحسب واحدۃ اذا سیق بلفظ واحد۔ (احسن الفتاوٰی ص ۳۶۹ ج ۵)

(۲۷) المغنی میں ہے کہ : ان الرجل اذا قال لامرأتہٖ انت طالق ثلثًا فہی ثلث وان نوی واحدۃ لا نعلم فیہ خلافًا لان اللفظ صریح فی الثلاث والنیۃ لا تعارض الصریح لانہا اضعف من اللفظ ولذلک لا تعمل بمجردہا والصریح قوی یعمل بمجردہ من غیر نیۃ فلا یعارض القوی بالضعیف کما لا یعارض النص بالقیاس ولان النیۃ انما تعمل فی صرف اللفظ الی بعض محتملاتہ والثلاث نص فیہا لا یحتمل الواحدۃ بحال فاذا نوی واحدۃ فقد نوی ما لا یحتملہٗ فلا یصح کما لو قال لہ علی ثلاثۃ دراہم وقال اردت واحدۃ۔ (المغنی ص ۲۳۱ ج ۷)

(۲۸) تکملہ فتح الملہم میں ہے کہ : مذہب الائمۃ الاربعۃ وجماہیر العلماء من السلف والخلف وہو انہٗ یقع بہ الثلاث جمیعًا وتصیر المرأۃ بہا مغلظۃ لا تحل لزوجہا الاول حتّٰی تنکح زوجًا غیرہٗ وہو مروی عن ابن عباس و ابی ہریرۃ و ابن عمر و عبداللّٰہ بن عمرو وابن مسعود و انس وہو قول اکثر اہل العلم من التابعین والائمۃ بعدہم کما فی المغنی ص ۱۰۴ ج ۷۔ وہو مروی عن عمر و عثمان وعلی والحسن بن علی و عبادۃ بن الصامت

رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تکملہ ص ۱۵۳ ج ۱) یعنی چاروں ائمہ، جمہور علماء سلف و خلف کا یہی مذہب ہے کہ ایک لفظ سے ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں نہ کہ ایک، اور عورت حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جاتی ہے الخ۔

(۲۹) (وقال نقلاً عن العرف الشذی ص ۳۲ : قول العالم الجلیل الشیخ انور شاہ کاشمیری نور اللہ مرقدہ)۔ "ان ھولاء فقہاء الصحابۃ امثال عمر و علی و عثمان و ابن مسعود و ابن عمر و عبداللہ بن عمرو و عبادۃ بن الصامت و ابی ھریرۃ و ابن عباس و ابن الزبیر و عاصم بن عمر و عائشۃ رضوان اللہ علیھم اجمعین کلھم متفقون علی وقوع الثلاث ولو نطق بھا الرجل فی مجلس واحد و کفی بھم حجۃ و استناداً۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۱۵۸ ج ۱)

(۳۰) تبیان القرآن میں ہے کہ : ثم انھم اجمعوا علی ان من قال لامرأتہ انت طالق ثلاثاً یقع ثلاثاً بالاجماع و حکی ابن عبدالبر الاجماع قائلاً ان خلافہ لا یلتفت الیہ۔ (تبیان القرآن ص ۱۱۶ ج ۱) یعنی اس پر اجماع ہے کہ جس آدمی نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں تو بالاجماع تین ہی واقع ہوں گی اور اس کے خلاف کہنے والے کی طرف التفات نہ کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ "کتاب الام" ص ۲۴۷ ج ۵ میں فرماتے ہیں : ولو رای امرأۃ من نسائہ مطلعۃ فقال انت طالق ثلاثاً و قال نواحدۃ منھن ھی ھذہ وقع علیھا الطلاق (اعلاء السنن ص ۵۲۲ ج ۱۱)

سعودی علماء کرام کی سپریم کونسل کا فیصلہ

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعے حرمین شریفین اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے۔ جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے بلکہ خود بادشاہ بھی اس کا پابند ہے۔ اس مجلس میں "طلاق ثلاثہ" کا مسئلہ پیش ہوا۔ مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر و حدیث کی چھیالیس (۴۶) کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد صاف اور واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ "ایک مجلس میں ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں۔" یہ بحث ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ میں ہوئی تھی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس مجلس میں یہ اکابر علماء موجود تھے جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ الشیخ عبدالعزیز بن باز
۲۔ الشیخ عبداللہ بن حمید
۳۔ الشیخ محمد الامین الشنقیطی
۴۔ الشیخ سلیمان بن عبید
۵۔ الشیخ عبداللہ خیاط
۶۔ الشیخ محمد الحرکان
۷۔ الشیخ ابراہیم بن محمد آل الشیخ
۸۔ الشیخ عبدالرزاق عفیفی
۹۔ الشیخ عبدالعزیز بن صالح
۱۰۔ الشیخ صالح بن غصون
۱۱۔ الشیخ محمد بن جبیر
۱۲۔ الشیخ عبدالمجید حسن
۱۳۔ الشیخ راشد بن خنین
۱۴۔ الشیخ صالح بن اللحیدان
۱۵۔ الشیخ محضار عقیل
۱۶۔ الشیخ عبداللہ بن غدیان
۱۷۔ الشیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع و دیگر علماء کرام اس میں شریک تھے۔

ان حضرات نے قرآن و حدیث اور اجماع امت کی روشنی میں اپنے اکثریتی فیصلے

ہمارا بھی فیصلہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

قرآن کریم کی تین آیات' تقریباً ساٹھ احادیث مرفوعہ و موقوفہ اور اتفاق جمہور اور سلف صالحین کی تیس تصریحات سے ثابت کیا گیا ہے کہ مدخول بہا پر ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ سلف صالحین میں کوئی بھی قابل اقتداء ایسی شخصیت نہیں ہے جو اس کے خلاف کی قائل ہو۔ چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ : فعلم انه لم يثبت عن احد من الصحابة ولا من التابعين ولا من ائمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في ان الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة اذا سيق بلفظ واحد. ذكره ابن عبد الهادي عن ابن رجب رحمه الله. (رسالہ "الطلاق الثلاث" ص ۲۲)

گزشتہ صفحات میں جو دلائل و احادیث ذکر کی گئی ہیں ان کی روشنی میں ہم یہاں پر ان حضرات کی مختصر فہرست ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے قائل ہیں۔

حق جل شانہ اور نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ' حضرت علی کرم اللہ وجہہ' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا' حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ' حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ' حضرت انس رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما' حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ' حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ' حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ' حضرت مکحول رحمہ اللہ' حضرت قتادہ رحمہ اللہ' حضرت امام شعبی رحمہ اللہ' امام زہری رحمہ اللہ' حضرت حسن بصری رحمہ اللہ' حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ' حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ' حضرت حمید بن

عبدالرحمن رحمہ اللہ 'حضرت مصعب بن سعید رحمہ اللہ 'حضرت ابومالک اور حضرت عبداللہ بن شداد رحمہما اللہ 'حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ 'حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ 'حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ 'حضرت امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ 'حضرت مروان بن الحکم رحمہ اللہ 'حضرت سلیمان بن اعمش کوفی رحمہ اللہ اور حضرت مسروق رحمہ اللہ 'امام ابوحنیفہ 'امام قاضی ابویوسف 'امام محمد 'امام مالک 'امام شافعی رحمہم اللہ 'امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ 'حضرت امام اوزاعی و سفیان ثوری و اسحاق و نووی و بخاری رحمہم اللہ و دیگر علماء و فقہائے امت۔

اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق نقل کرنیوالے حضرات کے اسمائے گرامی

امام بخاری رحمہ اللہ 'امام نووی رحمہ اللہ 'علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ 'ملا علی قاری رحمہ اللہ 'امام قرطبی رحمہ اللہ 'شیخ زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ 'شیخ ابوبکر رازی المعروف بالجصاص رحمہ اللہ 'مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ 'مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فی اعلاء السنن 'قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ 'شیخ عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ فی کتاب المغنی سید عبداللہ بن مظفر حسین حیدر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ 'علامہ ابن رشد و علامہ محمد امین المعروف بابن عابدین و شیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید المعروف بابن ہمام الحنفی رحمہ اللہ 'شیخ محمود بن صدر الشریعہ و عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ و شیخ محمد امین الشنقیطی رحمہم اللہ و مفتی تقی عثمانی صاحب مصنف تکملہ فتح الملہم 'علامہ حبیب الرحمن

الا علی و دیگر فقہائے امت۔

حضرات علماء کرام نے ایک مجلس میں طلاق ثلاثہ کے نفاذ والے مسئلے کو ان مسائل اجماعیہ میں شامل کیا ہے۔ جس کے خلاف قضاء قاضی بھی نافذ نہیں ہے' بلکہ قاضی کا اس کے خلاف کیا ہوا فیصلہ ایسے ہی ناقابل قبول ہو گا جیسے صریح قرآن و سنت یا اجماع امت کے خلاف قاضی کا فیصلہ مردود قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بحرالرائق میں ہے: "ولا حاجة الى الاشتغال بالادلة على رد قول من انكر وقوع الثلاث جملة لانه مخالف للاجماع كما حكاه فى المعراج ولذا قالوا لو حكم حاكم بان الثلاث بفم واحدة واحدة لم ينفذ حكمه لانه لا يسوغ الاجتهاد فيه لانه خلاف لا اختلاف۔" (بحرالرائق ص ۲۵۷' ج ۳) کہ اگر قاضی یا حاکم اس اجماع کے خلاف فیصلہ کرے تو وہ نافذ نہیں ہو گا کیونکہ یہ خلاف ہے نہ کہ اختلاف۔

تفصیل بالا کے مطابق کسی اہل فہم و اہل دیانت کو اس میں شبہ نہیں رہنا چاہیے کہ یہی مسئلہ حق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

گزشتہ صفحات میں قرآن و سنت آثار صحابہ و تابعین فقہائے کرام و ائمہ مجتہدین مفسرین و محدثین اور وارثین امت کی تصریحات سے اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ (نیت تاکید کی صورت زیر بحث نہیں) اس مسئلہ کے اثبات کے لئے دلائل بالا صرف کافی ہی نہیں بلکہ اس سے بھی اوپر ہیں۔ البتہ اندھی تقلید تعصب و عناد اور "میں نہ مانوں" کی رٹ لگانے والوں کا کوئی علاج نہیں۔ دلائل کے اس انبار کو آخر کہاں پھینکا جا سکتا ہے اور اس سے اندھا پن کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ اس کے مقابلہ میں ایک بھی صحیح غیر متکلم فیہ روایت موجود نہیں۔ نہ مرفوع نہ موقوف' نہ آثار تابعین اور نہ ہی ائمہ مجتہدین و مفسرین اور محدثین نے اسے قبول کیا ہے۔ اس سے زیادہ شتر و ذرنکارت کیا ہو سکتی ہے۔ اس یتیمی اور لاوارثی کی کوئی حد بھی ہے کہ پورے ذخیرۂ احادیث و آثار صحابہ و تابعین میں اس کی کوئی گری پڑی اصل موجود نہیں۔ علامہ ابن رجب فرماتے ہیں کہ

میں ایک عرصہ تک اس کی اصل کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ انتہائی کوشش کے باوجود مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔ قال الجوزجانی "ھو حدیث شاذ قال ابن رجب وقد عنیت بھذا الحدیث فی قدیم الدھر فلم اجد له اصلا۔ غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں۔ مگر وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔ کوئی صحیح دلیل نہ ہونے کے باوجود اہل سنت والجماعت کے اول الذکر ذخیرہ دلائل کو محض اپنے جھوٹے پروپیگنڈے سے باطل کرنا چاہتے ہیں اور شریعت مقدسہ کی رو سے متفقہ حرام کردہ مطلقہ کو حلال کرنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ حضور پاک ﷺ نے تین طلاقیں دینے والے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ مگر غیر مقلدین ایسے شخص کا دل و جان سے استقبال کرکے اسے ہمیشہ کے لئے حرام کاری میں مبتلا کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اشاعت فاحشہ کی مردود سعی سے اللہ تعالیٰ حفاظت میں رکھے۔

قرآن و سنت اور اجماع کے دلائل سامنے آجانے کے بعد اگرچہ اس کی حاجت نہ تھی کہ کسی کے محمل دلائل کی طرف توجہ کی جائے، مگر مخالفین کے دلائل کا سرسری جائزہ لینا بھی ابطال کے لئے ضروری ہے۔

شبہات کے جوابات

شبہ نمبر ۱:

غیر مقلدین نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے: عن ابن عباس قال کانت الطلاق علی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و ابی بکر و سنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة الی آخرہ (صحیح مسلم ص ۴۷۷ ج ۱)

اس روایت کے محدثین نے بہت سے جواب دیئے ہیں، جن میں سے بعض یہ

جواب نمبر۱:

یہ روایت سند اور متن کے اعتبار سے مضطرب ہے۔ کبھی یوں روایت کرتے ہیں کہ عن طاؤس عن ابن عباسؓ اور کبھی یوں روایت کرتے ہیں کہ عن ابی الجوزاء عن ابن عباسؓ۔ اور متن میں کبھی یوں نقل کرتے ہیں کہ: الم تعلم ان الرجل کان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها جعلوها واحدة۔ اور کبھی یوں نقل کرتے ہیں کہ الم یکن الطلاق الثلاث علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وابی بکرؓ وصدر خلافة عمرؓ واحدةً۔ (الطلاق الثلاث ص۱۳۵)

لہٰذا اس مضطرب روایت کا صحیح احادیث کے مقابلے میں اعتبار نہ ہوگا خاص طور پر جب کہ وہ خود راوی کے فتوے کے خلاف ہو۔

جواب نمبر۲:

یہ حدیث منکر ہے کیوں کہ اس روایت کو صرف طاؤس نے ہی ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور طاؤس کی مناکیر میں سے یہ روایت بھی ہے: قال القاضی اسماعیل فی کتابه احکام القرآن طاؤس مع فضله وصلاحه یروی اشیاء منکرة منها هذا الحدیث۔ (الطلاق الثلاث ص۱۳۵) "نوٹ" یہ وہ رسالہ ہے جس میں سعودی علماء کرام کی سپریم کونسل کا فیصلہ ہے۔

جواب نمبر۳:

یہ حدیث شاذ ہے۔ قال ابن عبد البر شذ طاؤس فی هذا الحدیث (الطلاق الثلاث ص۱۳۵) وقال ابن رجب وکان علماء اهل مکة ینکرون علی طاؤس ما ینفرد به من شواذ الاقاویل۔ (ایضا ص۹۸) یعنی طاؤس کے متفرد شاذ اقوال پر اہل مکہ انکار کرتے تھے۔

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اشکال الاحادیث الواردۃ فی ان الطلاق الثلاث واحدۃ میں امام احمدؒ یحییٰ القطانؒ یحییٰ بن معینؒ علی بن مدینی وغیرہ سے اس کے شاذ ہونے کے اقوال نقل کئے ہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ: کل اصحاب ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ رو واعنہ خلاف ماروی طاؤس وقال الجوزجانی "ھو حدیث شاذ قال ابن رجب وقد عنیت بھذا الحدیث فی قدیم الدھر فلم اجد لہ اصلاً قال المصنف ومتی اجمع الامۃ علی اطراح العمل بحدیث وجب اطراحہ وترک العمل بہ وقال ابن المھدی لا یکون اماما فی العلم من عمل بالشاذ۔ (الطلاق الثلاث ص ۲۹) اور دیگر اہل علم نے بھی اس کو شاذ کہا ہے۔

جواب نمبر ۴ :

طاؤس کی یہ روایت وہم اور غلط ہے اور ناقابل التفات ہے۔ چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے: عن ابن عبدالبر انہ قال روایۃ طاؤس وھم "وغلط" لم یعرج علیھا احدٌ من فقہاء الامصار بالحجاز والشام والمغرب۔ (ایضاً ص ۹۸) وعن ایوب انہ کان یعجب من کثرۃ خطاء طاؤسؒ۔

جواب نمبر ۵ :

یہ حدیث خلاف اجماع ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایات جو تین کے وقوع کی ناطق ہیں وہ اجماع صحابہ اور جمہور امت کے موافق ہیں اور جن میں ایک طلاق کے واقع ہونے کا ذکر ہے۔ وہ روایات احادیث صحیحہ' اجماع صحابہؓ اور جمہور امت کے خلاف ہیں۔ لہذا تین طلاقیں واقع ہونے والی روایت معتبر ہوگی' اور ایک والی غیر معتبر۔

جواب نمبر ۶ :

یہ حدیث منسوخ ہے : کما قال ابن رجب۔ اس لئے کہ خود حضرت ابن عباسؓ اس کے خلاف فتویٰ دیتے تھے کما مرّ۔ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے اور پھر وہ حدیث حجت نہیں بن سکتی۔ نورالانوار میں ہے : امتناع الراوی عن العمل به مثل العمل بخلافه فيخرج عن الحجية۔ (ایضاً ص۱۹۸) اور اس کے منسوخ ہونے پر اجماع صحابہ بھی دال ہے اور اجماع معصوم ہوتا ہے۔ پس وہی مقدم ہوگا اور اگر ناسخ موجود نہ ہوتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے خلاف کبھی فتویٰ نہ دیتے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس کو منسوخ کہا ہے اور فرمایا ہے : ويقويه ما اخرجه ابوداؤد من طريق يزيد النحوى عن عكرمة عن ابن عباسؓ قال كان الرجل اذا طلق امراته فهو احق برجعتها وان طلقها ثلاثا فنسخ ذالك (فتح الباری ص۲۸۹ ج۹) لہٰذا یہ منسوخ ہونے کی وجہ سے متروک العمل ہے۔

جواب نمبر ۷ :

اس میں تقریر نبی ﷺ ثابت نہیں ہے۔ اگر تقریر ہوتی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے خلاف فتویٰ کبھی نہ دیتے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بھی یہ نقل فرمایا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ اس میں تقریر ثابت نہیں۔ لہٰذا احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے۔ حافظ ابن حزمؒ نے محلیٰ میں کہا ہے کہ یہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے نہ فعل فلا حجة فيه۔ (محلیٰ ابن حزم ص۱۶۸ ج۱۰)

جواب نمبر ۸ :

اس میں ثلاث سے مراد "البتہ" ہے کیونکہ اہل مدینہ کے ہاں "البتہ" تین

کے معنی میں مشہور تھا تو اس شہرت کی وجہ سے کسی راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے بتہ کی بجائے "ثلاث" کہہ دیا۔ اس توجیہ سے روایات میں جمع اور تطبیق ہو جائے گی۔ اور بتہ بول کر پہلے ایک مراد لی جاتی تھی' جیسا کہ رکانہ ؓ نے کیا تھا۔ پھر جب لوگ بتہ بول کر تین ہی کا ارادہ کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین ہی لازم کر دیں نہ کوئی نیا حکم دیا اور نہ ہی شرعی حکم کو بدلا۔

جواب نمبر۹ :

روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ ایک ہی طلاق دیتے تھے۔ تین کا استعمال شاذ و نادر تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاقیں دینے لگے۔ اس لئے یہ حکم نافذ کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسے ابن عربی اور ابو زرعہ رازی کا پسندیدہ جواب بتلایا ہے۔ (فتح الباری ص ۲۹۹' ج ۹)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس توجیہ کے اعتبار سے یہ روایت لوگوں کی عادت کے اختلاف کو بیان کر رہی ہے نہ کہ تغیر حکم کو۔

جواب نمبر۱۰ :

یہ حدیث غیر مدخولہ کو طلاق دینے کے بارے میں ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں لوگ غیر مدخولہ کو اس طرح طلاق دیتے تھے: انت طالق طالق طالق۔ اس کے برخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں نے انت طالق ثلاثا سے طلاق دینا شروع کر دیا تو حضرت عمرؓ نے تینوں کے وقوع کا حکم لگایا اور اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ غیر مدخولہ کو انت طالق طالق طالق کہنے سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور دوسری لغو شمار ہوتی ہیں اور انت طالق ثلثا کہنے سے تین طلاقیں واقع ہو کر وہ حرام ہو جائے گی۔ پس یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے نہ کہ اہل ظاہر و غیر مقلدین کی اور اس حدیث کے غیر مدخولہ کے بارے میں ہونے کی دلیل یہ ہے کہ امام نسائیؒ نے اپنی سنن میں روایت ابن عباس ؓ اس ترجمہ کے تحت بیان کی ہے : باب الطلاق

الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة (نسائی ص ۸۳ ج ۲)

امام نسائیؒ نے قبل الدخول بالزوجہ کی قید کسی حدیث کی وجہ سے لگائی ہوگی۔ اور حدیث سنن ابی داؤد کتاب الطلاق میں باب بقیہ نسخ المراجعہ بعد التطلیقات الثلاث کے تحت موجود ہے۔ اسی لئے کہ امام بخاری اور امام نسائی رحمہما اللہ کی عادت ہے کہ وہ جس روایت کو اپنی شرائط کے مطابق نہ پائیں اس کی طرف ترجمۃ الباب میں اشارہ کر دیتے ہیں۔ کما قال الحافظ ابن حجرؒ۔

جواب نمبر۲ :

اصل میں طلاق کے الفاظ کو تین بار دہرانے کی دو شکلیں ہیں۔ ایک یہ کہ ارادہ بھی تین طلاق دینے کا ہو اور دوسری یہ کہ ارادہ تو ایک ہی طلاق دینے کا ہو مگر اس کو پختہ کرنے کے لئے تین بار لفظ طلاق دہرا دیا جائے۔ جیسا کہ بعض لوگ نکاح میں ایجاب و قبول کے الفاظ تین بار دہراتے ہیں۔ اب چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں پر امانت و دیانت کا غلبہ تھا، اس لئے یہ خیال نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی شخص طلاق دیتے وقت تین طلاق کے ارادے سے تین بار یہ الفاظ کہے اور بعد میں یہ کہنے لگے کہ میں نے تو ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ بعد میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگوں کی دیانت و امانت کا وہ معیار باقی نہیں رہا تو حکم فرمایا کہ آئندہ جو شخص طلاق کے الفاظ تین بار دہرائے گا ہم ان کو تین ہی سمجھیں گے اور کسی کا یہ عذر قابل قبول نہ ہوگا کہ میں نے ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تین کا نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی شرعی حکم کو نہیں بدلا۔ اور ظاہر ہے کہ دیانت و امانت کا جو معیار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا اب اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اگر انہوں نے تین کے تین ہونے کا فیصلہ فرما دیا تو ہمیں اس کی پابندی بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ حرام کے جس دروازے کو بند کرنے کے لئے تھا اب

اسے کھولنا مناسب نہیں۔ اسی جواب کو علامہ نوویؒ نے "اصح الاجوبہ" قرار دیا ہے۔ "صحیح مسلم ص۴۷۸ ج۱" اور دیگر مفسرین و محدثین نے بھی یہ جواب دیا ہے۔ جیسے علامہ قسطلانیؒ، قرطبیؒ اور ابن ہمام وغیرہ نے۔

جواب نمبر۱۲ :

اس روایت کے راوی صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود تین طلاقوں کے وقوع کا فتویٰ دیتے تھے اور ابن قدامہؒ نے اعتماد کے ساتھ لکھا ہے کہ لا یسوغ لابن عباس ؓ ان یروی هذا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویفتی بخلافہ۔ (مغنی ابن قدامہ ص۱۰۵ ج۷) اس لئے یہ حجت نہیں بن سکتی۔

جواب نمبر۱۳ :

حسین بن علی کرابیسی ادب القضاء میں بطریق علی بن عبداللہ ابن المدینی عن عبدالرزاق عن معمر عن ابن طاؤس اپنے والد طاؤس تابعیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو شخص تمہیں طاؤس کے بارے میں یہ بتائے کہ وہ تین طلاق کے ایک ہونے کی روایت کرتے تھے تو اسے جھوٹا سمجھو۔ (کتاب الاشفاق ص۳۰۹)

جواب نمبر۱۴ :

ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء تابعی سے کہا کہ آپ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات سنی ہے کہ باکرہ کی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں؟ تو فرمایا کہ مجھے تو ان کی یہ بات نہیں پہنچی اور عطاءؒ ابن عباس ؓ کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ (ایضاً ص۳۰۹)

جواب نمبر۱۵ :

اس روایت میں دور نبوی اور دور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک حالت اجماعی کا

ذکر ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے معاصر بھی اس کو روایت کرتے اور کئی طرق سے یہ بات ملتی۔ حالانکہ یہ صرف ایک غریب اور شاذ روایت ہے۔ جس کو صرف طاؤس نے ہی نقل کیا ہے جو مختلف فیہ ہے اور جمہور علماء اصول کے نزدیک ایسے موقع پر جہاں تقاضا اخبار متواترہ کا ہو ایک ہی روایت کا ملنا اس کے صحیح نہ ہونے پر دال ہوتا ہے ' چہ جائیکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا اس وقت تمام صحابہ کے سکوت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو بھی اس کے خلاف معلوم نہ تھا (الطلاق الثلاث ص ۱۳) کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا اور صحابہ کرام ؓ اس کے بعد بالاتفاق اسی کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔ یہاں تک کہ خود حضرت ابن عباس ؓ بھی اب پہلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہی محال ہے کہ شرعی حکم کو بدلتے خاص طور پر جب کہ یہ مسئلہ فرج کے حلال یا حرام ہونے کا ہے۔ اگر بالفرض والمحال ایسا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی ان کی موافقت نہ کرتے اور اگر ابن عباس ؓ کے پاس حدیث مرفوع ہوتی کہ تین ایک ہوتی ہیں' تو وہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت نہ کرتے جیسا کہ مسئلہ عول میں اور حجب الام بالاثنین من الاخوۃ والاخوات اور حج تمتع اور بیع دینار بدینارین اور بیع امہات الاولاد وغیرہ مسائل میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی۔

حج تمتع کے بارے میں فرمایا کہ یوشک ان تنزل علیکم حجارۃ من السماء اقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وتقولون قال ابوبکر و عمر (الطلاق الثلاث ص ۱۴) ایسے متقی اور پختہ حضرات سے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس روایت کو ظاہر پر ہی رکھا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہو گا کہ ہر صورت میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں۔ اگرچہ تین متفرق طہروں میں ہوں۔ اس لئے کہ اس میں فی طہر واحد کے الفاظ نہیں ہیں۔ فلا دلیل لہم۔ جب تخصیص کرنی

ہی ہے تو پھر جمہور کے موافق تاکید پر کیوں محمول نہ کرلیں۔

جواب نمبر۱۶ :

خود راویٔ حدیث ابوالصہباء کے اقرار و اعتراف کے مطابق یہ حدیث ہنات اور مصائب میں سے ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ ابوالصہباء حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہا کرتے تھے : ھات من ھناتک الم یکن الطلاق الثلث علی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم و ابی بکر واحدۃ الخ۔ اور "ھناتک" کا معنی آفت و مصیبت ہے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے : "فی فلان ھنات" ۔ فلاں کے اندر بری خصلتیں ہیں اور اس کا استعمال خیر میں نہیں ہوتا (مصباح اللغات)۔

جب یہ حدیث بقول ابوالصہباء ہنات "مصائب" میں سے ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی راوی کے اس الزام کو قائم رکھا اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث ایسی ہی ہے۔ تعجب ہے غیر مقلدین کی کرامتِ تقلید پر کہ وہ احادیث صحیحہ کثیرہ کے مقابلے میں اس ہنات کو اپنے گلے میں لٹکائے پھر رہے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے غالباً حدیث ابن عباسؓ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ اول تک کوئی صحابی زیر بحث تین طلاقوں کے وقوع کا قائل نہ تھا۔ گویا کہ عدم وقوع پر تمام صحابہ کا اجماع تھا۔

جواب نمبر۱۷ :

یہ مبالغہ آمیز دعویٰ محض خوش فہمی پر مبنی ہے کیوں کہ اولاً تو یہ حدیث ہی ثابت نہیں جیسا کہ مفصلاً پہلے گزر چکا ہے۔ جب بنیاد ایسی حدیث ہے تو اس پر مبنی خوش فہمی کا محل بھی پارہ پارہ ہوجائیگا خصوصاً جب کہ خارج میں کسی متفق علیہ صحیح سند کے ساتھ ایک صحابی کا قول بھی اس کی تائید میں ثابت ہے نہ ہی کوئی صحیح غیر متکلم فیہ کوئی ایسی

حدیث مرفوع موجود ہے اور جن بعض صحابہ کی طرف اس مسئلے کی نسبت کی گئی ہے، حضرات علماء نے اسے صریح جھوٹ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: "وما نسبوہ الی الصحابة کذب بحت لا اصل لہ فی کتاب ولا روایة لہ عن احد۔ الی ان قال واما حدیث الحجاج بن ارطاة فغیر مقبول فی الملة ولا عند احد من الائمة۔ (الطلاق الثلاث ص ۱۳۵) کہ صحابہؓ کی طرف یہ نسبت کہ تین کے دفعتاً وقوع کے قائل نہ تھے بالکل خالص جھوٹ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ موصوف نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ زیر بحث طلاق ثلاثہ کے وقوع پر حضرات صحابہ کا جو اتفاق نقل کیا جاتا ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ کے وقت تقریباً ایک لاکھ صحابہ موجود تھے تو ان کے عشر کے عشر کے عشر سے بھی کیا یہ چیز صراحتاً منقول ہے کہ زیر بحث طلاق ثلاثہ واقع ہو جاتی ہیں۔

جواب نمبر ۱۸:

علامہ موصوف کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہم سے لاکھوں صحابہ کی ایسی تصریح کا مطالبہ کیوں کیا جا رہا ہے، جبکہ آپ نے اپنے دعویٰ اجماع صحابہ کے لئے ایک صحابی کی بھی نقل پیش کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اگر یہ اتفاق لاکھ یا دس ہزار صحابہ کی تصریحات کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا تو آپ نے جس اتفاق کا دعویٰ کیا ہے وہ ایک صحابی کی طرف سے تصریح نقل کے بغیر کیسے ثابت ہو گیا؟

(ب) کیا دوسرے مسائل اجماعیہ میں بھی لاکھ یا دس ہزار صحابہ کی تصریحات ضروری ہیں یا صرف مسئلہ وقوع طلاق ثلاثہ ہی میں خصوصیت سے اس کی ضرورت پڑ گئی؟ آخر وجہ فرق کیا ہے؟ حضرات صحابہ کے دیگر متفق علیہ مسائل میں بھی کسی نے ہزاروں اور لاکھوں صحابہ کی طرف سے نقل صریح کا مطالبہ نہیں کیا تو کیا یہ کہا جائے گا کہ صحابہ کے مابین کوئی اجماعی مسئلہ سرے سے موجود ہی نہیں؟ ہرگز نہیں۔

جواب نمبر ۱۹ :

ایسے مسائل میں اتفاق و اختلاف کا مدار مجتہدین صحابہؓ پر ہوتا ہے۔ صرف صحابہؓ نہیں تابعین' تبع تابعین اور ہر دور میں اتفاق و اختلاف کا مدار اس زمانہ کے علمائے مجتہدین پر ہوتا ہے۔ اگر کسی مسئلہ پر مجتہدین کا اتفاق ہے تو اسے متفق علیہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس دور کی پوری مسلم آبادی کے ہر ہر فرد سے اس پر اتفاق کا منقول ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح سمجھئے کہ زیر بحث وقوع طلاق ثلاثہ کے مسئلے پر مجتہدین صحابہ کا اتفاق کافی ہے (لاکھوں اور ہزاروں کی بات بے جا اور لغو ہے) اور گزشتہ صفحات میں تقریباً تمام اکابر صحابہ سے یہ گزر چکا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ : فان العبرة فی نقل الاجماع نقل ما عن المجتهدين لا العوام والمائة الالف الذين توفی عنهم رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم اكثر من عشرين كالخلفاء والعبادلة وزيد بن ثابت ومعاذ بن جبل وانس وابي هريرة رضي الله عنهم وقليل والباقون يرجعون اليهم ويستفتون منهم وقد اثبتنا النقل عن اكثرهم صريحا بايقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن هذا قلنا لو حكم حاكم بان الثلاث بفم واحد واحدة لم ينفذ حكمه لانه لا يسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف لا اختلاف۔ (فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳) خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ سب سنت نبوی اور خلفاء نبوت کی تکمیل میں کیا۔ اسی لئے حضرات صحابہ نے بھی بلا کسی نکیر کے اس کو قبول کیا۔ پس اجمالی طور پر اتنا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ تفصیل اس کی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے اگر ایسا نہ کیا جائے تو خلافت راشدہ کے مقصد کے خلاف ہو گا۔ کیونکہ خلفاء راشدین کا مقصد سنت نبوی اور دین متین کی تکمیل تھی' نہ کہ اس کا

ابطال۔ اب اگر مطلقہ ثلاثہ بلفظ واحد حلال تھی اور نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے اس کو حرام قرار دیا تو یہ خلفاء نبوت کا ابطال ہے نہ کہ اس کی تکمیل' اور یہ بعینہ رافضیوں کا مذہب ہے کہ خلفاء راشدین نے دین نبوی کو باطل کر دیا اور اس میں تبدیلیاں کر دیں۔ جبکہ اہل سنت والجماعت کا یہ مذہب اور عقیدہ ہے کہ خلافت راشدہ تکمیل دین کے لئے تھی۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی یہ تاویل کرنا عین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔

چنانچہ حضرات علماء نے حدیث ابن عباس کی مختلف توجیہات کردی ہیں' جنہیں امت نے تسلیم کیا ہے۔ بندہ کے ناقص خیال میں ایک توجیہ یہ بھی آرہی ہے کہ بطریق عکرمہ حدیث ابن عباس میں حضرت رکانہؓ کی تین طلاقوں اور پھر رجوع کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ جو منکر ہے (ابن ہمام) اور دراصل یہ طلاق ثلاثہ کا واقعہ نہیں' بلکہ یہ طلاق بتہ کا قصہ ہے۔ اہل مدینہ نے عرف میں اسے طلاق ثلاثہ سے بھی تعبیر کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ رکانہ کے اہل بیت کی سند سے ظاہر ہے کہ یہ طلاق بتہ کا واقعہ تھا اور یہی اصح ہے (ابوداؤد) تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پہلے اسے طلاق ثلاثہ سے تعبیر کیا اور پھر اسی جزئی واقعہ کو ایک عام کلیہ کی شکل میں ذکر فرما دیا۔ تسامحات ابن عباس رضی اللہ عنہما معروف ہیں اور ایسا دوسری بعض احادیث میں بھی ہوا ہے۔ حضرت زید مسواک اپنے کان کے اوپر رکھا کرتے تھے۔ اور دوسرے راویوں نے اسی جزئی واقعہ کو یوں تعبیر کردیا' گویا کہ یہ تمام صحابہ کی عادت تھی۔ کانت اسوکتھم عند اذنھم موضع القلم من الکاتب۔ نیز حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں : کنت اطیب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لحلہ قبل ان یطوف۔ حالانکہ حضورؐ نے ایک ہی حج کیا ہے تو ایک ہی مرتبہ خوشبو استعمال کی ہوگی۔ کان یصلی وھو حامل امامۃ بنت العاص' کان ینام وھو جنب۔ کان یباشر وھو صائم۔ ان سب مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "کان" استمرار کا فائدہ ہمیشہ نہیں دیتا۔ چنانچہ

نوویؒ فرماتے ہیں : فان المختار الذی علیہ الا کثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظ "کان" لا یلزم منھا الدوام ولا التکرار وانما ھی فعل ماض یدل علی وقوعہ مرۃ فان دل دلیل علی التکرار عمل بہ والا فلا تقتضیہ بوضعھا۔

شبہ نمبر۳ :

عن محمد بن اسحاق عن داؤد بن الحصین عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ قال طلق رکانۃ امرأتہ ثلاثا فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تلک واحدۃ فارجعھا ان شئت فراجعھا۔ (الطلاق الثلاث ص ۳۱)

جواب نمبر۱ :

حضرت رکانہؓ کے طلاق کے واقعہ میں مختلف الفاظ احادیث میں ہیں۔ بعض میں طلق امرأتہ ثلاثا جیسا کہ مذکورہ روایت ہے۔ اور بعض میں "طلق امرأتہ البتۃ" کے الفاظ ہیں۔ اور امام ابوداؤد نے "بتہ" والی روایت کو دو وجہ سے ترجیح دی ہے۔ اول تو اس لئے کہ یہ روایت حضرت رکانہ کے اہل خاندان سے مروی ہے۔ وھم اعلم بہ۔ دوسرے اس لئے کہ "طلق ثلثا" والی روایات مضطرب ہیں۔ بعض میں طلاق دینے والے کا نام "رکانہ" ہے۔ کما فی روایۃ احمد اور بعض میں "ابو رکانہ" ہے۔ جب کہ "البتہ" والی روایت اس اضطراب سے خالی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت رکانہؓ نے اپنی اہلیہ کو تین طلاقیں نہ دی تھیں بلکہ طلاق بتہ دی تھی۔ اس زمانے میں چونکہ طلاق البتۃ کا اطلاق طلاق ثلاثہ پر بھی ہوتا تھا اس لئے کسی راوی نے اس میں روایت بالمعنی کر دی۔ اب طلاق بتہ میں تین کا ارادہ کرنا بھی صحیح ہے اور ایک کا بھی فلا اشکال۔

جواب نمبر۲ :

"طلق ثلاثاً" والی روایت ضعیف ہے۔ چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ

اما الروایة التی رواها المخالفون ان رکانة طلق ثلاثاً فجعلها واحدةً فروایةٌ ضعیفةٌ عن قوم مجهولین۔ (شرح نووی علی صحیح مسلم ص۴۷۸ ج۱)

اور علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ : وهذا لا یصح لانه عن غیر مسمی من بنی ابی رافع ولا حجة فی مجهول وما نعلم فی بنی ابی رافع من یحتج به الا عبیدالله وحده وسائرهم مجهولون۔ (محلی ابن حزم ص۱۶۸ ج۱۰) اس روایت کا صحیح روایات کے مقابلہ میں اعتبار نہ ہوگا۔

جواب نمبر۳ :

محمد بن اسحاق اور اس کا شیخ مختلف فیہ ہیں عندالمحدثین۔ قال ابوداؤد احادیثه عن عکرمة مناکیر۔ اور عکرمہ کے بارے میں علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ : "عن عبدالله بن حارث قال دخلت علی علی بن عبدالله فاذا عکرمة فی وثاق عند باب الحسن فقلت له الا تتقی الله فقال ان هذا الخبیث یکذب علی ابی ویروی عن ابن المسیب انه کذاب عکرمة وقال کذبه عطاء الخ۔ (میزان الاعتدال ص۲۰۸ ج۲) غرضیکہ ایسے متکلم فیہ رواۃ کی سند کا احادیث صحیحہ کے مقابلے میں اعتبار نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

جواب نمبر۴ :

یہ حدیث راوی صحابی کے فتوے کے خلاف ہے اور روایت سے سب سے زیادہ باخبر اس کا راوی ہوتا ہے۔ لہٰذا ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ یقیناً کسی مرجح کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ کیونکہ راوی کا خود اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس کے نسخ کی دلیل

ہے۔

جواب نمبر ۵ :

یہ شاذ مذہب ہے۔ اس لئے اس پر عمل نہ کیا جائے گا جمہور کو چھوڑ کر۔

جواب نمبر ۶ :

حدیث رکانہؓ تو ہماری دلیل ہے۔ اس لئے کہ اگر کنایہ کے الفاظ میں صرف دل میں ارادے کی وجہ سے تین واقع ہو جاتی ہیں باتفاق امت جبکہ تین کا لفظ بھی زبان پر نہیں آتا تو زبان سے تین کہہ کر کیوں واقع نہ ہوں گی۔ اس لئے یقیناً یہ طلاق بتہ تھی جس میں ایک کا ارادہ معتبر ہے۔ یا جدا جدا کر کے تین دی ہوں گی اور ان میں ارادہ تاکید کا ہو گا نہ کہ تجدید کا۔

جواب نمبر ۷ :

صحیح یہی ہے کہ حضرت ابو رکانہؓ نے طلاق بتہ دی تھی۔ اس لئے کہ اگر تین کا لفظ صریح ہوتا تو آپ ﷺ یہ کیوں پوچھتے کہ ارادہ کتنی طلاقوں کا تھا؟ ہاں اگر طلاق' طلاق' طلاق کہا ہو تو اس میں دو احتمال ہوتے ہیں۔ ۱۔ عدد کا' ۲۔ تاکید کا۔ جیسے کوئی کہے کہ "چور چور چور" یا "سانپ' سانپ' سانپ" حالانکہ ہوتا ایک ہی ہے۔ اب چونکہ دو احتمال تھے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اس کو ایک طلاق قرار دینے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ ان کا ارادہ ایک کا تھا۔

جواب نمبر ۸ :

حضور اکرم ﷺ کا ان کو قسمیں دے کر بار بار پوچھنا اس پر دال ہے کہ انہوں نے طلاق بتہ ہی دی تھی۔ کما رجحہ ابوداؤد' وقال الترمذی' ھٰذا حدیث لا نعرفہٗ الا من ھٰذا الوجہ۔ (ترمذی ص ۲۲۲' ج ۱) وقال الدارقطنی ھٰذا حدیث صحیح۔ (دارقطنی ص ۳۳' ج ۴) وقال ابن ماجہ ما اشرف

هذا الحديث۔ (ابن ماجہ ص ۱۴۹ ج ۱)

ابن ابي شيبةؒ نے بھی اسی کو بیان کیا ہے۔ اور علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ :
فهذا دليل على انه لو اراد الثلاث لوقعن والا فلم يكن لتحليفه معنى (نووي على مسلم ص ۴۷۸ ج ۱)

یعنی اگر تین کی نیت کی ہوتی تو تین ہی واقع ہو جاتیں' ورنہ اس سے قسم لینے کا کوئی معنی نہیں۔

جواب نمبر۹ :

مستدرک حاکم میں محمد بن ثور کی روایت میں صرف "طلقتها" ہے۔ اور "ثلثا" کا لفظ اس میں نہیں ہے۔ اور علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے بھی محمد بن ثور کی روایت کو عبدالرزاق کی روایت پر ترجیح دی ہے۔ اور کہا ہے کہ عبدالرزاق آخر عمر میں مناکیر سے اہل بیت کی فضیلت بیان کرتے تھے۔ نیز عبدالرزاق کی روایت میں "بكلمة واحدة" کے الفاظ بھی نہیں ہیں۔ عبدالرزاق شیعہ ہے اور اس کی جس روایت سے شیعوں کی طرف میلان ہو وہ معتبر نہیں۔ بعض جہلاء بعض حضرات صحابہ کرامؓ' تابعین عظام اور علماء ربانیین کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں کہ تین طلاق ایک ہوتی ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ چنانچہ جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف تین طلاقوں سے ایک کے واقع ہونے کو منسوب کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ : وقال ابن العربي في كتابه الناسخ والمنسوخ ونقله عنه ابن القيمؒ في تهذيب السنن قال تعالى الطلاق مرتان زل قومٌ في آخر الزمان فقالوا ان الطلاق الثلاث في كلمة واحدة لا يلزم وجعلوه واحدة ونسبوه الى السلف الاول فحكوه عن عليؓ والزبيرؓ و عبدالرحمٰن بن عوفؓ و ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ و عزوه الى الحجاج بن ارطاة الضعيفؒ المنزلة والمغموز المرتبة ورووا في

ذلک حدیثا لیس لہ اصل۔ الٰی ان قال وما نسبوہ الی الصحابۃ کذب بحت لا اصل لہ فی کتاب ولا روایۃ لہ عن احد۔ الٰی ان قال واما حدیث الحجاج بن ارطاۃ فغیر مقبول فی الملۃ ولا عند احد من الائمۃ۔ (تہذیب السنن۔ الطلاق الثلاث ص ۱۴۵)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کی طرف یہ نسبت کرنا بالکل جھوٹ ہے۔ اور کسی کتاب میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ نہ ہی اس قسم کی کوئی روایت ان حضرات سے مروی ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تو صراحتاً صحیح روایت سے ثابت ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار میں گزرا ہے۔ اور جن تابعین کرام رحمہم اللہ کی طرف تین طلاقیں دینے سے ایک واقع ہونے کا قول منسوب ہے وہ بھی کسی اصل اور تحقیق پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر حضرات سے اس کی صراحت موجود ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ چنانچہ ابراہیم نخعیؒ، قاضی شریحؒ، امام شعبیؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، امام زہریؒ، امام مکحولؒ، امام حسن بصریؒ، حمید بن عبدالرحمٰنؒ، حضرت قتادہؒ، عطاء ابن ابی رباحؒ، عبداللہ بن شدادؒ، محمد بن سیرینؒ، سلیمان اعمشؒ اور امام مسروق رحمہم اللہ کے آثار بروایات صحیحہ بیان ہوئے ہیں۔ ابن قدامہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے بھی اتفاق ائمہ نقل کیا ہے۔ امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قاضی ابن رشد کا فتویٰ پیچھے گزرا ہے۔ پس ان حضرات کی طرف جو کہ صراحتاً تین طلاقیں واقع ہونے کے قائل ہیں۔ ایک طلاق واقع ہونے کے قول کی نسبت کرنا بالکل غلط ہے۔

ان ناموں میں سے جن کی طرف غیر مقلدین ایک طلاق کے قول کی نسبت کرتے ہیں ان میں سے صرف حضرت ابوالشعثاء، طاؤس، اور عمرو بن دینار رحمہم اللہ سے

ایک طلاق واقع ہونے کا قول ملتا ہے۔ لیکن ان کا یہ قول غیر مدخولہ کے بارے میں ہے۔ وھو مذھبنا فلا اختلاف۔ چنانچہ مغنی ابن قدامہ میں ہے کہ : "وکان عطاء و طاؤس و سعید بن جبیر و ابوالشعثاء و عمرو بن دینار یقولون من طلق البکر ثلاثا فھی واحدۃ۔ تو ان کا یہ قول غیر مدخولہ کے بارے میں ہے۔ کیونکہ تین والی روایت بھی ان سے مروی ہے۔ اور غیر مدخولہ کو ہمارے نزدیک بھی اگر جدا جدا تین طلاقیں دی جائیں تو ایک ہی سے وہ بائنہ ہو جاتی ہے۔ باقی دو اس پر واقع نہیں ہوتیں۔ پس ان کی بات کو یہاں دلیل بنانا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ یہاں مدخولہ کے بارے میں بحث ہو رہی ہے کہ اس کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہو جاتی ہیں۔

غیر مقلدین حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی" کا فتویٰ بھی دکھاتے ہیں۔ بظاہر وہ جعلی ہے۔ اس لئے کہ مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ باوجود اپنی وسعت نظر و تبحر فقہی کے یہ نہیں فرما سکتے کہ شوافع کے مذہب پر عمل کر لے' جب کہ شوافع کا مذہب بھی یہی ہے کہ تین طلاقیں ایک مجلس کی واقع ہو جاتی ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مولانا حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب سے نا واقف ہوں۔ جب کہ ان کی تمام تصانیف میں اس بات کی تصریح ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کا واقع ہو جانا یہ ائمہ اربعہ کا متفقہ مذہب ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عبدالحئی (ص ۹۵' ج ۲) میں تفصیلاً علمی انداز میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں : "جمہور صحابہ' تابعین' ائمہ اربعہ' اکثر مجتہدین' امام بخاری اور جمہور محدثین کے مذہب کے موافق تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور شرح وقایہ میں حاشیہ "عمدۃ الرعایۃ" میں بھی حضرت نے یہی لکھا ہے۔ وایقاع الثلث دفعۃً وان کان بدعیا لکنہ سنی الوقوع فاذا نوی بقولہ للسنۃ ھذا المعنی صحت نیتہٗ ووقع الثلاث دفعۃً وقال ان الثلاث تقع بایقاعہ سواء کانت المرأۃ مدخولۃ او غیر مدخولۃ وھو قول

جمهور الصحابة والتابعين والائمة الاربعة وغيرهم من المجتهدين واتباعهم الخ۔ (عمدة الرعاية على شرح الوقاية ص ا۷ ج ۲) پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی ائمہ اربعہ کا مذہب یہی تھا۔ پھر وہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ اس صورت میں شافعی عالم سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرلے۔ پس بظاہر یہ فتویٰ جعلی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اور غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ پوری امت کے مجتہدین ومحدثین میں سے صرف امام ابو حنیفہ کا یہ قول ہے کہ تین طلاقیں تین ہوتی ہیں۔ یہ محض افتراء ہے اور بدترین جہالت ہے۔ گزشتہ تمام حوالہ جات سے ثابت ہوگیا ہے کہ یہ ائمہ اربعہ، جمہور صحابہ، جمہور تابعین ومحدثین کا مذہب ہے۔

اسی طرح علماء دیوبند کی طرف تین طلاقوں سے ایک کے واقع ہونے کی نسبت بھی سفید جھوٹ ہے۔ جس سے مقصود صرف عوام کو گمراہ کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا حوالہ دیتے ہیں۔ حالانکہ کفایت المفتی میں ہے: "وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع الثلاث۔ (كفايت المفتى ص ۳۲۹، ج ۶)

دوسری جگہ فرمایا کہ "ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد بن حنبل اور جماہیر اہل سنت والجماعت اس امر کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے تین پڑ جاتی ہیں۔ خواہ ایک لفظ سے دی ہوں یا ایک مجلس میں یا ایک طہر میں۔ (کفایت المفتی ص ۳۲۲، ج ۶) اس کے علاوہ بھی فتاویٰ میں یہی جواب منقول ہے۔

اسی طرح غیر مقلدین حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں تو اب وہ عورت اس مرد کے لئے حرام ہوگئی۔ اب اگر پھر سے نکاح کرے تب بھی عورت کا اس مرد کے پاس رہنا حرام ہے۔ (بہشتی زیور ص ۳۴، حصہ چہارم)

اسی طرح وہ فتاویٰ دارالعلوم کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ حالانکہ فتاویٰ دارالعلوم

میں ہے۔ یہ فتویٰ کہ ایک واقع ہوگی بالکل غلط اور خلاف نص قطعی ہے۔ اور جمہور ائمہ کے مذہب کے خلاف ہے۔ مطلقہ ثلاثہ کو بدون حلالہ کے حلال کرنا گویا کلام اللہ کا مقابلہ کرنا ہے کہ یہ بات کلام اللہ کے صریح حکم کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۳۰۸'۳۰۹' ج۹)

اور اس کے علاوہ باقی فتاویٰ میں بھی تین کے وقوع کا حکم لگایا گیا۔ اسی طرح باقی جن حضرات اور فتاویٰ کی طرف یہ نسبت کی گئی ہے یہ کسی تحقیق پر مبنی نہیں ہے' محض غلط ہے۔ علماء دیوبند اور جمہور امت کا یہی فیصلہ ہے۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ طلاق دہندہ نے تین طلاق کہا ہے' لیکن اس کی مراد ایک طلاق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے دوسرے امور میں ایک تین نہیں اور تین ایک نہیں' اسی طرح طلاق میں بھی تین ایک نہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص نے دوسرے کو دس روپے دیئے تو وہ دس ہی سمجھے جاتے ہیں۔ معطی اگر یہ کہے کہ اسے ایک روپیہ تصور کیا جائے کیونکہ میں نے نیت ایک ہی کی تھی تو اسے لغو اور ہذیان سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ میرے ذمے زید کے تین لاکھ روپے ہیں۔ تو وہ تین لاکھ ہی متصور ہوں گے۔ اس کے بعد اگر اقرار کرنے والا یہ کہے کہ میں نے تین لاکھ میں نیت ایک لاکھ کی کی تھی تو اسے کسی طرح بھی قابل اعتبار نہیں سمجھا جائے گا۔ شرعاً' اخلاقاً' عرفاً' قانوناً' دیانتاً۔ یہ تین لاکھ' ایک لاکھ کی نیت کے باوجود تین لاکھ ہی رہیں گے۔ کوئی کہتا ہے کہ میں پانچوں نمازیں پڑھتا ہوں۔ پھر کہتا ہے کہ اس سے میری مراد ایک نماز ہے تو اسے پہلے اقرار سے رجوع اور کذب تو کہا جا سکتا ہے لیکن پانچ ایک نہیں ہو سکتیں۔

وجہ یہ ہے کہ تین کا لفظ خاص عدد کے لئے موضوع ہے اور اپنے مفہوم میں قطعی ہے۔ جس میں کمی زیادتی کا احتمال نہیں۔ نورالانوار میں ہے کہ حکم الخاص ان یتناول المخصوص قطعًا ای الذی هو مدلوله قطعًا بحیث یقطع احتمال الغیر۔ یعنی خاص کا حکم یہ ہے کہ یہ مخصوص کو قطعاً شامل ہوتا ہے۔

مخصوص سے مراد اس خاص کا مدلول ہے۔ قطعاً سے مراد یہ ہے کہ اس میں غیر کا احتمال نہیں رہتا۔ (نورالانوار ص ۱۱۸)

لفظ صریح میں اس کے خلاف کی نیت کرنا معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ لفظ صریح دلالت میں نیت سے اقویٰ ہے۔ اقویٰ اور قوی کے مقابلے میں ضعیف کا کوئی اعتبار نہیں اور دوسرے اس وجہ سے کہ نیت کا اعتبار اس لفظ میں ہوتا ہے جہاں پر لغۃً وہ لفظ اس نیت کا محتمل ہو اور جو نیت ایسی ہو کہ لفظ کے مفہوم میں داخل ہی نہیں بلکہ لفظ کے مفہوم سے متباین ہے۔ اس نیت کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ مغنی ابن قدامہ کے حوالے سے واضح طور پر گزر چکا ہے کہ: ان الرجل اذا قال لامراته انت طالق ثلثاً فهي ثلاث وان نوى واحدةً لا نعلم فيه خلافاً لان اللفظ صريحٌ في الثلاث والنية لا تعارض الصريح لانها اضعف من اللفظ ولذٰلك لا تعمل بمجردها والصريح قوي يعمل بمجرده من غير نية فلا يعارض القوي بالضعيف كما لا يعارض النص بالقياس ولان النية انما تعمل في صرف اللفظ الى بعض محتملاته والثلاث نصٌ فيها لا يحتمل الواحدة بحال فاذا نوى واحدةً فقد نوى ما لا يحتمله فلا يصح كما لو قال له علي ثلاثة دراهم وقال اردت واحداً۔ (مغنی ابن قدامہ ص ۲۳۶ ج ۷) غرضیکہ قلم بول کر گھوڑا مراد لینا' ہوائی جہاز بول کر چارپائی مراد لینا جیسے خلاف نقل ہے ایسے ہی خلاف عقل بھی ہے۔

۲۔ اس کے نامعقول ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایک ہی لفظ کو مؤثر مانا جائے گا یا غیر مؤثر۔ یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے ۱/۳ حصے کو مؤثر مانا جائے اور ۲/۳ کو غیر مؤثر۔ جب کہ لفظ ایک ہی ہے۔ مثلاً تین طلاق کے الفاظ اگر مؤثر ہیں تو تین طلاقیں ہونی چاہئیں۔ اگر کسی وجہ سے غیر مؤثر ہیں تو ایک بھی نہیں ہونی چاہئے۔ یہ نامعقول بات ہے کہ اس کا ۱/۳ تو مؤثر ہے اور ۲/۳ حصہ غیر مؤثر ہے۔ یعنی تین

طلاقیں دینے سے ایک ہوگی' تین نہ ہوں گی۔ اگر بالفرض اس میں کچھ معقولیت ہو تو فریق ثانی سے دریافت کیا جائے کہ تین طلاق کے تین اجزاء کیسے قرار دیئے جائیں؟ مثلاً "ت" کو تین حصوں میں کیسے تقسیم کیا جائے۔ اور "ی" اور "ن" کو اور آگے طلاق کے الفاظ مفردہ کو تین تین حصوں میں کیسے تقسیم کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں سے ہر ایک کے تین تین جزو کرنے کے بعد یہ اجزاء محض لغو ہوں گے۔ اس میں سے کسی جزو کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ لہٰذا ایک طلاق بھی نہیں ہونی چاہئے۔ ایک کا ہونا اور تین کا واقع نہ ہونا یہ کس جزو کے عمل کرنے کے اعتبار سے ہوا؟

۳۔ اور ان اجزاء کے موثر ہونے کے سلسلے میں ترجیح بلا مرجح کا سوال بھی پیدا ہوگا۔ جب اجزاء یکساں ہیں تو بعض کو عمل دینا اور بعض کو نہ دینا یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ الغرض تین طلاق کے لفظ سے ایک طلاق کے وقوع کی منطق نامعقول در نامعقول ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ غیر مدخولہ کے لئے "انت طالق" "انت طالق" کہنے میں پہلا لفظ موثر ہے اور دوسرا لفظ موثر نہیں ہے۔ ویسا ہی تین طلاقوں کے بارے میں سمجھ لیا جائے تو جواب ظاہر ہے کہ یہ قیاس بھی نامعقولیت پر مبنی ہے۔

کیونکہ یہاں پر پہلا لفظ مکمل طور پر موثر ہے اور دوسرا بالکل غیر موثر ہے۔ تو موثر اور غیر موثر دو الگ الگ لفظ ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک ہی لفظ میں موثر اور غیر موثر کا اجتماع ہو جائے۔ دوسری مرتبہ انت طالق کہنا غیر مدخولہ کے حق میں لغو ٹھہرا۔ کیونکہ اب وہ محل طلاق نہیں رہی۔ بخلاف مدخولہ کے کہ وہ محل طلاق ہے۔ اسے دی جانے والی طلاق غیر موثر نہیں ہو سکتی۔ جب تک محلیت باقی رہے طلاق واقع ہوگی' جب محلیت ہی ختم ہو جائے تو زائد طلاقیں لغو ٹھہریں گی۔ مثلاً کسی شخص نے اپنی عورت کو کہا کہ تجھے سو طلاق تو تین طلاقوں کا عورت محل ہے۔ لہٰذا تین واقع ہو جائیں گی اور باقی کے لئے وہ محل نہیں۔ لہٰذا وہ لغو قرار پائیں گی۔ اس لئے مدخولہ کو تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوں گی۔ کیونکہ وہ تین کا محل ہے۔ ایک واقع نہ ہوگی۔

۴- عموماً تمام عقود و فسوخ میں ایک دفعہ کہنا تحصیل مقصد کے لئے کافی ہوتا ہے۔ جیسے بیع' شراء' اجارہ' شفعہ' نذر' غلام آزاد کرنا' ان سب عقود میں صرف ایک دفعہ ایجاب و قبول کرلینا یا کہنا عقد وغیرہ کے تحقق کے لئے کافی ہوتا ہے۔ جبکہ طلاق میں تین دفعہ طلاق دینے سے ہی جدائی کامل ہوتی ہے۔ اس میں بھی یہی راز ہے کہ طلاق چونکہ ابغض المباحات ہے۔ اس لئے اس میں اصل تو یہ ہے کہ طلاق دی ہی نہ جائے اور اگر سخت مجبوری ہو اور بے طلاق گزارہ نہ ہو تو شریعت مطہرہ نے اولاً ایک طلاق کی اجازت دی ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ آدمی غصے میں طلاق دے دیتا ہے اور غصہ ٹھنڈا ہونے پر جب اس کے نتائج سامنے آتے ہیں تو پچھتاتا ہے۔ اگر باقی عقود کی طرح طلاق میں بھی ایک ہی سے بیوی حرام ہو جاتی تو عمر بھر پچھتانا پڑتا۔ اس لئے اللہ پاک نے یہ رعایت دی کہ ایک طلاق سے بیوی حرام نہیں ہوتی۔ تاکہ ندامت کی صورت میں رجوع کرلے۔ لیکن جو آدمی اکٹھی تین طلاقیں دے رہا ہے تو گویا اس نے اللہ پاک کی دی ہوئی رعایت کو ضائع کردیا۔ لہٰذا اب تین اکٹھی دینے سے حرمت مغلظہ ثابت ہو جائے گی۔ چونکہ اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اس لئے اب اسے کوئی رعایت نہ ملے گی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا غزوہ موتہ میں یہ فرمانا کہ اے دل اگر تجھے غلاموں کا خیال ہے تو سب آزاد اور بیوی کا ہے' تو اس کو تین طلاق۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق دینے سے تین ہی ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ غلام کو یہ کہنا کہ تو آزاد ہے' اس سے اس کو کامل آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی کامل آزادی عورت کو ایک طلاق سے نہیں ملتی۔ اگر مل سکتی تو جیسے غلاموں کے آزاد کرنے کا انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا تھا اسی طرح بیوی کو بھی ایک طلاق کا کہتے' کیونکہ ایک اور تین اگر برابر ہوتیں تو تین کا لفظ لغو ہوتا۔ معلوم ہوا کہ صحابہؓ میں بھی یہ بات معروف تھی اور ان حضرات کے ذہنوں میں ایک اور تین کا بین فرق موجود تھا کہ غلام کو ایک ہی مرتبہ "انت حر" کہنے سے کامل آزادی ملتی ہے۔ اور عورت کو کامل آزادی تین

طلاقوں سے ہی ملتی ہے۔

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں تو جمہور کے اس مسئلے میں اختلاف کرنے کی وجہ سے تین اور ایک ہونے میں شبہ ہو گیا اور حدیث میں شبہ سے بچنے کی تاکید آئی ہے اور یہ شبہ حلال اور حرام میں دائر ہے اور حرام سے بچنا واجب ہے۔ لہذا تین ہی واقع ہوں گی۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کی حجت عقلاً بھی خوب ظاہر ہے۔ اور وہ یہ کہ مطلقہ ثلاث خاوند کے لئے حرام ہے۔ حتی تنکح زوجا غیرہ۔ اور اکٹھے یا الگ الگ دینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نہ لغت میں اور نہ شرعی طور پر۔ اور جو ظاہری فرق تھا' شریعت نے اس کو بھی لغو قرار دیا ہے۔ ولی اگر کسی کو کہے کہ میں نے ان تین کے ساتھ تیرا نکاح کیا ایک کلمے کے ساتھ تو منعقد ہو جائے گا۔ ایسے ہی جیسے وہ اگر الگ الگ جملوں سے اس کا نکاح ان تینوں سے پڑھاتا ہو جائے گا۔ یہی حکم عتاق' اقرار اور طلاق کا بھی ہے۔

باقی رہا غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ ایک طہر میں ایک ہی طلاق ہو گی۔ دوسری کا وقوع ناممکن ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اس لئے کہ خاوند کی اہلیت طلاق اور بیوی کی محلیت طلاق باقی ہونے کے باوجود خاوند کچھ بھی کرلے طلاق واقع نہیں ہو گی (فیا سبحان اللہ) اگر خاوند کی اہلیت و مطلقہ کی محلیت کے باطل ہو جانے کا دعویٰ ہے تو اس کے لئے دلیل قطعی کی حاجت ہو گی۔ کیونکہ قبل ازیں یہ دونوں امر اہلیت زوج اور محلیت زوجہ یقیناً موجود تھے۔ اب کس دلیل قطعی سے اسے باطل کیا جائے گا۔ قطعی کے ابطال کے لئے دلیل قطعی ہی کی حاجت ہے۔ "الیقین لا یزول بالشک"۔ مسلمہ قاعدہ ہے۔ پھر اس میں قرآن کریم کی بھی صریح خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ دور جاہلیت کے ان ہی غیر محدود اختیارات طلاق کی تحدید کے لئے قرآن پاک کی آیت "الطلاق مرتان" (اصول کرخی ص ۱) نازل ہوئی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ خاوند کو

دو طلاقوں تک رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ بعد ازاں تیسری طلاق سے حرمت مغلظہ ثابت ہو جائے گی۔ اور مزید طلاق دینے کا اختیار باقی رہے گا نہ تجدید نکاح کا۔ تاوقتیکہ تحلیل کی صورت نہ پائی جائے۔ مگر "لامذہبیت" کے مطابق ہزار طلاق پر بھی یہ حق ختم نہیں ہوتا۔ ایک طہر میں ہزار دو ہزار طلاقیں بھی دے لے تو حرمت مغلظہ ثابت ہوگی نہ تجدید نکاح کی حاجت پڑے گی۔ بلکہ رجوع کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بس ایک مرتبہ رجوع ہو چکا۔ اب ادھر سے طلاقوں کی بوچھاڑ ہوتی رہے اور ساتھ ہی ساتھ عورت کے ساتھ بھرپور طریقے سے جنسی تعلقات بھی قائم رکھے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ طلاقیں دھڑا دھڑ۔ نہ بینونت' نہ حرمت مغلظہ' نہ تجدید نکاح' بلکہ نہ ایک مرتبہ کے بعد حاجت رجوع' حلال حرام سب ہضم۔ استغفراللہ عورت روزانہ طلاقوں کی بوچھاڑ بھی سنے اور خون کے گھونٹ پی کر مردکی ہوسناکیوں کا تختہ مشق بھی بنے۔ عفت مآب خواتین کے لئے طلاق کے الفاظ سننا ہی ناقابل برداشت امر ہے۔ چہ جائیکہ روزانہ کی طلاقوں سے اسے تذلیل کی آخری حد تک پہنچانے کی گنجائش پیدا کی جائے۔

"لامذہبیت" کا یہ طرز عمل خواتین کے لئے زمانہ جاہلیت کی طلاقوں سے بھی زیادہ رسوا کن اور ظالمانہ ہے۔

ایک صاحب لکھتے ہیں کہ جیسے مثلاً وقت سے پہلے نماز ظہر معتبر نہیں' اسی طرح دوسرے طہر سے پہلے دوسری طلاق قابل اعتبار نہیں۔

جواب :

الجعض المباحات کو افضل العبادات پر قیاس کرنا "لامذہبیت" کے تفقہ کا شاہکار ہے۔ جو انہی کو مبارک ہو۔ لیکن کوئی اہل علم اس جاہلانہ قیاس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

(ب) نمازوں کے اوقات نمازوں کے لئے اسباب وجوب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جیسا کہ تمام فقہاء اور اہل اصول نے اس کی تصریح کی ہے اور طلاق کے لئے وقت محض ظرف ہے۔ اور اگر کسی صاحب کو وقت نماز اور وقت طلاق کی مماثلت پر ہی اصرار ہو تو اس سے معاملہ مزید خطرناک ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے مطابق ہر طہر میں طلاق دینا واجب قرار پائے گا۔ (جیسے نماز کا وقت داخل ہونے پر نماز واجب ہو جاتی ہے) تو "لامذہبیت" کے مطابق ہر طہر پر طلاق نہ دینے والے تمام لوگ گناہ گار ہوں گے۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ ہر طہر کیا معنی؟ (یعنی ہر طہر میں طلاق دینا تو دور کی بات ہے) جبکہ مطلق طلاق دینے کو ہی شرعاً ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ نہ وجوب ہے نہ استحباب ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ طہر کو وقت نماز کی طرح تسلیم کر لینے سے ایک طہر میں متعدد طلاقیں دینے کا جواز ثابت ہوگا۔ جیسے کسی شخص کی متعدد نمازیں قضاء ہو جائیں۔ (جنہیں وہ ان کے اوقات میں ادا نہیں کر سکا تھا) تو وہ ان قضاء شدہ نمازوں کو ایک ہی وقت میں ادا کر سکتا ہے۔ جن طہروں میں (بقول لامذہبیت) طلاقیں فوت ہو گئی ہیں' آئندہ طہر میں سب کو یک وقت واقع کر سکتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ طلاقوں کی قضاء نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ طلاق کے لئے طہر کی وہ حیثیت نہیں جو حیثیت نماز کے لئے اوقات صلوۃ کی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

غیر مقلدین یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنے اس فیصلہ پر کہ "ایک مجلس میں تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔" بعد میں نادم ہو گئے تھے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعویٰ بالکل افتراء اور جھوٹ ہے۔ چنانچہ کتاب الاشفاق میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے تین طلاق والے فیصلے پر پشیمان ہونے کی روایت غلط اور باطل ہے۔ من گھڑت اور موضوع ہے۔ اس کی سند میں خالد بن یزید بن ابی مالک ہے جو اپنے والد کے بارے میں بھی جھوٹ بولتے تھے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ خالد بن یزید اپنے باپ پر جھوٹ

بلکہ یہ بھی واکتفا نہیں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے صحابہ کرامؓ پر بھی جھوٹ باندھا ہے اور اس کی کتاب "الدیات" اس کے لائق ہے کہ اسے دفن کر دیا جائے۔ (کتاب الاشفاق ص۵۸) قال احمد لیس بشیء وقال النسائی غیر ثقۃ قال الدار قطنی ضعیف قال ابن ابی الحواری سمعت ابن معین یقول بالشام کتاب ینبغی ان یدفن کتاب الدیات لخالد بن یزید بن ابی مالک لم یرض ان یکذب علی ابیہ حتی کذب علی الصحابۃ ھکذا فی میزان الاعتدال۔ (میزان الاعتدال ص۳۰۳ ج۱)

<u>دوسرا جواب</u>:

یہ ہے اگر یہ حدیث یا روایت مان بھی لی جاوے تو وہ مطلق ہے۔ اس میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ صرف یہ ہے کہ "طلاق کے مسئلے پر ندامت ہوئی۔" اب وہ کون سا مسئلہ تھا متعین نہیں۔ لہٰذا اسی مسئلے کو روایت کا مصداق بنانا ترجیح بلا مرجح ہے۔

تیسرا جواب:

حضرت عمرؓ کے دور میں اس فیصلے کو نقل کرنے والے حضرت ابن عباسؓ خود بھی تین طلاقوں کا فیصلہ فرماتے تھے۔ چاہے ایک مجلس کی ہوں۔ ایسے کئی فتوے ان کی کتابوں میں منقول ہیں۔ حتیٰ کہ خود علامہ ابن قیم جوزیؒ نے بھی باوجود اس تشدد کے جو ان کو اس مسئلہ میں تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کے اس فتویٰ کا انکار نہیں کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہیں۔ اس کے بعد رجوع جائز نہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ: "فقد صح بلا شک عن ابن مسعودؓ و علیؓ و ابن عباسؓ الالزام بالثلاث ان اوقعہا جملۃ۔ (اغاثۃ اللہفان ص۱۷۹ ج۱) نیز اعلام الموقعین میں بھی ہے کہ ان حضرات سے بلا شک یہ بات ثابت ہے کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو تین ہی لازم ہوں گی۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کے مذہب پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے مجبوری کی حالت میں امام شافعیؒ کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے جن کے نزدیک تین ایک ہیں؟

الجواب:

حضرات فقہائے عظام نے بدرجہ مجبوری اگر اس کی اجازت دی ہے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ ائمہ متبوعین میں سے کسی کا معتمد قول تو موجود ہو۔ یہاں تو سرے سے ائمہ متبوعین میں سے کسی کا یہ مذہب ہی نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اور تینوں دوسرے اماموں اور مجتہدین کے نزدیک تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ تو اس اجماعی اور متفق علیہ مسئلے کو چھوڑ کر کسی شاذ، گرے پڑے مردود قول پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔

نیز قرآن و سنت کے تمام احکامات کو حضرات ائمہ مجتہدین اور ارباب مذاہب نے ایک خاص ترتیب کے ساتھ مدون کر کے امت تک پہنچا دیا ہے۔ اب اصل مسئلہ "شریعت کی تنفیذ" کا ہے "تعبیر" کا نہیں۔ لیکن "لادین عناصر" تعبیر شریعت کے مخمصے میں الجھا کر قوم کو تنفیذ شریعت سے محروم کرنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ قرآن و سنت کے احکام کی تعبیر و تشریح کا حق کس کو حاصل ہے۔ اس میں اہل عقل و انصاف کے نزدیک دو رائے نہیں ہو سکتیں۔ "برٹش قوانین" کی تشریح کا حق اس کے ماہرین کو حاصل ہے۔ سائنسی امور میں سائنسدانوں کا قول معتبر ہے۔ طب قدیم اور جدید میں اس کے ماہرین کا فیصلہ تسلیم کیا جائے گا۔ پس بالکل واضح بات ہے کہ قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر میں ماہرین شریعت کا فیصلہ واجب التسلیم ہوگا۔

کسی بڑے سے بڑے انجینئر یا سائنس دان کو عدالت عالیہ میں بحیثیت قانون

ذہن پیش ہونے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اس کی تحقیق کوئی قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسے ہی ائمہ مجتہدین کے مقابلہ میں کسی اور غیر مجتہد کو قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

حلالہ

اللہ تعالیٰ نے شرعی احکام بیان کرتے ہوئے طلاق سے متعلق سورۃ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ ایک طلاق دے کر اگر ندامت ہو تو رجوع کرلے۔ وبعولتهن احق بردهن في ذلك ان ارادوا اصلاحا۔ کہ ایک طلاق کے بعد رجوع کر سکتا ہے۔ پھر آگے اس کی حد کو بیان فرمایا کہ جتنی طلاقوں کے بعد رجوع ممکن ہے وہ دو ہیں۔ الطلاق مرتان۔ چاہے الگ الگ دی ہوں یا اکٹھی۔ اس کے آگے فرمایا: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره۔ اس میں "فا" تاخیر بلا مہلت کے لئے ہے کہ تیسری طلاق کے بعد رجعت کا خاوند کو کوئی حق حاصل نہیں۔ اب وہ عورت اس خاوند کے لئے حلال نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ وہ عورت (عدت کے بعد) دوسرے شوہر سے نکاح کرے (اور نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے صحبت کرے۔ اس کے بعد وہ مر جائے یا از خود طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے تب یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگی۔ اور وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکے گا یہ حلالہ شرعی ہے۔

اور تین طلاقیں دینے کے بعد عورت کا کسی کے ساتھ اس شرط پر نکاح کرلینا "کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے" باطل ہے۔ اور حدیث شریف میں ایسا حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ البتہ ملعون ہونے کے باوجود اگر دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت گزرنے کے بعد وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ مستدرک حاکم اور ترمذی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہ۔" یہ حدیث غیر مقلدین پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو ہماری دلیل ہے کہ اس میں آپ ؐ نے باوجود لعنت کرنے کے ان کو حلال کرنے والا فرمایا۔ حرام کرنے والا نہیں فرمایا اور شوہر اول کے لئے بھی اسی قسم کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ لہٰذا یہ حدیث ہمارے مذہب کے عین مطابق ہے۔ ہم مکمل حدیث پر عمل کرتے ہیں اور غیر مقلد آدھی پر۔ اس لئے کہ یہ شرط لگانا ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے اور موجب لعنت ہے۔ اس کے جواز کا قول فقہ حنفی کے کسی بھی معتمد عالم نے نہیں کیا اور نہ ہی فقہ حنفی کی کسی کتاب میں اس کو جائز لکھا گیا ہے۔ تو ہمارے نزدیک عدم جواز تو ہے مگر نفاذ ہو جاتا ہے۔ یعنی ایسا کرنا جائز تو نہیں' البتہ اگر کوئی ایسا کر دے تو شرط باطل ہو گی اور نکاح صحیح شمار ہو کر عورت زوج اول کے لئے حلال ہو گی۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے' لیکن اگر کوئی دیدے تو واقع ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی یہ شرط لگانا تو باطل ہے۔ اگر وہ خود ان کا گھر آباد کرنے کے لئے طلاق دے دے تو جائز ہے۔ اور حلالہ کے خلاف شور مچانے میں غیر مقلدین کا مقصد صرف اور صرف قرآن و سنت اور صحابہ کرامؓ اور اجماع سے بغاوت کے راستے کو ہموار کرنا ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت' اجماع کی صحیح تدوین و ترتیب اور تفصیل ائمہ اربعہ نے ہی دی ہے۔ اس لئے ان چاروں مذاہب سے امت کو بدظن کرنا اور ہٹانا ان کا نصب العین ہے۔ اور شور یہ مچاتے ہیں کہ معین امام یا فقہ کو ماننے کا حکم قرآن و حدیث میں دکھاؤ۔ اس کے علاوہ جتنی بھی روایات وہ پیش کرتے ہیں سب میں حلال کرنے والا فرمایا گیا ہے۔ غرضیکہ وہ عورت زوج اول کے لئے اگر حلال نہ ہوتی تو آپ ؐ اس کو یہ الفاظ ارشاد نہ فرماتے۔ آپ کا اس کو محلل کہنا ثبوت حل پر دال ہے۔ اور یہ چیز صحت نکاح کی متقضی ہے۔ البتہ مرتکب حرام ہونے کے ہم بھی قائل ہیں۔ اور پھر غیر مقلد لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ حلالے کے یہ یہ نقصان ہیں۔ حالانکہ حلالے کو ور

خود بھی مانتے ہیں۔ جبکہ کسی آدمی نے ۳ بار یا ۳ طہروں میں ۳ طلاقیں دی ہوں تو ان کے نزدیک بھی وہ عورت زوج اول پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور حلال ہونے کی صورت ان کے ہاں حلالہ ہی ہے۔ جیسا کہ ان کے رسالہ "اندھوتہ" وغیرہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح بعض اور صورتوں میں بھی ان کے ہاں حلالہ جائز ہے' بلکہ ان کے ہاں حلالہ سنٹر بھی موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ حلالہ کے جواز و عدم جواز کا نہیں' بلکہ ایک طہر میں تین طلاقیں دینے کی صورت میں اس کے جواز و عدم جواز کا ہے۔ اور اس مسئلے کو ہم قرآن و حدیث' اجماع و قیاس سے ثابت کر چکے ہیں۔ پس ان کا یہ شور مچانا لغو ہوا۔

بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ عورت تو حرام ہے' لیکن اگر ہم فتویٰ نہ دیں تو بھی لوگ اسی طرح اکٹھے رہتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ فتویٰ نہ دیتے تو لوگ گناہ سمجھ کر ایسا کرتے۔ ان فتووں نے [illegible] کے بعد وہ [illegible] ساری عمر حلال سمجھ کر رہ رہے ہیں' جس سے ایمان بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

اور اگر دوسرے شوہر سے نکاح کے وقت طلاق دینے کی شرط نہ لگائی گئی لیکن اس کے دل میں ہو کہ صحبت کے بعد عورت کو طلاق دے دے گا' تو یہ صورت موجب لعنت نہیں۔ اسی طرح اگر عورت کی نیت ہو کہ دوسرے شوہر سے طلاق لے کر پہلے شوہر سے نکاح کر لوں تب بھی گناہ نہیں۔ ہاں بغیر دوسرے خاوند سے نکاح کئے وہ عورت زوج اول پر قطعاً حرام ہے۔ اور پھر نکاح کے ساتھ پہلے کے لئے حلال ہونے کی صورت تب ہوئی جب زوج ثانی وطی بھی کر لے۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین کے ہاں آیت قرآنیہ میں نکاح بمعنی وطی کے ہے اور حضرت رفاعہ قرظیؓ کی بیوی کا واقعہ مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ "لا حتی تذوقی عسیلته و یذوق عسیلتک" (بخاری ص ۷۹۱ ج ۲) اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تصدیق کی تھی۔ اسی طرح نکاح صحیح کا ہونا شرط ہے۔ لان المطلق

بمنصرف الی الکامل۔

اب اس مسئلے پر تو اتفاق ہے کہ حلالہ سے زوج اول کو تین طلاقوں کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب کہ حرمت مغلظہ کے ثبوت کے بعد حلالہ کیا گیا ہو۔ البتہ اگر ایک یا دو طلاقوں کے بعد عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرلے تو اس کے فوت ہونے کے بعد یا از خود طلاق دینے اور عدت گزارنے کے بعد زوج اول سے دوبارہ نکاح کرلے۔ زوج اول کو اب بقیہ طلاقوں کا اختیار ہوگا یا مکمل تین کا، اس میں شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے ہاں تین سے باقی ماندہ کا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زوج ثانی کی وطی کو حرمت مغلظہ کے لئے منتہی اور غایت بنایا ہے۔ اور اس کے ثبوت سے پہلے انتہاء اور غایت کیسے بن سکتی ہے۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ زوج ثانی کی وطی زوج اول کے لئے محلل ہے۔ فلا جناح علیہما ان یتراجعا۔ اور آپ ﷺ نے بھی اس کو محلل کہا ہے اور حل میں اصل یہ ہے کہ حل کا مُحَلِّل ہو۔ پس وہ تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔ نیز جب وطی زوج ثانی حرمت غلیظہ کو ختم کردیتی ہے تو حرمت خفیفہ کو تو بدرجہ اولیٰ ختم کردے گی۔ لیکن زوج ثانی کے نکاح کے بعد وہ عورت زوج اول پر قطعاً حرام ہے۔

اور غیر مقلدین نے اس گناہ کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ وہ تین طلاقوں کے بعد بھی بغیر حلالہ کے زوج اول کے سپرد کردیتے ہیں۔ جو قرآن و سنت و اجماع کے بالکل خلاف ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حلالہ سے بے حیائی پھیلے گی۔ حالانکہ اگر اس حکم پر پختگی کے ساتھ عمل کیا جاوے تو پھر تین طلاقیں دینے کا کوئی نام نہ لے۔ جس طرح چوروں اور دیگر مجرموں کو حد نہ لگا کر ان کو جرأت دلائی جاتی ہے اسی طرح شریعت کی مقرر کردہ یہ سزا نہ لگا کر لوگوں کو تین طلاقیں دینے کی جرأت دلائی جاتی ہے۔

الغرض حلالے کے خلاف غیر مقلدین کا پروپیگنڈہ دراصل قرآن و سنت سے ثابت شدہ ایک اجماعی مسئلے کے خلاف شرمناک جھوٹی مہم ہے۔ اس مسئلے کا ماخذ قرآن

پاک کی یہ آیت ہے: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (البقرة)۔

اور پھر بخاری شریف وغیرہ صحاح ستہ میں مروی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس کا ماخذ ہے۔ جس میں حضرت رفاعہؓ کی بیوی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس پر اجماع بھی منعقد ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

سنگسار کیا جائے

امام زہری اور قتادہ رحمہما اللہ کا فیصلہ

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو دو گواہوں کے سامنے تین طلاقیں دے دیں اور وطن واپس آنے کے بعد اس نے اپنی بیوی سے وطی کی۔ اس پر گواہوں نے کہا کہ وہ ہمارے سامنے تین طلاقیں دے چکا ہے تو اس صورت میں زہری اور قتادہ نے کہا کہ اگر شوہر یہ حلف اٹھائے کہ ان دونوں نے مجھ پر جھوٹی گواہی دی ہے تب تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور مرد و عورت میں علیحدگی کر دی جائے گی۔ اور اگر مرد نے اقرار کر لیا کہ ہاں میں نے طلاق دی ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۱ ج ۷)

مزید تائید:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ولو طلقها ثلاثا ثم راجعها ثم وطئها بعد مضی العدة يحد إذا جامعها۔ یعنی اگر کسی شخص نے تین طلاقیں دیں، پھر رجوع کر لیا اور عدت گزارنے کے بعد مطلقہ سے جماع کیا تو اس پر بالاجماع حد زنا جاری ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۴۸ ج ۲)

تشکیکات کا محاذ کھول دیا۔ پیغمبر اسلام سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مقدس شخصیت کے خلاف یورپ میں اتنا لٹریچر لکھا گیا جس کی فہرست کے لئے کئی الماریاں درکار ہیں اور پھر تحقیق اور ریسرچ کے نام پر اسلامی مسائل کو تختۂ مشق بنایا گیا۔ ان کا طریقہ واردات ہے کہ ان "تحقیقات" میں حسب موقع تشکیک کے زہر کی خاص مقدار شامل کر کے اپنے بے پناہ وسائل کے ذریعہ عالم اسلام میں پھیلا دیا جاتا ہے۔ فرنگیت زدہ ذہنی غلامی میں مبتلا طبقہ ان تشکیکات کو بڑی قدردانی سے لیتا ہے اور دشمن کے مقاصد کی تکمیل میں اس کا دست و بازو بن جاتا ہے۔ ان کے علاوہ نام نہاد دین پسند لوگوں کی ایک جماعت اور ایک گروہ ہے جو شعوری یا غیر شعوری طور پر دشمنان اسلام مستشرقین کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اور تحقیق کے نام پر تشکیک کے جراثیم چھوڑ کر عوام کو دین سے دور کر رہا ہے۔ تین طلاق جیسے دینی متفقہ مسائل کے بارے میں ایجاد بندہ قسم کی تشکیکی سرگرمیاں بھی بندہ کے نزدیک اسی زمرے میں آتی ہیں۔ جبکہ الحاد و زندقہ کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ عوام کو عمل کی راہ پر ڈالا جاتا نہ یہ کہ "تشکیکات" کے ازالے کے لئے اہل حق کو مجبوراً جوابات لکھنے کی نوبت آتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشیں اور ہر قسم کی گمراہیوں اور فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھیں' آمین۔

مآخذ

قرآن پاک۔ بخاری شریف۔ مسلم شریف۔ ابو داؤد شریف۔ نسائی شریف۔ ابن ماجہ شریف۔ موطا امام محمد۔ موطا امام مالک۔ تفسیر مظہری۔ تفسیر قرطبی۔ احکام القرآن للجصاص۔ جمال القرآن۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ زجاجۃ المصابیح۔ طحاوی شریف۔ اعلاء السنن۔ آثار السنن۔ سنن دار قطنی۔ سنن سعید بن منصور۔ مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ مرقاۃ المفاتیح۔ فتح الباری۔ عمدۃ القاری۔ نووی۔ تہذیب۔ میزان الاعتدال۔ تکملہ فتح الملہم۔ سنن کبریٰ۔ زاد المعاد۔ اغاثۃ اللہفان۔ اعلام الموقعین۔ محلی ابن حزم۔ رسالۃ الاشفاق۔ بذل المجہود۔ فتح القدیر۔ عمدۃ الرعایۃ۔ نیل الاوطار۔ کشف الغمہ۔ نور الانوار۔ الانصاف۔ اضواء البیان۔ احسن الفتاویٰ۔ فتاویٰ رشیدیہ۔ در مختار۔ جوہرہ نیرہ۔ تبیین الحقائق۔ بحر الرائق۔ ہدایہ۔ بدائع الصنائع۔ مغنی ابن قدامہ۔ اصلاح الرسوم۔ بہشتی زیور۔ کفایت المفتی۔ مجموعہ فتاویٰ۔ فتاویٰ دار العلوم۔ فتاویٰ عبد الحی۔

تین طلاق اور حلالہ

مناظر اہلسنت حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب مدظلہ

برادران اسلام! اسلام ایک برحق اور فطری دین ہے۔ اس میں اصل اور نقل کا امتیاز نہایت واضح ہے۔ جس طرح اس دنیا میں نور کے مقابلہ میں تاریکی ہے' اسی طرح ایمان کے مقابلہ میں کفر' توحید کے مقابلہ میں شرک' سنت کے مقابلہ میں بدعت' اجتہاد کے مقابلہ میں الحاد' تقلید سلف کے مقابلہ میں ذہنی آوارگی اور نفس پرستی ہے۔ باطل نے حق کا پہلے انکار اس انداز میں کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی نبوت کا ہی انکار کیا جائے' لیکن کفر کی تمام طاقتیں مل کر بھی حق کا راستہ نہ روک سکیں اور چار دانگ عالم میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور نبوت کا ڈنکا بجنے لگا۔ حق غالب آگیا اور باطل دب گیا۔ تاہم باطل نے ہمت نہ ہاری' البتہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر حملہ آور ہوا اور یہ طریقہ اختیار کیا کہ اب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر براہ راست حملہ نہ کیا جائے۔ اور اسلام سے بظاہر براہ راست بھی نہ ٹکرائے' بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لیا جائے اور پھر آپ کی تعریف' مگر آپ کے صحابہ کی تکذیب کر دی جائے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے راوی ہیں۔ ان ہی کی روایات سے دلائل نبوت یعنی معجزات پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ اور یہی مقدس جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات کے راوی اور سنت نبوی کے عملی نمونے ہیں۔ اگر ان حضرات کو معاذاللہ

جھوٹے ثابت کر دیا جائے تو تب ہی دنیا کے سامنے آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت کا ثبوت ہو سکے گا اور نہ ہی دلائل نبوت اور تعلیمات نبوت کا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ کو باقی رکھ کر آپ کے پورے دین کو مشکوک کر دیا جائے گا۔ لیکن خلافت راشدہ کے سنہری دور نے اس حیلے کی بھی کمر توڑ کر رکھ دی۔ جب باطل نے دیکھا کہ اس حیلے میں بھی کہیں خاص کامیابی نہیں ہوئی' اس لئے ان کو "تقیہ" کا لحاف اوڑھنا پڑا۔ تاہم باطل نے ہمت نہ ہاری اور ایک قدم اور پیچھے ہٹالیا اور سوچا کہ صحابہ کرام ؓ کی عظمت و محبت سے مسلمانوں کے دل بھرپور ہیں۔ خدا کی کتاب اور نبی ؐ کی سنت اس مقدس جماعت کی عظمت اور ان کے بے مثال کارناموں سے پر ہے۔ اس لئے کتاب و سنت کے ماننے والوں کو صحابہ کرام ؓ سے بدظن کرنا بہت مشکل ہے۔ انسوس' دیکھا کہ آج جو دین مکمل طور پر مدون شکل میں مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور ہر جگہ عملاً متواتر ہے' یہ براہ راست صحابہ کرام ؓ کا مدون کردہ نہیں' کیونکہ ان کی مقدس زندگیاں اکثر میدان جہاد میں گذر گئیں۔

اس مکمل دین کی تدوین کا سہرا ائمہ اربعہ کے سر ہے۔ ان ہی حضرات کے مقدس ہاتھوں سے دین حنیف کی تدوین ہوئی اور اس کو ہر طرح سے عملی تواتر اور غلبہ نصیب ہوا۔ ان میں سے بھی خصوصاً سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تدوین کو جو شہرت عام اور بقائے دوام نصیب ہوئی اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کی فقہ تقریباً بارہ سو سال تک اسلامی دنیا میں بطور قانون نافذ رہی۔ عباسی خلافت میں قاضی القضاۃ یعنی وزیر قانون سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے عظیم شاگرد قاضی ابو یوسف کو بنایا گیا۔ عباسی خلافت میں اکثر قاضی حنفی تھے۔ بعض باقی تین مذاہب کے۔ پھر سلجوقی' خوارزمی اور عثمانی خلافتیں خالص حنفی خلافتیں تھیں۔ تمام فتوحات کا سہرا بھی ان کے سر رہا اور فقہ حنفی بحیثیت قانون اسلامی نافذ رہی اور یہی خلافتیں خدمت حرمین شریفین کے شرف سے مشرف رہیں۔ فقہ اسلامی جو عروج اسلام کے دور میں صدیوں تک ہر

زمان و مکان کے مسائل کے حل کی مکمل صلاحیت رکھتی تھی۔ اب اس کے بارہ میں یہ آواز اٹھنے لگی کہ عروج اسلام کے دور میں تو یہ کار آمد تھی لیکن آج مسلمانوں کی پریشانی کے دور میں یہ کام نہیں دے سکتی۔ اس میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس کا تواتر اور اس کی کاملیت مسلمانوں میں مغربی قوانین کے نفوذ سے مانع اور اس کی سرایت میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لئے باطل نے سوچا کہ مذاہب اربعہ جو کتاب و سنت کی صحیح اور جامع تعبیر ہے اور مراد وحی کی متواتر تشکیل ہے خاص طور پر حنفیت جو کتاب و سنت کی سب سے پہلی تعبیر و تفصیل ہے اور اپنی جامعیت اور مقبولیت کی وجہ سے خیر القرون سے آج تک درساً اور عملاً متواتر ہے ان کا انکار کر دیا جائے تو نہ ہی قرآن پاک کی کوئی متواتر تعبیر دنیا کے سامنے رہ جائے گی اور نہ ہی سنت کی کوئی متواتر تفصیل دنیا کے ہاتھ میں رہے گی نہ ہی صحابہ کرام ؓ کے اعمال کا متواتر نقشہ کسی کے سامنے رہے گا۔ اس طرح متواتر فقہ سے بغاوت کے بعد قرآن و حدیث کو بچوں کا کھلونا بنا دیا جائے گا۔ ہر شخص کو اپنی خواہش نفس کی تکمیل کے لئے قرآن و حدیث کا نام استعمال کرنے کی کھلی چھٹی ہوگی۔ ہر شخص کا مذہب الگ ہوگا۔

اس مقصد کے لئے یہودی لابی نے مستشرقین کی ایک کھیپ تیار کی کہ ان متواتر مذاہب سے خروج و بغاوت کی راہ ہموار کی جائے۔ انہوں نے ان متواتر مذاہب کے خلاف شاذ و مردود اقوال کی تلاش میں دن رات ایک کر دیا۔ متواتر قرآن کے مقابلہ میں شاذ قراءتیں عوام کے سامنے لا ڈالی گئیں۔ قرآن و سنت کی متواتر تعبیرات کے مقابلے میں شاذ تعبیرات کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متواتر کارناموں کو بے نام کرنے کے لئے شاذ اور بے سند قصوں کو تلاش کیا گیا [illegible] مذاہب کے متواتر مذاہب کے خلاف شاذ اقوال کا جال بچھا دیا گیا اور ایسے لوگ پیدا کئے جو خود مجتہدین کرام اکابر کے خلاف استخفاف، بدگمانی، بدزبانی کو ہی دین کی خدمت سمجھتے ہیں۔

حنفیت :

چونکہ اہل اسلام میں سب سے بڑی جماعت اہلسنت والجماعت کی ہے اور ان کے چاری مذہب ہیں۔ حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی۔ ان میں بھی سب سے زیادہ تعداد احناف کی ہے۔ الحمدللہ! اسلام کے عروج کی تاریخ میں سب سے زیادہ ملک انھوں نے کافروں سے فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شریک کئے۔ ساری اسلامی سلطنت میں اسلامی قانون کو نافذ رکھا۔ سب کافروں سے جزیہ وصول کیا۔ آج بھی مسلمانوں میں یہی ایک مؤثر طاقت ہے اس لئے یہودی لابی نے سب فرقوں کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے۔ تاکہ ان کو رات دن پریشان رکھا جائے اور مستشرقین کے مواد کو سمیٹ کر ائمہ مجتہدین کے خلاف خروج و بغاوت کے لئے ایسے شاذ وقول کا سہارا لیا جاتا ہے جو بعض لوگوں سے سہو یا غلطی سے صادر ہوئے اور امت میں ہمیشہ شاذ و متروک رہے۔ ان قولوں کو آپ سو سمجھائیں کہ "من شذ شذ فی النار" کی وعید سے خود بچو اور امت رسول ﷺ کو بچاؤ۔ مگر یہودی لابی کی نوازشات کی وجہ سے یہ اپنے اکابر سے بدظن اور مستشرقین کے تلاش کردہ شاذ اقوال کو قرآن و حدیث کے نام سے پیش کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

ہمیں افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ متواتر مذاہب کے مٹانے میں سب سے زیادہ کردار حضرات غیر مقلدین ادا کر رہے ہیں۔ عام لوگوں میں یہ تاثر ہے کہ یہ لوگ صرف فقہ حنفی کو نہیں مانتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ائمہ اربعہ کے متفقہ مسائل کو بھی مٹاتے ہیں اور انبیاء کے بعد صحابہ کرام ؓ کے اجماع تک کی مخالفت کو اپنا دین سمجھتے ہیں۔ قرآن و سنت کی تشریحات میں ارشادات صحابہ ؓ اور تعبیرات ائمہ کرام کی مخالفت کر کے مستشرقین سے برآمد شدہ شاذ مسائل کو پھیلانا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔

مسئلہ طلاق :

ایسے ہی مسائل میں سے ایک مسئلہ طلاق ہے۔ یہود کے ہاں طلاق کی کوئی تحدید نہیں۔ جتنی طلاقیں چاہے خاوند دیتا رہے اور رجوع کرتا رہے، نہ بیچاری کو بسائے نہ آزاد کرے۔ اس کے برعکس عیسائی مذہب کے ہاں طلاق جائز ہی نہیں۔ اسلام میں نہ ہی یہود کی طرح کھلی چھٹی ہے اور نہ ہی عیسائیت کی طرح بالکل ممانعت۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جو تعلقات خدا نے جوڑے ہوئے ہیں ان کو انسان توڑنے کا حق نہیں رکھتا، جیسے باپ بیٹے اور بھائی بہن کا تعلق۔ باپ سو مرتبہ کہے کہ تو میرا بیٹا نہیں، وہ پھر بھی بیٹا ہی رہتا ہے۔ بھائی سو مرتبہ کہے تو میری بہن نہیں، وہ پھر بھی بہن ہی رہتی ہے۔ لیکن جو تعلقات انسان خود جوڑتا ہے وہ جس مقصد کے لئے جوڑے اگر وہ مقصد حاصل نہ ہو رہا ہو، کوئی پریشانی ہو تو اس کے توڑنے کا بھی انسان کو اختیار ہے۔ مثلاً میاں بیوی کا تعلق انسان نے خود جوڑا ہے تاکہ زندگی کا سکون و چین نصیب ہو، لیکن اگر آپس میں بالکل نہ بنتی ہو تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: أَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰهِ الطَّلَاقُ (ابوداؤد ۱۲۶) کہ حلال باتوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند طلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (البقرۃ ۲۲۹) طلاق دو مرتبہ ہے، پھر یا تو روک لینا ہے معروف طریقے سے یا آزاد کر دینا ہے اچھے طریقے سے۔

گویا دو طلاقوں کے بعد مرد کو دو اختیار دیئے۔ اگر وہ اس کو پھر اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے تو معروف طریق سے روک لے۔ مثلاً طلاق رجعی ہے اور عدت باقی ہے تو رجوع کرلے، اور اگر طلاق رجعی کی عدت ختم ہوگئی یا طلاق بائن ہے تو عورت کی رضامندی سے دوبارہ اس سے نکاح کرلے۔ اور اگر یہ نہ چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔ لیکن اگر مرد نے تین طلاقیں دے دیں تو ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ پس اگر تیسری طلاق بھی دے دی تو وہ

عورت اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ اس لئے ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تین طلاق جس طرح بھی دی جائیں وہ واقع ہو جاتی ہیں۔ اب جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے پھر وہ طلاق دے تو اس کی عدت گزار کر یہ پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہودی مذہب میں تین طلاق کے بعد بھی بیوی سے رجوع کا حق ہے۔ یہود سے یہ مسئلہ روافض نے لے لیا (غنیۃ الطالبین) ہمارے غیر مقلدین حضرات نے ایک نئی تقسیم کر لی کہ اگر خاوند تین طہروں میں تین طلاقیں دے پھر تو حلالہ شرعی کے بغیر عورت پہلے خاوند کے پاس نہیں آ سکتی۔ لیکن اگر تین طلاقیں ایک مجلس میں دے تو وہ ایک طلاق گنی جائے گی۔ خاوند کو رجوع کا حق ہے۔ اس کو مثال سے یوں سمجھیں کہ اہل اسلام کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آ سکتا۔ مگر مرزائیوں نے ایک تقسیم کر لی ہے کہ آپ کے بعد صاحب شریعت نبی تو نہیں آ سکتا البتہ غیر تشریعی نبی آ سکتا ہے۔ اسی طرح غیر مقلدین نے تین طلاق کے مسئلہ میں تقسیم کر لی کہ بعض قسم کی تین طلاقیں تین ہوتی ہیں' اور بعض قسم کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کا فرض ہے کہ اپنے دعویٰ کے دونوں حصوں پر کتاب و سنت سے واضح دلیل دیں۔ وہ پہلے حصے میں ائمہ اربعہ سے متفق ہیں اور دوسرے حصے میں یہود اور روافض سے۔ ہم موضوع کی وضاحت کے لئے ان سے چند سوالات پوچھتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ ہر سوال کا جواب صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث سے دیں گے۔

(۱)　طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یا ناپسند؟ ناپسند ہونے کے باوجود طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(۲)　ایک عورت خدا اور رسول کے ساتھ خاوند کی بھی پوری تابعدار ہے' مگر خاوند کی نظر کسی اور طرف لگ گئی ہے۔ اب وہ اس بیوی کو محض بلا قصور طلاق دے دیتا

ہے۔ اس مرد کو اس طلاق دینے پر کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ اس گناہ پر کیا حد شرعی ہے اور اس گناہ کے باوجود طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس طہر میں صحبت کر چکا ہو اس میں طلاق دینا حرام ہے (دارقطنی ج ۴ ص ۵) کیا اس حرام طلاق دینے پر مرد کو گناہ ہوگا یا نہیں؟ اور یہ حرام طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی فرماتے ہیں کہ بیوی کو حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے (دارقطنی ج ۴ ص ۵) اب کسی نے حالت حیض میں طلاق دی تو یہ حرام طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

(۵) ایک مرد کو تین طلاقوں کا اختیار ہے۔ وہ کس طرح طلاق دے کہ تینوں ہی واقع ہو جائیں؟

(۶) ایک شخص نے تین طہروں میں عورت کو تین طلاقیں دیں۔ اب وہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو حلالہ شرعی کے بغیر کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۷) وہ عورت غیر مقلدین کا "الدعوۃ" رسالہ پڑھ کر کہتی ہے کہ تین طلاقیں دینا مرد کا قصور ہے۔ میں حلالہ کیوں کرواؤں مجھے سزا کیوں؟ دیکھو "الدعوۃ" والا بھی کہتا ہے تیسری طلاق کے بعد اب دونوں میاں بیوی کا معاملہ بالکل ختم ہو گیا۔ اب کبھی ملاپ نہیں ہو سکتا۔ صرف ایک شکل باقی ہے۔ وہ یہ کہ طلاق یافتہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ حق زوجیت ادا کرے۔ اس کے ساتھ پہلے سے طے نہ ہو کہ ایک رات یا چند راتیں گزار کر یہ خاوند اسے طلاق دے گا۔ ہاں البتہ اتفاق سے ان کی بھی آپس میں نہ بنے اور وہ مرد بھی اسے طلاق دے دے یا وہ خاوند ویسے ہی فوت ہو جائے تو پھر یہ عورت اور پہلا مرد اگر چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ رہنمائی ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن میں کر رہے ہیں۔ خط کشیدہ الفاظ کا ترجمہ نہیں قرآن میں نہیں ملا۔ ایڈیٹر الدعوۃ نے قرآن پر جھوٹ بولا ہے۔ اسی طرح یا وہ خاوند ویسے ہی فوت ہو جائے یہ

بھی قرآن پاک کی کسی آیت کا ترجمہ نہیں ہے۔ وہاں تو صرف طلاق دینے کا ذکر ہے۔

قیاس :

ہاں فقہاء اسلام نے قیاس سے یہ کہا ہے کہ اگر دوسرا خاوند فوت ہو جائے یا عورت اس سے نکاح فسخ کرالے یا خلع کرالے تو پھر وہ عدت گزارنے کے بعد پہلے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔

طلاق کا بہترین طریقہ :

طلاق کا بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ مرد ایک طلاق رجعی دے دے' اس کے بعد رجوع کو دل نہ چاہے تو عدت کے بعد وہ عورت آزاد ہے۔ وہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے تو بھی درست ہے۔ اور ان دونوں میں کوئی صلح کی صورت ہو جائے تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر یک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو یہ گناہ ہے۔ عن محمود بن لبید° قال اخبر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن رجل طلق امراتہ ثلاث تطلیقات جمیعا فقام غضبانا ثم قال ایلعب بکتاب اللّٰہ وانا بین اظہرکم حتی قام رجل وقال یا رسول اللّٰہ الا اقتلہ (نسائی ۲:۹۹) "حضرت محمود بن لبید° سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ سخت غصے کی حالت میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضرت! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں۔"

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ایک دفعہ تین طلاق دینا خدا تعالیٰ کی پاک کتاب کے ساتھ کھیلنا اور آنحضرت ﷺ کو سخت ناراض کرنا ہے۔ مگر اس کے برعکس آپ تجربہ کر کے دیکھیں کہ جب غیر مقلدین سنتے ہیں کہ فلاں آدمی نے تین طلاقیں اکٹھی دے دی ہیں تو ان کو عید سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں' اس کا استقبال کیا جاتا ہے :

ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

جو فرقہ خدا اور رسول کی ناراضگی میں اپنی خوشیاں تلاش کرتا ہو اس کا دین معلوم ہو گیا۔ اس حدیث سے تو پتہ چلا کہ اگر تین طلاقیں ایک ہی ہوتیں تو آپ اتنے ناراض کیوں ہوتے۔ آپ ہمیں دکھا سکتے کہ حضور ﷺ نے کبھی ایک طلاق پر ناراضگی فرمائی ہو' یا اسے استہزاء بکتاب اللہ فرمایا ہو' بلکہ جب آپ کو خبر دی گئی کہ اس نے تین طلاقیں اکٹھی دی ہیں تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کو تین نہ کہو ایک کہو۔ جب آپ نے ان کے تین کہنے پر تین کو ہی برقرار رکھا تو اسی لئے امام قرطبی احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین کو ہی نافذ فرمایا۔

غیر مقلدین کا قرآن سے اختلاف :

غیر مقلدین اس بات پر تو آیت پڑھتے ہیں کہ طلاق طہر میں دینی چاہئے فطلقوھن لعدتھن۔ اور اللہ تعالیٰ نے طلاق کی حد بیان کر دی ہے اور وہ یہ کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے' دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے میں تیسری۔ ان کی اس بات سے ہمیں بھی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر کسی نے یہ حد توڑ دی اور ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہوں گی یا نہیں؟

حدیث :

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی (جو منع اور گناہ تھی) تو آنحضرت ﷺ نے انہیں فرمایا کہ اس طلاق سے رجوع کر لو (کیونکہ یہ گناہ ہونے کے باوجود طلاق نافذ ہو چکی) اور انتظار کر یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو' پھر اس کو دوسرا حیض آئے' پھر پاک ہو تو اس سے جماع کئے بغیر اس کو طلاق دے۔ یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کوئی حیض میں طلاق کا مسئلہ پوچھتا تو فرماتے اگر تو نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم دیا تھا' اور اگر تو ایک ہی حیض میں تین

طلاقیں دے چکا تو تو نے (تین اکٹھی طلاقیں دے کر) خدا کی نافرمانی بھی کی اور تیری بیوی بھی تجھ سے جدا ہو گئی (مسلم' ج ۱ ص ۴۷۶)

○ اس سے صاف معلوم ہوا کہ غیر شرعی طلاقیں بھی نافذ ہو جاتی ہیں۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید احادیث مطالعہ فرمائیں۔

غیر مقلدین کی قرآن و حدیث سے بغاوت :

امام بخاری نے ج ۲ ص ۷۹۱ پر ایک باب باندھا ہے: باب من اجاز طلاق الثلاث اور اپنی عادت کے موافق اس مسئلہ پر پہلے قرآن سے استدلال فرمایا ہے۔ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ طلاق دو مرتبہ ہوتی ہے' پھر یا تو روک لینا ہے معروف طریقے سے یا آزاد کر دینا اچھے طریقے سے۔ یعنی جب دو طلاقوں کا جمع کرنا صحیح ہے' جبکہ مرتان کے لفظ کو دو پر محمول کیا جائے' جیسا کہ ارشاد خداوندی نؤتہا اجرھا مرتین میں ہے امام بخاری کی طرح ابن حزم اور کرمانی نے بھی یہی استدلال کیا ہے کہ جب اس کا معنی مرۃ بعد مرۃ ہے تو جب دو جمع ہو سکتی ہیں تو تین بھی جمع ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ آج تک کوئی شخص نہیں پایا گیا جس نے دو اور تین کے وقوع کی صحت میں فرق کیا ہو۔ اس کے بعد متصلاً امام بخاریؒ نے حدیث لعان کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۔ حدیث لعان :

حضرت ابو درداء سے روایت ہے فطلقہا ثلاثا قبل ان یامرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (بخاری ج ۲ ص ۷۹۱) کہ آپؐ کے حکم سے پہلے ہی اسی ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ دور نبوت میں ایک مجلس میں تین طلاقوں کے وقوع میں شک نہیں رکھتے تھے اور کسی روایت میں نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نکیر فرمائی ہو۔ پس یہ حدیث تین طلاق بیک لفظ واقع ہونے کی واضح دلیل ہے' کیونکہ یہ ممکن نہیں تھا کہ لوگ تین طلاق کا بلفظ

واحد واقع ہونا سمجھتے رہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصلاح نہ فرمائیں۔ اس حدیث سے پوری امت نے یہی سمجھا۔ امام بخاری اور ابن حزم نے بھی یہی سمجھا ہے۔

۲۔ حدیث عائشہؓ :

امام بخاری نے اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق بتہ دی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ تین طلاقیں دیں (اس سے بظاہر یہی معلوم ہوا کہ جیسا کہ بتہ کا لفظ ایک ہی کلمہ ہے۔ اس نے ایک ہی کلمے سے تین طلاقیں دی تھیں)۔ اس کے بعد میں نے عبدالرحمن بن الزبیر قرظیؓ سے نکاح کرلیا، لیکن وہ ناکارہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا شاید تو دوبارہ رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ جب تک وہ تیری مٹھاس نہ چکھے اور تو اس کی مٹھاس نہ چکھے۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۹۱) اب دیکھئے اس عورت نے دوسرا نکاح کیا تھا اس لئے تھا کہ پھر پہلے خاوند کے پاس جاسکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ مٹھاس چکھے بغیر نہیں جاسکتی۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اتفقوا علی ان تغیب الحشفۃ فی قبلھا کاف فی ذلک (حاشیہ بخاری) کہ اس پر اتفاق ہے صرف دخول کافی ہے حلال ہونے کے لئے۔ ان زبان درازوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو ساری امت کو حلالی سوری کہہ کر اپنے حرامی ہونے پر مہر لگاتے ہیں۔

۳۔ حدیث امام حسن بصریؒ :

روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایام ماہواری میں طلاق دے دی تھی۔ بعد ازاں انہوں نے دو طہروں میں دو مزید طلاقیں دینے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپؐ نے فرمایا : ابن عمر تجھے اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم نہیں دیا۔ تو نے سنت سے تجاوز کیا۔

سنت یہ ہے کہ تو طہر کا انتظار کرے ' پھر ہر طہر میں طلاق دے۔ پس آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس سے رجوع کرلوں۔ چنانچہ میں نے رجوع کرلیا۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ جب وہ پاک ہو جائے تب تمہارا جی چاہے تو طلاق دے دینا اور جی چاہے تو روک رکھنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمایئے کہ اگر میں نے اسے تین طلاقیں دے دی ہوتیں تو میرے لئے اس سے رجوع کرنا حلال ہوتا؟؟ فرمایا نہیں' وہ تجھ سے بائنہ ہو جاتی اور گناہ بھی ہوتا۔ (کیونکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ ہے) (طبرانی بحوالہ الاشفاق)

نوٹ: یہ روایت طبرانی کی سند میں شعیب نے براہ راست امام حسن بصری سے اس کو روایت کیا ہے نہ کہ بواسطہ عطاء خراسانی' کیونکہ اس کی دونوں سے ملاقات ہے۔

۴۔ حضرت عبادہؓ :

روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جس نے ہزار طلاقیں دیں فرمایا کہ تین کا تو اسے حق حاصل ہے اور باقی ۹۹۷ عدوان اور ظلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس پر گرفت فرمائیں' چاہیں تو معاف فرمادیں (طبرانی بحوالہ الاشفاق)

۵۔ حضرت سوید بن غفلہؓ :

روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن بن علیؓ کی ایک بیوی عائشہ خثعمیہ نامی تھی۔ امام حسن نے اسے فرمایا : اذهبي فانت طالق ثلاثا جا تجھے تین طلاقیں۔ جب اس کی عدت ختم ہو گئی تو اس کو دس ہزار بھیجے۔ اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا : متاع قليل من حبيب مفارق۔ امام حسن کو جب یہ بات پہنچی تو وہ رو دیئے اور فرمایا : "اگر میں نے حضور ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں' خواہ ہر پاکی میں یا اکٹھی تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ (راجعتها) تو میں اس کو واپس کرلیتا (دارقطنی ۳: ۱۳) امام حسنؓ تو رو رہے ہیں۔ ان کے پاس اس کے رکھنے کا کوئی جواز

تھیں۔ اس زمانہ میں نہ غیر مقلدین تھے نہ ان کا دفتر الدعوۃ کہ وہ کسی عورت سے پوچھ کر وہاں حاضری دیتے اور شرعی حرام بیوی کو دوبارہ لے جاتے۔

۷۔ حدیث حضرت رکانہؓ :

فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی ہے (چونکہ بتہ میں ایک کی نیت بھی ہو سکتی ہے اور تین کی بھی اور نیت دل میں پوشیدہ تھی) تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تیری نیت اس لفظ سے کتنی طلاقوں کی تھی؟ میں نے کہا ایک طلاق کی۔ آپؐ نے فرمایا کیا خداوند قدوس کی قسم کھا کر یہی کہہ سکتے ہو؟ میں نے خداوند قدوس کی قسم کھا کر یہی کہا۔ آپؐ نے فرمایا بس وہی ہے جو تو نے نیت کی (ترمذی۱۲۲۴، ابوداؤد۱-۳۰۰، وقال ابوداؤد هذا اصح من حديث ابن جريج ان ركانة طلق امرأته ثلاثا لانهم اهل بيته وهم اعلم به (دارقطنی ۳-۲۲ قال صحیح) اس حدیث پاک سے تو یہ معلوم ہوا کہ اگر طلاق دینے والا زبان پر تین کا لفظ بھی نہ لائے۔ ایسا لفظ لائے جس کی دل میں تین کی نیت ہو سکتی ہو تو بھی تین کی نیت کرنے سے تین ہی واقع ہو جائیں گی۔ پھر جب زبان و قلم پر تین آ جائیں تو وہ تین کیوں نہ ہوں گی۔

۸۔ حدیث امام اعمشؒ :

فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک بوڑھا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے علی بن ابی طالبؓ سے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے ڈالے تو ان کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا۔ لوگوں کی اس کے پاس ڈار لگی ہوئی تھی۔ آتے تھے اور اس سے یہ حدیث سنتے تھے۔ میں بھی اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تم نے حضرت علیؓ سے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے ڈالے تو ان کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا؟ میں نے کہا آپ نے یہ بات حضرت علیؓ سے کہاں سنی ہے؟ بولا میں تجھے اپنی کتاب نکال کر دکھا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی

کتاب نکالی۔ اس میں لکھا تھا : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ تحریر ہے جو میں نے حضرت علیؓ سے سنی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے ڈالے تو وہ اس سے بائنہ ہو جائے گی اور اس کے لئے حلال نہ رہے گی۔ یہاں تک کہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے۔ میں نے کہا تیرا ناس ہو جائے' تحریر تو اور ہے اور تو بیان کچھ اور کرتا ہے۔ بولا صحیح تو یہی ہے۔ لیکن یہ لوگ (شیعہ) مجھ سے کچھ چاہتے ہیں۔ (محلی)

۸۔ حدیث حضرت محمود بن لبیدؓ :

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارہ میں بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ سخت غصے کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے عرض کیا حضرت! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں (نسائی)۔

حضرات! قرآن و سنت آپ کے سامنے ہے کہ ایک دفعہ تین طلاقیں دینے والا' حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ظالم ہے۔ آیات اللہ سے استہزاء کرنے والا ہے۔ اللہ اور رسول اس سے سخت ناراض ہیں۔ اس لئے اللہ و رسول نے اس کے لئے کوئی مخرج نہیں رکھا۔ اس کو دنیا میں یہ سزا دی ہے کہ اس کی بیوی اب جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے یہ اس کو دوبارہ نہیں رکھ سکتا۔ اور آخرت میں بھی وہ اس گناہ' ظلم اور آیات الٰہی سے استہزاء کی سزا کا مستحق ہے۔ مگر ایسے شخص سے غیر مقلد خوش ہے۔ وہ اسے ترغیب دیتا ہے تو نے خدا کی حدیں توڑ دی ہیں' حنفی تجھے پسند نہیں کرتے۔ آ خدا کی حدیں توڑنے والے کی پناہ گاہ ہمارا ہی فرقہ ہے' تجھے خدا نے اپنی کتاب میں ظالم کہا' تجھ سے اللہ کا رسول ناراض ہو گیا۔ دل نہ چھوڑ ہمارا فرقہ ہی ظالموں کا ہے۔ جس سے اللہ کا رسول ناراض ہو جائے اسے ہمارے فرقے کے سوا کون قبول کرے گا۔ تو نے اگر اللہ کی آیات کا استہزاء اڑایا ہے تو کیوں

گھبراتا ہے؟ جلدی ہمارے فرقے میں آجا۔ ہمارا تو روز مرہ کا کام ہی اللہ کی آیات سے استہزاء ہے۔ یہ حقی اللہ و رسول کی باتوں میں آگئے ہیں۔ ان کے ہاں تیرے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ تجھے وہی سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑیں گے جو اللہ و رسول نے تیرے لئے تجویز کی ہے کہ تیری بیوی حرام ہے' جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ لیکن قربان جایئے ہمارے فرقے کے کہ جس کو اللہ و رسول وہ بیوی نہ دیں ہم دیتے ہیں' کون ہے روکنے والا۔ اے ظالم جاؤ خدا بے شک تم سے ناراض رہے۔ رسول تم سے ناراض رہے' تم میاں بیوی راضی رہو۔ ساری عمر حرام کاری کرو اور ہمارے فرقے کے زندہ باد ہونے کے نعرے لگاتے رہو اور بھی کوئی ظالم حدود اللہ کو توڑنے والا' اللہ و رسول کو ناراض کرنے والا ملے فوراً اس کی رہنمائی کرو کہ اس فرقہ میں آجائے۔ ہاں ایک نعرہ لگاتے رہنا کہ مذہب حنفی منزل من اللہ نہیں ہے۔ واہ رے جہالت! تیرا ستیاناس ہو۔ مذہب حنفی کیا ہے؟ اس کی بنیادیں کتاب اللہ' سنت رسول اللہ' اجماع اور قیاس ہیں۔ کیا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ منزل من اللہ نہیں؟ کیا حنفیت کی ضد نے تجھے کفر میں تو نہیں دھکیل دیا۔ اجماع منزل من اللہ ہی کی قطعی تشریح ہے۔ اجماع کے مخالف کو اللہ و رسول جہنمی فرماتے ہیں۔ ہائے حنفیت سے عناد نے تجھے جہنم رسید کر ہی دیا اور قیاس منزل من اللہ کی ہی ایک ظنی تشریح ہے جس پر اللہ کے نبی' خوشی سے الحمدللہ پڑھتے ہیں۔ اس کے صواب پر دو اجر اور خطا پر ایک اجر کا وعدہ دیتے ہیں۔ اس کا مخالف معتزلی' خارجی اور بدبخت ہے۔ اب سوچ کیا تیرا یہ انکار منزل من اللہ ہے؟ تیرا پوری امت سے شذوذ منزل من اللہ ہے؟ کیا من شذ شذ فی النار کی وعید بھول چکا ہے؟ تیرا یہ جہل مرکب منزل من اللہ ہے' آہ تو نے اپنا دین بھی خراب کیا اور کتنے اور لوگوں کا دین بھی برباد کیا۔ خدا سے ڈر اور توبہ کر۔

غیر مقلدین کی صحابہ کرامؓ ' تابعینؒ ' تبع تابعینؒ اور ائمہ سے بغاوت :

۱- (سیدنا عمر فاروقؓ) : عن انس قال کان عمرؓ اذا اتی برجل قد طلق امرأته ثلاثا فی مجلس اوجعه ضربا وفرق بینهما (ص ۱۱) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب کوئی ایسا آدمی لایا جاتا جس نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوتیں تو آپ اس آدمی کی پٹائی کرتے اور ان دونوں میاں بیوی کو الگ الگ کر دیتے۔

۲- عن زید بن وهب ان رجلا بطالا کان بالمدینة طلق امرأته الفا فرجع الی عمر فقال انما کنت العب فعلا عمر رأسه بالدرة وفرق بینهما (ص ۱۲) زید بن وہب سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے ہزار طلاق ' پھر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے تو کھیل کھیل میں ایسا کہا۔ حضرت عمرؓ نے مارنے کے لئے درہ اٹھایا اور دونوں میں جدائی کر دی۔

۳- (سیدنا عثمانؓ) عن معاویة بن ابی یحیی قال جاء رجل الی عثمانؓ فقال انی طلقت امرأتی مائة قال ثلاث تحرمها علیك وسبع وتسعون عدوان (ص ۱۳) حضرت معاویہ بن ابی یحییٰ سے روایت ہے کہ ایک مرد حضرت عثمانؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین نے اس کو حرام کر دیا ' باقی ستانوے عدوان ہیں۔

۴- (سیدنا علیؓ) عن حبیب قال جاء رجل الی علیؓ فقال انی طلقت امرأتی الفا قال بانت منك بثلاث واقسم سائرها بین نسائك (ص ۱۳) حضرت حبیب سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی۔ آپ نے فرمایا تین طلاق سے وہ تجھ سے جدا ہو گئی ' باقی طلاقیں دوسری بیویوں پر تقسیم کر لے۔

۵- عن علیؓ قال اذا طلق البکر واحدة فقد بتها واذا طلقها ثلاثا

لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب غیر مدخولہ بیوی کو ایک طلاق دے تو بائن ہو گئی' اور جب اس کو تین طلاقیں دے (جو صرف ایک لفظ سے ہی دی جا سکتی ہیں کہ تجھے تین طلاق) تو اب وہ اس پر حلال نہیں' یہاں تک کہ اس کے غیر سے نکاح کرے۔

۶۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر بیوی کو یہ کہا کہ تجھے طلاق بتہ (یعنی ایک ہی کلمہ سے) تو وہ تین طلاقیں شمار ہوں گی۔ (ج ۵' ص ۶۶)

۷۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بیوی کو کہا تو خلیہ تو ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۶۹)

۸۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بیوی سے کہا تو البریہ' تو اس ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۶۹)۔

۹۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کسی نے اپنی بیوی کو کہا : اَنْتِ عَلَیَّ حَرَجٌ۔ تو اس ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۷۲)۔

۱۰۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب اپنی بیوی کو کہا تو مجھ پر حرام ہے تو اس ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۷۲)۔

۱۱۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کسی نے اپنی بیوی کو کہا تجھے اتنی طلاق جو اونٹ کے بوجھ کے برابر ہو تو اس کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۸۷)۔

۱۲۔ حضرت عمران ابن حصینؓ صحابی رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ فرمایا اس نے اپنے رب کا بھی گناہ کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی۔ (ایضاً)

۱۳۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جس نے رخصتی سے پہلے بیوی کو تین طلاقیں دیں (جو ایک ہی کلمہ سے تین طلاق دی جا سکتی ہیں) تو وہ عورت اس مرد پر حرام ہے جب تک کہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے)۔ (ایضاً)

۱۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے ننانوے طلاق۔ اب سب مفتی کہتے ہیں کہ بیوی تجھ پر حرام ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ بیوی تو تین سے ہی حرام ہو گئی اور باقی ساری گناہ ہی گناہ رہیں۔ (ص ۱۲)

۱۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دیں۔ فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ۔ اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۲۲)

۱۶۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں اگر بیوی کو اپنے اوپر تین طلاق ڈالنے کا اختیار دے دیا اور اس نے اپنے نفس کے لئے تین اختیار کرلیں تو تین ہی طلاقیں واقع ہوئیں۔ (ص ۶۳)

نوٹ : یہ تمام صفحات جو لکھے ہیں یہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد پنجم کے ہیں۔

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اپنے رب کا بھی نافرمان ہوا کیونکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ ہے اور اس کی بیوی بھی اس سے جدا ہو گئی۔

۱۸۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا ہے تجھے سو طلاق' فرمایا تین طلاقوں سے وہ تجھ سے جدا ہو گئی (یہ تو دنیا کی سزا ملی) اور باقی ۹۷ کا حساب تجھ سے اللہ تعالیٰ قیامت کو لیں گے۔ (ص ۱۳)

۱۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا جس نے بیوی کو کہا کہ تجھے کاٹ دینے والی طلاق' تو ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۲۹)۔

۲۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جس نے بیوی کو کہا انت بریة' اس ایک کلمے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اب وہ کسی اور سے نکاح کے بغیر حلال نہیں۔

۲۱- حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جس نے بیوی کو بائن کہا اس ایک لفظ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اب وہ حلال نہیں جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے (ص ۱۷)۔

۲۲- حضرت مغیرہؓ سے پوچھا گیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو کہا تجھے سو طلاق فرمایا تین سے وہ حرام ہو گئی باقی ۹۷ زائد رہیں۔ (ص ۱۳)

۲۳- حضرت محمد بن ایاس بن بکیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں دیں پھر اس کا دل چاہا کہ اسی عورت سے نکاح کرلے۔ اب وہ فتویٰ لینے گیا اور میں بھی ساتھ تھا۔ اس نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا۔ دونوں نے کہا اب تیرے لئے حلال نہیں جب تک کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ اس نے کہا میں نے تو ایک ہی دفعہ طلاقیں دی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اب تیرے لئے کچھ نہیں بچا۔ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم اسی فتویٰ کو لیتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے اور ہمارے عام فقہاء یہی کہتے ہیں کیونکہ اس نے تین طلاقیں اکٹھی دیں اور اس پر اکٹھی ہی واقع ہو گئیں اور اگر وہ الگ الگ دیتا تو ایسی عورت جس کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی وہ ایک پہلی طلاق سے ہی الگ ہو جاتی اور دوسری اور تیسری طلاق اس پر واقع نہ ہوتی۔ کیونکہ ایسی عورت پر کوئی عدت نہیں۔ تو طلاق کا محل ہی نہ رہی (موطا محمد ص ۲۵۹)

۲۴- حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا تم میں سے ایک آدمی اپنے آپ کو گندگی سے بھر لیتا ہے (کیونکہ تین طلاقیں گناہ ہیں) تو نے اپنے رب کی بھی نافرمانی کی (جس کی سزا تجھے آخرت میں ملے گی اور دنیا میں اس گناہ کی سزا یہ ہے کہ) تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی۔ اب وہ تیرے لئے ہرگز ہرگز حلال نہیں جب تک وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم اسی کو لیتے ہیں۔ یہی قول امام اعظم

ابو حنیفہؒ کا ہے اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ (کتاب الآثار)

۲۵- حضرت مالک بن الحویرثؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا کہ بے شک میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ فرمایا بے شک تیرے چچا نے (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) خدا کی نافرمانی کی (جس کی سزا آخرت میں ملے گی اور دنیا میں بھی) اس پر ایسی ندامت ڈال دی جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔

۲۶- امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہے اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا تین طلاق سے وہ حرام ہو گئی (یہ دنیا کی سزا ہے اور اکٹھی طلاقیں دے کر باقی ۹۷ بار مزید تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے استہزاء کیا۔ اس نے آخرت میں اللہ ہی تجھ سے سمجھے گا۔ (موطا مالک ص ۵۱۰)

۲۷- حضرت عنترہؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہی مرتبہ کہا کہ تجھے سو طلاق۔ اب وہ تین طلاق کی وجہ سے مجھ پر حرام ہو گئی ہے یا اس کو ایک ہی طلاق سمجھا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا وہ تین طلاق کی وجہ سے تم سے جدا ہو گئی (یہ دنیا کی سزا ہے) اور باقی ستانوے گناہوں کا بوجھ تم پر باقی رہا (جس کا عذاب آخرت میں ہو گا) (ابن ابی شیبہ ص ۱۳)

۲۸- حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ گیارہ سو طلاق۔ فرمایا ان میں سے تین کی وجہ سے وہ تجھ پر حرام ہو گئی (یہ دنیا کی سزا ہے) اور باقی سب کا گناہ اور آیات اللہ سے جو استہزاء کیا اس کا عذاب آخرت میں ہو گا (ص ۱۳)

۲۹- حضرت عمرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آدمی کے بارہ میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو کہا تجھے ستاروں کی تعداد کے مطابق طلاق۔ تو آپؓ نے

فرمایا اس بارہ میں وارث الجوزاء ہی کافی ہے۔ (اس کی سند کے تمام رجال ثقہ ہیں) (مصنف عبدالرزاق)

۳۰- امام حکمؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دونوں نے اس شخص کے بارہ میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل ہی (ایک کلمہ سے) تین طلاقیں دی تھیں کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۳۴)

۳۱- حضرت معاویہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ نے بھی اس شخص کے بارہ میں یہی فرمایا (جس نے قبل رخصتی اپنی بیوی کو ایک کلمہ سے تین طلاقیں دی تھیں) کہ وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۱۱)

۳۲- حضرت محمد بن ایاسؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس شخص کے بارہ میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل ہی (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دیں کہ وہ عورت ہرگز اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۳۴)

۳۳- حضرت عطاءؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کسی مرد نے اپنی ایسی بیوی کو جس کی رخصتی نہیں ہوئی تین اکٹھی طلاقیں دیں۔ اب وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ اور اگر بیوی کو رخصتی سے قبل الگ الگ الفاظ سے کہا تجھے طلاق، طلاق، طلاق ہے تو وہ پہلی طلاق سے ہی بائن ہو گئی (اس پر اب عدت بھی نہیں، اس لئے باقی دو لغو ہو گئیں کہ محل طلاق ہی نہ تھی) (ص ۳۵)

۳۴- حضرت منصورؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آدمی کے بارہ میں جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں طلاق کا اختیار تجھے دیتا ہوں۔ اس بیوی

نے فوراً کہا تین طلاق۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا عورت چوک گئی۔ اگر وہ کہتی مجھے تین طلاق تو تین ہی واقع ہو جاتیں۔ (ص ۵۸)

۳۵- حضرت نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے ایک عزیز کو عاصم بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس لائے کہ میرے اس عزیز نے اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل ہی طلاق بتہ دے دی ہے۔ آپ دونوں اس بارہ میں کیا کہتے ہیں؟ یا آپ کے نزدیک اس کے لئے اس کے رکھنے کا کوئی طریقہ ہے؟ دونوں نے کہا نہیں، لیکن ہم ابھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس چھوڑ کر آئے ہیں ان سے پوچھ لو اور واپسی پر ہمیں بھی بتا دینا۔ پس وہ ان کے پاس آئے اور حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اب یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے بھی اس کی تائید فرمائی۔ (ج ۵ ص ۶۵)

۳۶- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تھا کہ ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں (اکٹھی) دی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ خاموش رہے۔ میں سمجھا کہ شاید اس کو رجوع کی اجازت دیں گے۔ لیکن آپ نے فرمایا تم حماقت پر سوار ہو کر (اکٹھی تین طلاقیں دے لیتے ہو) پھر آ کر کہتے ہو اے ابن عباسؓ! اے ابن عباسؓ! بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی رہائی کی صورت نکال دیتے ہیں۔ بے شک تو اللہ تعالیٰ سے بالکل نہیں ڈرا، اس لئے میں تیرے لئے (اس بیوی کو رکھنے کی) کوئی صورت نہیں پاتا۔ تو نے (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) اپنے خدا کی نافرمانی کر کے (آخرت برباد کر لی) اور بیوی بھی تجھ پر حرام ہو گئی (جس سے دنیا میں برباد ہو کر تو پورا خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن گیا) (ابوداؤد ۱-۲۹۹، طحاوی ۲-۳۵، بیہقی ۷-۱۳۳

۳۷۔ حضرت ابو سلمہؒ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ دونوں نے اس آدمی کے بارہ میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں (ایک ہی کلمہ سے) دے دیں' اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (طحاوی ۲۔ ۳۴)

۳۸۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہیں۔ فرمایا تین ہو گئیں اور ۹۷ زیادتی ہیں۔ (بیہقی ۷۔۳۳۷)

۳۹۔ حضرت مقسمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ جب رمضان کا مہینہ آئے تو تجھے تین طلاق۔ اب میں بہت شرمسار ہوں۔ رمضان آنے سے چھ مہینے باقی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تم اب اس کو ایک طلاق دے دو' تاکہ رمضان سے پہلے اس کی عدت بھی ختم ہو جائے۔ اس کے بعد رمضان گزرنے کے بعد اس سے نکاح کر لینا۔ (بیہقی ۷۔ ۳۱۷)

۴۰۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں میں نے کہا تیرے چچا نے (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) خدا کی نافرمانی کی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو نادم کیا ہے۔ اس نے شیطان کی اطاعت کی ہے۔ اس کے لئے اس بیوی کو رکھنے کی کوئی صورت نہیں۔ (بیہقی ۷۔ ۳۳۷)

۴۱۔ حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں تین طلاقیں دیں۔ پھر اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) تو خدا کا بھی نافرمان ہوا' عورت بھی جدا ہو گئی۔ اب وہ تیرے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (عبدالرزاق ۶۔۳۱۱)

۴۲۔ حضرت ابو وائلؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس

عورت کے بارہ میں فرمایا جس کو رخصتی سے پہلے (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دی گئیں۔ اب پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (ایضاً)

۴۳۔ امام حکمؒ روایت کرتے ہیں بیشک حضرت علیؓ ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ تینوں نے فرمایا کہ بیوی کو رخصتی سے پہلے اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں اب وہ اس کے لئے حلال نہیں' یہاں تک کہ دوسرے سے نکاح کرے الگ الگ طلاق ' طلاق ' طلاق کہے تو وہ پہلی طلاق سے بائن ہو گئی' باقی دو بے محل رہ گئیں۔ (عبدالرزاق ۱۱۳۳۶۰)

۴۴۔ سیدہ عائشہؓ اس آدمی کے بارے میں فرماتی ہیں جس نے بیوی کو کہا تجھے ایک طلاق ہزار جیسی کہ اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں' جب تک وہ دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ (ابن ابی شیبہ ۷۰)

۴۵۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ سے اس عورت کے بارہ میں پوچھا گیا جس کو خاوند نے قبل رخصتی (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دے دیں۔ انہوں نے فرمایا اب وہ اس خاوند کے لئے حلال نہیں جب تک اور جگہ نکاح نہ کرے۔ (ابن ابی شیبہ ۲۲۰۵)

○ برادران اسلام! یہ فتاوٰی صحابہ کرام کے فتاوٰی آپ کے سامنے ہیں جس میں بالاتفاق ایک کلمہ سے تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا گیا ہے اور دوسرے خاوند سے شادی کے بغیر کسی نے بھی رجوع یا نکاح کا فتوٰی نہیں دیا۔ کسی ایک صحابیؓ سے بھی اس کا خلاف ثابت نہیں۔ اسی پر سب صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ ایک طرف صحابہ کرامؓ کا اجماع دیکھئے' دوسری طرف غیر مقلدین کے "الدعوۃ" کا جھوٹ کہ یہ صرف فقہ حنفی کا مسئلہ ہے اور اس کا یہ فتوٰی بھی پڑھیں۔ "غصے میں آکر ہزار طلاق دے دے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ فعل غلط ہے' مگر وہ طلاق ایک ہی ہے۔" خوف خدا کا ان کے ہاں

کوئی تذکرہ نہیں' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان اتفاقی فتاویٰ کے ماننے والوں کو حلالی مولویوں کی پھبتی کس کر اپنے آپ کو مولویوں میں شامل کر رہے ہیں۔ اب تو بعض احباب کی یہ غلط فہمی دور ہونی چاہئے کہ یہ فرقہ صرف ائمہ کرام کا مخالف نہیں' دراصل میں صحابہ کرام کا دشمن ہے اور ائمہ کی مخالفت کی وجہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام کے دین کو محفوظ کرایا۔ صحابہ کرامؓ کے اتنے فتاویٰ کے خلاف ایک آواز بھی نہ اٹھائی گئی۔ آج جو غیر مقلدین یہ آواز اٹھا رہے ہیں یہ کوئی دین اسلام کی خدمت نہیں' بلکہ یہودی لابی کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے کوشاں ہیں کہ اسلامی عدالتوں میں اسلام کے قانون کا جو تھوڑا سا بچا کھچا حصہ ہے اس کو بھی ختم کر دیا جائے۔

○ محقق علی الاطلاق شیخ الاسلام والمسلمین علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ فقہاء صحابہ میں سے ہم اکثر کی نقل صریح پیش کر چکے ہیں کہ وہ تین طلاق کے وقوع کے قائل ہیں۔ اور ان کا مخالف کوئی ظاہر نہیں ہوا۔ اب حق کے بعد باطل کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟ اسی بناء پر ہم نے کہا کہ اگر کوئی حاکم یہ فیصلہ دے کہ تین طلاق بلفظ واحد ایک ہوگی تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں' لہذا یہ مخالفت ہے اختلاف نہیں۔ اسی طرح حافظ ابن رجبؒ تحریر فرماتے ہیں: "جاننا چاہئے کہ صحابہ' تابعین اور ائمہ سلف سے جن کا قول حلال و حرام کے فتویٰ میں لائق اعتبار ہے کوئی صریح چیز ثابت نہیں کہ تین طلاقیں دخول کے بعد ایک شمار ہوں گی جب کہ ایک لفظ سے دی گئی ہوں۔"

اس مختصر مضمون میں زیادہ کی گنجائش نہیں' ورنہ امام زہریؒ' امام حسن بصریؒ' امام ابن سیرینؒ' امام ابراہیم نخعیؒ' علامۃ التابعین امام شعبیؒ' امام طاؤسؒ' امام عطاءؒ' امام قتادہؒ سب فقہاء تابعین کے فتاویٰ مصنف ابن ابی شیبہ جلد پنجم میں موجود ہیں کہ ایک دفعہ کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اور فقہائے تابعین میں سے کسی ایک نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی' جس سے ثابت ہوگیا کہ تابعین اور تبع تابعین کا بھی اسی پر

اجماع تھا اور امام نووی نے صراحت فرمائی ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ کا بھی اسی پر اجماع ہے۔

غیر مقلدین کا پہلا خداع :

ایک شاذ روایت مسند احمد میں سعد بن ابراہیم عن محمد بن اسحاق، داؤد بن الحصین عکرمہ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رکانہؓ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد ان کو سخت غم لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ تو نے کیسے طلاق دی تھی؟ اس نے کہا ایک مجلس میں طلاق، طلاق، طلاق کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب ایک ہے تو اس سے رجوع کر لے۔ چنانچہ رکانہؓ نے رجوع کر لیا۔ (مسند احمد ۱، ۲۶۵، بیہقی ۷، ۳۳۹)

یہ وہ شاذ روایت ہے جس پر الدرۃ والے کو بڑا ناز ہے۔ یہ ایسا ناز ہے جیسے قادیانی متواتر حدیث "لا نبی بعدی" کے خلاف سیدہ عائشہؓ کی طرف منسوب شاذ قول قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہ پر ناز کرتے ہیں۔ یا جیسے روافض وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فی ولایۃ علی کے آخری شاذ جملے پر ناز کرتے ہیں، لیکن پیتل کا ناز سونے کے مقابلے میں کیا؟ انجام منہ کالا ہے۔

۱۔ اس کے پہلے راوی امام احمد ہیں۔ کاش اس غیر مقلد میں ذرہ بھر بھی خدا کا خوف ہوتا تو بتاتا کہ امام احمد اس مسئلے کو ہرگز نہیں مانتے۔ چنانچہ انہوں نے جو خط مسدد بن مسرہد کو لکھا اس میں تحریر فرماتے ہیں : "اور جس نے تین طلاقیں ایک لفظ میں دیں اس نے جہالت کا کام کیا اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی اور وہ اس کے لئے کبھی حلال نہ ہو گی، یہاں تک کہ دوسری جگہ نکاح کرے۔" (الاشفاق) اگر یہ بیوی خدا کے ہاں حلال تھی اور امام احمد نے حرام کر دی تو کیا آپ ان کو احبار و رہبان میں شامل کریں گے؟

۲۔ "الدعوۃ" والے نے اس شاذ روایت پر بیہقی کا حوالہ بھی دیا ہے' لیکن خدا کا خوف اس کے قریب بھی نہیں پھٹکا۔ امام بیہقی اس کے بعد فرماتے ہیں : "یہ سند ہرگز حجت نہیں' کیونکہ آٹھ ثقہ راویوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کے خلاف روایت لی ہے (ثقات کے مخالف اگر کوئی ثقہ راوی ہو تو بھی روایت شاذ و مردود ہوتی ہے اور جب ثقات کے مخالف کذاب اور بدعتی کوئی شاذ قراءت بیان کرے' جیسے : یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک فی ولایۃ علی والائمۃ (درمنثور) کا آخری فقرہ۔ ایسی شاذ روایت کوئی کذاب اور اہل بدعت ہی قبول کر سکتا ہے۔ پھر امام بیہقی فرماتے ہیں اس روایت کے شاذ مردود ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ "اولاد رکانہ" نے اس کے خلاف روایت کیا ہے کہ رکانہؓ نے ایک طلاق دی تھی۔ لیجئے ساری بنیاد ہی ختم ہو گئی۔"

۳۔ امام ابوداؤد نے بھی یہی فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ رکانہؓ نے ایک طلاق دی تھی۔ رکانہؓ کے خاندان والے یہی بتاتے ہیں اور ایسے حالات خاندان والوں کو ہی صحیح یاد ہوتے ہیں' لیکن الدعوۃ والا شاید کہہ دے کہ رکانہؓ کا خاندان منزل من اللہ نہیں ہے۔

۴۔ دوسرا راوی سعد بن ابراہیم ہے۔ یہ گانا گانے والا تھا۔ حتیٰ کہ حدیث سنانے سے پہلے گانا گاتا اور ساز کے ساتھ۔ دیکھئے الدعوۃ والے بھی ہر درس حدیث گانے بجانے سے شروع کرتے ہیں یا نہیں۔ میزان الاعتدال کے ایک نسخہ میں تو ہے کہ کان یجید الغناء۔ بہت اچھا گاتا تھا۔ ایک نسخہ میں ہے یجیز الغناء دوسروں کے لئے بھی گانا جائز جانتا تھا۔

۵۔ اس سند کا اگلا راوی محمد بن اسحاق ہے' جسے امام مالکؒ نے دجال کہا۔ عروہؒ نے کذاب کہا۔ یہ تقدیر کا منکر تھا' اس پر اس کو سزا بھی ملی۔ تشیع کی طرف بھی مائل تھا۔ تدلیس بھی کرتا تھا۔ کسی حرام' حلال کے مسئلے میں تو کوئی محدث اس کی حدیث قبول

نہیں کرتا۔ اگر یہ منفرد ہو' اس کی حدیث بالاتفاق مردود ہے۔ یہاں یہ منفرد ہی نہیں بلکہ دوسری صحیح حدیث کے مخالف اور عبداللہ بن عباس ؓ کے متواتر فتویٰ کے خلاف روایت کر رہا ہے۔ اس لئے اس کی روایت قطعاً منکر ہے۔ ہاں الدعوۃ والوں کے ہاں منزل من اللہ۔

۶۔ اس کا استاد داؤد بن الحصین ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں عکرمہ سے منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ یہ مذہباً خارجی بھی تھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ حدیث بھی عکرمہ سے ہی ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے بھی اس کو مناکیر میں ہی ذکر کیا ہے۔ (میزان الاعتدال)

۷۔ اس کا استاد عکرمہ ہے۔ یہ بھی خارجی تھا۔ اس کو عبداللہ بن عباس ؓ کے صاحبزادہ بیت الخلاء کے پاس باندھ دیتے اور فرماتے یہ کذاب خبیث میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے۔ (عجیب بات ہے کہ یہ بھی اس نے ابن عباسؓ پر جھوٹ ہی بولا ہے) امام سعید بن المسیبؒ' امام عطا' امام ابن سیرینؒ سب اس کو جھوٹا کہتے ہیں۔ یہ خارجی مذہب کا تھا' کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متشابہات نازل کر کے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ حاکم مدینہ نے اس کی طلبی کا حکم دیا تو یہ اپنے خارجی شاگرد داؤد بن الحصین کے پاس روپوش ہو گیا اور وہیں مر گیا۔ لوگوں نے اس کا جنازہ بھی نہ پڑھا (میزان الاعتدال ۳-۹۶)۔

۸۔ آخر میں یہ عبداللہ بن عباس ؓ کی طرف منسوب ہے' جن سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ تین طلاقیں واقع ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ اس شاذ بلکہ منکر روایت کو منزل من اللہ سمجھ کر کتاب و سنت اور اجماع سے بغاوت کرنا کہاں کا دین ہے۔

۹۔ جب حضرت رکانہ ؓ کی دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کی قسم میری نیت ایک طلاق کی تھی تو اس کو بھی اس کے موافق کیوں نہ کر لیا جائے۔ ان دو فقروں میں غور فرمایئے۔ ایک آدمی کہتا ہے تین سانپ۔ وہ کبھی یہ قسم نہیں کھا سکتا کہ میری مراد

ایک سانپ تھا۔ ہاں دوسری جگہ دوسرا آدمی شور مچا رہا ہے سانپ سانپ سانپ۔ تو اس سے پوچھا جاسکتا ہے کہ بھئی کتنے سانپ ہیں۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ ایک سانپ ہے۔ باقی تو میں تاکید کے لئے بول رہا ہوں۔ اب کوئی یہ نہیں کہے گا کہ اس نے تین سانپوں کو ایک کر دیا' بلکہ یہی کہا جائے گا کہ اس نے ایک ہی سانپ کے بارے میں تاکید کے لئے بار بار کہہ دیا۔ اس طرح حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ اگر کہتے تجھے تین طلاق تو وہ بھی کبھی قسم نہ کھاتے کہ ایک طلاق مراد ہے۔ ہاں انہوں نے اتنا کہا کہ طلاق طلاق طلاق۔ اب ان سے پوچھا جا سکتا تھا کہ مراد کتنی طلاق ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ایک طلاق مراد ہے' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو ایک قرار نہ دیا' بلکہ ایک کو ہی ایک قرار دیا۔ اس شاذ و منکر روایت کو لے کر تین طلاقوں کو ایک کرنا اور حرام کو حلال کہنا اور ساری عمر کے لئے ان کو حرام کاری کی چھٹی دینا واقعی کسی حلالی کا کام نہیں ہو سکتا۔

غیر مقلدین کا دوسرا دھوکہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا ہے جس میں ان کے لئے سوچ بچار کی گنجائش تھی۔ پس اگر ہم ان تین طلاقوں کو ان پر نافذ کر دیں تو انہوں نے تین طلاق کو نافذ قرار دیا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸)

۱۔ اس قول میں تین طلاق سے کیا مراد ہے؟ اگر ہر قسم کی تین طلاقیں مراد ہوں تو پھر تو جس نے تین طہر میں تین طلاقیں دیں وہ بھی ایک شمار ہوں گی۔ اس کو غیر مقلد بھی نہیں مانتے۔ اس لئے غیر مقلدوں سے ہمارا یہی سوال ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں تین طہروں میں دیں۔ اس کے بعد پھر اپنی بیوی کو بغیر حلالہ شرعی کے رکھ لیا اور اسی قول کو وہ پیش کرتا ہے تو اس کو آپ کیا جواب دیں گے؟

۲- الدعوۃ والوں نے اکٹھی تین طلاقیں جو ترجمہ کیا ہے یہ کس لفظ کا ہے؟ نہ ہی اس میں ایک مجلس کا لفظ ہے' نہ ہی تین کا۔

۳- اکٹھی تین طلاقیں دینا اللہ تعالیٰ کی آیات سے استہزاء ہے۔ اللہ کے رسول کی ناراضگی ہے۔ کیا صحابہ کرام" بلا روک ٹوک دور نبوت' دور صدیقی اور دور فاروقی کے ابتدائی دو سالوں میں یہ گناہ کرتے رہے اور بدی طلاق دے کر بدعتی بنتے رہے؟ صحابہ کرام" کے بارہ میں یہ نظریہ روافض کا تو ہے۔ کیا غیر مقلدین کا بھی ہے؟

۴- زید کو ایک مفتی نے یہ سنایا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔ اس نے اپنی بیوی کو کہہ دیا تجھے ۳ طلاق۔ اب زید اور مفتی صاحب میں جھگڑا ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ تین ہیں۔ مفتی صاحب کو حساب نہیں آتا۔ مفتی کہتا ہے ایک ہے۔ زید کہتا ہے کہ ۳ کے ایک ہونے کی حدیث دکھاؤ۔ آپ وہ حدیث دکھائیں۔

۵- زید کو مفتی غیر مقلد نے یہ حدیث سنائی کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں۔ زید نے ایک طلاق صبح' ایک دوپہر اور ایک شام کو دے دی۔ غیر مقلد مفتی کہتا ہے کہ یہ ایک ہے۔ زید کہتا ہے کہ صریح حدیث سناؤ کہ تین الگ الگ مجالس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔ آپ وہ حدیث پیش کریں۔

۶- زید نے ایک طلاق پیر کو' دوسری منگل کو' تیسری بدھ کو دی۔ کوئی ایسی حدیث پیش فرمائیں کہ تین دن میں الگ الگ دی گئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔

۷- زید نے ایک طلاق پہلے ہفتے' دوسری دوسرے ہفتے اور تیسری تیسرے ہفتے دی۔ وہ کہتا ہے کہ ایسی حدیث دکھاؤ کہ تین ہفتوں میں الگ الگ دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔

۸- زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق اس طہر میں دی جس میں وہ دو مرتبہ صحبت کر چکا تھا اور طلاق دینا حرام تھی۔ بیوی کو گھر سے نکال دیا۔ وہ اپنے ماموں کے ہاں چلی گئی۔ ایک ماہ بعد زید نے اس کو دوسری طلاق بھیجی۔ وہ اس وقت حائضہ تھی۔ اس کے بعد

جب تیسری طلاق بھیجی اس وقت بھی وہ حائضہ تھی۔ اس کے بعد دو سال گذر گئے۔ وہ ایک مفتی صاحب کے پاس گیا اس نے کہا کہ تینوں طلاقیں حرام تھیں 'ایک بھی واقع نہیں ہوئی۔ اب وہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں۔ اگر یہ فتویٰ درست ہے تو بھی صریح حدیث پیش فرمائیں اور غلط ہے تو بھی صریح حدیث سے جواب ارشاد فرمائیں۔

۹۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت کے ابتدائی دور میں متعہ کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہمیں اس سے منع فرما دیا۔ اہل حدیث عالم کہتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں جواز متعہ پر سب صحابہ کا اجماع تھا۔ حضرت عمرؓ کا روکنا ایک سیاسی حکم تھا 'کوئی شرعی حکم نہیں تھا۔ اس لئے ابن عباس وغیرہ نے ان سے اختلاف کیا اور پہلے اجماع پر قائم رہے۔ اس لئے یہ جواز متعہ پر صحابہ کا اجماع ہے اور یہی اصل حکم شرعی ہے۔ تو اس عالم کا یہ فتویٰ درست ہے یا نہیں؟ بہر دو صورت صریح صحیح دلیل بیان کریں؟

۱۰۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاق کے بعد خدا اور رسول کے نزدیک بیوی خاوند کے لئے حلال تھی۔ حضرت عمر نے خدا اور رسول کے حلال کو حرام قرار دے دیا۔ خدا کے حلال کو حرام قرار دینے والے احبار و رہبان یہود کو قرآن نے "ارباباً من دون اللہ۔" کہا ہے یا خلفائے راشدین "کو" جواب قرآن حدیث سے دیں قیاس سے نہ دیں۔

۱۱۔ کیا صدر مملکت کو حق ہے کہ سیاسی ضرورت کے ماتحت خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے؟

۱۲۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ اعلان فرمایا تو کتنے صحابہ کرام اللہ و رسول کے حکم پر قائم رہے اور کتنوں نے اللہ و رسول کو چھوڑ کر عمرؓ کی شریعت کو مان لیا؟ جواب صحیح

سند دنیا سے دیں۔

۱۳۔ حضرت عمرؓ کے بعد دور عثمانی میں کتنے صحابہ کرام اللہ و رسول کے ارشاد پر فتویٰ دیتے تھے اور کتنے حضرت عمرؓ کے قول پر خود حضرت عثمانؓ کس کے ساتھ تھے؟

۱۴۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا اپنا فتویٰ اور ان کے مفتیوں کا فتویٰ اللہ و رسول کی شریعت پر رہا یا عمری؟

۱۵۔ اہلسنت والجماعت کے چاروں امام اللہ و رسول کی شریعت پر فتویٰ دیتے رہے یا اس مسئلہ میں عمرؓ کی شریعت پر؟ ہمیں یقین ہے کہ اندھو وہ والے ہرگز ہرگز ان سوالات کا جواب صرف قرآن و حدیث سے نہیں دے سکیں گے۔ کیونکہ اس شاذ قول کا جو مطلب غیر مقلد لیتے ہیں اس کے بعد صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ کے بارہ میں وہی ذہن بنتا ہے جو روافض کا ہے۔ خود ابن عباس کا بھی متواتر فتویٰ اس شاذ قول کے خلاف ہے۔ الغرض روافض اور غیر مقلدین نے تو اس شاذ قول کا ایسا مطلب بیان کیا ہے جس سے ائمہ صحابہ کرام بلکہ خلفائے راشدین تک پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے اعتراضات اور سیاسی اغراض کے لئے احکام شرعیہ سے خروج ثابت ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

○ ہاں اہلسنّت والجماعت جو خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کو معیار حق مانتے ہیں۔ قرآن پاک، احادیث متواترہ اور اجماع قطعی کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی عظمتوں کا نقش ان کے دلوں میں ثبت ہے۔ وہ ایسے شاذ اقوال کی یا تو تاویل کرتے ہیں یا رد کرتے ہیں۔

۱۔ اس شاذ قول کا مدار طاؤس پر ہے۔ امام حسین بن علی الکرابیسی اپنی کتاب "ادب القضاء" میں فرماتے ہیں: اخبرنا علی بن عبداللہ المدینی عن عبدالرزاق عن معمر عن طاؤس انہ قال من حدثک عن طاؤس انہ کان یروی طلاق الثلاث واحدۃ کذبہ (الاشفاق) یعنی طاؤس نے فر۔

فرمایا کہ جو یہ کہے کہ طاؤس ایسی روایت کرتا ہے کہ تین طلاقیں ایک ہیں' اس کو جھوٹا جان۔ جب طاؤس نے خود ہی اس شاذ قول کو جھٹلا دیا تو اس کو الہ عوۃ راویوں کے سوا کون قبول کر سکتا ہے جن کی فطرت ہی جھوٹ پسند ہے۔

۲- اس شاذ قول کا دوسرا کردار ابوالصہباء ہے۔ یہ اگر مولیٰ بن عباس ہے تو ضعیف ہے' جیسا کہ نسائی نے کہا اگر دوسرا ہے تو مجہول۔ آخر حرام کاری کے بیوپاریوں کے پاس کتاب اللہ' سنت رسول اللہ' اجماع صحابہ اور ابن عباس کے متواتر فتویٰ کے خلاف ضعیف اور مجہول راویوں کے شاذ قول کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے؟ بے چاروں کا اوڑھنا بچھونا ہی شاذ اقوال کے سہارے ہے۔ اور کتاب و سنت اور صحابہ کرام ؓ سے بغاوت ہے۔

۳ ابوالصہباء کے ان الفاظ پر بھی غور فرمالیں وہ ابن عباسؓ سے کہتے ہیں : ھات من ھناتک یعنی اپنی قابل نفرت اور بری باتوں سے کچھ سنائیے تو ابن عباس یہ قول سنا دیتے ہیں جو ان کے نزدیک قبیح مردود اور قابل نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عباس ؓ فتویٰ ہمیشہ اس کے خلاف ہی دیتے رہے جو قول ابن عباس ؓ بلکہ سب صحابہ کے ہاں قبیح اور قابل نفرت ہے۔ اس کو اگر غیر مقلد قبول نہ کریں تو اور کون کرے گا؟ ان بے چاروں کے دستر خوان پر یہی کچھ ملتا ہے۔ ایسے شاذ اور قابل نفرت اقوال کے سہارے صحابہ کرام کو شریعت کا مخالف قرار دینا ایسی ہی شاذ پسند طبیعتوں کا کام ہے جو من شذ شذ فی النار سے نہیں ڈرتے۔

۴- امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ امام ابو بکر بن ابی شیبۃ' پھر امام ابو داؤد اور امام بیہقی نے اس قول میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ یہ اس عورت کے بارہ میں ہے جس کی رخصتی نہیں ہوئی۔ امام نسائی نے بھی اس پر یہی باب باندھا ہے اور ایسی عورت کے بارہ میں خود حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی وضاحت ابن ابی شیبۃ ۵-۲۶ پر موجود ہے کہ اگر اس کو یوں کہا جائے تجھے طلاق' طلاق' طلاق' تو اس کو ایک ہی طلاق پڑتی ہے۔

(اس صورت میں دوبارہ نکاح بغیر حلالہ شرعی کے جائز ہے اور سوچ بچار کی گنجائش ہے) اور اگر یوں اس کو تین طلاقیں دی جائیں کہ تجھے تین طلاق' تو اس سے تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں۔ اب بغیر حلالہ شرعی کے اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ جلد بازی ہے جس میں سوچ بچار کا کوئی موقع نہیں رہتا۔

☆ اب اس شاذ قول کا مطلب یہ بنا کہ رسول پاک ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے زمانہ میں اگر رخصتی سے پہلے کوئی طلاق دیتا تو وہ یوں کہتا طلاق' طلاق' طلاق۔ اس سے اس کو ایک ہی طلاق واقع ہوتی۔ بعد میں سوچ بچار کر کے نکاح کر سکتے تھے۔ اس کا حکم آج تک یہی ہے۔ حضرت فاروق اعظم ؓ کے زمانہ میں کثرت فتوحات سے بہت سے نو مسلم ہوئے بہت سی لونڈیاں آئیں۔ نکاح طلاق کی کثرت ہوئی تو بعض ناواقف لوگوں نے رخصتی سے قبل طلاق میں جلد بازی سے کام لینا شروع کر دیا۔ اور ان کو یوں طلاق دینے لگے تجھے تین طلاق۔ اب تینوں طلاقیں پڑ گئیں اور وہ حرام ہو گئی۔ بغیر حلالہ کے اب نکاح نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے حضرت عمر ؓ نے اعلان فرما دیا کہ جلد بازی کا طریقہ جو ہے اس کا حکم یہی ہے کہ تین طلاق نافذ ہو جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر ؓ یا کسی بھی صحابی یا تابعی نے کوئی حکم شرعی نہیں بدلا۔ صرف طلاق دینے والوں نے طلاق کا طریقہ بدلا۔ جو پہلا طریقہ تھا اس کا آج بھی وہی حکم ہے۔ جو بعد والا طریقہ تھا اس کا پہلے بھی وہی حکم تھا۔ اب نہ کسی خلیفہ راشد پر اعتراض اور نہ ہی کسی صحابی پر۔

○ ہاں یہ بات ثابت ہو گئی کہ غیر مقلدوں نے یقیناً حکم شرعی بدل ڈالا اور حرام کو حلال کیا۔ یہی کام یہود کے احبار و رہبان کرتے تھے اور یہود ان کے کہنے سے خدا کے حرام کردہ کو حلال سمجھ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ یہود ان کو ارباباً من دون اللہ مانتے ہیں۔ اب بھی غیر مقلدین کی ہر مسجد اور ہر رسالے کے دفتر میں غیر مقلدین کے رب بیٹھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کرتے ہیں۔ ان کو جھوٹ کہہ کہہ کر

تین طلاقیں واقع نہیں ہوئیں۔ سمّٰعون للکذب کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اور ان سے اس حرام کاری کی دلالی کی فیس وصول کر کے اکّٰلون للسحت سے اپنے پیٹ کا جہنم بھرتے ہیں۔ آہ! ان لوگوں نے کتنی عصمتوں کو تار تار کرایا' کتنے ایسے جوڑے ہیں جو ساری عمر حرام کاری کر کے اپنی اور ان کی قبروں کو جہنم کے گڑھے بنا رہے ہیں۔ حرام کاری کا ایک دلال مجھے کہنے لگا اصل بات تو یہی ہے کہ وہ عورت حرام ہے' لیکن اگر فتویٰ نہ بھی دیں تو بھی لوگ اسی طرح اکٹھے رہتے ہیں۔ ہم فتویٰ دے کر کچھ فیس لے لیتے ہیں۔ میں نے کہا اگر تم حکم شرعی بدل کر فتویٰ نہ دیتے وہ پھر اکٹھے رہتے تو یقیناً گنہگار ہوتے اور اپنے کو گنہگار سمجھ کر ہی گناہ کرتے۔ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا گناہ ہی ہے۔ مگر آپ کے فتویٰ کے بعد وہ اس ساری عمر کے گناہ کو حلال سمجھ کر کر رہے ہیں' جس سے ایمان ہی رخصت ہو جاتا ہے' مگر غیر مقلدین کو ایمان کی کیا پرواہ؟ الحاصل تین طلاق کے مسئلہ میں نہ ان کے پاس قرآن ہے' بلکہ ان کا مسئلہ قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ "الطلاق مرتان" میں قرآن دو طلاقوں کو دو ہی کہتا ہے۔ جب دو دو ہیں تو تین تین ہی ہیں' مگر انہوں نے الطلاق مرتان کا مطلب یہ نکالا ہے کہ دو طلاقیں ایک ہیں' یہ بالکل جھوٹ ہے۔ قرآن کا انکار ہے' ان کے پاس صرف قیاس ہے کہ جب اس نے غلط طریقے سے طلاقیں دیں تو وہ واقع نہ ہوئیں' مگر ان کا قیاس قرآن کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی فرمایا کہ جس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ وہ خدا سے نہ ڈرا' اب اس کے لئے کوئی صورت اس ندامت سے نکلنے کی نہیں۔ یہ جب ہو گا کہ تینوں کو نافذ مانا جائے۔ غیر مقلدین کا یہ قیاس قرآن کے بھی خلاف ہوا اور وہ احادیث جو اوپر درج ہو چکیں اور اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہوا اور امام بخاری نے ثابت کر دیا کہ ان کا یہ قیاس بھی غلط ہے' کیونکہ روافض کہتے ہیں جس طرح نکاح غلط طریقے سے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً عورت کسی کی عدت میں ہو اور نکاح کرے تو نکاح نہ ہو گا۔ اسی طرح طلاق بھی غلط طریقے سے نافذ نہ ہو گی۔ امام

طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ قیاس نصوص کے بھی خلاف ہے۔ حیض میں طلاق دینا گناہ ہے' مگر طلاق نافذ ہو جاتی ہے۔ اسی پاکی میں طلاق دینا جس میں حقوق زوجیت ادا کر چکا ہو حرام ہے' مگر نافذ ہو جاتی ہے۔ جس طرح تمہارا قیاس نصوص کے خلاف ہے اسی طرح خود بھی غلط ہے۔ دیکھو نماز میں داخل ہونے کے لئے صحیح طریقہ سے داخل ہونا ضروری ہے کہ نماز کی شرائط مکمل ہوں' پھر نماز میں تحریمہ کہہ کر داخل ہو۔ لیکن نماز سے نکلنے کے لئے اگر صحیح طریقے سے نکلنے کا سلام پھیر کر تو بھی یقیناً نماز سے نکل گیا اور کوئی گناہ نہ ہوا' لیکن اگر سلام کی بجائے بول چال شروع کر دی' اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا' کچھ کھانا پینا شروع کر دیا تو بھی یقیناً نماز سے نکل گیا۔ ہاں ساتھ گناہ بھی ہوا۔ اسی طرح اگر طلاق صحیح طریق سے دی تو ایسا ہی ہے جیسے شرعی طریقہ سے نماز سے نکل گیا۔ اور اگر طلاق غیر شرعی طریقے سے دی تو بھی طلاق ہو گئی۔ مگر ساتھ گناہ بھی ہوا' جیسے غیر شرعی طریقے سے نماز سے نکلنے والے کو گناہ ضرور ہوا مگر نماز سے نکل گیا۔ بہرحال غیر مقلدین کا یہ مسلک کہ شرعی طلاق ایک نافذ ہوتی ہے اور باقی دو نافذ نہیں ہوتیں' نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں' نہ کسی صحابی کا مسلک نہ مجتہد کا۔ یہود کے احبار و رہبان کی طرح خدا و رسول سے بغاوت کر کے ان لوگوں نے شریعت کے حرام کو حلال کر رکھا ہے۔

نوٹ : ان شاذ اقوال کے سہارے کے لئے ایک اور جھوٹی کہانی گھڑی گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر ندامت ہوئی تھی۔ اس کا گھڑنے والا خالد بن یزید ہے۔ امام ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ اپنے باپ پر ہی جھوٹ نہ بولتا تھا بلکہ صحابہ کرام پر بھی جھوٹ بولتا تھا (میزان الاعتدال ۱-۲۴۵) آخر حرام کاروں کو حرام کاری کے لئے ایسے کذابوں کے سہارے ہی ملیں گے۔

حلالہ شرعی :

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ وہ عورت (عدت کے بعد) دوسرے شوہر

سے نکاح (صحیح) کرے اور نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے صحبت کرے پھر مر جائے یا از خود طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے تب یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی۔ اور وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکے گا یہ حلالہ شرعی ہے۔

○ تین طلاق کے بعد عورت کا کسی سے اس شرط پر نکاح کر دینا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا یہ شرط باطل ہے' اور حدیث میں ایسا حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ تاہم ملعون ہونے کے باوجود اگر دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت کے بعد عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ اور اگر دوسرے مرد سے نکاح کرتے وقت یہ نہیں کہا گیا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا' لیکن اس شخص کا اپنا خیال یہ ہو کہ وہ عورت کو صحبت کے بعد فارغ کر دے گا۔ تو یہ صورت موجب لعنت نہیں۔ اسی طرح اگر عورت کی نیت ہو کہ وہ دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کر کے پہلے شوہر کے گھر میں آباد ہونے کے لائق ہو جائے گی تب بھی گناہ نہیں۔ ہاں بغیر دوسرے خاوند سے نکاح کئے وہ عورت پہلے مرد پر قطعاً حرام ہے۔

○ غیر مقلدین نے اس حرام کاری کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ وہ تین طلاق کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کئے بغیر پہلے مرد کے سپرد کر دیتے ہیں جو قرآن وسنت اور اجماع امت کے مطابق بالکل حرام ہے۔ آج اکثر جو لوگ غیر مقلد بن رہے ہیں وہ اسی لئے کہ مذاہب اربعہ میں اس حرام کاری کی کوئی گنجائش نہیں اور ان غیر مقلدین کے ہاں یہ ساری عمر کی حرام کاری پیشے کی صورت اختیار کرتی ہے۔ حرام کاری کے یہ دلال حلالہ کے خلاف خوب زور لگا رہے ہیں۔ تاکہ ہمارے کاروبار حرام کاری پر پردہ پڑا رہے۔ انہیں اگر باشرط حلالہ سے انکار ہے تو اس شرط کو احناف بھی ناجائز اور موجب لعنت کہتے ہیں۔ فقہ حنفی کو گالیاں دینے والے کیا اس کا جواز فقہ حنفی سے نکال سکتے ہیں۔ اور اگر وہ اس شرط والے حلالہ کے مخالف ہیں تو کیا وہ بلا شرط حلالہ کرواتے ہیں۔ ان کے کتنے سنٹر انہوں نے کھولے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے باوجود لعنت کرنے کے ان کو

حلال کرنے والا فرمایا، حرام کرنے والا نہیں فرمایا اور جس کے لئے حلال کی گئی فرمایا، اس کے لئے حرام کی گئی نہیں فرمایا۔ غیر مقلدو! کتاب و سنت سے بغاوت کرکے کب تک شریف گھرانوں کو ساری عمر حرام کاری پر لگائے رکھو گے۔ الدعوۃ میں یہ بھی تو مانا ہے، البتہ یہ طے کئے بغیر اگر وہ خاوند اپنی مرضی سے طلاق دے، تب پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اور یہی طریقہ قرآن میں جائز ہے۔ تم نے کہاں اس طریقے پر عمل کرایا۔ تم تو قرآن کے اس جائز طریقے کو توڑ کر ساری عمر کی حرام کاری پر لگا رہے ہو۔

○ اس مسئلہ میں یہ بغاوت تو قرآن و سنت اور صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ سے کر رہے ہیں، مگر شور مچاتے ہیں کہ اللہ نے کسی متعین فقہ کے ماننے کا حکم نہیں دیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کسی متعین فقہ کے ماننے سے منع فرمایا ہو تو وہ آیت یا حدیث ضرور پیش کریں۔ یہ دلائل نہیں، آپ کی بوکھلاہٹ کے آثار ہیں۔ آپ کے بڑے بھائی اہل قرآن بھی اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عربی قرآن نازل کیا تھا۔ یہ جو صحاح ستہ کے نام سے چھ عجمی قرآن بنا لئے گئے ان کے ماننے کا کہیں اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ اس فرقے کا حال یہی ہے کہ دلائل سے خالی ہونے کی وجہ سے اپنی پریشانی کو چھپانے کے لئے فقہ کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حلالہ کی شرط باطل ہے اور متعہ بھی حرام ہے، لیکن یہ لوگ جو بغیر دوسرے نکاح کے عورت کو پہلے مرد کے سپرد کر دیتے ہیں، یہ ان دونوں سے بڑا گناہ اور حرام ہے۔ ساری عمر کا گناہ اور ناجائز اولاد اتنے بڑے حرام پر عمل کرنا اور شرط حلالہ کے خلاف شور مچانا ایسا ہی ہے کہ کوئی بدکار عورت بر سر عام زنا میں مشغول ہو اور کسی گھر بستی کو گالیاں دے رہی ہو کہ بڑی بے شرم ہے، دوپٹہ سرک گیا ہے اور اس کا کان غیر محرم کو نظر آ گیا ہے۔ یہی حال ان حضرات کا ہے۔ کبھی اپنے حرام کاروں کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ حلالہ سے بے حیائی اور بے شرمی پھیلے گی۔

○ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اگر چوروں کے ہاتھ کاٹے

کی حد نافذ ہو گئی تو سارا ملک محفوظ ہو جائے گا۔ اصل بے شرمی اور بے حیائی کی ذمہ داری تو ان پر ہی عائد ہے جو بغیر دوسرے نکاح کے بیوی واپس کر دیتے ہیں۔ اس سے لوگوں میں تین طلاقیں دینے کی جرأت بڑھی ہے اور حرام کاری عام ہو گئی ہے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ ایک آدمی کو کہیں کہ قرآنی حکم کے مطابق دوسرے نکاح کے بغیر یہ (بیوی) تجھے نہیں مل سکتی اور اس عورت کا دوسرا نکاح ہو جائے تو اس ایک واقعہ کے بعد سالوں تک کوئی تین طلاق کا نام نہ لے گا۔ جس طرح چوروں پر حد نہ لگا کر چوروں کی جرأت بڑھائی گئی ہے اسی طرح اس مرد کو یہ سزا معاف کر کے مریض دلوں کو تین طلاقیں دینے کی آپ لوگوں نے جرأت دلائی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے تمام فتنوں کے شر سے محفوظ فرمائیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم
مجلة البحوث الإسلامية
رئاسة إدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد
رئيس التحرير
عثمان الصالح
الاشراف الفنى
جمال النهرى
المجلد الاول العدد الثالث
سنة ١٣٩٧ هـ
الرياض . المكه العربية السعودية

حکم

الطلاق الثلاث

بلفظ واحد

هيئة كبار العلماء

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعے علماء حرمین اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے حتیٰ کہ خود بادشاہ بھی اس کا پابند ہے۔ اس مجلس میں "طلاق ثلاث" کا مسئلہ پیش ہوا مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر و حدیث کی بیسیوں کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد بالاتفاق واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ

ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں

یہ پوری بحث اور متفقہ فیصلہ حکومت سعودیہ نے زیر نظر رسالہ میں شائع کیا ہے۔ غیر مقلدین اکثر مختلف فیہ مسائل میں نقل حرمین کے عمل کو بطور حجت پیش کیا کرتے ہیں، یہ فیصلہ بھی علماء حرمین کا ہے اس لئے غیر مقلدین پر حجت ہے۔ جبیں امید ہے کہ غیر مقلدین اس رسالہ کو بنظر انصاف دیکھیں گے۔

الداعی الی الخیر: مفتی محمد انور عفا اللہ عنہ ، مرتب خیر الفتاویٰ

مجلة البحوث الإسلامية

لجنة الإشراف

سماحة الشيخ عبدالعزيز بن عبدالله بن باز

فضيلة الشيخ عبدالله بن سليمان بن منيع

فضيلة الشيخ محمد بن عوده

فضيلة الشيخ عثمان الصالح

أشرف على التحرير

جمال النهري

عبدالله العبادي

محمد بن عبدالرحمن آل اسماعيل

تشكلت هيئة كبار العلماء بموجب الأمر الملكي رقم أ/١٣٧ في ٨-٧-١٣٩١هـ لتقوم بمزاولة الأعمال الآتية:

أ- إبداء الرأي فيما يحال إليها من ولي الأمر من أجل بحثه وتكوين الرأي المستند إلى الأدلة الشرعية فيه.

ب- التوصية في القضايا الدينية المتعلقة بتقرير أحكام عامة ليسترشد بها ولي الأمر وذلك بناء على بحوث يجري تهيئتها وإعدادها للهيئة.

ثم صدر الأمر الملكي رقم أ/١٣٨ في ٨-٧-١٣٩١هـ بتعيين أصحاب المعالي والسماحة والفضيلة الآتية أسماؤهم أعضاء فيها على أن تكون رئاسة الدورات بالتناوب بين خمسة من أكبر أعضاء الهيئة سناً وفيما يلي أسماء الأعضاء.

١- الشيخ عبدالعزيز بن باز
٢- الشيخ عبدالله بن حميد
٣- الشيخ محمد الأمين الشنقيطي
٤- الشيخ سليمان بن عبيد
٥- الشيخ عبدالله خياط
٦- الشيخ محمد الحركان
٧- الشيخ ابراهيم بن محمد آل الشيخ
٨- الشيخ عبدالرزاق عفيفي
٩- الشيخ عبدالعزيز بن صالح
١٠- الشيخ صالح بن غصون
١١- الشيخ محمد بن جبير
١٢- الشيخ عبدالمجيد حسن
١٣- الشيخ راشد بن خنين
١٤- الشيخ صالح بن لحيدان
١٥- الشيخ محضار عقيل
١٦- الشيخ عبدالله بن غديان
١٧- الشيخ عبدالله بن منيع

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله محمد وآله وبعد:

لقد عرض على مجلس هيئة كبار العلماء مسألة "حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد" وبناء عليه أعدت اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء بحثاً في الموضوع ونصه:

الحمدلله وحده، وبعد: فبناء على ما قرره مجلس هيئة كبار العلماء، في دورته الثالثة المنعقدة في شهر ربيع الثاني، عام ١٣٩٣هـ من البحث في الدورة الرابعة عن حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد. وبناء على ما تقتضيه لائحة عمل الهيئة، من قيام اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء بإعداد بحث علمي عن المسئلة التي تقرر عرضها على الهيئة. قامت اللجنة الدائمة بإعداد بحث في مسألة الطلاق الثلاث بلفظ واحد، اشتمل على ما يلي.

١ ـ حكم الإقدام على جمع الطلاق الثلاث بلفظ واحد، مع الأدلة ومناقشتها

٢ ـ ما يترتب على إيقاع الطلاق ثلاثاً بلفظ واحد، مع الأدلة ومناقشتها.

وبالله التوفيق وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم.
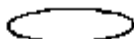
حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد
في ضوء الكتاب والسنة
فتوى كبار العلماء والمحققين

المسألة الاولى حكم الاقدام على جمع الثلاث بكلمة واحدة وفيه قولان

القول الاول:

إنه محرم، وهو مذهب الحنفية والمالكية واحدى الروايتين عن احمد وقول شيخ الاسلام وابن القيم. اما المذهب الحنفي، فقال الكاساني في الكلام على طلاق البدعة (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ۹۳/۳ وما بعدها) وأما الذي يرجع إلى العدد فهو ايقاع الثلاث او الثنتين في طهر واحد لا جماع فيه. سواء كان على الجمع: بأن أوقع الثلاث جملة واحدة، أو على التفاريق واحداً بعد واحد، بعد أن كان الكل في طهر واحد. وهذا قول اصحابنا ..... ولنا الكتاب والسنة والمعقول:

أما الكتاب:

فقوله عز وجل (فطلقوهن لعدتهن..... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱) أي في أطهار عدتهن، وهو الثلاث في ثلاثة أطهار كذا فسره رسول الله ﷺ على ما ذكرنا فيما تقدم الامر بالتفريق، والامر بالتفريق يكون نهياً عن الجمع. ثم ان كان الأمر أمر إيجاب. كان نهياً عن ضده، وهو الجمع نهي تحريم. وإن كان أمر ندب، كان نهياً عن ضده. وهو الجمع نهي ندب. وكل ذلك حجة على المخالف. لأن الأول يدل على التحريم، والآخر يدل على الكراهة، وهو لا يقول بشيء من ذلك.

وقوله تعالى (الطلاق مرتان .... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩)

أي دفعتان، ألا ترى أن من أعطى آخر درهمين، لم يجز أن يقول أعطاه مرتين حتى يعطيه دفعتين.

وجه الاستدلال: أن هذا وإن كان ظاهره الخبر، فإن معناه الأمر، لأن الحمل على ظاهره يؤدي إلى الخلف في خبر من لا يحتمل خبره الخلف، لأن الطلاق على سبيل الجمع قد يوجد، وقد يخرج اللفظ مخرج الخبر على إرادة الأمر. قال الله تعالى "والوالدات يرضعن أولادهن" (الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٣) أي ليرضعن ونحو ذلك، كذا هذا، فصار كأنه سبحانه وتعالى قال. طلقوهن مرتين إذا أردتم الطلاق، والأمر بالتفريق نهي عن الجمع، لأنه ضده، فيدل على كون الجمع حرامًا أو مكروهًا على ما بينا.

فإن قيل:

هذه الآية حجة عليكم، لأنه ذكر جنس الطلاق، وجنس الطلاق ثلاث، والثلاث إذا وقع دفعتين، كان الواقع في دفعة طلقتان، فيدل على كون الطلقتين في دفعة مسنونتين.

فالجواب:

أن هذا أمر بتفريق الطلاقين من الثلاث لا بتفريق الثلاث، لأنه أمر بالرجعة عقب الطلاق مرتين أي دفعتين بقوله تعالى "فإمساك بمعروف" (الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) أي وهو الرجعة، وتفريق الطلاق وهو إيقاعه دفعتين لا يعقب الرجعة، فكان هذا أمرًا بتفريق الطلاقين من الثلاث، لا بتفريق كل جنس الطلاق وهو الثلاث، والأمر بتفريق طلاقين من الثلاث يكون نهيًا عن الجمع بينهما.

وأما السنة: فما روي عن رسول الله ﷺ أنه قال: "تزوجوا ولا تطلقوا فإن

الطلاق يهتز له عرش الرحمن" (رواه ابن عدي في الكامل من طريق علي بن ابي طالب، وقال السيوطي في الجامع الصغير. ضعيف) نهى ﷺ عن الطلاق، ولا يجوز أن يكون النهي عن الطلاق نفسه، لأنه قد بقي معتبراً شرعاً في حق الحكم بعد النهي، فعلم أن ههنا غيراً حقيقياً ملازماً للطلاق يصلح أن يكون منهيا عنه، فكان النهي عنه لا عن الطلاق، ولا يجوز أن يمنع من الشرع لمكان الحرام الملازم له، كما في الطلاق في حالة الحيض، والبيع وقت النداء، والصلاة في الأرض المغصوبة، وغير ذلك

وقد ذكر عن عمر رضي الله عنه. أنه كان لا يؤتي برجل طلق امرأته ثلاثة إلا أوجعه ضربا وأجاز ذلك عليه. وذلك بمحضر من الصحابة رضي الله عنهم. فيكون إجماعا.

وأما المعقول: فمن وجوه:

أحدها:

أن النكاح عقد مصلحة لكونه وسيلة إلى مصالح الدين والدنيا، والطلاق إبطال له، وإبطال المصلحة مفسدة، وقد قال الله عزوجل: (والله لا يحب الفساد. الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٠٥) وهذا معنى الكراهة الشرعية عندنا، أن الله تعالى لايحبه ولا يرضى به، إلا انه قد يخرج من أن يكون مصلحة لعدم توافق الأخلاق وتباين الطبائع، أو لفساد يرجع إلى نكاحها، بأن علم الزوج أن المصالح تفوته بنكاح هذه المرأة، أو أن المقام معها يسبب فساد دينه ودنياه، فتنقلب المصلحة في الطلاق، ليستوفي مقاصد النكاح من امرأة أخرى، إلا أن احتمال أنه لم يتأمل حق التأمل، ولم ينظر حق النظر في العاقبة قائم، فالشرع والعقل يدعوانه إلى النظر. وذلك في أن يطلقها طلقة واحدة رجعية، حتى أن التباين والفساد إذا كان من جهة المرأة تتوب وتعود إلى الصلاح إذا ذاقت مرارة

العراق، وإن كانت لا تتوب نظر في حال نفسه، أنه هل يمكنه الصبر عنها؟ فإن علم أنه لا يمكنه الصبر عنها يراجعها، وإن علم أنه يمكنه الصبر عنها يطلقها في الطهر الثاني.

ثانياً: ويجرب نفسه، "ثم يطلقها فيخرج نكاحها من أن يكون مصلحة ظاهراً و غالباً، لأنه لا يلحقه الندم غالباً، فأبيحت الطلقة الواحدة أو الثلاث في ثلاثة أطهار على تقدير خروج نكاحها من أن يكون مصلحة، وصيرورة المصلحة في الطلاق، فإذا طلقها ثلاثاً جملة واحدة في حالة الغضب، وليست حالة الغضب حالة التأمل، لم يعرف خروج النكاح من أن يكون مصلحة فكان الطلاق إبطالا للمصلحة من حيث الظاهر، فكان مفسدة.

والثاني:

أن النكاح عقد مسنون، بل هو واجب لما ذكرنا في كتاب النكاح، فكان الطلاق قطعاً للسنة وتفويتاً للواجب، فكان الأصل هو الحظر او الكراهة، إلا أنه رخص للتأديب أو للتخليص، والتأديب يحصل بالطلقة الواحدة الرجعية.

لأن التباين أو الفساد إذا كان من قبلها، فإذا ذاقت مرارة الفراق فالظاهر أنها تتأدب وتتوب وتعود إلى الموافقة والصلاح، والتخليص يحصل بالثلاث في ثلاثة أطهار، والثابت بالرخصة يكون ثابتاً بطريق الضرورة، وحق الضرورة صار مقضياً بما ذكرنا فلا ضرورة إلى الجمع بين الثلاث في طهر واحد، فبقي ذلك على أصل الحظر.

والثالث:

انه إذا طلقها ثلاثاً في طهر واحد فربما يلحقه الندم، وقال الله تعالى: (لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امراً .... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) قيل في التفسير: أي ندامة على ما سبق من فعله أو رغبة فيها، ولا يمكنه التدارك

بالنكاح، فيقع في السفاح، فكان في الجمع احتمال الوقوع في الحرام، وليس في الامتناع ذلك، والتحرز عن مثله واجب شرعًا وعقلًا، بخلاف الطلقة الواحدة لأنها لا تمنع التدارك بالرجعة، وبخلاف الثلاث في ثلاثة أطهار، لأن ذلك لا يعقب الندم ظاهرًا، لأنه يجرب نفسه في الأطهار الثلاثة فلا يلحقه الندم ... انتهى المقصود.

وقال السرخسي :

وعلى هذا الأصل. أي توجيه إيقاع الثلاث في ثلاثة أطهار. قال علماؤنا رحمهم الله: إيقاع الثلاث جملة بدعة (المبسوط ٦/٤ وما بعدها ويرجع أيضًا إلى فتح القدير ٣/٢٦ وما بعدها). وبعد أن ساق مذهب الشافعي في إباحته وأدلته، ساق الدليل على تحريمه، وهو قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) قال: معناه دفعتان، كقوله: أعطيته مرتين وضربته مرتين، والألف واللام للجنس، فيقتضي أن يكون كل الطلاق المباح في دفعتين ودفعة ثالثة في قوله تعالى: (فإن طلقها) أو في قوله عزوجل: (أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) على حسب ما اختلف فيه أهل التفسير، وفي حديث محمود بن لبيد رحمه الله تعالى: أن رجلًا طلق امرأته ثلاثًا بين يدي رسول الله ﷺ فقام النبي صلى الله عليه وسلم مغضبًا. فقال: "أتلعبون بكتاب الله وأنا بين أظهركم".

واللعب بكتاب الله ترك العمل به، فدل أن موقع الثلاث جملة مخالف للعمل بما في الكتاب، وأن المراد من قوله: (فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) تفريق الطلقات على عدد أقراء العدة، ألا ترى، أنه خاطب الزوج بالأمر بإحصاء العدة؟ وفائدته التفريق، فإنه قال: (لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك أمرًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) أي يبدو له فيراجعها، وذلك

عند التفريق لا عند الجمع.

وفي حديث عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه أن قومًا جاء وا إلى رسول الله ﷺ . فقالوا: إن أبانا طلق امرأته ألفا فقال صلى الله عليه وسلم: "بانت امرأته بثلاث في معصية الله تعالى، وبقي تسعمائة وسبعة وتسعون وزرا في عنقه إلى يوم القيمة".

وان ابن عمر رضي الله تعالى عنهما لما طلق امرأته في حالة الحيض، امره رسول الله ﷺ أن يراجعها

فقال: أرأيت لو طلقتها ثلاثًا أكانت تحل لي؟

فقال ﷺ: "لا، بانت منك وهي معصية". وبعد أن بين وجه الرد على استدلال الشافعي رحمه الله بقصة لعان عويمر العجلاني، وأنه طلق ثلاثًا ولم ينكر عليه ﷺ.

قال: ولنا إجماع الصحابة رضي الله تعالى عنهم فقد روى عن علي، و عمر و ابن مسعود و ابن عباس و ابن عمر، و أبي هريرة، و عمران بن حصين رضي الله تعالى عنهم كراهة ايقاع الطلاق الثلاث بألفاظ مختلفة.

وعن أبي قتادة الأنصاري رضي الله عنه قال: لو أن الناس طلقوا نساء هم كما أمروا لما فارق الرجل امرأته وله اليها حاجة. إن احدكم يذهب فيطلق امرأته ثلاثًا ثم يقعد فيعصر عينيه، مهلا مهلا بارك الله عليكم. فيكم كتاب الله وسنة رسوله، فماذا بعد كتاب الله وسنة رسوله إلا الضلال ورب الكعبة....

الكرخي:

لا أعرف بين أهل العلم خلافًا أن ايقاع الثلاث جملة مكروه، إلا قول ابن سيرين، وإن قوله ليس بحجة ثم ساق الرد على ما استدل به الشافعي من الآثار، ثم ذكر بعد ذلك دليلًا من جهة المعنى، وقد سبق ما يوافقه عن الكاساني.

وقال الطحاوي :

حدثنا ابن مرزوق قال: ثنا وهب، قال: ثنا شعبة عن ابن أبي نجيح، وحميد الأعرج، عن مجاهد، أن رجلًا قال لابن عباس: رجل طلق امرأته مائة فقال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك، لم تتق الله فيجعل لك مخرجًا، من يتق الله يجعل له مخرجًا. قال الله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن...الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

المذهب المالكي

أما المذهب المالكي : فهذه بعض نقول عنه:

قال سحنون :

قلت لعبدالرحمن بن القاسم: هل كان مالك يكره أن يطلق الرجل امرأته ثلاث تطليقات في مجلس واحد، قال: نعم! كان يكره أشد الكراهية (المدونة ٢/٦٦).

وقال محمد بن احمد بن رشد :

وكذالك لا يجوز عند مالك أن يطلقها ثلاثًا في كلمة واحدة فإن فعل لزمه ذلك بدليل قوله تعالى: (تلك حدود الله فلا تعتدوها .. الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩). وقوله تعالى (ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١). وهي الرجعة فجعلها فائتة بإيقاع الثلاث في كلمة واحدة، إذ لو لم يقع ولم يلزمه لم تفته الزوجة ولا كان ظالمًا لنفسه (المقدمات وهي مع المدونة ٢/٧٨) انتهى المقصود.

وقال الباجي : فأما العدد، فإنه لا يحل أن يوقع أكثر من طلقة واحدة، فمن أوقع

طلقتين أو ثلاثاً فقد طلق بغير سنة . والدليل على ما نقوله، قوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان) (الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٢٩) ولا يخلو أن يكون أمراً بصفة الطلاق والأمر يقتضي الوجوب أو يكون إخباراً عن صفة الطلاق الشرعي. ومن أصحابنا من قال: إن الألف واللام تكون للحصر. وهذا يقتضي أن لا يكون الطلاق الشرعي على غير هذا الوجه.

فإن قيل: المراد بذلك الإخبار عن أن الطلاق الرجعي طلقتان، وأن ما زاد عليه ليس برجعي، قالوا: يدل على ذلك، أنه قال بعد ذلك: (فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان) (الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٢٩) ثم أفرد الطلقة الثالثة لما لم تكن رجعية وفارق حكم الطلقتين فقال: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره) (الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٣٠) وإذا كان المراد ما ذكرناه من الأخبار عن الطلاق الرجعي لم يدل ذلك على أن هذا هو الطلاق الرجعي دون غيره.

فالجواب: أن هذا أمر أضمر في الكلام مع استقلاله دونه بغير دليل، لأنكم تضمرون الرجعي وتقولون: معناه الطلاق الرجعي مرتان، وإذا استقل الكلام دون ضمير لم يجز تعديه إلا بدليل.

وجواب ثان: وهو أنه لو أراد الإخبار عما ذكرتم لقال: الطلاق طلقتان، لأن ذلك يقتضي أنه الطلاق الرجعي أو فهي مجتمعتين أو متفرقتين، فلما قال مرتان، ولا يكون ذلك إلا لإيقاع الطلاق متفرقاً، ثبت أنه قصد الإخبار عن صفة إيقاعه، لا الإخبار عن عدد الرجعي منه.

فإن قالوا: إن لفظ التكرار إذا علق باسم أريد به العدد دون تكرار الفعل، يدل على ذلك، قوله تعالى: (نؤتها أجرها مرتين) (الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١). ولم يرد تفريق الأجر وإنما أراد تضعيف العدد.

فالجواب: ان قوله: (نؤتها اجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الاحزاب: ۳۱)، حقيقة فيما ذكرناه من تكرار الفعل دون العدد، ولا فرق في ذلك بين أن يطلق على فعل أو اسم يدل على ذلك انك تقول: لقيت فلاناً مرتين فيقتضي تكرار الفعل، وكذلك قوله: دخلت مصر مرتين. فاذا كان ذلك أصله وحقيقته. ودل الدليل في بعض المواضع على العدول به عن حقيقته واستعماله في غير ما وضع له، لم يجز حمله على ذلك في موضع آخر إلا بدليل

وجواب آخر: وهو ان الفضل: قال: معنى (نؤتها اجرها مرتين... ايضاً) مرة بعد مرة في الجنة. فعلى هذا لم يخرج اللفظ عن بابه ولا عدل به عن حقيقته. وإن قلنا: إن معناه التضعيف في ماله وأجره: فالفرق بينهما أن قوله تعالى: (نؤتها اجرها مرتين.. ايضاً) يفيدالتضعيف ويمنع الاقتصار على ضعف واحد ولو كان معنى قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) يريد به التضعيف، لمنع من إيقاع طلقة واحدة، ولا بطل معنى التضعيف، وهذا باطل باتفاق.

ودليلنا من جهة السنة ماروى مخرمة بن بكير، عن ابيه قال: سمعت محمود بن لبيد، قال: اخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً فقال: تعلته لاعباً ثم قال "تلعب بكتاب الله وأنا بين اظهركم؟" حتى قام رجل فقال: يا رسول الله ألا أقتله؟

ودليلنا من جهة القياس أن هذا معنى ذو عدد يقتضي البينونة فوجب تحريمه كاللعان.

أما مذهب الحنابلة فقد قال ابن قدامة:

والرواية الثانية أن جمع الثلاث طلاق بدعة محرم، اختارها أبوبكر و ابو حفص، روى عن عمر و علي و ابن مسعود و ابن عباس و ابن عمر و هو قول

مالك وأبي حنيفة (المغني و معه الشرح ٨/٢٤١)

قال علي رضي الله عنه :

لايطلق أحد للسنة فيندم، وفي رواية قال : يطلقها واحدة ثم يدعها ما بينها و بين أن تحيض ثلاث حيض فمن شاء راجعها. وعن عمر رضي الله عنه : أنه كان إذا أتي برجل طلق ثلاثًا أو جعه ضربًا.

وعن مالك بن الحارث قال: جاء رجل إلى ابن عباس قال: إن عمي طلق امرأته ثلاثًا، فقال إن عمك عصى الله وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجا.

ووجه ذلك قول الله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن وأحصوا العدة... إلى قوله : لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) ثم قال بعد ذلك. (ومن يتق الله يجعل له مخرجا....الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢). (ومن يتق الله يجعل له من أمره يسرا.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٤)، ومن جمع الثلاث لم يبق له أمر يحدث، ولا يجعل الله له مخرجًا، ولا من أمره يسرًا، وروى النسائي بإسناده عن محمود بن لبيد وقد سبق في استدلال المالكية وفي حديث ابن عمر قال: قلت : يا رسول الله أرأيت لو طلقتها ثلاثًا؟ قال. "إذاً عصيت ربك وبانت منك امرأتك".

وروى الدارقطني بإسناده عن علي قال: سمع النبي ﷺ رجلا طلق البتة فغضب وقال: تتخذون آيات الله هزوًا، أو دين الله هزوًا ولعبًا. من طلق البتة ألزمناه ثلاثًا لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره".

ولأنه تحريم للبضع بقول الزوج من غير حاجة، فحرم كالظهار، بل هذا أولى، لأن الظهار يرتفع تحريمه بالتكفير، وهذا لا سبيل للزوج إلى رفعه بحال، ولأنه ضرر وإضرار بنفسه وبامرأته من غير حاجة، فيدخل في عموم النهي، وربما كان وسيلة إلى عوده إليها حرامًا أو بحيلة لا تزيل التحريم، ووقوع الندم.

وخسارة الدين والآخرة، فكان أولى بالتحريم من الطلاق في الحيض الذي ضرره تطويلها في العدة أياما يسيرة، أو الطلاق في طهر مسها فيه، الذي ضرره احتمال الندم بظهور الحمل، فإن ضرر جمع الثلاث يتضاعف على ذلك أضعافا كثيرة، فالتحريم ثم تنبيه على التحريم.

ولأنه قول من سميا من الصحابة رواه الأثرم وغيره، ولم يصح عندنا في عصرهم خلاف قولهم، فيكون ذلك إجماعا.

وقال شيخ الاسلام: وأما جمع "الطلقات الثلاث" ففيه قولان:

أحدهما: محرم أيضا عند أكثر العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم وهذا مذهب مالك وأبي حنيفة وأحمد في إحدى الروايتين عنه، واختاره أكثر أصحابه، وقال أحمد: تدبرت القرآن فإذا كل طلاق فيه فهو الطلاق الرجعي يعني طلاق المدخول بها. غير قوله: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره) الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) وعلى هذا القول فهل له أن يطلقها الثانية والثالثة قبل الرجعة بأن يفرق الطلاق على ثلاثة أطهار، فيطلقها في كل طهر طلقة؟ فيه قولان، هما روايتان عن أحمد "إحداهما" له ذلك، وهو قول طائفة من السلف ومذهب أبي حنيفة "والثانية" ليس له ذلك وهو قول أكثر السلف، وهو مذهب مالك وأصح الروايتين عن أحمد التي اختارها أكثر أصحابه كأبي بكر بن عبدالعزيز، والقاضي أبي يعلى وأصحابه

القول الثاني:

أن جمع الثلاث ليس بمحرم، بل هو ترك الأفضل وهو مذهب الشافعي، والرواية الأخرى عن أحمد، اختارها الخرقي.

واحتجوا بأن فاطمة بنت قيس طلقها زوجها أبو حفص بن المغيرة ثلاثا، وبأن امرأة رفاعة طلقها زوجها ثلاثا، وبأن الملاعن طلق امرأته ثلاثا ولم ينكر

النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذلك.

وأجاب الأكثرون: بأن حديث فاطمة، وامرأة رفاعة، إنما طلقها ثلاثاً متفرقات، هكذا ثبت في الصحيح أن الثالثة آخر ثلاث تطليقات، لم يطلق ثلاثاً لا هذا ولا هذا مجتمعات: وقول الصحابي: طلق ثلاثاً يتناول ما إذا طلقها ثلاثاً متفرقات بأن يطلقها ثم يراجعها، ثم يطلقها ثم يراجعها، ثم يطلقها، وهذا طلاق سني واقع باتفاق الأئمة، وهو المشهور على عهد رسول الله ﷺ في معنى الطلاق ثلاثاً وأما جمع الثلاث بكلمة فهذا إنما كان منكراً عندهم، إنما يقع قليلاً، فلا يجوز حمل اللفظ المطلق على القليل المنكر دون الكثير الحق، ولا يجوز أن يقال: يطلق مجتمعات لا هذا ولا هذا، بل هذا قول بلا دليل، بل هو بخلاف الدليل.

وأما الملاعن فإن طلاقه وقع بعد البينونة، أو بعد وجوب الإبانة التي تحرم بها المرأة أعظم مما يحرم بالطلقة الثالثة، فكان مؤكداً لموجب اللعان، والنزاع إنما هو في طلاق من يمكنه إمساكها، لا سيما والنبي ﷺ قد فرق بينهما، فإن كان ذلك قبل الثلاث لم يقع بها ثلاث ولا غيرها، وإن كان بعدها دل على بقاء النكاح. والمعروف أنه فرق بينهما بعد أن طلقها ثلاثاً. فدل ذلك على أن الثلاث لم يقع بها، إذ لو وقعت لكانت قد حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره.

وامتنع حينئذ أن يفرق النبي ﷺ بينهما لأنهما صارا أجنبيين ولكن غاية ما يمكن أن يقال: حرمها عليه تحريماً مؤبداً فيقال: لكان ينبغي أن يحرمها عنه لا يفرق بينهما، فلما فرق بينهما دل على بقاء النكاح، وأن الثلاث لم تقع جميعاً بخلاف ما إذا قيل: إنه يقع بها واحدة رجعية، فإنه يمكن فيه حينئذ أن يفرق بينهما.

وقول سهل بن سعد: طلقها ثلاثاً فأنفذه عليه رسول الله ﷺ دليل على

أنه احتاج إلى انفاذ النبي ﷺ واختصاص الملاعن بذلك، ولو كان من شرعه انها تحرم بالثلاث، لم يكن للملاعن اختصاص ولا يحتاج إلى انفاذ فدل على أنه لما قصد الملاعن بالطلاق الثلاث أن تحرم عليه أنفذ النبي ﷺ مقصوده، بل زاده، فإن تحريم اللعان أبلغ من تحريم الطلاق، إذ تحريم اللعان لا يزول وإن نكحت زوجًا غيره، وهو مؤبد في احد قولي العلماء لايزول الا بالتوبة.

واستدل الأكثرون: بأن القرآن العظيم يدل على أن الله لم يبح إلا الطلاق الرجعي، وإلا الطلاق للعدة، كما في قوله تعالى: (يا ايها النبي اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة الى قوله لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا. فإذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق ۲) وهذا إنما يكون في الرجعي. وقوله "فطلقوهن لعدتهن" يدل على أنه لا يجوز إرداف الطلاق للطلاق حتى تنقضي العدة أو يراجعها، لأنه إنما أباح الطلاق للعدة: أي لاستقبال العدة، فمتى طلقها الثانية والثالثة قبل الرجعة بنت على العدة، ولم تستأنفها باتفاق جماهير المسلمين. فإن كان فيه خلاف شاذ عن خلاس وابن حزم فقد بينا فساده في موضع آخر، فإن هذا قول ضعيف: لأنهم كانوا في أول الإسلام إذا أراد الرجل اضرار امرأته طلقها حتى اذا شارفت انقضاء العدة راجعها ثم طلقها ليطيل حبسها فلو كان اذا لم يراجعها تستأنف العدة لم يكن بحاجة إلى أن يراجعها، والله تعالى قصرهم على الطلاق الثلاث دفعًا لهذا الضرر، كما جاءت بذلك الآثار، ودل على أنه كان مستقرًا عندالله أن العدة لا تستأنف بدون رجعة سواء كان ذلك لأن الطلاق لا يقع قبل الرجعة، أو يقع ولا يستأنف له العدة، وابن حزم إنما أوجب استئناف العدة بأن يكون الطلاق لاستقبال العدة. فلا يكون طلاق إلا يتعقبه عدة، إذا كان بعد الدخول، كما دل عليه القرآن، فلزمه على ذلك هذا القول الفاسد، وأما من اخذ بمقتضى القرآن

وما دلت عليه الآثار فإنه يقول: إن الطلاق الذي شرعه الله هو ما يتعقبه العدة، وما كان صاحبه مخيراً فيها بين الإمساك بمعروف والتسريح بإحسان، وهذا منتف في إيقاع الثلاث في العدة قبل الرجعة فلا يكون جائزا. فلم يكن ذلك طلاقاً للعدة.

ولأنه تعالى قال: (فإذا بلغن أجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) فخيره بين الرجعة وبين أن يدعها تقضي العدة فيسرحها بإحسان، فإذا طلقها ثانية قبل انقضاء العدة لم يمسك بمعروف ولم يسرح بإحسان.

وقد قال تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن إن كن يؤمن بالله واليوم الآخر، وبعولتهن أحق بردهن في ذلك... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) فهذا يقتضي أن هذا حال كل مطلقة، فلم يشرع إلا هذا الطلاق ثم قال: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩)

أي هذا الطلاق المذكور (مرتان) وإذا قيل: سبح مرتين أو ثلاث مرات: لم يجزه أن يقول سبحان الله مرتين، بل لا بد أن ينطق بالتسبيح مرة بعد مرة، فكذلك لا يقال: طلق مرتين إلا إذا طلق مرة بعد مرة، فإذا قال: أنت طالق ثلاثاً أو مرتين لم يجز أن يقال: طلق ثلاث مرات ولا مرتين، وإن جاز أن يقال طلق ثلاث تطليقات أو طلقتين، ثم قال سبحانه بعد ذلك: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) فهذه الطلقة الثالثة لم يشرعها الله إلا بعد الطلاق الرجعي مرتين.

وقد قال الله تعالى: (وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٢) وهذا إنما يكون فيما دون الثلاث، وهو يعم كل طلاق، فعلم أن جمع الثلاث ليس بمشروع. ودلائل

تحريم الثلاث كثيرة قوية من الكتاب والسنة والآثار والاعتبار، كما هو مبسوط في موضعه. وسبب ذلك أن الأصل في الطلاق الحظر، وإنما أبيح منه قدر الحاجة. كما ثبت في الصحيح عن جابر عن النبي ﷺ: "إن ابليس ينصب عرشه على البحر، ويبعث سراياه فأقربهم إليه منزلة أعظمهم فتنة فيأتيه الشيطان فيقول: ما زلت به حتى فعل كذا، حتى يأتيه الشيطان فيقول: ما زلت به حتى فرقت بينه وبين امرأته، فيدنيه منه، ويقول: أنت أنت، ويلتزمه". وقد قال تعالى في ذم السحر: (ويتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء وزوجه... الآية الكريمة من سورة البقرة: ١٠٢) وفي السنن عن النبي ﷺ قال "إن المختلعات والمنتزعات هن المنافقات" وفي السنن أيضًا عن النبي ﷺ أنه قال: "أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة".

ولهذا لم يبح إلا ثلاث مرات، وحرمت عليه المرأة بعد الثالثة حتى تنكح زوجًا غيره، وإذا كان إنما أبيح للحاجة، فالحاجة تندفع بواحدة، فما زاد فهو باق على الحظر. اهـ

وقال ابن القيم:

فصل في حكمه ﷺ فيمن طلق ثلاثًا بكلمة واحدة. قد تقدم حديث محمود بن لبيد، أن رسول الله ﷺ أخبر عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعًا، فقام مغضبًا ثم قال: "أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم" وإسناده على شرط مسلم، قال ابن وهب: قد رواه مخرمة بن بكير بن الأشج عن أبيه قال: سمعت محمود بن لبيد، فذكره، ومخرمة ثقة بلا شك. وقد احتج مسلم في صحيحه بحديثه عن أبيه.

والذين أعلوه، قالوا: لم يسمع منه، وإنما هو كتاب. قال أبو طالب: سألت أحمد بن حنبل عن مخرمة بن بكير فقال: هو ثقة ولم يسمع من أبيه، وإنما هو

كتاب مخرمة، فنظر فيه كل شيء يقول: "بلغني عن سليمان بن يسار" فهو من كتاب مخرمة وقال أبوبكر بن أبي خيثمة سمعت يحيى بن معين يقول. مخرمة بن بكير وقع إليه كتاب أبيه ولم يسمعه، وقال في رواية عباس الدوري: هو ضعيف، وحديثه عن أبيه كتاب ولم يسمعه منه، وقال ابوداؤد لم يسمع من ابيه إلا حديثًا واحدًا حديث الوتر، وقال سعيد بن أبي مريم، عن خاله موسى بن سلمة، أتيت مخرمة فقلت: حدثك أبوك فقال: لم أدرك أبي ولكن هذه كتبه.

والجواب عن هذا من وجهين

احدهما: أن كتاب أبيه كان عنده محفوظ مضبوط، فلا فرق في قيام الحجة بالحديث بين ما حدثه به، أو رآه في كتابه، بل الأخذ عن النسخة أحوط، إذا تيقن الراوي أنها نسخة الشيخ بعينها، وهذه طريقة الصحابة والسلف، وقد كان رسول الله ﷺ يبعث بكتبه إلى الملوك، وتقوم عليهم بها الحجة، وكتب كتبه إلى عماله في بلاد الاسلام فعملوا بها، واحتجوا بها، ودفع الصديق كتاب رسول الله ﷺ في الزكاة إلى أنس بن مالك فحمله وعملت به الأمة وكذلك كتابه إلى عمرو بن حزم في الصدقات الذي كان عند آل عمرو، ولم يزل السلف والخلف يحتجون بكتاب بعضهم إلى بعض، ويقول المكتوب إليه: كتب إلي فلان أن فلانًا أخبره.

ولو بطل الاحتجاج بالكتب لم يبق بأيدى الأمة إلا أيسر اليسير، فإن الاعتماد إنما هو على النسخ لا على الحفظ، والحفظ خوان، والنسخة لا تخون، ولا يحفظ في زمن من الأزمان المتقدمة أن احدًا من أهل العلم رد الاحتجاج بالكتاب، وقال: لم يشافهني به الكاتب فلا أقبله، بل كلهم مجمعون على قبول الكتاب والعمل به إذا صح عنده انه كاتبه.

الجواب الثاني:

أن قول من قال: "ولم يسمع من أبيه" معارض بقول من قال: "سمع منه"

ومعه زيادة علم و إثبات. قال عبدالرحمن بن أبي حاتم: سئل أبي عن مخرمة بن بكير؟ فقال صالح الحديث. وقال ابن أبي ذئب: وجدت في ظهر كتاب مالك سألت مخرمة عما يحدث به عن أبيه سمعها من أبيه، فحلف لي ورب هذه البنية يعني المسجد سمعت من أبي

وقال علي بن المديني:

سمعت معن بن عيسى يقول: مخرمة سمع من أبيه، وعرض عليه ربيعة أشياء من رأى سليمان بن يسار، وقال علي: ولا أظن مخرمة سمع من أبيه كتاب سليمان لعله سمع منه الشيء اليسير، ولم أجد أحدًا في المدينة يخبرني عن مخرمة بن بكير أنه كان يقول في شيء من حديثه "سمعت أبي" ومخرمة ثقة. انتهى. ويكفي أن مالكًا أخذ كتابه فنظر فيه واحتج به في موطئه. وكان يقول: حدثني مخرمة، وكان رجلًا صالحًا.

وقال أبو حاتم:

سألت اسماعيل بن أبي أويس، قلت هذا الذي يقول مالك بن أنس رحمه الله: حدثني الثقة من هو؟ قال مخرمة بن بكير، وقيل لأحمد بن صالح المصري كان مخرمة من ثقات الرجال؟ قال نعم. وقال ابن عدي عن ابن وهب ومعن بن عيسى عن مخرمة أحاديث حسان مستقيمة وأرجو أنه لا بأس به.

وفي صحيح مسلم قول ابن عمر للمطلق ثلاثًا: حرمت عليك حتى تنكح زوجًا غيرك، وعصيت ربك فيما أمرك به من طلاق امرأتك. وهذا تفسير منه للطلاق المأمور به، وتفسير الصحابي حجة، وقال الحاكم هو عندنا مرفوع.

ومن تأمل القرآن حق التأمل تبين له ذلك وعرف أن الطلاق المشروع بعد الدخول، هو الطلاق الذي تملك به الرجعة، ولم يشرع الله سبحانه إيقاع الثلاث جملة واحدة البتة، قال تعالى: ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ...﴾ الآية الكريمة من

سورة البقرة: ۲۲۹) ولا تعقل العرب في لغتها وقوع المرتين إلا متعاقبتين، كما قال النبي ﷺ "من سبح الله دبر كل صلاة ثلاثا وثلاثين، وحمده ثلاثا وثلاثين، وكبره ثلاثا و ثلاثين" ونظائره، فإنه لا يعقل من ذلك إلا تسبيح وتكبير وتحميد متوال، يتلو بعضه بعضا. فلو قال سبحان الله ثلاثا و ثلاثين، والحمدلله ثلاثا وثلاثين، والله اكبر ثلاثا و ثلاثين بهذا اللفظ لكان ثلاث مرات فقط، وأصرح من هذا قوله سبحانه: (والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم اربع شهادات بالله... الآية الكريمة من سورة النور: ٦) فلو قال أشهد بالله اربع شهادات بالله إني لمن الصادقين، كانت مرة، وكذلك قوله: (ويدرأ عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله إنه لمن الكاذبين.. الآية الكريمة من سورة النور: ٨) فلو قالت أشهد بالله أربع شهادات بالله إنه لمن الكاذبين كانت واحدة.

وأصرح من ذلك قوله تعالى: (سنعذبهم مرتين... الآية الكريمة من سورة التوبة: ١٠١) فهذا مرة بعد مرة.

ولا ينقض هذا بقوله تعالى: (نؤتها اجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) وقوله ﷺ: "ثلاثة يؤتون أجرهم مرتين".

فإن المرتين هنا: هما الضعفان، وهما المثلان، وهما مثلان في القدر، كقوله تعالى: (يضاعف لها العذاب ضعفين... الآية الكريمة من سورة الاحزاب: ٣٠) وقوله تعالى: (فآتت أكلها ضعفين... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٦٥) أي ضعف ما يعذب به غيرها، وضعف ما كانت تؤتي، ومن هذا قول أنس: "انشق القمر على عهد رسول الله ﷺ مرتين". أي شقتين وفرقتين، كما قال في اللفظ الآخر: "انشق القمر فلقتين" وهذا أمر معلوم قطعا: أنه إنما انشق القمر مرة واحدة، والفرق معلوم بين ما يكون مرتين في الزمان

وبين ما يكون مثلين وجزئين و مرتين في المضاعفة، فالثاني يتصور فيه اجتماع المرتين في آن واحد، والأول لايتصور فيه ذلك.

ومما : يدل على أن الله لم يشرع الثلاث جملة، أنه قال. (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء. . الآية الكريمة من سورة البقرة:۲۲۸) إلى أن قال: (وبعولتهن أحق بردهن في ذلك ان ارادوا إصلاحًا... الآية الكريمة من سورة البقرة:۲۲۸) فهذا يدل على أن كل طلاق بعدالدخول، فالمطلق أحق فيه بالرجعة، سوى الثالثة المذكورة بعد هذا.

وكذلك قوله تعالى. (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورةالطلاق.۱) إلى قوله: (فاذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق.۲) فهذا هو الطلاق المشروع، وقد ذكر الله سبحانه أقسام الطلاق كلها في القرآن، وذكر احكامها فذكر الطلاق قبل الدخول وأنه لا عدة فيه، وذكر الطلقة الثالثة وأنها تحرم الزوجة على المطلق حتى تنكح زوجًا غيره، وذكر طلاق الفدا الذي هو الخلع وسماه فدية، ولم يحسبه من الثلاث كما تقدم، وذكر الطلاق الرجعي الذي يحق للمطلق فيه الرجعة وهو ما عدا هذه الأقسام الثلاثة.

وبهذا احتج أحمد[رحمه الله] والشافعي[رحمه الله] وغيرهما، على أنه ليس في الشرع طلقة واحدة بعد الدخول بغير عوض بائنة وأنه إذا قال لها: أنت طالق طلقة بائنة كانت رجعية ويلغو وصفها بالبينونة، وأنه لا يملك إبانتها إلا بعوض، وأما أبوحنيفة[رحمه الله] فقال: تبين بذلك، لأن الرجعة حق له وقد أسقطها، والجمهور يقولون: وإن كانت الرجعة حقًا له لكن نفقة الرجعية وكسوتها حق عليه، فلا يملك إسقاطه إلا باختيارها، وبذلها العوض، وسؤالها أن تفتدي نفسها بغير عوض في أحد القولين، وهو جواز الخلع بغير عوض، وأما إسقاط حقها من الكسوة والنفقة بغير سؤالها

ولا يبذلها العوض فخلاف النص والقياس.

قالوا: وأيضاً فالله سبحانه شرع الطلاق على أكمل الوجوه وأنفعها للرجل والمرأة، فإنهم كانوا يطلقون في الجاهلية بغير عدد، فيطلق أحدهم المرأة كلما شاء ويرجعها، وهذا، وإن كان فيه رفق بالرجل ففيه إضرار بالمرأة، فنسخ سبحانه ذلك بثلاث، وقصر الزوج عليها وجعله أحق بالرجعة مالم تنقض عدتها، فإذا استوفى العدد الذي ملكه حرمت عليه، فكان في هذا رفق بالرجل إذ لم تحرم عليه بأول طلقة، وبالمرأة حيث لم يجعل إليه أكثر من ثلاث. فهذا شرعه وحكمته وحدوده التي حدها لعباده، فلو حرمت عليه بأول طلقة يطلقها، كان خلاف شرعه وحكمته، وهو لم يملك إيقاع الثلاث جملة، بل إنما ملك واحدة، فالزائد عليها غير مأذون له فيه.

قالوا: وهذا كما أنه لم يملك إبانتها بطلقة واحدة إذ هو خلاف ما شرعه، لم يملك إبانتها بثلاث مجموعة إذ هو خلاف ما شرعه. ونكتة المسألة: أن الله لم يجعل للأمة طلاقاً بائناً قط إلا في موضعين: "أحدهما" طلاق غير المدخول بها، "والثاني" الطلقة الثالثة وما عداه من الطلاق فقد جعل للزوج فيه الرجعة. هذا مقتضى الكتاب كما تقدم تقريره. وهذا قول الجمهور منهم الإمام أحمد والشافعي وأهل الظاهر. قالوا: لا يملك إبانتها بدون الثلاث إلا في الخلع، ولأصحاب مالك ثلاثة أقوال فيما إذا قال: أنت طالق طلقة لا رجعة فيها. وساقها رحمه الله. هل هي ثلاث، أو خلع بدون عوض أو واحدة بائنة.

وقد: أجاب ابن حزم رحمه الله في كتابه المحلّى عن ذلك بقوله (انظر المحلّى الجزء العاشر ص ١٦٧-١٦٨) أما الآيات فإنما نزلت فيمن طلق واحدة أو اثنتين فقط، ثم نسألهم عمن طلق مرة ثم راجع ثم مرة ثم راجع ثانية ثم ثالثة. أبدعة أتى؟

فمن قولهم: لا من سنة لمسائلهم المحكمون له مما في الآيات المذكورات؟ فمن قولهم: لا بلا خلاف فصح أن المقصود في الآيات المذكورات، من أراد أن يطلق طلاقا رجعيا، فبطل احتجاجهم بها في حكم من طلق ثلاثا. وأما قولهم: معنى قوله: (الطلاق مرتان.. الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) أن معناه مرة بعد مرة، فخطأ بل هذه الآية كقوله تعالى: (نؤتها اجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب. ۳۱) أي مضاعفا معا وهذه الآية أيضا تصلح لما دون الثلاث من الطلاق وهو حجة لنا عليهم، لأنهم لا يختلفون. يعني المخالفين لنا. في أن طلاق السنة هو أن يطلقها واحدة ثم يتركها حتى تنقضي عدتها في قول طائفة منهم، وفي قول آخرين منهم أن يطلقها في كل طهر طلقة وليس شيء من هذا في هذه الآية، وهم لا يرون من طلق طلقتين متتابعتين في كلام متصل طلاق سنة، فبطل تعلقهم بقوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) وأما خبر محمود بن لبيد فمرسل، ولا حجة في مرسل، ومخرمة لم يسمع من أبيه شيئا ويعني ابن حزم بالإرسال ما قرره الحافظ بن حجر (أنظر فتح الباري الجزء التاسع ص۲۹۷) وهو أن محمود بن لبيد، ولد في عهد النبي ﷺ ولم يثبت له منه سماع وإن ذكره بعضهم في الصحابة فلأجل الرؤية... وقد ترجم له أحمد في مسنده وأخرج له عدة أحاديث ليس فيها شيء صرح فيه بالسماع.

وقال الحافظ ذكره ابن سعد في الطبقة الأولى من التابعين فيمن ولد على عهد النبي ﷺ وقال: سمع من عمر، وتوفي بالمدينة سنة ست وتسعين، وكان ثقة قليل الحديث (أنظر تهذيب التهذيب الجزء العاشر ص۶۶) كما ذكر الحافظ أن الترمذي قال فيه: "رأى النبي ﷺ وهو غلام صغير".

وقال ابن أبي حاتم: قال البخاري: له صحبة فسخط أبي عليه، وقال: لايعرف له صحبة، روى عن ابن عباس، روى عنه عاصم بن عمر بن قتادة سمعت أبي يقول

ذلك. سئل أبو زرعة عن محمود بن لبيد؟ فقال: روى عن ابن عباسؓ، وعنه الحارث بن فضيل، مدني أنصاري ثقة، وفي رواية مخرمة عن أبيه كلام كثير. اهـ

الثاني: من قولي العلماء في الإقدام على جمع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة، أنه ليس بمحرم ولا بدعة، بل سنة، وهو قول الشافعي، وأبي ثور، وأحمد بن حنبل في إحدى الروايات عنه، وجماعة من أهل الظاهر، كما في زاد المعاد، ونكتفي بإيراد كلام الشافعي في الأم، و ابن حزم في المحلّى. قال الإمام الشافعي: (المخالف في الطلاق الثلاث):

عن مالك بن أنس، عن عبدالله بن يزيد مولى الأسود بن سفيان، عن أبي سلمة بن عبدالرحمن، عن فاطمة بنت قيس، أن أبا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب بالشام فبعث إليها وكيله بشعير فسخطته فقال: والله مالك علينا من شيء. فجاءت النبي ﷺ فذكرت ذلك له فقال: "ليس لك عليه نفقة".

قال الشافعي رحمه الله: وأبو عمرو رضي الله عنهما طلق امرأته البتة وعلم ذلك النبي ﷺ فأسقط نفقتها لأنه لا رجعة له عليها، والبتة التي لا رجعة له عليها ثلاث، ولم يعب النبي ﷺ طلاق الثلاث، وحكم فيما سواها من الطلاق بالنفقة والسكنى. فإن قال قائل: مادل على ان البتة ثلاث فهو لو لم يكن سمى أبو عمرو رضي الله عنهما ثلاثًا البتة، او نوى بالبتة ثلاثًا، كانت واحدة يملك الرجعة وعليه نفقتها.

ومن زعم أن البتة ثلاث بلا نية المطلق، ولا تسمية ثلاث، قال: إن النبي ﷺ إذا لم يعب الطلاق الذي هو ثلاث، دل على أن الطلاق بيد الزوج، ما أبقى منه أبقى لنفسه، وما أخرج منه من يده لزمه غير محرم عليه، كما لا يحرم عليه ان يعتق رقبة، وألا يخرج عن ماله صدقة، وقد يقال له: لو أبقيت ما تستغني به عن الناس كان خيرًا لك.

فإن قال قائل: ما دل على أن أبا عمرو لا يعدو أن يكون سمى ثلاثاً، أو نوى بالبتة ثلاثاً؟ قلنا: الدليل عن رسول الله ﷺ

قال الشافعي رحمه الله: أخبرنا عمي محمد بن علي بن شافع، عن عبدالله بن علي بن السائب، عن نافع ابن عجير بن عبد يزيد، أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة المزنية البتة، ثم أتى النبي ﷺ فقال: إني طلقت امرأتي سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة.

فقال النبي ﷺ لركانة: "والله ما أردت إلا واحدة؟" فردها إليه النبي ﷺ فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان رضي الله عنهما.

قال الشافعي رحمه الله: أخبرنا مالك عن ابن شهاب، عن سهل بن سعد، أنه أخبره أنه تلاعن عويمر وامرأته بين يدي النبي ﷺ وهو مع الناس فلما فرغا من ملاعنتهما

قال عويمر: كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها. فطلقها ثلاثا قبل أن يأمره رسول الله ﷺ قال مالك: قال ابن شهاب فكانت تلك سنة المتلاعنين.

قال الشافعي رحمه الله: فقد طلق عويمر ثلاثا بين يدي النبي ﷺ ولو كان ذلك محرماً لنهاه عنه. وقال: إن الطلاق وإن لزمك فأنت عاص بأن تجمع ثلاثاً، فافعل كذا. كما أمر النبي ﷺ عمر أن يأمر عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، حين طلق امرأته حائضاً، أن يراجعها ثم يمسكها حتى تطهر، ثم تحيض ثم تطهر، ثم إن شاء طلق وإن شاء أمسك، فلا يقر النبي ﷺ بطلاق لا يحل له أحد بين يديه، إلا نهاه عنه، لأنه المعلم بين الحق والباطل، لا باطل بين يديه إلا يغيره.

قال الشافعي: أخبرنا ابن عيينة عن عمرو بن دينار. قال: سمعت محمد بن عباد بن جعفر يقول. أخبرني المطلب ابن حنطب، أنه طلق امرأته البتة ثم أتى عمر فذكر ذلك له

فقال: ما حملك على ذلك؟ قال: قد فعلته فتلا: ﴿ولو أنهم فعلوا ما يوعظون به لكان خيرا لهم واشد تثبيتا. . الآية الكريمة من سورة النساء: ۶۶﴾ ما حملك على ذلك؟ قال: قد فعلته. قال: أمسك عليك امرأتك فان الواحدة تبت.

أخبرنا الربيع، قال: أخبرنا الشافعي، قال: أخبرنا ابن عيينة، عن عمرو بن دينار، عن عبدالله بن أبي سلمة، عن سليمان ابن يسار أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه. قال: للتوئمة مثل ما قال للمطلب.

قال الشافعي: أخبرنا الثقة، عن الليث بن سعد، عن بكير عن سليمان، أن رجلًا من بني زريق طلق امرأته البتة، قال عمر رضي الله عنه: ما أردت بذلك؟ قال: أتراني أقيم على حرام والنساء كثير؟ فأحلفه فحلف. قال الشافعي رحمه الله: أراه قال فردها عليه.

قال: وهذا الخبر في الحديث في الزرقي، يدل على أن قول عمر بن الخطاب رضي الله عنه للمطلب ما أردت بذلك؟ يريد واحدة أو ثلاثا؟ فلما اخبره أنه لم يرد به زيادة في عدد الطلاق، وأنه قال: بلا نية زيادة، ألزمه واحدة وهي أقل الطلاق، وقوله: ﴿ولو أنهم فعلوا ما يوعظون به... ايضا﴾ لو طلق فلم يذكر البتة، إذ كانت كلمة محدثة ليست في أصل الطلاق تحتمل صفة الطلاق وزيادة في عدده ومعنى غير ذلك، فنهاه عن المشكل من القول. ولم ينهه عن الطلاق، ولم يعبه ولم يقل له: لو أردت ثلاثا كان مكروها عليك، وهو لا يحلفه على ما أراد إلا ولو أراد اكثر من واحدة ألزمه ذلك.

أخبرنا الربيع: قال أخبرنا الشافعيؒ قال: أخبرنا مالك عن ابن شهاب، عن طلحة بن عبدالله ابن عوف، وكان أعلمهم بذلك، وعن أبي سلمة بن عبدالرحمن، أن عبدالرحمن طلق امرأته البتة وهو مريض فورثها عثمان منه بعد انقضاء عدتها.

قال الشافعي رحمه اللّٰہ أخبرنا عبدالوهاب، عن أيوب، عن ابن سيرين. أن امرأة عبدالرحمن نشدته الطلاق فقال: إذا حضت ثم طهرت فآذنيني، فطهرت وهو مريض فآذنته فطلقها ثلاثاً. قال الشافعي رحمه اللّٰہ: والبتة في حديث مالك بيان هذا الحديث ثلاثاً، لما وصفنا من أن يقول طالق البتة ينوى ثلاثاً وقد بينه ابن سيرين فقطع موضع الشك فيه.

أخبرنا الربيع، قال: أخبرنا الشافعيؒ، قال أخبرنا مالك، عن ابن شهاب، عن محمد بن عبدالرحمن ابن ثوبان عن محمد بن إياس بن بكير، قال: طلق رجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها، ثم بدا له أن ينكحها، فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له. فسأل أبا هريرة، وعبداللّٰہ بن عباس رضي اللّٰہ عنهما عن ذلك فقالا: لا نرى أن تنكحها حتى تنكح زوجا غيرك. قال: إنما كان طلاقي إياها واحدة، فقال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل.

قال الشافعي رحمه اللّٰہ: وما عاب ابن عباس ولا أبو هريرةؓ عليه أن يطلق ثلاثاً، ولو كان ذلك معيباً، لقالا له: لزمك الطلاق وبئسما صنعت، ثم سمي حين راجعه مما زاده ابن عباس على الذي هو عليه أن قال له: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل، ولم يقل بئسما صنعت، ولا حرجت في إرساله.

أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعيؒ، قال: أخبرنا مالكؒ عن يحيى بن سعيد، عن بكير، عن النعمان ابن أبي عياش الأنصاري عن عطاء بن يسار، قال: جاء رجل يستفتي عبداللّٰہ بن عمروؓ عن رجل طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يمسها، قال عطاء فقلت: إنما طلاق البكر واحدة. فقال عبداللّٰہ بن عمرو: إنما أنت قاص الواحدة تبينها، والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره

ولم يقل له عبداللّٰہ: بئسما صنعت حين طلقت ثلاثاً. أخبرنا الربيع قال أخبرنا الشافعيؒ قال: أخبرنا مالكؒ عن يحيى بن سعيدؒ، أن بكيراً أخبره عن النعمان

بن أبي عياش أنه كان جالساً عند عبدالله بن الزبير رضی اللہ عنہ وعاصم بن عمر فجاء هما محمد بن إياس بن البكير فقال: إن رجلاً من أهل البادية طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فماذا تريان؟ فقال ابن الزبير رضی اللہ عنہ: إن هذا الأمر ما لنا فيه قول، اذهب إلى ابن العباس رضی اللہ عنہ وأبي هريرة رضی اللہ عنہ فإني تركتهما عند عائشة رضی اللہ عنہا فسلهما" ثم ائتنا فأخبرنا. فذهب فسألهما؟ فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ لأبي هريرة رضی اللہ عنہ: أفته يا أبا هريرة رضی اللہ عنہ فقد جاءتك معضلة، فقال أبوهريرة رضي الله عنه: الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره.

وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ مثل ذلك ولم يعب عليه الثلاث ولا عائشة رضی اللہ عنہا. أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعي رحمہ اللہ قال: أخبرني مالك رحمہ اللہ عن ابن شهاب رحمہ اللہ عن عروة رضی اللہ عنہ أن مولاة لبني عدي يقال لها: زبراء أخبرته أنها كانت تحت عبد وهي يومئذ أمة، فعتقت فقالت فأرسلت إلي حفصة رضی اللہ عنہا فدعتني يومئذ فقالت: إني مخبرتك خبراً ولا أحب أن تصنعي شيئاً، إن أمرك بيدك ما لم يمسك زوجك، فقالت: ففارقته ثلاثاً، فلم تقل لها حفصة: لا يجوز لك أن تطلقي ثلاثاً. ولو كان ذلك معيباً على الرجل، إذا لكان ذلك معيباً عليها إذا كان بيدها فيه ما بيده.

أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعي رحمہ اللہ قال: أخبرنا مالك رحمہ اللہ عن هشام، عن أبيه، عن جهمان، عن أم بكرة الأسلمية أنها اختلعت من زوجها عبدالله بن أسيد. ثم أتيا عثمان رضی اللہ عنہ في ذلك فقال هي تطليقة، إلا أن تكون سميت شيئاً فهو ما سميت.

فعثمان رضي الله عنه. يخبره أنه إن سمى أكثر من واحدة كان ما سمى، ولا يقول له. لا ينبغي لك أن تسمي أكثر من واحدة، بل في هذا القول دلالة على أنه جائز له أن يسمي أكثر من واحدة. أخبرنا الربيع قال أخبرنا الشافعي رحمہ اللہ قال أخبرنا مالك، عن يحيى بن سعيد، عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، أن عمر بن عبدالعزيز رضي الله عنه قال. البتة ما يقول الناس فيها؟ فقال أبوبكر رضی اللہ عنہ:

فقلت له: كان أبان بن عثمان يجعلها واحدة، فقال عمرؒ: لو كان الطلاق ألفا ما أبقت البتة منه شيئا، من قال البتة فقد رمى الغاية القصوى.

قال الشافعيؒ: ولم يحك عن واحد منهم على اختلافهم في البتة أنه عاب البتة ولا عاب ثلاثا. قال الشافعيؒ قال مالكؒ في المخيرة: إن خيرها زوجها فاختارت نفسها فقد طلقت ثلاثا، وإن قال زوجها: لم أخيرك إلا في واحدة فليس له في ذلك قول، وهذا أحسن ما سمعت.

قال الشافعيؒ: فإذا كان مالك يزعم أن من مضى من سلف هذه الأمة قد خيروا وخير رسول الله صلى الله عليه وسلم. والخيار إذا اختارت المرأة نفسها يكون ثلاثا، كان ينبغي بزعمهم أن الخيار لا يحل، لأنها إذا اختارت كان ثلاثا، وإذا زعم أن الخيار يحل وهي إذا اختارت نفسها طلقت ثلاثا فقد زعم أن النبي ﷺ قد أجاز الطلاق الثلاث، وأصحاب النبي صلى الله عليه وسلم.

قال الشافعي رحمه الله: أخبرنا سعيد بن سالم عن ابن جريج عن عكرمة بن خالد، أن سعيد بن جبير أخبره أن رجلا أتى ابن عباس فقال: طلقت امرأتي مائة فقال ابن عباس رضي الله عنه تأخذ ثلاثا وتدع سبعا وتسعين.

قال الشافعيؒ: أخبرنا سعيد، عن ابن جريج، أن عطاء ومجاهدا قالا: إن رجلا أتى ابن عباس، فقال: طلقت امرأتي مائة، فقال ابن عباس: تأخذ ثلاثا وتدع سبعا وتسعين.

أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعي قال: أخبرنا مسلم بن خالد، عن ابن جريج، عن عطاء وحده، عن ابن عباس أنه قال: سبعا وتسعين عدوانا، اتخذت بها آيات الله هزوا، فعاب عليه ابن عباس كل ما زاد عن عدد الطلاق الذي لم يجعله الله إليه ولم يعب عليه ما جعل الله إليه من الثلاث. وفي هذا دلالة على أنه يجوز له عنده أن يطلق ثلاثا ولا يجوز له ما لم يكن إليه. اهـ

المذهب الحنبلي

وأما المذهب الحنبلي فقد...

قال ابن قدامة: اختلفت الرواية عن أحمد في جمع الثلاث، فروى عنه أنه غير محرم اختاره الخرقي، وهو مذهب الشافعي، وأبي ثور وداؤد. وروى ذلك عن الحسن بن علي وعبدالرحمن بن عوف، والشعبي، لأن عويمر العجلاني لما لاعن امرأته قال: كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلقها ثلاثا قبل أن يأمره رسول الله ﷺ متفق عليه ولم ينقل إنكار النبي ﷺ.

وعن عائشة أن امرأة رفاعة جاءت إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله إن رفاعة طلقني فبت طلاقي متفق عليه، وفي حديث فاطمة بنت قيس، أن زوجها أرسل إليها بثلاث تطليقات. ولأنه طلاق جاز تفريقه فجاز جمعه كطلاق النساء.

وقد أجاب ابن قدامة عن أدلة القائلين بالإباحة جوابا اجماليا.

فقال المغني ومعه الشرح الكبير ۸/۲۴۴ وأما حديث المتلاعنين فغير لازم، لأن الفرقة لم تقع بالطلاق، فإنها وقعت بمجرد لعان الزوج فلا حجة فيه.

ثم إن اللعان يوجب تحريما مؤبدا، فالطلاق بعده كالطلاق بعد انفساخ النكاح بالرضاع أو غيره.

ولأن جمع الثلاث إنما حرم لما يعقبه من الندم، ويحصل به من الضرر ويفوت عليه من حل نكاحها، ولا يحصل ذلك بالطلاق بعد اللعان لحصوله باللعان.

وسائر الأحاديث لم يقع فيها جمع الثلاث بين يدي النبي ﷺ فيكون مقرا عليه، ولا حضر المطلق عند النبي ﷺ حين أخبر بذلك لينكر عليه.

على أن حديث فاطمة قد جاء فيه: أنه أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها

من طلاقها، وحديث امرأة رفاعة جاء فيه أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات متفق عليه، فلم يكن في شيء من ذلك جمع الثلاث. ولا خلاف بين الجميع في أن الاختيار والأولى أن يطلق واحدة ثم يدعها حتى تنقضي عدتها، إلا ما حكيناه من قول من قال إنه يطلقها في كل قرء طلقة، والأولى أولى، فإن في ذلك امتثالا لأمر الله ـ سبحانه ـ وموافقة لقول السلف، وأمنا من الندم، فإنه متى ندم راجعها فإن فاته ذلك بانقضاء عدتها فله نكاحها.....

وقال ابن حزم:

وجدنا من حجة من قال: إن الطلاق الثلاث مجموعة سنة لا بدعة، قول الله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۳۰) فهذا يقع على الثلاث مجموعة ومفرقة ولايجوز أن يخص بهذه الآية بعض ذلك دون بعض بغير نص.

وكذلك قوله تعالى: (إذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فمالكم عليهن من عدة تعتدونها... الآية الكريمة من سورة الاحزاب: ۴۹) عموم لإباحة الثلاث والاثنين والواحدة.

وقوله تعالى: (وللمطلقات متاع بالمعروف... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۴۱) فلم يخص تعالى مطلقة واحدة من مطلقة اثنين ومن مطلقة ثلاثًا.

ووجدنا ما رويناه من طريق مالك، عن ابن شهاب، أن سهل بن سعد الساعدي أخبره عن حديث العجلاني عويمر العجلاني مع امرأته، وفي آخره أنه قال: "كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلقها ثلاثا قبل أن يأمره رسول الله ﷺ ثم قال: وأنا مع الناس عند رسول الله ﷺ.

قال أبو محمد ـ ابن حزم ـ لو كانت طلاق الثلاث مجموعة معصية لله تعالى، لما سكت رسول الله ﷺ عن بيان ذلك فصح يقينًا أنها سنة مباحة.

وقال بعض أصحابنا. لا يخلو من أن يكون طلقها وهي امرأته، أو طلقها وقد حرمت عليه ووجب التفريق بينهما، فإن كان طلقها وهي امرأته، فليس هذا قولكم، لأن قولكم إنها بتمام اللعان تبين عنه إلى الأبد، وإن كان طلقها أجنبية فإنما نحن فيمن طلق امرأته لا فيمن طلق أجنبية.

فقلنا: إنما طلقها وهو يقدر أنها امرأته هذا ما لا يشك فيه أحد، فلو كان ذلك معصية لسبقكم رسول الله ﷺ إلى هذا الاعتراض، فإنما حجتنا كلها في ترك رسول الله ﷺ الإنكار على من طلق ثلاثا مجموعة امرأة يظنها امرأته. ولا يشك أنها في عصمته فقط.

فإن قالوا: ليس كل مسكوت عن ذكره في الأخبار يكون ترك ذكره حجة. فقلنا: نعم، هو حجة لازمة إلا أن يوجد بيان في خبر آخر لم يذكر في هذا الخبر، فحينئذ لا يكون المسكوت عنه في خبر آخر حجة.

ومن طريق البخاري، نا محمد بن بشار، نا يحيى هو ابن سعيد القطان، عن عبيدالله بن عمر، نا القاسم بن محمد ابن أبي بكر عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها. قالت: إن رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق، فسئل رسول الله ﷺ أتحل للأول؟ قال: "لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول" فلم ينكر عليه الصلاة والسلام. هذا السؤال ولو كان لا يجوز لأخبر بذلك وخبر فاطمة بنت قيس المشهور رويناه من طريق يحيى بن أبي كثير، أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمن، أن فاطمة بنت قيس أخبرته أن زوجها ابن حفص بن المغيرة المخزومي طلقها ثلاثا ثم انطلق إلى اليمن فانطلق خالد بن الوليد في نفر فأتوا رسول الله ﷺ في بيت ميمونة أم المؤمنين فقالوا إن ابن حفص طلق امرأته ثلاثا فهل لها من نفقة؟ فقال رسول الله ﷺ "ليس لها نفقة وعليها العدة" وذكر باقي الخبر.

ومن طريق مسلم، نا محمد بن المثنى، نا حفص بن غياث، نا هشام بن عروة، عن أبيه، عن فاطمة بنت قيس قالت: قلت: يا رسول الله إن زوجي طلقني ثلاثا وأنا أخاف أن يقتحم علي قال: فأمرها فتحولت ومن طريق مسلم، نا محمد بن المثنى، نا عبدالرحمن بن مهدي، نا سفيان الثوري، عن سلمة بن كهيل عن الشعبي عن فاطمة بنت قيس، عن النبي ﷺ في المطلقة ثلاثا قال: "ليس لها سكنى ولا نفقة" فهذا نقل تواتر عن فاطمة بأن رسول الله ﷺ أخبرها هي وغيرها بأن زوجها طلقها ثلاثا (كذا في الأصل المنقول عنه) وبأنه عليه الصلاة والسلام حكم في المطلقة ثلاثا ولم ينكر عليه الصلاة والسلام ذلك ولا أخبر بأنه ليس بسنة. وفي هذا كفاية لمن نصح نفسه

فإن قيل: إن الزهري روى عن أبي سلمة هذا الخبر، فقال فيه: إنها ذكرت أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات وروى الزهري عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة أن زوجها أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها من طلاقها فذكر الخبر وفيه فأرسل مروان إليها قبيصة بن ذؤيب فحدثته وذكر باقي الخبر.

قلنا: نعم هكذا رواه الزهري، فأما روايته من طريق عبيدالله بن عبدالله فمنقطعة، لم يذكر عبيدالله ذلك عنها ولا عن قبيصة عنها، إنما قال: إن فاطمة طلقها زوجها وأن مروان بعث إليها قبيصة فحدثته، وأما خبره عن أبي سلمة فمتصل، إلا أن كلا الخبرين ليس فيهما أن رسول الله ﷺ أخبرته هي ولا غيرها بذلك، إنما المسند الصحيح الذي فيه أنه عليه الصلوة والسلام سئل عن كيفية طلاقها، وأنها أخبرته، فهي التي قدمنا أولا، وعلى ذلك الإجمال جاء حكمه عليه الصلاة والسلام. وكذلك كل لفظ روي به خبر فاطمة من (آخر طلاقها) و (طلقها البتة) و (طلقها طلاقا باتا) و (طلاقا بائنا) فليس في شيء منه أن رسول الله ﷺ وقف عليه أصلا فسقط كل ذلك وثبت حكمه عليه الصلاة والسلام على ما صح

أنه، أخبر به من أنه طلقها ثلاثًا فقط.

وأما الصّحابة رضي اللّٰه عنهم فإن الثابت عن عمر رضي اللّٰه عنه الذي لا يثبت عن غيره، ما رويناه من طريق عبدالرزاق، عن سفيان الثوري، عن سلمة بن كهيل، نا زيد بن وهب: أنه رفع إلى عمر بن الخطاب رجل طلق امرأته ألفًا فقال له عمر: أطلقت امرأتك؟ فقال: إنما كنت ألعب فعلاه عمر بالدرة وقال: إنما يكفيك من ذلك ثلاث. فإنما ضربه عمر على الزيادة على الثلاث. وأحسن عمر في ذلك، وأعلمه أن الثلاث تكفي ولم ينكرها.

ومن طريق وكيع، عن الأعمش، عن حبيب بن أبي ثابت، جاء رجل إلى علي بن أبي طالب فقال: إني طلقت امرأتي ألفًا. فقال له علي: بانت منك بثلاث، واقسم سائرهن بين نسائك. فلم ينكر جمع الثلاث.

ومن طريق وكيع، عن جعفر بن برقان، عن معاوية بن أبي يحيى قال: جاء رجل إلى عثمان بن عفان فقال: طلقت امرأتي ألفا. فقال: بانت منك بثلاث... فلم ينكر الثلاث.

ومن طريق عبدالرزاق، عن سفيان الثوري، عن عمرو بن مرة، عن سعيد بن جبير قال: قال رجل لابن عباس: طلقت امرأتي ألفًا. فقال له ابن عباس: ثلاث تحرمها عليك، وبقيتها عليك وزرًا، اتخذت آيات اللّٰه هزوًا. فلم ينكر الثلاث، وأنكر مازاد.

والذي جاء عنه من قوله لمن طلق ثلاثًا ثم ندم. لو اتقيت اللّٰه لجعل لك مخرجًا، وهو على ظاهره، نعم إن اتقى اللّٰه جعل له مخرجا، وليس فيه أن طلاقه الثلاث معصية.

ومن طريق عبدالرزاق، عن معمر، عن الأعمش، عن إبراهيم عن علقمة قال: جاء رجل إلى ابن مسعود فقال: إني طلقت امرأتي تسعة وتسعين. فقال له ابن

مسعود: ثلاث تبیینها، وسائرها عدوان.

وهذان خبران في غاية الصحة، لم ینکر ابن مسعود و ابن عباس الثلاث مجموعة أصلاً، وإنما انکر الزیادة علی الثلاث. ومن طریق أحمد بن شعیب، انا عمرو بن علي، نا یحیی بن سعید القطان، عن سفیان الثوري، عن أبي اسحاق السبیعي عن أبي الأحوص، عن عبدالله بن مسعود قال: طلاق السنة أن یطلقها طاهرا من غیر جماع، وهذا في غایة الصحة عن ابن مسعود، فلم یخص طلقة من طلقتین من ثلاث.

فإن قیل: قدروی الأعمش، عن أبي اسحاق، عن أبي الأحوص، عن ابن مسعود وفیه: فاذا حاضت وطهرت طلقها أخری، فإذا حاضت وطهرت طلقها أخری.

قلنا نعم، هذا أیضا سنة، ولیس فیه أن ما عدا ذلك حرام وبدعة. فإن قیل: قد رویتم من طریق حماد بن زید، نا یحیی بن عتیق، عن محمدابن سیرین قال: قال علي بن أبي طالب: لو أن الناس أخذوا بأمر الله تعالی في الطلاق ما یتبع رجل نفسه في امرأة أبدا یبدأ فیطلقها تطلیقة ثم یتربص ما بینها وبین أن تنقضي عدتها فمتی شاء راجعها.

قلنا: هذا منقطع عنه، لأن ابن سیرین لم یسمع من علي کلمة، ثم لیس فیه أیضا أن ما عدا ذلك معصیة ولا بدعة لا یعلم عن الصحابة رضي الله عنهم غیر ما ذکرنا. وأما التابعون فرویناه من طریق وکیع عن اسماعیل ابن أبي خالد، عن الشعبي قال: قال رجل لشریح القاضي: طلقت امرأتي مائة. فقال: بانت منك بثلاث، وسبع وتسعون إسراف ومعصیة.

فلم ینکر شریح الثلاث، وإنما جعل الإسراف والمعصیة ما زاد علی الثلاث. ومن طریق عبدالرزاق عن معمر عن قتادة، عن سعید بن المسیب، قال:

طلاق العدة أن يطلقها إذا طهرت من الحيضة بغير جماع.

قال أبو محمد: فلم يخص واحدة من ثلاث من اثنتين لا يعلم عن أحد من التابعين أن الثلاث معصية، صرح بذلك، إلا الحسن، والقول بأن الثلاث سنة هو قول للشافعي وأبي ثور وأصحابهما.

وقال ابن أبي شيبة (انظر المصنف بن ابي شيبة الجزء الخامس ص ١١):

"من رخص الرجل أن يطلق ثلاثًا في مجلس" حدثنا أبو أسامة، عن هشام قال: سئل محمد عن الرجل يطلق امرأته ثلاثًا في مقعد واحد. قال: لا أعلم بذلك بأسًا، قد طلق عبدالرحمن بن عوف امرأته ثلاثًا فلم يعب عليه ذلك.

حدثنا أبو أسامة، عن ابن عون عن محمد قال: كان لا يرى بذلك بأسًا.
حدثنا غندر عن شعبة، عن عبدالله ابن أبي السفر، عن الشعبي، في رجل أراد أن تبين منه امرأته، قال: يطلقها ثلاثًا.

المسألة الثانية

ما يترتب على إيقاع الطلاق الثلاث بلفظ واحد

وفي ذلك مذاهب

"المسألة الثانية ما يترتب على إيقاع الطلاق الثلاث بلفظ واحد وفي ذلك مذاهب".

المذهب الاول :

أن الرجل إذا طلق زوجته ثلاثا بلفظ واحد وقعت ثلاث دخل بها أو لا

ذكر من قال بهذا القول

١- وقال الكاساني :

وأما حكم طلاق البدعة فهو أنه واقع عند عامة العلماء. وقد ذكر هذا بعد مسألة الألفاظ التي يقع بها طلاق البدعة وذكر منها الثلاث بلفظ واحد (بدائع الصنائع ٣/٩٦)

٢- وقال ابن الهمام :

وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاثا (فتح القدير ٣/٣٥٢)

٣- وقال الطحاوي :

بعد سياقه لأدلة وقوعه ثلاثا (شرح معاني الآثار ٣/٥٩) فهذا كله قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمة الله عليهم اجمعين.

٤- وقال سحنون بن سعيد التنوخي :

قلت : أرأيت إن طلقها ثلاثا وهي حامل في مجلس واحد أو مجالس شتى أيلزمه ذلك أم لا ؟ قال: قال مالك يلزمه ذلك (المدونة ٢/٦٨)

۵۔ وقال الحطاب:

(تنبیه) قال ابو الحسن فی شرح کلام المدونة المتقدم صورته: أن یقول لها أنت طالق، انت طالق، أنت طالق فی مجلس واحد، فإن کان علی غیر هذه الصفة کما إذا قال: أنت طالق ثلاثا فی کلمة واحدة، فقال عبدالحمید الصائغ: ثلاث تطلیقات فی کلمة أشد منه فی ثلاثة مجالس، وفی ثلاثة مجالس أشد منه فی ثلاثة ألفاظ، وکله طلاق یلزمه . انتهی . (مواهب الجلیل ۴/۳۹)

۶۔ وقال الباجی:

فإذا ثبت ذلک أی کلامه علی تحریم إیقاع الثلاث بلفظ واحد، فمن أوقع الطلاق الثلاث بلفظة واحدة لزمه ما أوقعه من الثلاث وبه قال جماعة الفقهاء (المنتقی ۴/۳)

۷۔ وقال القرطبی:

قال علماؤنا: واتفق أئمة الفتوی علی لزوم إیقاع الطلاق الثلاث فی کلمة واحدة، وهو قول جمهور السلف (تفسیر القرطبی ۳/۱۲۹)

۸۔ وقد سبق أدلة کثیرة عن الإمام الشافعی رحمه الله:

فی الکلام علی المسألة الأولی وأنه یوقعها ثلاثا (المهذب ۲/۸۴)

۹۔ وقال الشیرازی:

وإن قال لغیر المدخول بها أنت طالق ثلاثا وقع الثلاث لأن الجمیع صادف الزوجیة فوقع الجمیع کما لو قال ذلک للمدخول بها.

۱۰۔ وقال ابن قدامة:

وإن طلق ثلاثا بکلمة واحدة وقع الثلاث وحرمت علیه حتی تنکح زوجا غیره، ولا فرق بین قبل الدخول وبعده، روی ذلک عن ابن عباس، وأبی هریرة، و ابن عمر، وعبدالله بن عمرو، و ابن مسعود، و انس، وهو قول أکثر أهل العلم من

التابعين، والأئمة بعدهم (المغني ۸/۲۴۳)

۱۱۔ وقال المرداوی:

وإن طلقها ثلاثاً مجموعة قبل رجعة مرة واحدة طلقت ثلاثاً وإن لم ينوها على الصحيح من المذهب، نص عليه مراراً وعليه الأصحاب بل الأئمة الأربعة رحمهم الله وأصحابهم في الجملة (الانصاف ۸/۴۵۳)

۱۲۔ وقال شیخ الاسلام:

في أثناء الكلام على بيان المذاهب في ذلك ۔ الثاني أنه طلاق محرم لازم وهو قول مالك، و أبي حنيفة، و أحمد في الرواية المتأخرة عنه، اختارها أكثر أصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين (مجموع الفتاوی ۸/۳۳)

۱۳۔ وقال ابن القیم:

فاختلف الناس فيها ۔ أي وقوع الثلاث بكلمة واحدة ۔ على أربعة مذاهب: أحدها: أنه يقع وهذا قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين، وكثير من الصحابة ۔ (زاد المعاد ۴/۱۰۴)

۱۴۔ وقال یوسف بن عبدالرحمٰن بن عبدالهادی:

الفصل الأول في أن الطلاق الثلاث يقع ثلاثاً هذا هو الصحيح من المذهب، ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره كما سيأتي، وهذا القول محرروم به في أكثر كتب أصحاب الإمام أحمد كالخرقي والمقنع، والمحرر والهداية وغيرهم، من كتب أصحاب الإمام أحمد ولا يعدل عنه

قال الأثرم. سألت أبا عبدالله عن حديث ابن عباس "كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر و عمر واحدة بأي شيء تدفعه؟ فقال برواية الناس عن ابن عباس أنها ثلاث" وقدمه في الفروع وجزم به في المغني، وأكثرهم

لم يحنث غيره والله اعلم بالصواب (سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ٧٠)

۱۵۔ وقال أيضًا الفصل الثاني فيمن قال بهذا القول ومن أفتى به:

قال به ابن عباس غير مرة، و ابن عمر، و عبدالله بن عمرو، و عثمان، و علي، و ابن مسعود وهو قول أكثر اهل العلم، وبه قال أحمد، والشافعي، و ابوحنيفة، و مالك، و انس، و ابن ابي ليلى، و الأوزاعي، وقال به من اصحابنا الخرقي، والقاضي و أبوبكر، و ابن حامد، و ابن عقيل، و ابوالخطاب، والشيرازي، والشيخ موفق الدين، والشيخ مجدالدين ـ وليس مطلقًا كما سيأتي ـ والشريف حتى أكثر أصحاب الإمام أحمد على هذا القول.

وفي إجماع ابن المنذر ما يدل على انه إجماع ليس بصريح فيه. وهذا القول اختاره ابن رجب. وقد صنف ردًا على من قال بخلافه، والله اعلم بالصواب (سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ٧٧)

۱۶۔ وقال ابن عبدالهجادي:

قال ابن رجب: أعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد.

۱۷۔ وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي:

وعلى هذا القول ـ أي اعتبارها ثلاثًا ـ جل الصحابة وأكثر العلماء منهم الأئمة الأربعة. اهـ. وقد استدل لهذا المذهب بالكتاب والسنة والاجماع والآثار والقياس (أضواء البيان ۱/۱۷۶)

أما الكتاب:

فأولاً قوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹)

قال أبوبكر الرازي تحت عنوان "ذكر الحجج لإيقاع الطلاق الثلاث معًا" قوله تعالى: الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة الطلاق. ٢) يدل على وقوع الثلاث معًا مع كونه منهيًا عنه.

وذلك لأن قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣١) قد أبان عن حكمه إذا أوقع اثنتين بأن يقول: أنت طالق، أنت طالق في طهر واحد وقد بينا أن ذلك خلاف السنة، فإذا كان في مضمون الآية الحكم بجواز وقوع الاثنتين على هذا الوجه دل ذلك على صحة وقوعهما لو أوقعهما معًا، لأن أحدًا لم يفرق بينهما.

وفيها الدلالة عليه من وجه آخر وهو قوله تعالى: فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره ... الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٣٠. فحكم بتحريمها عليه بالثالثة بعد الاثنتين ولم يفرق بين إيقاعهما في طهر واحد أو في أطهار، فوجب الحكم بإيقاع الجميع على أي وجه أوقعه من مسنون أو غير مسنون ومباح أو محظور.

فإن قيل: قد ذكرت في معنى الآية أن المراد بها بيان المندوب إليه والمأمور به من الطلاق وإيقاع الطلاق الثلاث معًا خلاف المسنون عندك. فكيف تحتج بها في إيقاعها على غير الوجه المباح والآية لم تتضمنها على هذا الوجه؟

قيل له: قد دلت الآية على هذه المعاني كلها من إيقاع الاثنتين والثلاث لغير السنة وأن المندوب إليه والمسنون تفريقها في الأطهار، وليس يمتنع أن يكون مراد الآية جميع ذلك. ألا ترى أنه لو قال: طلقوا ثلاثًا في الأطهار وإن طلقتم جميعًا معًا وقعن كان جائزًا، وإذا لم يتناف المعنيان واحتملتهما الآية وجب حملها عليهما.

فإن قيل: معنى هذه الآية محمول على ما بينه بقوله تعالى: فطلقوهن

لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق ١) وقد بين الشارع الطلاق للعدة، وهو أن يطلقها في ثلاثة أطهار إن أراد إيقاع الثلاث، ومتى خالف ذلك لم يقع طلاقه.

قيل له: نستعمل الآيتين على ما تقتضيانه من أحكامهما فنقول: إن المندوب إليه والمأمور به هو الطلاق للعدة على ما بينه في هذه الآية، وإن طلق لغير العدة وجمع الثلاث وقعن لما اقتضته الآية الأخرى وهي قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) وقوله تعالى: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) إذ ليس في قوله: فطلقوهن نفي لما اقتضته هذه الآية الأخرى، على أن في فحوى الآية التي فيها ذكر الطلاق للعدة دلالة على وقوعها إذا طلق لغير العدة. وهو قوله تعالى (فطلقوهن لعدتهن) إلى قوله تعالى: (وتلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) فلو لا أنه إذا طلق لغير العدة وقع ما كان ظالما لنفسه بإيقاعه، ولا كان ظالما لنفسه بطلاقه.

وفي هذه الآية دلالة على وقوعها إذا طلق لغير العدة، ويدل عليه قوله تعالى في نسق الخطاب (ومن يتق الله يجعل له مخرجا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) يعني - والله أعلم - أنه إذا وقع الطلاق على ما أمره الله كان له مخرجا مما أوقع إن لحقه ندم وهو الرجعة، وعلى هذا المعنى تأوله ابن عباس حين قال للسائل الذي سأله وقد طلق ثلاثا: إن الله تعالى يقول: (ومن يتق الله يجعل له مخرجا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) وإنك لم تتق الله فلم أجد لك مخرجا، عصيت ربك وبانت منك امرأتك، ولذلك قال علي بن أبي طالب - كرم الله وجهه: لو أن الناس أصابوا حد الطلاق ما ندم رجل طلق امرأته.

فإن قيل: لما كان عاصيا في إيقاع الثلاث معا لم يقع، إذ ليس هو الطلاق

المأمور به، كما لو وكل رجل رجلاً بأن يطلق امرأته ثلاثًا في ثلاثة أطهار لم يقع إذا جمعهن في طهر واحد.

قيل له: أما كونه عاصيًا في الطلاق فغير مانع صحة وقوعه لما دللنا عليه فيما سلف، ومع ذلك فإن الله جعل الظهار منكرًا من القول وزورًا، وحكم مع ذلك بصحة وقوعه، فكونه عاصيًا لا يمنع لزوم حكمه والإنسان عاص لله في ردته عن الإسلام، ولم يمنع عصيانه من لزوم حكمه وفراق امرأته، وقد نهاه الله من مراجعتها ضرارًا بقوله تعالى: (ولا تمسكوهن ضرارًا لتعتدوا... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣١) فلو راجعها وهو يريد ضرارها لثبت حكمها وصحت رجعته.

وأما الفرق بينه وبين الوكيل فهو: أن الوكيل إنما يطلق لغيره وعنه يعبر وليس يطلق لنفسه ولايملك ما يوقعه. ألا ترى أنه لا يتعلق به شيء من حقوق الطلاق وأحكامه، فلما لم يكن مالكًا لما يوقعه، وإنما يصح إيقاعه لغيره من جهة الأمر إذ كانت أحكامه تتعلق بالأمر دونه لم يقع متى خالف الأمر، وأما الزوج فهو مالك الطلاق وبه تتعلق أحكامه وليس يوقع لغيره فوجب أن يقع من حيث كان مالكًا للثلاث وارتكاب النهي في خلافه غير مانع وقوعه كما وصفنا في الظهار والرجعة والردة وسائر ما يكون به عاصيًا، ألا ترى أنه لو وطأ أم امرأته بشبهة حرمت عليه امرأته وهذا المعنى الذي ذكرناه من حكم الزوج في ملكه للثلاث من الوجوه التي ذكرنا يدل على أنه إذا أوقعهن معًا وقع إذ هو موقع لما ملك. اهـ.

وقال القرطبي:

في تفسير قوله تعالى: (الطلاق مرتان): ترجم البخاري على هذه الآية باب من أجاز الطلاق الثلاث لقوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو

تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) وهذا إشارة منه إلى أن هذا التحديد إنما هو فسحة لهم فمن ضيق على نفسه لزمه. اهـ (أنظر تفسير القرطبي الجزء الثالث ص ١٢٨)

وقال العيني :

وجه الاستدلال به أن قوله تعالى: (الطلاق مرتان) معناه مرة بعد مرة فإذا جاز الجمع بين الثنين جاز بين الثلاث وأحسن منه أن يقال. إن قوله تعالى: (أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) عام متناول لإيقاع الثلاث دفعة واحدة. وقال ابن أبي حاتم: أنا يونس بن عبدالأعلى قراءة عليه، أنا ابن وهب، أخبرني سفيان الثوري، حدثني اسماعيل بن سميع، سمعت أبا رزين يقول: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله أرأيت قول الله عزوجل (فامساك بمعروف أو تسريح بإحسان... أيضاً) أين الثالثة؟ قال: "التسريح بالإحسان". هذا اسناده صحيح، ولكنه مرسل ورواه ابن مردويه من طريق قيس بن الربيع عن إسماعيل بن سميع عن أبي رزين مرسلاً قال: حدثنا عبدالله بن أحمد بن عبدالرحيم، حدثنا أحمد بن يحيى حدثنا عبيدالله بن جرير بن خالد، حدثنا ابن عائشة، عن حماد بن سلمة عن قتادة، عن أنس ابن مالك رضي الله عنه. قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله ذكر الله الطلاق مرتين، فأين الثالثة؟ قال: "إمساك بمعروف أو تسريح بإحسان".. اهـ (أنظر عمدة القاري الجزء التاسع ص ٥٣٨)

وقد سبقت مناقشة ابن القيم لهذه الآية وبين أنها دليل على عدم وقوع الثلاث وذلك عند الكلام عليها في المسألة الأولى.

وقال الشيخ جمال الدين الامام:

ردًا على الاستدلال بقوله تعالى: الطلاق مرتان... (الآية الكريمة من

سورة البقرة: ٢٢٩) وبين أنها لا تدل على وقوع الثلاث، قال (بواسطة سير الحاث لابن عبد الهادي ٩٣ - ٩٤): فصل: ومما يبين ويوضح بطلان تركيبهم شرعًا ولغة في الطلاق الثلاث وغيره، أن لفظ العدد فيه منصوب نصب المصدر، فإن تقدير الكلام طلقتك طلاقًا، ومعنى المصدر في الكلام طلقتك تطليقات ثلاث. ومعنى المصدر في الكلام إنما هو حكاية حال الفعل في صدوره عن الفاعل.

والفعل له حالتان في صدوره عن الفاعل: حالة يكون فيها خبرًا عما صدر وقوعه من الفاعل في الماضي، وحالة يكون فيها أداة لما يستعمل فيه من إنشاء العقود والفسوخ استعارة أو اشتراكًا، فإذا أريد به الحكاية والخبر عن الماضي. فإن أريد به الإخبار عن حقيقة الفعل ونفي المجاز عنه اتبع بالمصدر مطلقًا.

وأما إذا استعمل الماضي في إنشاء عقد أو فسخ سواء قيل إنه على وجه الاستعارة أو الاشتراك فإن أريد حقيقة العقد أو الفسخ اتبع المصدر مطلقًا مثل: طلقتها تطليقًا، وأما إن أريد تعدد العقد أو الفسخ بلفظ واحد في مرة واحدة بمنزلة تعدده بالتكرار مرة بعد مرة وأتبع بالعدد وحده، أو مضافًا إلى المصدر المجموع، مثل طلقتك ثلاثًا وقصد به التعدد، أو قال في اللعان أشهد بالله خمسًا، أو خمس شهادات، أو قال في القسامة أقسم بالله خمسين يمينًا أو قال بعد الصلاة "سبحان الله" مرة ثم قال "ثلاثًا وثلاثين" وكذا "الحمد لله" وكذا "الله أكبر" وكذا لو قال في اليوم مرة واحدة "سبحان الله وبحمده" وأتبعها مائة مرة لم يكن بتكراره في الأيام والأوقات والعدد: فأما غير الطلاق فلا خلاف فيه، وأما الطلاق فوقع الغلط فيه من بعد الصحابة.

ثانيًا قال النووي:

واحتج الجمهور بقوله تعالى: (ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك أمرًا) .. الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

قالوا: معناه أن المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البينونة فلو كانت الثلاث لا تقع لم يقع طلاقه إلا رجعياً فلا يندم

قال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي (أضواء البيان ١/١٧٥/١٧٦) ومما يؤيد هذا الاستدلال القرآني ما أخرجه أبو داؤد بسند صحيح عن طريق مجاهد قال: كنت عند ابن عباس، فجاءه رجل فقال إنه طلق امرأته ثلاثاً، فسكت، حتى ظننت أنه سيردها إليه. فقال: يطلق أحدكم فيركب الأحموقة ثم يقول: يا ابن عباس، الله قال: (ومن يتق الله يجعل له مخرجاً... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) وإنك لم تتق الله، فلا أجد لك مخرجاً، عصيت ربك، وبانت منك امرأتك..

وأخرج له أبو داؤد متابعات عن ابن عباس بنحوه، وهذا تفسير من ابن عباس للآية بأنها يدخل في معناها (ومن يتق الله)، ولم يجعل الطلاق في لفظة واحدة يجعل له مخرجاً بالرجعة، ومن لم يتقه في ذلك بأن جمع الطلقات في لفظ واحد لم يجعل له مخرجاً لوقوع البينونة بها مجتمعة، هذا هو معنى كلامه الذي لا يحتمل غيره، وهو قوي جداً في محل النزاع لأنه مفسر به قرآناً، وهو ترجمان القرآن، وقد قال ﷺ: "اللهم علمه التأويل".

ثالثاً قال ابن عبدالهادي :

نقلاً عن ابن رجب: قوله في سياق آية (ولا تتخذوا آيات الله هزواً) قال الحسن: "وكان الرجل في عهد النبي ﷺ يطلق ويقول: كنت لاعباً، ويعتق ويقول: كنت لاعباً ويزوج ابنه ويقول كنت لاعباً فقال رسول الله ﷺ: "ثلاث من قالهن لاعباً جائزات عليهم: العتاق، والطلاق، والنكاح" فأنزل الله (ولا تتخذوا آيات الله هزواً... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣١)

وقال ابن عبدالهادي رداً على ابن رجب في استدلاله بالآيات التي سبقت

(سبل السلام ٨٩/٤ ـ ٩٠) وأما استدلاله بقوله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن ـ إلى قوله. ومن يتق الله يجعل له مخرجا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١ـ٢) قال: فليس بمسلم، لأن في حديث ركانة لما قال له "راجعها" تلا هذه الآية فهذه الآية دليل لنا لا لكم، لأن النبي ﷺ لما قضى له بهذا استدل بالآية. فلو كان فيها دليل عليه لم يستدل بها، واستدلاله بالآية بقول ابن عباس فإن ابن عباس قد صح عنه أنه كان يفتي بهذا القول ـ أي واحدة ـ كما تقدم فليس لكم في الآية دليل.

وأما استدلاله بقوله تعالى: (ولا تتخذوا آيات الله هزوا... الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٣١) ـ واستدلاله بالحديث ـ أي حديث الحسن رقد مضى مع الآية ـ فالآية والحديث ليس فيهما دليل له، لأنه لم يثبت طلاق الثلاث بالكلية وإنما كان يطلق ويقول كنت لاعبا فنزلت هذه الآية، إن الطلاق لا لعب فيه فليس في هذا دليل.

وأما استدلاله بالآية الأخرى. (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) فليس فيها دليل أيضا، لأن الطلاق هنا لم يذكر أنه بلفظة واحدة، بل الآية فيها إذا أتى بالطلاق مرة بعد أخرى، وليس في الآيات دليل له، بل كلها دليل عليه.

وأما السنة فقد استدلوا بالأدلة الآتية

الدليل الأول

ما ثبت في الصحيحين (صحيح البخاري وعليه الفتح ٣٩١/٩ ـ وصحيح مسلم وعليه شرح النووي ١٢٣/١٠) في قصة لعان عويمر وزوجته وفيه: "فلما فرغا قال عويمر: كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلقها ثلاثا قبل أن يأمره

رسول الله ﷺ قال ابن شهاب فكانت سنة المتلاعنين. متفق عليه.

قال النووي (النووي على مسلم ۱۰/۱۲۲، ويرجع أيضًا إلى الفتح ۹/۳٦۷) واستدل به أصحابنا على أن جمع الطلقات الثلاث بلفظ واحد ليس حرامًا، وموضع الدلالة أنه لم ينكر عليه إطلاق لفظ الثلاث.

وقد يعترض على هذا فيقال: إنما لم ينكره عليه، لأنه لم يصادف الطلاق محلاً مملوكًا له ولا نفوذًا. ويجاب عن هذا الاعتراض، بأنه لو كان الثلاث محرمًا لأنكر عليه، وقال له: كيف ترسل لفظ الطلاق الثلاث مع أنه حرام، والله أعلم.

وقال ابن نافع من أصحاب مالك: إنما طلقها ثلاثًا بعد اللعان، لأنه يستحب إظهار الطلاق بعد اللعان، مع أنه قد حصلت الفرقة بنفس اللعان. وهذا فاسد، وكيف يستحب للإنسان أن يطلق من صارت أجنبية.

وقال محمد بن أبي صفرة المالكي: لا تحصل الفرقة بنفس اللعان، واحتج بطلاق عويمر وبقوله: إن أمسكتها، وتأوله الجمهور كما سبق، والله أعلم. وأما قوله: وقال ابن شهاب فكانت سنة المتلاعنين. فقد تأوله ابن نافع المالكي على أن معناه استحباب الطلاق بعد اللعان كما سبق، وقال الجمهور معناه حصول الفرقة بنفس اللعان.

وقال شيخ الإسلام (مجموع الفتاوى ۳۳/۷۷-۷۸ ويرجع أيضًا إلى ٤/۱۱٥ زادالمعاد وإغاثة اللهفان ۱/۳۱٤): وأما الملاعن فإن طلاقه وقع بعد البينونة أو بعد وجوب الإبانة التي تحرم بها المرأة أعظم مما يحرم بالطلقة الثالثة، فكان مؤكدًا لموجب اللعان، والنزاع إنما هو طلاق من يمكنه إمساكها، لا سيما والنبي ﷺ قد فرق بينهما، فإن كان ذلك قبل الثلاث لم يقع بها الثلاث ولا غيرها، وإن كان بعدها دل على بقاء النكاح، والمعروف أنه فرق بينهما بعد

أن طلقها ثلاثا، فدل ذلك على أن الثلاث لم يقع بها، إذ لو وقعت لكانت قد حرمت عليه حتى تنكح زوجا غيره، وامتنع حينئذ أن يفرق النبي ﷺ بينهما لأنهما صارا أجنبيين.

ولكن غاية ما يمكن أن يقال: حرمها عليه تحريما مؤبدا. فيقال: فكان ينبغي أن يحرمها عليه لا يفرق بينهما، فلما فرق بينهما دل على بقاء النكاح، وأن الثلاث لم تقع جميعا، بخلاف ما إذا قيل. إنه يقع بها واحدة رجعية فإنه يمكن فيه حينئذ أن يفرق بينهما.

وقول سهل بن سعد :

فانفذه عليه رسول الله ﷺ دليل على أنه محتاج إلى انفاذ النبي ﷺ واختصاص الملاعن بذلك ولو كان من شرعه أنها تحرم بالثلاث لم يكن للملاعن اختصاص ولا يحتاج الي إنفاذ، فدل على أنه لما قصد الملاعن بالطلاق الثلاث أن تحرم عليه انفذ النبي ﷺ مقصوده بل زاده، فإن تحريم اللعان أبلغ من تحريم الطلاق، إذ تحريم اللعان لا يزول وإن نكحت زوجا غيره، وهو مؤبد في أحد قولي العلماء لا يزول بالتوبة.

وقال الشيخ محمد الامين الشنقيطي :

بعد ذكره استدلال البخاري بحديث عويمر، ووجه الدلالة والاعتراض عليها، والجواب عن الاعتراض من وجهين، وكل ذلك سبق نقله عن النووي إلا الوجه الثاني، وقال: (اضواء البيان الجزء الاول ص ١٦٢ ومابعدها) وبأن الفرقة لم يدل على أنها بنفس اللعان كتاب ولا سنة صريحة ولا إجماع.

وبعد أن عرض بعض مذاهب العلماء وأدلتهم ومناقشتها في اللعان هل تحصل به الفرقة أم لا؟ قال: واختلف في هذا اللفظ - أي ما جاء في الحديث المتقدم من قوله- فكانت سنة المتلاعنين - هل هو مدرج من كلام الزهري فيكون

مرسلاً وبه قال جماعة من العلماء، أو هو من كلام سهل فهو مرفوع متصل - ويؤيد كونه من كلام سهل ما وقع في حديث أبي داؤد من طريق عياض بن عبدالله الفهري: عن ابن شهاب عن سهل قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فأنفذه رسول الله ﷺ وكان ما صنع عند رسول الله ﷺ سنة، قال سهل حضرت هذا عند رسول الله ﷺ فمضت السنة بعد في المتلاعنين أن يفرق بينهما ثم لا يجتمعان أبدا هذا الحديث سكت عليه أبو داود والمنذري

قال الشوكاني في نيل الأوطار ورجاله رجال الصحيح، قال مقيده عفاالله عنه: ومعلوم أن ما سكت عليه أبوداؤد فأقل درجاته عنده الحسن، وهذه الرواية ظاهرة في محل النزاع، وبها تعلم أن احتجاج البخاري لوقوع الثلاث دفعة بحديث سهل المذكور واقع موقعه. لأن المطلع على غوامض إشارات البخاري رحمه الله يفهم أن هذا اللفظ الثابت في سنن أبي داؤد مطابق لترجمة البخاري، وأنه أشار بالترجمة إلى هذه الرواية ولم يخرجها لأنها ليست على شرطه. فتصريح هذا الصحابي الجليل في هذه الرواية الثابتة بأن النبي ﷺ أنفذ طلاق الثلاث دفعة يبطل بإيضاح أنه لا عبرة بسكوته ﷺ وتقريره له، بناء على أن الفرقة بنفس اللعان كما ترى. وبعد سياقه لبقية المذاهب في الفرقة باللعان قال: وبهذا تعلم أن كون الفرقة بنفس اللعان ليس أمراً قطعياً حتى ترد به دلالة تقرير النبي ﷺ عويمرا العجلاني على إيقاع الثلاث دفعة الثابت في الصحيح، لا سيما وقد عرفت أن بعض الروايات فيها التصريح بأنه ﷺ أنفذ ذلك. وبعد أن عرض مذاهب العلماء في نفقة البائن وسكناها قال

فإن قيل - انفاذه ﷺ الثلاث دفعه من الملاعن على الرواية المذكورة لايكون حجة في غير اللعان، لأن اللعان تجب فيه الفرقة الأبدية، فإنفاذ الثلاث مؤكد لذلك الأمر الواجب بخلاف الواقع في غير اللعان، ويدل لهذا أن النبي ﷺ

غضب من ايقاع الثلاث دفعة في غير اللعان، وقال: "أيلعب بكتاب الله وأنا بين اظهركم" كما أخرجه النسائي من حديث محمود بن لبيد.

فالجواب من أربعة أوجه

الأول: الكلام في حديث محمود بن لبيد، فإنه تكلم فيه من جهتين:

الأولى:

انه مرسل، لأن محمود بن لبيد لم يثبت له سماع من رسول الله ﷺ وإن كانت ولادته في عهده ﷺ وذكره في الصحابة من أجل الرؤية، فقد ترجم له أحمد في مسنده وأخرج له عدة أحاديث ليس فيها شيء صريح فيه بالسماع.

الثانية:

أن النسائي قال بعد تخريجه لهذا الحديث: لا أعلم أحداً رواه غير مخرمة بن بكير يعني ابن الأشج عن أبيه، ورواية مخرمة عن أبيه وجادة من كتابه. قاله أحمد، و ابن معين وغيرهما، وقال ابن المديني: سمع من أبيه قليلاً. قال ابن حجر في التقريب روايته عن أبيه وجادة من كتابه. قاله أحمد و ابن معين وغيرهما، وقال ابن المديني: سمع من أبيه قليلاً. قال مقيده عفا الله عنه.

أما الإعلال الأول:

بأنه مرسل فهو مردود بأنه مرسل صحابي ومراسيل الصحابة لها حكم الوصل، ومحمود بن لبيد المذكور جل روايته عن الصحابة كما قاله ابن حجر في التقريب وغيره.

والأعلال الثاني:

بأن رواية مخرمة عن أبيه وجادة من كتابه فيه أن مسلماً أخرج في

صحيحه عدة أحاديث من رواية مخرمة عن أبيه، والمسلمون مجمعون على قبول أحاديث مسلم إلا بموجب صريح يقتضي الرد، والحق أن الحديث ثابت إلا أن الاستدلال به يرده.

الوجه الثاني :

وهو أن حديث محمود ليس فيه التصريح بانه ﷺ أنفذ الثلاث، ولا أنه لم ينفذها، وحديث سهل على الرواية المذكورة فيه التصريح بأنه أنفذها، والمبين مقدم على المجمل كما تقرر في الأصول، بل بعض العلماء احتج لإيقاع الثلاث دفعة بحديث محمود هذا.

• ووجه استدلاله به، أنه طلق ثلاثا يظن لزومها، فلو كانت غير لازمة لبين النبي ﷺ أنها غير لازمة، لأن البيان لا يجوز تأخيره عن وقت الحاجة.

الوجه الثالث :

أن إمام المحدثين محمد بن إسماعيل البخاري رحمه الله أخرج حديث سهل تحت الترجمة التي هي قوله: "باب من أجاز الطلاق الثلاث" وهو دليل على أنه يرى عدم الفرق بين اللعان وغيره في الاحتجاج بانفاذ الثلاث دفعة.

الوجه الرابع :

هو ما سيأتي من الأحاديث الدالة على وقوع الثلاث دفعة كحديث ابن عمر وحديث الحسن بن علي، وإن كان الكل لا يخلو من كلام.... وبهذا كله تعلم ان رد الاحتجاج بتقريره ﷺ عويمراً العجلاني على إيقاع الثلاث دفعة، بأن الفرقة بنفس اللعان لا يخلو من نظر، ولو سلمنا أن الفرقة بنفس اللعان فإنا لا نسلم ان سكوته ﷺ لا دليل فيه بل نقول: لو كانت لا تقع دفعة لبين أنها لا تقع دفعة، ولو كانت الفرقة بنفس اللعان كما تقدم.

الدليل الثاني :

ثبت في الصحيحين عن عائشة رضي الله عنها ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلقت فسئل النبي ﷺ أتحل للأول؟ قال: "حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول".

وجه الدلالة: ذكر البخاري هذا الحديث تحت ترجمة "باب من أجاز الطلاق الثلاث". وقال ابن حجر (فتح الباري ٩/٣٠١) والعيني (عمدة القاري ٩/٥٤١) هو ظاهر في كونها مجموعة.

وقال ابن القيم:

في وجه استدلالهم بالحديث: فلم ينكر ﷺ ذلك وهذا يدل على إباحة جمع الثلاث وعلى وقوعها، إذ لو لم يقع لم يتوقف رجوعها إلى الأول على ذوق الثاني عسيلتها، وقد أجاب ابن القيم عن الاستدلال بهذا الدليل (زاد المعاد ٤/١٠٨) فقال: وأما استدلالكم بحديث عائشة - رسالة الحديث - فهذا مما لا ننازعكم فيه، نعم، هو حجة على من اكتفى بمجرد عقد الثاني، ولكن أين في الحديث أنه طلق الثلاث بفم واحد؟ بل الحديث حجة لنا، فإنه لا يقال: فعل ذلك ثلاثا، وقال ثلاثا إلا لمن فعل وقال مرة بعد مرة، وهذا هو المعقول في لغات الأمم عربهم وعجمهم، كما يقال: قذفه ثلاثا، وشتمه ثلاثا، وسلم عليه ثلاثا.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي:

واعترض الاستدلال بهذا الحديث بأنه مختصر من قصة رفاعة وقد قدمنا قريبًا أن بعض الروايات الصحيحة دل على أنها ثلاث متفرقة لا مجموعة انتهى مقصوده (أضواء البيان ١/١٩٧) بعض الروايات هي رواية مسلم "أنها عند زوجها آخر ثلاث تطليقات فلم يجعل لها رسول الله ﷺ نفقة ولا سكنى" ثم قال: ورد هذا الاعتراض بأن غير رفاعة قد وقع له مع امرأته نظير ما وقع لرفاعة فلا مانع من التعدد، وكون الحديث الأخير في قصة أخرى كما ذكره الحافظ بن

حجر في الكلام على قصة رفاعة فإنه قال فيها ما نصه: وهذا الحديث إن كان محفوظًا فالواضح من سياقه أنها قصة أخرى، وأن كلا من رفاعة القرظي، ورفاعة النضري وقع له مع زوجة له طلاق فتزوج كلا منهما عبدالرحمن بن الزبير فطلقها قبل أن يمسها، فالحكم في قصتهما متحد مع تغاير الأشخاص

وبهذا يتبين خطأ من وحد بينهما ظنًا منه أن رفاعة بن سموءل هو رفاعة بن وهب.. اهـ

الدليل الثالث

ثبت في الصحيح في قصة رفاعة القرظي وامرأته وأن فيه "فقالت: يا رسول الله إن رفاعة طلقني فبت طلاقي...." الحديث، وقد أخرجه البخاري تحت ترجمة (باب من أجاز الطلاق الثلاث).

وجه الدلالة: قال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي (أضواء البيان ١٦٦/١) إن قولها: فبت طلاقي ظاهر في أنه قال لها: أنت طالق البتة.

وأجاب عن ذلك فقال: قال مقيده عفا الله عنه الاستدلال بهذا الحديث غير ناهض فيما يظهر، لأن مرادها بقولها فبت طلاقي أي بحصول الطلقة الثالثة.

ويبينه، أن البخاري ذكر في الأدب المفرد من وجه آخر، أنها قالت: طلقني آخر ثلاث تطليقات، وهذه الرواية تبين المراد من قولها فبت طلاقي وأنه لم يكن دفعة واحدة.

وقال شيخ الإسلام (مجموع الفتاوى ٧٧/٣٣): وأجاب الأكثرون عن حديث فاطمة وامرأة رفاعة إنما طلقها ثلاثًا متفرقات، هكذا ثبت في الصحيح أن الثالثة آخر ثلاث تطليقات، لم يطلق ثلاثًا، لا هذا ولا هذا مجتمعات، وقول الصحابي طلق ثلاثًا، يتناول ما إذا طلقها ثلاثًا متفرقات بأن يطلقها ثم يراجعها ثم يطلقها ثم يراجعها ثم يطلقها، وهذا طلاق سني واقع باتفاق الأئمة وهو المشهور

على عهد رسول الله ﷺ في معنى الطلاق ثلاثًا، وأما جمع الثلاث بكلمة فهذا كان منكراً عندهم إنما يقع قليلاً فلا يجوز حمل اللفظ المطلق على القليل المنكر دون الكثير الحق، ولا يجوز أن يقال: يطلق مجتمعات لا هذا ولا هذا بل هذا قول بلا دليل، بل هو خلاف الدليل.

الدليل الرابع :

ثبت في الصحيحين من حديث أبي سلمة بن عبدالرحمن أن فاطمة بنت قيس أخبرته: أن زوجها أبا حفص بن المغيرة المخزومي طلقها ثلاثًا، ثم انطلق إلى اليمن، فانطلق خالد بن الوليد في نفر فأتوا رسول الله ﷺ في بيت ميمونة أم المؤمنين فقالوا: إن أبا حفص طلق امرأته ثلاثًا فهل لها نفقة؟ فقال رسول ﷺ: "ليس لها نفقة وعليها العدة".

وفي صحيح مسلم في هذه القصة قالت فاطمة: فأتيت رسول الله ﷺ فقال: "كم طلقك؟" قلت ثلاثًا، فقال: "صدق، ليس لك نفقة". وفي لفظ له قالت: يا رسول الله إن زوجي طلقني ثلاثًا وإني أخاف أن يقتحم علي. وفي لفظ له عنها. أن النبي ﷺ قال: في المطلقة ثلاثًا: "ليس لها نفقة ولا سكنى".

وفي الصحيحين أيضًا عن فاطمة بنت قيس. أن أبا حفص بن المغيرة طلقها البتة وهو غائب، الحديث. وقد جاء تفسير هذه البتة بأنها ثلاث كما سبق.

وفي المسند أن هذه الثلاث كانت جميعًا "فروي من حديث الشعبي أن فاطمة خاصمت أخا زوجها إلى النبي ﷺ لما أخرجها من الدار ومنعها النفقة، فقال: "مالك ولابنة قيس" قال يا رسول الله إن أخي طلقها ثلاثًا جميعًا. وذكر الحديث:

وجه الدلالة: أن لفظ البتة جاء مفسرًا بأنه طلقها ثلاثًا وأنها مجموعة فدل على اعتبار وقوع الثلاث مجموعة إذ لو لم يكن ذلك واقعًا لبين ﷺ بقاءها

في عصمة زوجها فتأخير البيان عن وقت الحاجة لا يجوز في حقه ﷺ.

وقد أجاب ابن القيم عن الاستدلال بحديث فاطمة بنت قيس فقال (إغاثة اللهفان: ١/٣١٣): أما حديث فاطمة بنت قيس فمن أصح الأحاديث، مع أن أكثر المنازعين لنا في هذه المسألة قد خالفوه. ولم يأخذوا به، فأوجبوا للمبتوتة النفقة والسكنى، ولم يلتفتوا إلى هذا الحديث ولا عملوا به وهذا قول أبي حنيفة وأصحابه.

وأما الشافعي ومالك فأوجبوا لها السكنى، والحديث قد صرح فيه بأنه لا نفقة لها ولا سكنى فخالفوه ولم يعملوا به، فإن كان الحديث صحيحًا فهو حجة عليكم، وإن لم يكن محفوظًا بل هو غلط - كما قال بعض المتقدمين - فليس حجة علينا في جمع الثلاث فأما أن يكون لكم على منازعيكم، وليس حجة لهم عليكم فبعيد من الإنصاف والعدل.

هذا مع أنا نتنزل عن هذا المقام، ونقول: الاحتجاج بهذا الحديث فيه نوع سهو من المحتج به، ولو تأمل طرق الحديث، وكيف وقعت القصة لم يحتج به، فإن الثلاث المذكورة فيه لم تكن مجموعة، وإنما كان قد طلقها تطليقتين من قبل ذلك، ثم طلقها آخر ثلاث، هكذا جاء مصرحًا به في الصحيح فروى مسلم في صحيحه عن عبيدالله بن عتبة - أن أبا عمرو بن حفص بن المغيرة خرج مع علي بن أبي طالب رضي الله عنه إلى اليمن، فأرسل إلى امرأته فاطمة بنت قيس بتطليقة كانت بقيت من طلاقها، الحديث، فهذا المفسر يبين ذلك المجمل وهو قوله: "طلقها ثلاثًا".

وقال الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن أبي سلمة، عن فاطمة بنت قيس، أنها أخبرته أنها كانت تحت أبي حفص بن المغيرة، وأن أبا حفص بن المغيرة طلقها آخر ثلاث تطليقات، وساق الحديث وذكره أبوداود ثم قال:

"وكذلك رواه صالح بن كيسان، و ابن جريج، وشعيب بن أبي حمزة، كلهم عن الزهري.

ثم ساق من طريق عبدالرزاق، عن معمر، عن الزهري، عن عبيدالله قال أرسل مروان الي فاطمة، فسألها فأخبرته أنها كانت عند أبي حفص بن المغيرة وكان النبي ﷺ أمر علي بن أبي طالب رضي الله عنه على بعض اليمن، فخرج معه زوجها، فبعث إليها بتطليقة كانت بقيت لها وذكر الحديث بتمامه، والواسطة بين مروان وبينها هو قبيصة بن ذويب، كذلك ذكره أبوداود في طريق أخرى. فهذا بيان حديث فاطمة بنت قيس.

قالوا: ونحن أخذنا به جميعه، ولم نخالف شيئا منه إذ كان صحيحا صريحا لا مطعن فيه ولا معارض له فمن خالفه فهو محتاج إلى الاعتذار. وقد جاء هذا الحديث بخمسة ألفاظ "طلقها ثلاثا" و "طلقها البتة" و "طلقها آخر تطليقات" و "أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها"، و "طلقها ثلاثا جميعا" هذه جملة ألفاظ الحديث.. وبالله التوفيق.

فأما اللفظ الخامس وهو قوله : "طلقها ثلاثا جميعا". فهذا.

أولا : من حديث مجالد عن الشعبي ولم يقل ذلك عن الشعبي غيره، مع كثرة من روى هذه القصة عن الشعبي، فتفرد مجالد على ضعفه من بينهم بقوله "ثلاثا جميعا" وعلى تقدير صحته، فالمراد به أنه اجتمع لها التطليقات الثلاث، لا أنها وقعت بكلمة واحدة، فإذا طلقها آخر ثلاث. صح أن يقال طلقها ثلاثا جميعا، فإن هذه اللفظة يراد بها تأكيد العدد، وهو الأغلب عليها، لا الاجتماع في الآن الواحد لقوله تعالى: ﴿ولو شاء ربك لآمن من في الأرض كلهم جميعا﴾ .. الآية الكريمة من سورة يونس: ۹۹) فالمراد حصول الإيمان من الجميع، لا إيمانهم كلهم في آن واحد سابقهم ولا حقهم.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي بعد سياقه بعض روايات الحديث وتوجيه الاستدلال ورد التوجيه

قال (أضواء البيان ۱: ۲۰۷). ورد بعضهم هذا الاعتراض بأن الروايات المذكورة تدل على عدم تفريق الصحابة والتابعين بين صيغ البينونة الثلاث ـ يعنون لفظ البتة ـ والثلاث المجتمعة، والثلاث المتفرقة، لتعبيرها في بعض الروايات بلفظ طلقني ثلاثا. وفي بعضها بلفظ طلقني البتة، وفي بعضها بلفظ فطلقني آخر ثلاث تطليقات، فلم نخص لفظا منها عن لفظ، لعلمها بتساوي الصيغ. ولو علمت أن بعضها لا يحرم لاحترزت منه

قالوا: والشعبي قال لها: حدثيني عن طلاقك، أي عن كيفيته وحاله. فكيف يسأل عن الكيفية ويقبل الجواب بما فيه عنده من إجمال من غير أن يستفسر عنه؟ وأبو سلمة روى عنها الصيغ الثلاث، فلو كان بينها عنده تفاوت لاعترض عليها باختلاف ألفاظها، وتثبت حتى يعلم منها بأي الصيغ وقعت بينونتها، فتركه لذلك دليل على تساوي الصيغ المذكورة عنده، هكذا ذكر بعض الأجلاء، والظاهر أن هذا الحديث لا دليل فيه لأن الروايات التي فيها إجمال بينتها الرواية الصحيحة الأخرى، كما هو ظاهر، والعلم عند الله تعالى. انتهى... وقد سبق في آخر الكلام على الدليل الثالث جواب مشترك لشيخ الإسلام عن الحديث الثالث، وعن هذا الحديث فيرجع إليه..

الدليل الخامس :

ما رواه الشافعي وأبو داؤد والترمذي و ابن ماجه و ابن حبان والحاكم عن ركانة بن عبد يزيد أنه طلق امرأته سهيمة البتة، فأخبر النبي ﷺ وقال والله ما أردت إلا واحدة.

فقال رسول الله ﷺ: "والله ما أردت إلا واحدة؟"

قال رکانة: والله ما أردت إلا واحدة. فردها اليه رسول الله ﷺ.

ووجه الاستدلال بهذا الحديث يتضح في أن النبي ﷺ حلف رکانة، أنه ما أراد بالبتة إلا واحدة، فدل على أنه لو أراد بها أكثر لوقع ما أراده ولو لم يفترق في الحال لم يحلفه، وممن استدل بهذا الحديث لمذهب الجمهور أبوبكر الرازي الجصاص قال: لو لم تقع الثلاث إذا أرادها لما استحلفه بالله ما أردت إلا واحدة. اهـ (أحكام القرآن ٨/٤٥٩)

وكذلك ابن قدامة قال: ومتى طلقها ثلاثًا بكلمة واحدة أو بكلمات حرمت عليه حتى تنكح زوجًا غيره لما روى أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة ثم أتى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله طلقت امرأتي سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة فقال رسول الله ﷺ "والله ما أردت إلا واحدة؟" فقال ركانة: والله ما أردت إلا واحدة فقال: "هو ما أردت" فردها اليه رسول الله ﷺ رواه الترمذي والدار قطني وأبو داؤد وقال: الحديث صحيح.

فلو لم تقع الثلاث لم يكن للاستحلاف معنى. اهـ (الكافي ٣/٧٨٦)

وحديث ركانة هذا وإن تكلم فيه بعض أهل العلم فقد قبله غير واحد منهم. قال أبوالحسن علي بن محمد الطنافسي: "ما أشرف هذا الحديث" (سنن ابن ماجه ١/٦٣٢)

روى ذلك عنه ابن ماجه في "باب طلاق البتة" من سننه بعد أن ساقه من طريق الزبير بن سعيد عن عبدالله ابن علي بن يزيد بن ركانة، عن أبيه عن جده.

وقال الحاكم بعد روايته من طريق الزبير بن سعيد هذه (المستدرك ١٩٩/٢-٢٠٠) قد انحرف الشيخان عن الزبير بن سعيد الهاشمي في الصحيحين.

غير أن لهذا الحديث متابعًا من بيت ركانة بن عبد يزيد المطلبي. فيصح

به الحديث، حدثناه أبوالعباس محمد ابن محمد بن يعقوب، أنبأ الربيع بن سليمان، أنبأ الشافعي، أخبرني محمد ابن علي بن شافع، عن نافع بن عجير بن عبد يزيد، أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة، ثم أتى رسول الله ﷺ.

فقال إني طلقت امرأتي سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة فردها إليه رسول الله ﷺ. فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان رضي الله عنهما فقد صح الحديث بهذه الرواية، فإن الإمام الشافعي قد أتقنه وحفظه عن أهل بيته والسائب ابن عبد يزيد أبوالشافع بن السائب، وهو أخ ركانة بن عبد يزيد، ومحمد بن علي بن شافع عم الشافعي شيخ قريش في عصره اهـ. كلام الحاكم، وصححه أيضا ابن حبان كما في "التلخيص الحبير" للحافظ ابن حجر هذا بالنسبة لرواية الزبير بن سعيد.

أما رواية نافع بن عجير فقد صححها أبوداؤد كما جاء في سنن الدارقطني (سنن الدارقطني ۴/۲۹۰) فقد قال بعد أن ساقها "قال أبوداؤد هذا حديث صحيح".

ونقل ذلك عن الدارقطني أبوبكر بن العربي (العارضة على الترمذي ۵/۱۳۵) وجزم به في (العارضة) والمنذري في مختصر سنن أبي داؤد.

والقرطبي في تفسيره (تفسير القرطبي ۳/۱۳۲) واعتمد عليه وتعقب به دعوى الاضطراب في هذا الحديث. وكذلك قال الحافظ ابن حجر في التلخيص الحبير "صححه أبوداود" وممن ارتضى مسلك الإمام أبي داؤد في هذه الرواية الحافظ أبوعمر بن عبدالبر رحمه الله فقد قال: كما في "تفسير القرطبي" (تفسير القرطبي ۳/۱۳۲) رواية الشافعي لحديث ركانة عن عمه أتم، وقد زاد زيادة لا تردها الأصول فوجب قبولها لثقة ناقليها، والشافعي وعمه وجده أهل بيت ركانة كلهم من بني عبدالمطلب بن عبد مناف، وهم أعلم بالقصة التي عرضت لهم" اهـ

وأما الحافظ بن كثير فيرى: ان الحديث حسن حسبما نقله عنه الشوكاني في "نيل الأوطار" بهذا كله ظهرت قوة رواية نافع بن عجير ... وأما اعلال رواية نافع بن عجير، بدعوى جهالته فلا وجه له لأن نافعًا هذا بعيد من الجهالة إذ هو نافع بن عجير، بن عبد يزيد، بن المطلب، بن عبد مناف القرشي، فاخر وكانة ذكره ابن حبان في الثقات وذكره بعض من صنف في الصحابة. قال الحافظ بن حجر في تهذيب التهذيب: ذكره ابن حبان أيضًا في الصحابة، وكذا ابوالقاسم البغوي وأبو نعيم و أبوموسى في الذيل وغيرهم، وقد بينت أمره في مختصري في الصحابة. ا هـ. ويعني الحافظ مختصره في الصحابة "الإصابة في تمييز الصحابة" وقد ذكره فيه قال: "ذكره البغوي في الصحابة" وذكر له حديثه في "البتة" وتكلم على روايته ثم قال: "وذكره ابن حبان في الصحابة" ا هـ.

وممن جزم بتصحيح أبي داؤد لهذا الحديث المجد بن تيمية في "المنتقى" بشرح نيل الأوطار إلا أنه عزا اليه التحسين والتصحيح معًا ونصه (نيل الأوطار ٦/٢٢٧) "قال ابوداؤد ـ أي في حديث نافع بن عجير ـ هذا حديث حسن صحيح" وفي جزمه هو و ابن العربي والمنذري والقرطبي والحافظ بن حجر بتصحيح أبي داؤد لهذه الرواية الرد على من قال: بأن ابا داؤد لم يحكم بصحة حديث نافع ابن عجير. وإنما قال فيه: هذا أصح من حديث ابن جريج ... الخ، وهذا لا يدل على أن الحديث عنده صحيح، فإن حديث ابن جريج ضعيف، وحديث نافع بن عجير ضعيف، وإنما يعني أبوداؤد أنه أصح الضعيفين عنده" ا هـ.

ومما يقوي حديث نافع بن عجير في البتة صنيع الأئمة الذين أو ردوه في مصنفاتهم في الحديث. فقد قال الدارمي في مسنده: "باب في الطلاق البتة" وقال أبوداؤد ما جاء في "البتة" وقال الترمذي: باب ماجاء في الرجل يطلق امرأته البتة".

الجواب عن حديث ركانة :

أما حديث ركانة فقد ضعف الإمام أحمد بن حنبل جميع طرقه كما ذكره المنذري، وكذلك ضعفه البخاري قال الترمذي في "باب ما جاء في الرجل يطلق امرأته البتة" من سننه بعد أن ساقه من طريق الزبير بن سعيد بن عبدالله بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده قال (مختصر سنن أبي داؤد ٣ / ١٢٢) "وسألت محمداً - يعني البخاري - عن هذا الحديث فقال: فيه اضطراب، ويروى عن عكرمة عن ابن عباس أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً" اهـ. وذكر الترمذي في موضع آخر (جامع الترمذي ٥ / ١٣٢) أن حديث ركانة مضطرب فيه، تارة قيل فيه "ثلاثاً" وتارة قيل فيه "واحدة"

فعلى قول هذين الإمامين أحمد بن حنبل والبخاري لا احتجاج برواية "ثلاثاً" ولا برواية "البتة" بل غاية ما في الأمر أن تساقط الروايتان المتعارضتان فيرجع إلى غيرهما كما ذكره الزرقاني، وعلى غير ذلك المسلك الذي سلكه الإمامان أحمد بن حنبل والبخاري نقول: إن لهذا الحديث روايتين:

أحدهما - عند الإمام أحمد بن حنبل "ثنا سعد بن ابراهيم، ثني أبي عن محمد بن إسحاق، قال: حدثني داؤد بن الحصين، عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو بني مطلب امرأته ثلاثا في مجلس واحد، فحزن عليها حزناً شديداً قال: فسأله رسول الله ﷺ "كيف طلقتها؟" قال: طلقتها ثلاثاً، فقال: "في مجلس واحد؟" قال: نعم. قال "فإنما تلك واحدة، فارجعها إن شئت" قال: فراجعها فكان ابن عباس يرى إنما الطلاق عند كل طهر.

وقد أجيب عن هذه الرواية فقال البيهقي: "إن هذا الإسناد لا تقوم به الحجة مع ثمانية رووا عن ابن عباس رضي الله عنهما فتياه، بخلاف ذلك ومع رواية أولاد ركانة أن طلاق ركانة كان واحدة" يعني البيهقي بأولئك الثمانية

الذين رووا فتيا ابن عباس بخلاف ذلك سعيد بن جبير وعطاء بن أبي رباح، ومجاهد، وعكرمة، وعمرو بن دينار، ومالك ابن الحارث، ومحمد بن إياس ابن البكير، ومعاوية بن أبي عياش الأنصاري، وقد ذكر رواياتهم عنه (السنن الكبرى للبيهقي ۳۳۷/۷) في "باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد في خلاف ذلك" ويعني برواية أولاد ركانة روايتهم أن ركانة إنما طلق امرأته البتة التي جزم أبوداؤد بأنها أصح، لأنهم أهله وهم أعلم بخبره كما سيأتي.

الثانية:

ما أخرجه أبوداؤد في "سننه" قال: حدثنا أحمد بن صالح، نا عبدالرزاق بن جريج، أخبرني بعض بني أبي رافع مولى النبي ﷺ عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة، ونكح امرأة من مزينة، فجاءت النبي ﷺ فقالت: ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ففرق بيني وبينه فأخذت النبي ﷺ حمية فدعا بركانة وإخوته. ثم قال لجلسائه: "أترون فلانا يشبه منه كذا وكذا من عبد يزيد، وفلان يشبه منه كذا وكذا؟!"

قالوا: نعم.

قال النبي ﷺ لعبد يزيد "طلقها" ففعل.

قال: "راجع امرأتك أم ركانة وإخوته" فقال: إني طلقتها ثلاثًا يا رسول الله. قال: "قد علمت راجعها" وتلا: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن...) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱) وقد أجيب عن هذه الرواية بما يلي:

إعلالها بجهالة بعض بني أبي رافع: قال الخطابي (معالم السنن ۲۲٦/۳) "في إسناد هذا الحديث مقال، لأن ابن جريج إنما رواه عن بعض بني أبي رافع ولم يسمه والمجهول لا تقوم به الحجة.

وقال ابن حزم: هذا لا يصح لأنه من غير مسمى من بني أبي رافع، ولا حجة في مجهول، وما نعلم في بني أبي رافع من يحتج به إلا عبيد الله وحده، وسائرهم مجهولون (المحلى - ١٠/١٦٨)

وقال ابن القيم (تهذيب سنن أبي داؤد ٣/١٢١) إن ابن جريج إنما رواه عن بعض بني أبي رافع مولى النبي ﷺ عن عكرمة، عن ابن عباس، ولأبي رافع بنون، ليس فيهم من يحتج به إلا عبيدالله بن أبي رافع، ولا نعلم هل هو هذا أو غيره، ولهذا والله أعلم - رجح أبو داؤد حديث نافع بن عجير عليه. ا هـ.

وقد يقال، بأن في هذا الإعلال نظراً، لأن كلام أبي داؤد في غاية التصريح، بأن ترجيحه لحديث نافع ابن عجير إنما هو لأنهم أهل بيت ركانة وأهل بيت الشخص أعلم بخبره ... وقد استجاز الحافظ زين الدين العراقي أن يكون ذلك المجهول الفضل بن عبدالله بن رافع (المستفاد من مبهمات المتن والاسناد: ٦٦) وتبعه في ذلك ابن حجر في "تقريب التهذيب" والخزرجي في "الخلاصة" لكن ذكر الحافظ بن رجب في "مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة" أن ذلك الرجل الذي لم يسم في رواية عبدالرزاق: هو محمد ابن عبيدالله بن أبي رافع، قال ابن رجب: وهو رجل ضعيف الحديث بالاتفاق، وأحاديثه منكرة، وقيل إنه متروك فسقط هذا الحديث حينئذ. ا هـ.

وأورد له الذهبي في "ميزان الاعتدال" عدة مناكير من روايته عن أبيه عن جده وقال: قال فيه يحيى بن معين: ليس حديثه بشيء، وقال أبو حاتم: منكر الحديث جداً، وقال ابن عدي: هو في عداد شيعة الكوفة. ا هـ.

إن رواية محمد بن ثور الثقة العابد الكبير ليس فيها أنه طلقها ثلاثاً وإنما فيها "إني طلقتها" وهي عندالحاكم في تفسير سورة الطلاق قال الحاكم (المستدرك: ٢/٤٩١): أخبرنا أبو عبدالله محمد بن علي الصنعاني بمكة، ثنا

علي بن المبارك الصنعاني، ثنا يزيد بن المبارك، ثنا محمد بن ثور، عن ابن جريج، عن محمد بن عبيدالله بن أبي رافع مولى النبي ﷺ عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: طلق عبد يزيد أبو ركانة أم ركانة ثم نكح امرأة من مزينة فجاء ت إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها. فأخذت رسول الله ﷺ حمية عند ذلك، فدعا ركانة و إخوته ثم قال لجلسائه: "أترون كذا من كذا؟" فقال رسول الله ﷺ لعبد يزيد "طلقها". ففعل فقال لأبي ركانة: "ارتجعها" فقال: يا رسول الله إني طلقتها ثلاثا فقال رسول الله ﷺ: "قد علمت ذلك فارتجعها" فنزلت: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن) الآية الكريمة من سورة الطلاق ۱) ويرى ابن رجب تقديم رواية محمد بن ثور هذه على رواية عبدالرزاق محتجا بأن عبدالرزاق حدث في آخر عمره بأحاديث منكرة جداً في فضائل أهل البيت وذم غيرهم، قال: وكان له ميل إلى التشيع، وهذا الحكم ما يوافق هوى الشيعة.

أن في حديث ابن جريج غلطاً: لأن عبد يزيد لم يدرك الإسلام، نبه على ذلك الحافظ الذهبي في كتابيه "تلخيص المستدرك" و "التجريد لأسماء الصحابة" وقال (تلخيص المستدرك ۲/۴۹۱) تعقيباً لقول الحاكم في حديث محمد بن ثور عن ابن جريج المتقدم: "هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه" قال محمد أي ابن عبيدالله بن أبي رافع: "واه، والخبر خطأ وعبد يزيد لم يدرك الإسلام" وقال (التجريد ۳۸۸) عبد يزيد بن هاشم بن المطلب بن عبد مناف: أبو ركانة طلق أم ركانة وهذا لا يصح والمعروف أن صاحب القصة ركانة. اهـ.

حمل الحديث على أنه من قبيل الرواية بالمعنى وذلك أن الناس قد اختلفوا في البتة فقال بعضهم: هي ثلاثة، وقال بعضهم: هي واحدة، وكان الراوي

ممن يذهب مذهب الثلاث فحكي انه قال "طلقها ثلاثا" يريد "البتة" التي حكمها عنده حكم الثلاث ذكر ذلك الخطابي (معالم السنن ٣ / ٢٣٣) . وقال النووي في شرح صحيح مسلم "ولعل صاحب هذه الرواية الضعيفة اعتقد أن لفظ "البتة" يقتضي الثلاث فرواه بالمعنى الذي فهمه وغلط في ذلك" اهـ.

ان حديث عبدالرزاق لو صح متنه ليس فيه انه طلقها ثلاثا بكلمة واحدة، فيحمل على انه طلقها ثلاثا في مرات متعددة، وتكون هذه الواقعة قبل حصر عدد الطلاق في الثلاث، ذكر هذا المسلك الحافظ ابن رجب في كتابه "مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة" . .

ان قضية ركانة من باب خصائص النبي ﷺ فان له أن يخص من شاء بما شاء من الاحكام، فقد قال ضمن الأحكام التي خص بها من شاء، قال "وإعادة امرأة أبي ركانة اليه بعد أن طلقها ثلاثا من غير محلل" اهـ.

ان رواية أهل بيت ركانة أن ركانة طلق امرأته البتة اولى بالتقديم على رواية من يروي أنه إنما طلقها ثلاثا وهذا مسلك أبي داؤد و ابن عبدالبر والقرطبي. قال أبوداؤد في "باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث" (سنن أبي داؤد ٦ / ٧، ٥، ٨، ٥) "من سنة" حدثنا أحمد بن صالح، ثنا عبدالرزاق، أخبرنا ابن جريج أخبرني بعض بني أبي رافع مولى النبي ﷺ عن عكرمة مولى ابن عباس عن ابن عباس قال طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة ونكح امرأة من مزينة. فجاءت النبي ﷺ فقالت: ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها، ففرق بيني وبينه، فاخذت النبي ﷺ حمية. . إلى آخر الحديث المتقدم ثم قال: وحديث نافع بن عجير وعبدالله بن علي بن يزيد ابن ركانة عن أبيه عن جده. ان ركانة طلق امرأته البتة فردها إليه النبي ﷺ أصح. لأنهم ولد الرجل وأهله أعلم به. إن ركانة إنما طلق امرأته البتة فجعلها النبي ﷺ

واحدة. اهـ.

وأوضح الأمر غاية الإيضاح في "باب في البتة" فقال: حدثنا ابن السرح، وابراهيم بن خالد الكلبي ابوثور في آخرين: قالوا ثنا محمد بن إدريس الشافعي، حدثني عمي محمد بن علي بن شافع، عن عبدالله بن علي بن السائب عن نافع بن عجير بن عبد يزيد بن ركانة أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة، فأخبر النبي ﷺ بذلك وقال: والله ما أردت إلا واحدة، فقال رسول الله ﷺ: "والله ما أردت إلا واحدة؟" فقال ركانة. والله ما أردت إلا واحدة". فردها إليه رسول الله ﷺ فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان. قال أبوداؤد أوله لفظ ابراهيم، وآخره لفظ ابن السرح... حدثنا محمد بن يونس النسائي، أن عبدالله بن الزبير حدثهم عن محمد بن ادريس، حدثني عمي محمد بن علي عن ابن السائب، عن نافع بن عجير، عن ركانة بن عبد يزيد، عن النبي ﷺ بهذا الحديث.

حدثنا سليمان بن داؤد العتكي، ثنا جرير بن حازم، عن الزبير بن سعيد، عن عبدالله بن علي بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده، أنه طلق امرأته البتة فأتى رسول الله ﷺ.

فقال : "ما أردت؟" قال: واحدة. قال: "آلله؟" قال: آللّٰه. قال: "هو على ما أردت."

قال أبوداؤد: وهذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً لأنهم أهل بيته وهم أعلم به، وحديث ابن جريج رواه عن بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس" اهـ.

وقال ابن عبدالبر في رواية الشافعي (تفسير القرطبي ۳/۱۳۲،۱۳۲)

"رواية الشافعي لحديث ركانة عن عمه أتم، وقد زاد زيادة لا تردها الأصول

فوجب قبولها لثقة ناقليها، والشافعي وعمه وجده أهل بيت ركانة كلهم من بني المطلب بن عبد مناف وهم أعلم بالقصة التي عرضت لهم اهـ.

وقال القرطبي بعد أن ذكر رواية الدارقطني حديث الشافعي من طريق أبي داؤد (تفسير القرطبي ٣/١٣١) فالذي صح من حديث ركانة أنه طلق امرأته البتة لا ثلاثا، و طلاق البتة قد اختلف فيه على ما يأتي بيانه فسقط الاحتجاج بغيره والله أعلم. اهـ.. وممن قوى هذا المسلك الحافظ بن حجر قال (فتح الباري ٩/٢٩٧) "إن أبا داؤد رجح أن ركانة إنما طلق امرأته البتة كما أخرجه هو من طريق آل ركانة وهو تعليل قوي لجواز أن يكون بعض رواته حمل "البتة" على الثلاث فقال "طلقها ثلاثا" فبهذه النكتة يقف الاستدلال بحديث ابن عباس. ولشيخ الإسلام ابن تيمية مناقشة لحديث ركانة هذا، ذكرها في كلامه على المقارنة الاجمالية بين أدلة الفريقين تركنا ذكرها هنا وسنذكر في آخر البحث.

وقد أجاب ابن القيم أيضا عن حديث ركانة فقال (زادالمعاد ٤/١١٥-١١٦، واغاثة اللهفان ١/٣١٥-٣١٦): وأما حديث نافع بن عجير الذي رواه أبو داؤد أن ركانة طلق امرأته البتة فأحلفه رسول الله ﷺ ما أراد إلا واحدة، فمن العجب تقديمهم نافع ابن عجير المجهول الذي لا يعرف حاله البتة، ولا يدري من هو "ولا ما هو" على ابن جريج ومعمر و عبدالله بن طاؤس في قصة أبي الصهباء، وقد شهد إمام الحديث محمد بن اسماعيل البخاري بأن فيه اضطرابا. هكذا قال الترمذي في الجامع، وذكر عنه في مواضع أنه مضطرب، فتارة يقول: "طلقها ثلاثا" وتارة يقول: "واحدة" وتارة يقول: "البتة" وقال الإمام أحمد: وطرقه كلها ضعيفة، وضعفه أيضا البخاري حكاه المنذري عنه. ثم كيف يقدم هذا الحديث المضطرب المجهول رواته على حديث عبدالرزاق عن ابن جريج لجهالة بعض بني أبي رافع، وأبو رافع هذا وأولاده تابعيون وإن كان عبيدالله

أشهرهم، وليس فيهم متهم بالكذب.

وقد روى عنه ابن جريج ومن يقبل رواية المجهول، أو يقول رواية العدل عنه تعديل له فهذا حجة عنده. فأما أن يضعفه ويقدم عليه رواية من هو مثله في الجهالة أو أشد فكلا، فغاية الأمر أن يتساقط روايتا هذين المجهولين ويعدل إلى غيرهما وإذا فعلنا ذلك نظرنا في حديث سعد أبي إبراهيم فوجدناه صحيح الإسناد. وقد زالت علة تدليس محمد بن إسحاق بقوله: "حدثني داؤد بن الحصين" ولكن رواه أبو عبد الله الحاكم في مستدركه وقال إسناده صحيح فوجدنا الحديث لا علة له

وقد احتج أحمد بإسناده في مواضع، وقد صحح هو وغيره بهذا الإسناد بعينه "أن رسول الله ﷺ رد زينب على زوجها أبي العاص بن الربيع بالنكاح الأول ولم يحدث شيئاً" وأما داؤد بن الحصين عن عكرمة فلم تزل الأئمة تحتج به، وقد احتجوا به في حديث "العرايا" فيما شك فيه ولم يجزم به من تقديرها بخمسة أوسق أو دونها. مع كونها على خلاف الأحاديث التي نهي فيها عن بيع الرطب بالتمر فما ذنبه في هذا الحديث سوى رواية ما لا يقولون به وإن قدحتم في عكرمة ولعلكم فاعلون جاءكم ما لا قبل لكم به من التناقض فيما احتججتم به أنتم وأئمة الحديث من روايته، وارتضاه البخاري لإدخال حديثه في صحيحه.

الدليل السادس :

روى الدارقطني من حديث الحسن البصري قال: حدثنا عبد الله أنه طلق امرأته وهي حائض، ثم أراد أن يتبعها بتطليقتين أخريين عند القرءين فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقال: "يا ابن عمر، ما هكذا أمرك الله تعالى، إنك قد أخطأت السنة والسنة أن تستقبل الطهر فتطلق عند ذلك أو أمسك". فقلت يا رسول الله أرأيت لو طلقتها ثلاثاً أكان يحل لي أن أراجعها؟ قال: "لا، كانت تبين منك

وتكون معصية"

واجيب بمعارضته بما رواه الدارقطني في سننه: نا محمد بن أحمد بن يوسف بن يزيد الكوفي ابوبكر ببغداد، وابوبكر أحمد بن دارم، قالا: نا أحمد بن موسى بن اسحاق، نا أحمد بن صبيح الأسدي، نا ظريف ابن ناصح عن معاوية، عن عمار الدهني، عن أبي الزبير، قال: سألت ابن عمر عن رجل طلق امرأته ثلاثا وهي حائض؟ فقال: تعرف ابن عمر؟ قلت: نعم، قال: طلقت امرأتي ثلاثا على عهد رسول الله ﷺ وهي حائض، فردها رسول الله ﷺ إلى السنة

ففيه دليل على أنه طلقها ثلاثا بالفعل وردت إلى الواحدة

وأجاب القرطبي و ابن رجب عن حديث تطليق ابن عمر امرأته ثلاثا وهي حائض ورد النبي ﷺ ذلك إلى السنة. قال القرطبي (تفسير القرطبي ۳/ ۱۳۰): ما نصه: قال الدارقطني أي في رواته كلهم من الشيعة، والمحفوظ أن ابن عمر طلق امرأته واحدة في الحيض قال عبيدالله: وكان تطليقه إياها في الحيض واحدة غير أنه خالف السنة، وكذلك قال صالح بن كيسان وموسى بن عقبة، واسماعيل بن أمية، وليث بن سعد، و ابن أبي ذئب و ابن جريج، وجابر، واسماعيل بن ابراهيم بن عقبة، عن نافع، أن ابن عمر طلق تطليقة واحدة. وكذلك قال الزهري عن سالم، عن أبيه، ويونس بن جبير، والشعبي، والحسن. اهـ كلام القرطبي.

وممن ذكر رواية الليث ابن سعد مسلم بن الحجاج في صحيحه قال: حدثنا يحيى بن يحيى وقتيبة بن سعيد، و ابن رمح، واللفظ ليحيٰى قال قتيبة: حدثنا ليث، وقال الآخران: أخبرنا الليث بن سعد، عن نافع عن عبدالله أنه طلق امرأة له وهي حائض تطليقة واحدة فأمره رسول الله ﷺ أن يراجعها ثم يمسكها حتى تطهر، ثم تحيض عنده حيضة أخرى ثم يمهلها حتى تطهر من حيضتها، فإن أراد أن يطلقها فليطلقها حين تطهر من قبل أن يجامعها، فتلك العدة التي أمر الله أن

يطلق لها النساء. وزاد ابن رمح في روايته وكان عبدالله إذا سئل عن ذلك قال لأحدهم: أما أنت إن طلقت امرأتك مرة أو مرتين فإن رسول الله ﷺ أمرني بهذا، وإن كنت طلقتها ثلاثاً فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيرك وعصيت الله فيما أمرك من طلاق امرأتك.

قال مسلم: جود الليث في قوله "تطليقة واحدة" يعني مسلم بذلك كما بينه النووي أن الليث حفظ وأتقن قدر الطلاق الذي لم يتقنه غيره، ولم يهمله كما أهمله غيره، ولا غلط فيه وجعله ثلاثاً كما غلط فيه غيره.

وقد أطال الدارقطني في سرد الروايات عن الأئمة المذكورين وأتى في ذلك بما لا يدع مجالاً للشك في أن تطليقة ابن عمر لامرأته كانت واحدة. كما صرح النووي في شرح صحيح مسلم، بأن الروايات الصحيحة التي ذكرها مسلم وغيره أن ابن عمر إنما طلق امرأته واحدة.

وقال (جامع العلوم والحكم ۔ ۶ص ۷۵ شرح حديث "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد") الحافظ ابن رجب في الرد على رواية الثلاث أيضاً: قد كان طائف من الناس يعتقدون أن طلاق ابن عمر كان ثلاثاً، وأن النبي ﷺ إنما ردها عليه لأنه لم يوقع الطلاق في الحيض، وقد روى ذلك عن أبي الزبير أيضاً من رواية معاوية بن عمار الدهني عنه. فلعل أبا الزبير اعتقد هذا حقاً فروى تلك اللفظة بالمعنى الذي فهمه، وروى ابن لهيعة هذا الحديث عن أبي الزبير فقال عن جابر أن ابن عمر طلق امرأته وهي حائض، وأخطأ في ذكر جابر في هذا الإسناد. وتفرد بقوله: "فإنها امرأته" ولا يدل على عدم وقوع الطلاق إلا على تقدير أن يكون ثلاثاً، فقد اختلف في هذا الحديث على أبي الزبير. وأصحاب ابن عمر الثقات الحفاظ العارفون به الملازمون له لم يختلف عليهم فيه.

فروى أيوب عن ابن سيرين قال: مكثت عشرين سنة يحدثني من لا

اتهمهم ان ابن عمر طلق امرأته ثلاثًا وهي حائض، فأمره النبي ﷺ أن يراجعها. فجعلت لا أتهمهم ولا أعرف الحديث حتى لقيت أبا غلاب يونس بن جبير وكان ذا ثبت، فحدثني أنه سأل ابن عمر فحدثه أنه طلقها واحدة. خرجه مسلم وفي رواية: قال له ابن سيرين - فجعلت لا أعرف للحديث وجهًا ولا أفهمه. وهذا يدل على أنه كان قد شاع بين الثقات من غير أهل الفقه والعلم. أن طلاق ابن عمر كان ثلاثًا ولعل أبا الزبير من هذا القبيل. ولذلك كان نافع يسأل كثيرًا عن طلاق ابن عمر. هل كان ثلاثًا أو واحدة؟ ولما قدم نافع مكة أرسلوا إليه من مجلس عطاء يسألونه عن ذلك.

واستنكار ابن سيرين لرواية الثلاث يدل على أنه لم يعرف قائلاً معتبرًا يقول: إن الطلاق المحرم غير واقع، وأن هذا القول لا وجه له. قال الإمام أحمد في رواية أبي الحارث، وسئل عمن قال: لا يقع الطلاق المحرم لأنه يخالف ما أمر به فقال: هذا قول سوء رديء، ثم ذكر قصة ابن عمر وأنه احتسب بطلاقه في الحيض وقال أبوعبيدة: الوقوع هو الذي عليه العلماء مجمعون في جميع الأمصار حجازهم وتهامهم ويمنهم وشامهم وعراقهم ومصرهم، وحكى ابن المنذر ذلك عن كل من يحفظ قوله من أهل العلم، إلا ناسًا من أهل البدع لا يعتد بهم.

وقد أجاب ابن القيم عن حديث ابن عمر من رواية الحسن فقال (إغاثة اللهفان ۱/۲۱۸): وأما حديث الحسن عن ابن عمر فهو امثل هذه الأحاديث الضعاف. قال الدارقطني: حدثنا علي بن محمد بن عبدالحافظ، حدثنا محمد بن شاذان الجوهري، حدثنا يعلي بن منصور، حدثنا شعيب بن زريق، أن عطاء الخراساني حدثهم عن الحسن، قال: حدثنا عبدالله بن عمر فذكره وشعيب وثقه الدارقطني، وقال أبوالفتح الأزدي فيه لين وقال البيهقي وقد روى هذا الحديث،

وهذه الزيادات انفرد بها شعيب وقد تكلموا فيه

ولا ريب أن الثقات الأثبات الأئمة رووا حديث ابن عمر فلم يأت أحد منهم بما أتى به شعيب البتة، ولهذا لم يرو حديثه هذا أحد من أصحاب الصحاح، ولا السنن.

الدليل السابع :

روى الدارقطني من حديث ابراهيم بن عبدالله بن عبادة بن الصامت عن أبيه عن جده، قال: "طلق بعض آبائي امرأته ألفا فانطلق بنوه إلى رسول الله ﷺ فقالوا يا رسول الله إن أبانا طلق امرأته ألفا، فهل له من مخرج؟ فقال: "إن أباكم لم يتق الله فيجعل له مخرجا، بانت منه بثلاث على غير السنة وتسعمائة وسبعة وتسعون إثم في عنقه."

قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ١/٣٢٧): وأما حديث عبادة بن الصامت الذي رواه الدارقطني فقد قال عقيب اخراجه: رواته مجهولون وضعفاء، إلا شيخنا وابن عبدالباقي

الدليل الثامن :

روى الدارقطني من حديث حماد بن زيد، حدثنا عبدالعزيز بن صهيب عن أنس قال: سمعت أنس بن مالك يقول، سمعت معاذ بن جبل يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول: "يا معاذ من طلق للبدعة واحدة أو اثنين أو ثلاثا ألزمناه بدعته".

وردبأن في إسناده اسماعيل بن أمية الذراع وهو ضعيف

قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ١/٣٢٧): وأما حديث معاذ بن جبل فلقد وهت مسألة يحتج فيها بمثل هذا الحديث الباطل، والدارقطني إنما رواه للمعرفة وهو أجل من أن يحتج به، وفي إسناده اسماعيل ابن امية القراع، يرويه عن حماد قال الدارقطني بعد روايته: اسماعيل بن أمية ضعيف متروك الحديث.

الدليل التاسع :

روى الدارقطني من حديث زاذان عن علي رضي الله عنه قال: سمع النبي ﷺ رجلا طلق البتة فغضب، وقال: "أتتخذون آيات الله هزوا، أو دين الله هزوا أو لعبا. من طلق البتة ألزمناه ثلاثا، لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره".

ورد هذا (إغاثة اللهفان ۱/۳۱۷) الحديث بأن فيه اسماعيل بن أمية القرشي، قال فيه الدارقطني كوفي ضعيف. وقال ابن القيم: قلت وفي اسناده مجاهيل وضعفاء.

وأما الاجماع فقد نقله كثير من العلماء في مسألة النزاع وقالوا إنه مقدم على خبر الواحد، قال الشافعي: الاجماع أكثر من الخبر المنفرد. وذلك أن الخبر يجوز الخطأ والوهم على راويه بخلاف الاجماع فإنه معصوم... وممن حكى الاجماع على لزوم الثلاث في الطلاق بكلمة واحدة، أبوبكر الرازي، والباجي، و ابن العربي و ابن رجب.

قال أبوبكر الرازي (أحكام القرآن ۱/۴۵۹): فالكتاب والسنة واجماع السلف توجب ايقاع الثلاث معا و إن كان معصية.

وقال الباجي: من أوقع الطلاق الثلاث بلفظة واحدة لزمه ما أوقعه من الثلاث وبه قال جماعة الفقهاء، وحكى القاضي أبومحمد في اشرافه عن بعض المبتدعة يلزمه طلقة واحدة، وعن بعض أهل الظاهر لا يلزمه شيء وإنما يروى هذا عن الحجاج بن ارطاة و محمد بن اسحاق، والدليل على ما نقوله: اجماع الصحابة لأن هذا مروى عن ابن عمر و عمران بن حصين، و عبدالله بن مسعود و ابن عباس و أبي هريرة، و عائشة رضي الله تعالى عنهم ولا مخالف لهم وما روى عن ابن عباس في ذلك من رواية طاؤس، قال فيه بعض المحدثين وهم، وقد روى ابن طاؤس عن أبيه وكذا عن ابن وهب خلاف ذلك، وإنما وقع الوهم في

التأويل. اهـ. (المنتقى ٤/٣)

وقال القاضي أبوبكر بن العربي في ضمن أجوبته عن حديث ابن عباس قال: إنه حديث مختلف في صحته فكيف يقدم على إجماع الأمة، ولم يعرف لها في هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين وقد سبق العصران الكريمان، والاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رووا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم نقل العدل عن العدل، ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبدًا. اهـ. (الناسخ والمنسوخ)

وقال بعد ما بين أن المراد بالطلاق في الآية الكريمة (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة. ٢٢٩) المشروع قال: قد نقول بأن غيره ليس بمشروع لو لا تظاهر الأخبار (أحكام القرآن ١/٨١) وقال ابن رجب في "بيان مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة": "اعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد" اهـ.

وقد أجاب ابن القيم عن الاستدلال بالاجماع مبيّنًا وجوه نقضه فقال:

وبيان هذا من وجوه:

أحدها :

ما رواه أبوداود وغيره من حديث حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما "إذا قال: أنت طالق ثلاثًا بفم واحد، فهي واحدة" وهذا الإسناد على شرط البخاري ... وقال عبدالرزاق: أخبرنا معمر عن أيوب قال: دخل الحكم بن عيينة على الزهري بمكة، وأنا معهم، فسألوه عن البكر تطلق ثلاثًا؟ فقال: سئل عن ذلك ابن عباس، وأبوهريرة، وعبدالله بن عمرو، فكلهم

قالوا: لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، قال: فخرج الحكم وأنا معه فأتى طاوساً وهو في المسجد، فأكب عليه فسأله عن قول ابن عباس فيها، وأخبره بقول الزهري، قال: فرأيت طاوساً رفع يديه تعجباً من ذلك وقال: والله ما كان ابن عباس يجعلها إلا واحدة.

أخبرنا ابن جريج قال: وأخبرني حسن بن مسلم عن ابن شهاب أن ابن عباس قال: "إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، ولم يجمع، كن ثلاثاً، قال: فأخبرت طاوساً، فقال: أشهد ما كان ابن عباس يراهن إلا واحدة".

فقوله: "إذا طلق ثلاثاً ولم يجمع كن ثلاثاً" أي إذا كن متفرقات، فدل على أنه إذا جمعهن كانت واحدة. وهذا هو الذي حلف عليه طاوس أن ابن عباس كان يجعله واحدة. ونحن لا نشك أن ابن عباس صح عنه خلاف ذلك، وأنها ثلاث. فهما روايتان ثابتتان عن ابن عباس بلا شك.

الوجه الثاني :

أن هذا مذهب طاوس، قال عبدالرزاق: أخبرنا ابن جريج عن ابن طاوس عن أبيه أنه كان لا يرى طلاقاً ما خالف وجه الطلاق. ووجه العدة، وأنه كان يقول: يطلقها واحدة، ثم يدعها حتى تنقضي عدتها. وقال ابوبكر بن أبي شيبة: حدثنا اسماعيل بن علية عن ليث عن طاوس وعطاء أنهما قالا: "إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فهي واحدة".

الوجه الثالث :

أنه قول عطاء بن أبي رباح. قال ابن أبي شيبة: حدثنا محمد بن بشر، حدثنا اسماعيل عن قتادة عن طاوس وعطاء وجابر بن زيد أنهم قالوا: "إذا طلقها ثلاثاً قبل أن يدخل بها فهي واحدة.

الوجه الرابع :

أنه قول جابر بن زيد كما تقدم.

الوجه الخامس :

أن هذا مذهب محمد بن إسحاق عن داؤد بن الحصين، حكاه عنه الإمام أحمد في رواية الأثرم، ولفظه "حدثنا سعيد بن إبراهيم عن أبيه عن ابن إسحاق عن داؤد بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس "أن ركانة طلق امرأته ثلاثا، فجعلها النبي ﷺ واحدة" قال أبو عبدالله "وكان هذا مذهب ابن إسحاق، يقول: خالف السنة، فيرد إلى السنة".

الوجه السادس :

أنه مذهب إسحاق بن راهويه في البكر. قال محمد بن نصر المروزي في كتاب "اختلاف العلماء" له: وكان إسحاق يقول. طلاق الثلاث للبكر واحدة، وتأول حديث طاؤس عن ابن عباس "كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر و عمر يجعل واحدة" على هذا، قال "فإن قال لها ولم يدخل بها أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فإن سفيان وأصحاب الرأي، والشافعي، وأحمد، وأبا عبيد قالوا: بانت منه بالأولى، وليست الثنتان بشيء، لأن غير المدخول بها تبين بواحدة، ولا عدة عليها."

وقال مالك، وربيعة، وأهل المدينة، والأوزاعي، و ابن أبي ليلى إذا قال لها ثلاث مرات أنت طالق، نسقا متتابعة، حرمت عليه حتى تنكح زوجا غيره. فإن هو سكت بين التطليقتين، بانت بالأولى ولم تلحقها الثانية" فصار في وقوع الثلاث بغير المدخول بها ثلاثة مذاهب للصحابة والتابعين، ومن بعدهم:

أحدها : أنها واحدة، سواء قالها بلفظ واحد، أو بثلاثة ألفاظ.

الثاني : أنها ثلاث، سواء أوقع الثلاث بلفظ واحد، أو بثلاثة ألفاظ.

کا صحیح محمل بیان کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کے لئے آخری دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کا قدر مشترک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خود دراز رستوں پر عاشر مقرر کئے اور انہیں لکھا کہ جو مسلمان ذمی یا حربی، جو تمہارے پاس سے گزرے اس سے زکوٰۃ و ٹیکس وصول کرو۔ باب العاشر میں دیگر فقہاء و محدثین نے بھی یہی طرز عمل اختیار کیا ہے۔ مثلاً امام بیہقی وغیرہ! لہٰذا صاحب مضمون کی توجیہ کرتے ہیں اور حدیث عمرؓ سے "تقرر عاشر" کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ جس کا جی چاہے کتابیں کھول کر دیکھ لے۔ امام طحاویؒ دلیل نقلی پیش کرنے کے بعد حسب عادت اپنے دعویٰ کو قیاس و نظر سے مبرھن فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سائمہ اور شارع کی وصولی زکوٰۃ میں کوئی اختلاف نہیں، اسی طرح ایسے سونے اور چاندی اور اموال تجارت کی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ جو بیرون شہر ہونے میں سائمہ کے مشابہ ہوں۔۔۔

جس دعویٰ کے لئے آثار عمر بن رضی اللہ عنہما سے استدلال کیا ہے قیاس و نظر سے بھی اسی دعویٰ کی تائید کی جائے گی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ احادیث باب سے تو عاشر علی العاشر کی وصولی زکوٰۃ کا جواز ثابت کریں اور "نظر" سے گھروں اور دکانوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ کا مسئلہ چھیڑ دیں۔ یہ تو صحیح وجہ بطریق النظر کی تعبیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ جو مسئلہ احادیث سے ثابت کر چکے ہیں۔ اسی کی دلیل نظری بیان کرنا چاہتے ہیں اور وہ مسئلہ عاشر علی العاشر سے وصولی زکوٰۃ کا مسئلہ ہے نہ کہ تمام اموال تجارت کا۔۔۔

امام طحاویؒ کی طرح دیگر حضرات فقہاء کرام نے بھی عاشر پر لے جائے گئے اموال تجارت کو سائمہ پر قیاس کرتے ہوئے انہیں مال ظاہر قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ وجہ شبہ اور علت جامعہ ان دونوں کا شہر سے باہر پایا جانا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر کاسانیؒ فرماتے ہیں۔۔۔

وكذا المال الباطن اذا مر به التاجر على العاشر كان له ان يأخذ في الجملة لانه لما سافر به واخرجه من العمران صار ظاهرا والتحق بالسوائم (ص ۳۵/۲)

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں۔۔۔

ثم اسم العين لخروج المال للتجارة الى المفازة فقد احتاج الى حماية الامام فيثبت له حق اخذ الزكوة منه كما في السوائم۔۔۔

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے باب میں مواشی پر جس مال تجارت کو قیاس کیا گیا ہے وہ ایسا مال تجارت ہے جسے تاجر لے کر عاشر کے پاس سے گزرے۔ مطلقاً مال تجارت نہیں اور وجہ قیاس اور علت الحاق شہر سے باہر نکالا ہوا مال کا امام کی حمایت میں آ جانا ہے۔ اور اموال ظاہرہ کی وصولی زکوٰۃ کا حق امام کو حاصل ہے جیسے امام طحاویؒ بھی یہی مسئلہ بیان فرما رہے ہیں۔ غرض دلالت سیاق و سباق و دیگر قرائن کی بنا پر پورے

وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ امام طحاویؒ کی اس عبارت سے مراد "مامر علی العاشر" ہے۔ شہری اموال تجارت کو سونا چاندی نہیں ——

احادیث الباب کی اس قطعی دلالت کے علاوہ زیر بحث عبارت کو مطلق سمجھنے میں ایک محذور یہ بھی ہے کہ حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات کی مخالفت لازم آئے گی کیونکہ شہری اموال کی وصولی زکوٰۃ کے لئے عامل مقرر کرنے کا کوئی امام قائل نہیں۔ حتیٰ کہ عہد رسالت و خلافت شیخین میں بھی اس غرض کے لئے مصلین کا تقرر عمل میں نہیں لایا گیا۔ امام ابو بکر جصاص رازی، امام السرخسیؒ کے حوالے سے پہلے یہ بات ہم نقل کر چکے ہیں۔ امام طحاویؒ ان حقائق سے بے خبر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور خلاف اجماع بات کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مذہب بھی قرار دے رہے ہیں۔ فیا سبحان اللہ! ائمہ ثلاثہ کا مذہب اس بارے میں سورج کی طرح واضح ہے۔ جسے تمام فقہاء نے نقل کیا ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ اندرون شہر حکومت وصول نہیں کر سکتی۔ اگر بفرض امام طحاویؒ کی رائے اس کے خلاف ہوتی تو وہ اسے مذہب ائمہ ثلاثہ قرار نہ دیتے بلکہ اپنی انفرادی رائے کی حیثیت سے پیش کرتے جیسا کہ بعض دوسرے مقامات پر امام طحاویؒ ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں!! جبکہ کسی اور فقیہ نے بھی اس مسئلہ میں امام طحاوی کا اپنے ائمہ سے اختلاف ذکر نہیں کیا! تعجب ہے کہ اگر ان حضرات ائمہ کا مذہب وہی ہوتا جس کی نشاندہی بقول البلاغ امام طحاویؒ کر رہے ہیں تو کتب فقہ میں بالاتفاق جو نقل ہوتا چلا آرہا ہے وہ کس کا مذہب ہے ——؟

تو مؤدبانہ گزارش ہے کہ مندرجہ بالا سب محذورات زیر بحث عبارت کو مطلق سمجھ لینے سے لازم آتے ہیں۔ لیکن جب اس اطلاق کو سیاق و سباق و دیگر قرائن کی روشنی میں مامر علی العاشر کے ساتھ مقید کر دیا جائے۔ جیسا کہ واقعۃً ایسا ہی ہے۔ تو اس سے مخالفت اجماع لازم آتی ہے نہ اپنے ائمہ ثلاثہ کے مذہب کا حوالہ غلط قرار پاتا ہے۔ نہ ہی کوئی دوسرا محذور لازم آتا ہے۔ اس صحیح و سلامتی کے راستے کو چھوڑ کر اپنی طرف سے ایک بات امام طحاویؒ کے ذمہ لگانا انصاف سے بعید ہے۔ سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر امام طحاویؒ کی عبارت کو شہری اموال کے بارے میں بھی عام رکھا جائے تو اس کے لئے امام طحاویؒ کا مستدل کیا ہوگا اور وہ کہاں ہے جبکہ احادیث الباب تو سب کی سب مامر علی العاشر کے بارے میں تقریباً صریح ہیں ——

خود امام طحاویؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ باب عاشر اور ان کی یہ ساری بحث ان اموال کے متعلق ہے۔ جو عاشر کے پاس سے لے کر گزریں۔ حدیث: ——

لیس علی المسلمین عشور انما العشور علی الیہود والنصاریٰ: کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ان المسلمین لا یجب علیہم جبر وہم علی العاشر فی اموالہم مالم یکن وجبا

عليهم ولو لم يمر بها عليهم لأن عليهم الزكوة على أي حال كانوا عليها واليهود والنصارى لو لم يمروا بها لم تلزمهم على العاشر لم يجب عليهم فيه شيء فالذي رفع عن المسلمين هو الذي يوجب المرور بها على العاشر ولم يرفع ذلك عن اليهود والنصارى ۔

امام طحاوی حدیث کی شرح کرتے ہوئے ایک ہی عبارت میں بار بار عاشر کے پاس سے مال لے کر گزرنے کی تصریح فرما رہے ہیں۔ بڑی واضح تصریحات کی موجودگی میں امام طحاوی کی پہلی عبارت کو مطلق سمجھ لینا باعث حیرانی ہے۔ مرادش الہ مثری کی تصریح کے باوجود دعویٰ یہ کیا جا رہا ہے کہ خروج عن المصر کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی۔ تعجب پر تعجب ہے کہ عبارت طحاوی کو اس صریح قید سے مقید کرنے پر تو راضی نہیں لیکن ایک خیالی قید جو ان کی سمجھ میں آئی ہے (یعنی حضرت گنگوہی) اس کے ساتھ طحاوی کی عبارت کو مقید فرما رہے ہیں۔ حالانکہ امام طحاوی نے اس باب بلکہ پوری کتاب الزکوۃ میں صراحۃً تو کجا اشارۃً بھی اس خیالی قید کا ذکر نہیں کیا۔ یہ طرز عمل ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ سیاق و سباق میں مذکور صریح قید سے تو قطع نظر کیا جائے اور خارج سے ایک قید برآمد کی جائے۔ جس کا امام طحاوی رحمہ اللہ کی پوری کتاب میں کوئی نشان نہیں جبکہ اس قید کا وجود خارجی بھی اس وقت تک محل بحث بنا ہوا ہے ۔

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں

زکوٰۃ کی نجی ادائیگی بھی معتبر تھی

ایک قول کے مطابق زکوٰۃ کی فرضیت مکی ہے کیونکہ سورۃ مزمل کی آخری آیت میں وآتوا الزکوٰۃ کا حکم موجود ہے لیکن جمہور علماء قائل ہیں کہ زکوٰۃ سنہ ۲ھ میں صدقۂ فطر کے بعد فرض ہوئی (کما حققہ الحافظ فی الفتح) ابتداء اسلام میں لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ لا کر خدمت نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں پیش کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے ان کے لئے بے ساختہ دعائیں نکلتی تھیں، چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خدمت نبوی میں زکوٰۃ پیش کرنے کو اپنے لئے صلوات الرسول اور قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے و یتخذ ما ینفق قربات عند اللہ وصلوات الرسول الا انہا قربۃ لہم (توبہ آیت ۹۹)

ترجمہ: ۔ اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ خبردار بے شک وہ ان کے لیے نزدیکی کا سبب ہے۔

اسی طرح علانیہ زکوٰۃ ادا کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ کوئی عمل اگر اجتماعی شکل میں معاشرے کے اندر رواج پا جاتا ہے تو اس کا ترک کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز با جماعت کے مصالح میں سے ایک بڑی مصلحت یہی تحریر فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں ہجرت کر کے آنے والے نادار اور دیگر فقراء صحابہؓ کا ایک مجمع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام پذیر رہتا تھا۔ یہ لوگ مصارف زکوٰۃ تھے۔ اور اسی نوعیت کی دیگر مصالح کے پیش نظر حضرات صحابہ کرام اپنے صدقات خدمت اقدس میں لا کر پیش کرتے تھے اور یہ سارا نظام زکوٰۃ طوع و رغبت پر مبنی تھا کسی پر کوئی جبر نہ تھا۔ صرف صدقات واجبہ ہی نہیں بلکہ نفلی صدقات میں بھی ان حضرات کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ یہ بھی خدمت نبوی میں پیش کئے جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جہاں مناسب ہو خرچ فرمائیں۔ لن تنالوا البر آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت طلحہؓ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ ان اللہ تعالیٰ یقول لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون وان احب مالی الی بیرحاء وانہا صدقۃ للہ تعالیٰ ارجو برہا وذخرہا عند اللہ تعالیٰ فضعہا یا رسول اللہ حیث اراک اللہ الحدیث (مشکوٰۃ ص ۱۶۸)

ترجمہ: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون اور مجھے اپنے مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ بیرحاء ہے اور وہ اللہ کے لئے صدقہ ہے مجھے امید ہے کہ وہ میرے لئے اللہ کے ہاں ذخیرہ ہے تو جیسے اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق سمجھیں جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔

اور غزوۂ تبوک سے تخلف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبول توبہ کی خوشخبری ملنے کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا مال صدقہ کر دیا تھا اور اسی کا اعلان خدمت نبوی میں حاضر ہو کر ان الفاظ میں کیا تھا: توبتی ان انخلع من مالی صدقۃ الی اللہ والی رسولہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امسک علیک بعض مالک فہو خیر لک (مسلم ج ۲)

اور حسب ضرورت اپنے طور پر بھی حضرات صحابہ زکوٰۃ ادا فرماتے تھے۔ فرضیت زکوٰۃ کے ابتدائی سالوں میں دونوں طرح سے زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی ہوتی رہی یعنی نجی طور پر بھی زکوٰۃ دی جاتی تھی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھی پیش کر دی جاتی تھی۔ ۸ سالوں کے بعد ۹ھ میں آیت کریمہ خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم الآیۃ نازل ہوئی تو اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مواشی اور پھلوں کی زکوٰۃ کی وصولی کے لئے مزید سطح پر انتظامات کئے گئے محصلین کا تقرر ہوا اور انہیں وصولی زکوٰۃ کے لئے بیرون شہر جنگلوں اور کھیتوں میں بھیجا گیا لیکن اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اندرون شہر کسی محصل کا بھیجا ثابت نہیں۔ امام جصاص رازی فرماتے ہیں:

"ولم یبلغنا انہ بعث سعاۃ علی زکوٰۃ الاموال کما بعثہم علی صدقات المواشی والثمار وفی ذلک دلالۃ" (احکام القرآن ص ۱۵۳ ج ۳)

خلافت راشدہ میں بھی اس پر عمل جاری رہا۔ آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مالکان کو اپنے اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کرنے کا اعلان فرما دیا۔ ان زکوٰۃ دہندگان میں فقراء و مساکین

وغیرہ کا حق ہے اور سرکاری سطح پر وصول فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نہ بحیثیت رکن تھی نہ بحیثیت شرط اسی لئے حضرات صحابۂ کرام نے حضرت عثمانؓ کے اس اعلان کو بلا تردد قبول کیا چنانچہ حضرات ائمہ وفقہاء نے لکھا ہے کہ اعلانِ عثمان سے امام کا وصولِ زکوٰۃ کا عرفی حق جیسا کچھ تھا، ختم ہو گیا۔ اب عام حالات میں سرکاری سطح پر اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا امام کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ اسقاطِ حق خلیفۂ راشد کا فیصلہ ہے۔ جس کی اتباع اُمت پر لازم ہے۔ امام ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں:

ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤده ثم ليزك بقية ماله فجعل لهم اداءها الى المساكين وسقط من اجل ذلك حق الامام في اخذها لانه عقد عقده امام من ائمة العدل فهو نافذ على الامة لقوله عليه السلام ويعقد عليهم اولهم۔ (احکام القرآن ج ۳ ص۱۵۳)

واضح رہے اس حق سے مراد ایسا عرفی استحقاق ہے جو عہدِ نبوت سے لیکر خلافتِ عثمان کے وسط تک کے مسلسل تعامل سے ظاہر ہو رہا تھا کیونکہ اس عرصہ میں مسلمین اپنی زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے پاس جمع کراتے تھے۔ اگرچہ بعض حضرات اپنے طور پر بھی غرباء و مساکین کو ادا کرتے تھے۔ کما سیأتی۔

حق ساقط ہو گیا: صرف امام جصاصؒ ہی نے نہیں بلکہ تمام فقہاء نے متفقہ طور پر یہی تحریر فرمایا ہے کہ خلافتِ عثمانؓ کے بعد امام کو اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں رہا ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ متعدد کتب کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

ليس للسلطان ولاية اخذ زكوٰة الاموال الباطنة فلم يصح اخذه كذا في الواقعات والتجنيس والولوالجية (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۹)

ترجمہ: بادشاہ کو اموالِ باطنہ سے وصولِ زکوٰۃ کا اختیار نہیں پس اس کا وصول کرنا صحیح نہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے:

إن السلطان له ولاية الجبر في الاموال الظاهرة لا في الاموال الباطنة۔ (اعلاء السنن ج ۹ ص ...)

ترجمہ: بادشاہ کو جبراً وصول کا حق اموال ظاہرہ میں ہے اموال باطنہ میں نہیں

زکوٰۃ ادا نہ ہوگی : بلکہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ عام حالات میں اگر اموال باطنہ کی زکوٰۃ جبری طور پہ وصول کریگا۔ تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ امام ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

ولهذا قلنا انه ليس للامام ان يأخذ الزكاة من صاحب المال من غير اذنه جبراً ولو اخذ لا تسقط عنه الزكاة ـ

(بدائع ج ۲ ص۳۵ وهكذا في البحر ص۲۲۶ ج۲)

ترجمہ: امام کو یہ حق نہیں کہ صاحب مال سے جبراً اسکی اجازت کے بغیر زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ ویسے وصول کریگا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

آگے چل کر ایک دوسرے مسئلہ کے ضمن میں امام موصوف لکھتے ہیں :

بخلاف الزكاة فان الامام لا يملك الاخذ جبراً وان اخذ لا تسقط الزكاة عن صاحب المال (بدائع ص۵۶ ج۲)

ترجمہ: زکوٰۃ کا مسئلہ ایسا نہیں، کیونکہ امام جبراً وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا، اور اگر زبردستی وصول کریگا تو مالدار کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

خود ارباب مال کی ذمہ داری ہے : شہر میں ہوتے ہوئے اموال باطنہ کی زکوٰۃ ادا کرنا خود ارباب مال کی ذمہ داری ہے، امام کو ان میں وصولیٔ زکوٰۃ کا حق نہیں ... ہاں جب یہ اموال شہر سے باہر لائے جائیں، اس وقت وصولیٔ زکوٰۃ کے اختیارات امام کیطرف منتقل ہو جائیں گے کیونکہ اب یہ "اموال ظاہرہ" میں شامل ہو جائیں گے۔

علامہ محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :

لان ولاية الاداء بنفسه انما كان في الاموال الباطنة حال كونها

ترجمہ: بذات خود زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار "اموال باطنہ" میں صرف شہر میں موجود ہونے کی حالت میں ہے۔

في المصر و بعد خروجه انتقلت الولاية الى الامام (فتح القدير ج ۲)

ترجمہ: اور شہر سے نکلنے کے ساتھ ہی یہ اختیار امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(۲) امام قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح جامع صغیر میں تصریح فرماتے ہیں:

انما تثبت ولاية المطالبة للامام بعد الاخراج الى المفازة اھ

(بحوالہ شامی ج ۲ ص ۴۳)

ترجمہ: اموال باطنہ میں امام کو مطالبۂ زکوٰۃ کے اختیارات تجارتی اموال کو صرف بیرون شہر لیجانے ہی کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں، اس کے بغیر نہیں (کیونکہ ایسی صورت میں یہ "اموال باطنہ" نہیں رہتے بلکہ اموال ظاہرہ بن جاتے ہیں)

اجماع صحابہؓ

اموال باطنہ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا حق امام کو نہ ہونے پر صحابہؓ کا اجماع ہو چکا ہے۔ امام کے وصول کرنے کو اجماع صحابہؓ کے خلاف قرار دیتے ہوئے امام کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اذا اراد الامام ان يأخذ بنفسه من غير تهمة المزكي من اربابها ليس له ذلك لما فيه من مخالفة اجماع الصحابة رضي الله عنهم (بدائع ص ج ۲)

ترجمہ: جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مالداروں سے زکوٰۃ خود وصول کرے جبکہ ان پر ترک ادائے زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اسے ایسا کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ اس میں اجماع صحابہؓ کی مخالفت ہے۔

ازالۂ شبہ:

امام کاسانیؒ کے دعوی اجماع کے بارے میں اگر کسی کو بعض صحابہؓ کے اختلاف کا شبہ ہو تو وہ شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے کلام سے زائل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معنی اجماع این نیست کہ ہمہ مجتہدین لایشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند بلکہ معنی اجماع حکم خلیفہ است بچیزے بعد مشاورۃ ذوی الرائے یا بغیر آں و نفاذ آں حکم تا آنکہ شائع شد و در عالم متمکن گشت۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی

سنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی الحدیث (ازالۃ الخفاء ص۲۱)

ان تصریحات سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ خلافتِ عثمانی کے بعد سے امام کا وصولیٔ زکوٰۃ کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ عام حالات میں "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار اسے حاصل نہیں رہا۔ مگر اس کے باوجود بھی بعض حضرات کو شبہ ہو گیا ہے کہ امام کا یہ وصولیٔ زکوٰۃ کا حق ساقط نہیں ہوا۔ اور ایسا نہیں کہ وہ اب زکوٰۃ وصول کرنا چاہے تو وصول نہیں کر سکتا۔ گویا کہ امام عملاً بھی وصولیٔ زکوٰۃ جب چاہے شروع کر سکتا ہے۔

حضرات ائمہ کرام اور فقہاء کے علاوہ حضرت امام ابوبکر جصاص رازیؒ۔ امام ابوبکر کاسانیؒ، علامہ محقق ابن ہمامؒ۔ امام الفقہاء قاضی خانؒ۔ علامہ ابن نجیمؒ وغیرہ اساطینِ اُمّت کی سابقہ عبارات کی روشنی میں اس شبہ کا بے دلیل اور غلط ہونا ظاہر ہے۔ ان حضرات نے تصریح فرما دی ہے کہ امام کا یہ حق ساقط ہو چکا ہے۔ امام کا اب اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا اجماعِ صحابہؓ کے خلاف ہے۔ عام حالات میں امام کو یہ اختیارات نہیں ہیں۔ اور وصول کرنے کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔

تہمتِ ترک: واضح رہے کہ اس وقت بحث صرف اس میں ہے کہ بغیر تہمتِ ترک عام حالات میں امام کو "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات ابھی نقل کی جا چکی ہیں کہ "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں۔ بصورتِ وصولی مالکان کی زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ وغیر ذالک۔ اور بعض فقہاء کی عبارات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کا حق بالکلیہ ساقط نہیں ہوا۔ اس کا ثمرہ صرف یہ ہے کہ تہمتِ ترک کی صورت میں امام ادائے زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا امام کا یہ حق عام حالات میں ساقط ہو چکا ہے۔ اور تہمتِ ترک کی صورت میں یہ حق عود کرتا ہے۔ پس بالکلیہ ساقط نہ ہونے کا یہی معنی ہے۔ الغرض سقوطِ حق عام حالات میں ہے اور اس کا عود کرنا ایک خاص حالت میں ہے۔ پس ان باتوں میں کوئی منافات ہے اور نہ ہی ان عبارتوں کو لے کر حکومت کے لئے عمومی حق ثابت کرنا درست ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر کاسانیؒ نے ایک ہی مقام پر دونوں باتوں کی صراحت کر دی ہے۔ تہمتِ ترک کی صورت میں مطالبۂ زکوٰۃ کا حق بھی امام کے لئے تسلیم کیا ہے اور بدون اس کے وصولیٔ زکوٰۃ کو اجماعِ صحابہؓ کے خلاف بھی قرار دیا ہے۔ بدائع میں ہے:

ان الامام اذا علم من اهل بلدة انهم يتركون اداء الزكوٰة من الاموال الباطنة فانه يطالبهم بها لكن اذا اراد الامام ان يأخذه بنفسه من غير تهمة الترك من اربابها ليس له ذلك لما فيه من مخالفة اجماع الصحابة رضي الله عنهم (البدائع ج۲)

ترجمہ: کسی شہر والوں کے متعلق جب امام کو معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی ترک کر دی ہے تو وہ ان سے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مال والوں سے زکوٰۃ خود وصول کرے۔ جبکہ ان پر ترک اداء زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں کیونکہ یہ اجماع صحابہؓ کے خلاف ہے۔

قابلِ غور: لوگوں کے فریضۂ زکوٰۃ ترک کر دینے کی صورت میں امام کو مطالبۂ زکوٰۃ کا جو حق رہتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر قابلِ غور ہے کہ آیا یہ وہی حق ہے جو ساقط ہو گیا تھا، یا یہ دوسری نوعیت کا ایک عمومی حق ہے جو فرائض و شعائرِ اسلام کی توہین یا انہیں ترک کر دینے کی صورت میں امام کو حاصل ہوتا ہے۔ الغرض ترکِ زکوٰۃ کی صورت میں یہ حق، امام دوسری نوعیت کا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص بے نماز ہے تو حکومت کو اس کی گرفتاری اور حبسِ دوام کی سزا دینے کا حق حاصل ہے۔ الا یہ کہ وہ توبہ کرے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں بلا عذر علانیہ کھاتا پیتا ہے تو حکومت کو اسے سخت ترین سزا دینے کے اختیارات ہیں۔ بلکہ امام محمدؒ نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ اگر امام کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے اذان کی سنت ترک کر دی ہے تو تائب نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں کے ساتھ قتال واجب ہے ــــ گویا کہ نماز، روزہ، اذان کی بجائے اعلان شعائرِ اسلام کو قائم کرنے کے لئے جبر و قتال تک کی اجازت ہے۔ بلکہ واجب ہے تو ترکِ فریضۂ زکوٰۃ کی صورت میں بھی اس فریضہ کو بحال کرنے کے اختیارات ویسے ہی ہیں جیسے کہ مذکورہ بالا فرائض کی اقامت کے سلسلہ میں امام کو حاصل ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص حالات میں امام کے یہ اختیارات امر بالمعروف کے قبیل سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تارکِ زکوٰۃ کی زکوٰۃ امام خود وصول نہیں کرے گا۔ بلکہ بذریعہ قید و بند اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود ادا کرے۔ اسی صورت کے بارے میں علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:

وفي البحر انه لو امتنع من ادائها فالساعي لا يأخذ منه كرهاً ولو اخذ لا يقع عن الزكاة لكونها بلا اختيار ولكن يجبره بالحبس ليؤدي بنفسه لان الاكراه لا يسلب الاختيار بل الطواعية فيتحقق الاداء عن اختيار كذا في المحيط (ج ۲ ص ۲۲۲)

مطالبہ امام: ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ بصورت ترک کی صورت میں امام لوگوں سے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب سمجھنے میں بعض تسامح ہوا ہے۔

واضح رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صورت بالا میں امام کو جبری تحویل یا لوگوں کے اموال پر تمام زکوٰۃ زبردستی قبضہ کر لینے کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام عذاب اخروی اور دنیوی سزا یاد دلا کر اولاً فہمائش کرے گا۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

والواجب ان يعظ الامام من منع الزكاة و يوبخه اھ

اگر فہمائش کے باوجود یہ شخص یا لوگ زکوٰۃ ادا نہ کریں تو تعزیراً اسے سزا دے اور جیل بھیج دے تاوقتیکہ وہ اپنی زکوٰۃ ادا نہ کر دے۔ کمایجی ہے:

وفي التفريق ان وقف على اهل بلدة لا يؤدون زكاة الاموال الباطنة طالبهم وكذا من عرف بذلك ضرب و طولب بالاداء

وفي الاشارات اذا امتنع عن اداء الزكاة يحبس حتى يؤدي (ص ۱۸۲)

بحرالرائق میں بھی ایسے ہی ہے کہ ایسے ممتنع کے مال پر بغرض زکوٰۃ جبراً قبضہ کر لینا درست نہیں بلکہ اسے قید کر دیا جائے گا تاوقتیکہ وہ خود زکوٰۃ ادا کرے۔ حوالہ ابھی گزر چکا ہے۔

ٹیکس اور زکوٰۃ: اور یہ مقصد شریعت کے عین مطابق ہے کیونکہ عبادات میں اصل یہ ہے کہ لوگ باختیار خود انہیں بجا لائیں۔ مخلوق کو صراط مستقیم پر چلانا مطلوب ہے۔ جمع مال مقصود نہیں۔ ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں یہ ایک بنیادی فرق ہے۔ ٹیکس میں مقصود صرف حصول مال ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ میں فعل مکلف کا پایا جانا ضروری ہے۔ وصول مال ثانوی درجے میں ہے۔ بعض امراء بنو امیہ نے نو مسلموں سے

جزیہ کی وصولی کو بحال رکھا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عامل کو لکھا :

اما بعد فان اللہ تعالیٰ قد بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم داعیاً ولم یبعثہ جابیاً فاذا اتاک کتابی ھذا فارفع الجزیۃ عمن اسلم من اھل الذمۃ (زادیعسر ص۲۲۲ ج ۳)

اور لوگوں کو فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کا عادی بنانا جبری کٹوتی کے اعلان سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالکان کا فعل پایا جانا ضروری ہے۔ کہ اس فعل میں قدرے جبر ہو۔ جبر محض اہل سنت کا مذہب نہیں بلکہ وہ جبر و اختیار کے مابین کے قائل ہیں۔

کسی مال مسلم کے متعلق کلی یا جزوی ضبطی قرقی جبری کٹوتی کے احکام بالکل انتہائی اقدام تو ہو سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ ابتداء اس سے کی جائے۔

بعید توجیہ :

متعدد حوالہ جات سے پہلے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ "اموال باطنہ" میں امام کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ بعض احباب نے اس عبارت کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اس سقوط حق سے مراد یہ ہے کہ اس عہد عثمانی سے قبل اپنے طور پر ادا کی جانے والی زکوٰۃ کی ادائیگی شرعاً معتبر نہ تھی۔ اگر کوئی شخص فقیر کو از خود زکوٰۃ دے دیتا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوتی۔ اعلان عثمانی سے مالکان کو اتنا حق مل گیا کہ مالک نے خود کسی فقیر کو دے دیا تو اس صورت میں بھی اب زکوٰۃ ادا ہو جایا کرے گی۔ اور بس! گویا کہ امام کا حق وصولی زکوٰۃ اعلان عثمانی سے ساقط ہوا نہ متاثر ہوا۔

دعویٰ :

توجیہ بالا کے ضمن میں ایک بڑا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ عہد رسالت سے لے کر خلافت عثمان تک زکوٰۃ کی ادائیگی معتبر نہ تھی فقیر کو براہ راست خود دینے سے سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوتی تھی۔ دلائل سے قطع نظر یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ مال زکوٰۃ جس کی فرضیت کا ایک بنیادی مقصد ہی فقراء و مساکین کی حاجت براری ہے اور شرعاً ان غرباء ہی کا حق مقرر کیا جاتا ہے۔ اس مال زکوٰۃ سے اگر کوئی مالدار اپنے بھوکے پڑوسی، بیوہ اور مسکین رشتہ دار، یتیم بچے، لاچار مریض کی کچھ مدد کر دے تو اس کی یہ زکوٰۃ ادا نہ ہو گی تاوقتیکہ یہ سرکاری خزانے میں جمع ہو کر حکومتی کارندوں کے ذریعے تقسیم نہ ہو۔ سبحان اللہ کیا بات ہے۔

ناکام استدلال :

البلاغ کے اپنے متعدد بالا دعویٰ کی تائید میں امام جصاص کی یہ عبارت پیش کی ہے :

قوله تعالیٰ: خذ من اموالهم صدقة، يدل على ان اخذ الصدقات الى الامام وانه متى اداها من وجبت عليه الى المساكين لم يجزه لان حق الامام قائم في اخذها فلا سبيل الى اسقاطه وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يوجه العمال على صدقات المواشي ويامرهم بان ياخذوها على المياه في مواضعها (الى ان قال) وكذالك صدقة الثمار۔

اور "لم یجزہ" کے لفظ سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ استدلال درست نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس جزئیہ میں صرف اموال ظاہرہ کا حکم بیان کیا گیا ہو دیگر دلائل کے علاوہ جیسے کہ " فلا سبیل الی اسقاطہ " کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کیونکہ امام کے حق وصولی کا ناقابل اسقاط ہونا یہ اموال ظاہرہ کے صدقہ کے بارے میں ہی ہو سکتا ہے۔ اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ کے متعلق تو امام کا حق ناقابل اسقاط نہیں بلکہ خود امام جصاص اس کے متصل اگلی عبارت میں اس کے ساقط ہو جانے کی تصریح فرما رہے ہیں کہ اموال باطنہ کی وصولی میں امام کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ (یہ حوالہ آگے آ رہا ہے) — اور اگر بالفرض فلا سبیل الی اسقاطہ کو دونوں قسم کے اموال کے لئے عام رکھا جائے اور اموال میں امام کو بہرحال بر نص قرآن ناقابل اسقاط تصور کیا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک اعلان کے ذریعے اسے جزوی طور پر کیسے ساقط کر دیا۔ اور صحابہ کرامؓ نے اس خلاف قرآن اقدام کو کیسے قبول کر لیا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ " ناقابل اسقاط حق وصولی صرف اموال ظاہرہ کے بارے میں ہے۔ اموال باطنہ سے متعلق نہیں، لہٰذا مستدرک کا استدلال اس عبارت سے صحیح نہیں۔ چنانچہ سیاق وسباق اور دیگر قرائن کی روشنی میں یہ امر متعین ہے کہ امام ابوبکر جصاصؒ اس عبارت سے عموم مراد نہیں لے رہے ہیں بلکہ صرف اموال ظاہرہ کے متعلق لم یجزہ فرما رہے ہیں جیسا کہ یوجہ العمال علی صدقات المواشی وکذلک صدقۃ الثمار کے الفاظ اس پر صاف دلالت کر رہے ہیں۔ اور اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ خود امام موصوف نے دوسرے دو مقامات پر مسئلہ بالا میں " اموال ظاہرہ " کی قید ذکر کی ہے۔ حق امام پر بحث کرتے ہوئے امام موصوف لکھتے ہیں:

ویدل ایضاً علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانہ لا یجزیء ان یعطی رب الماشیۃ صدقتہا الفقراء فان فعل اخذہا الامام ثانیاً

(احکام القرآن ص۱۲۲ ج ۲)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

ان من ادی صدقۃ مواشیہ الی الفقراء ان الامام لا یحتسب لہ بہا۔ (احکام القرآن ص۱۳۸ ج ۲)

دیکھئے بالکل وہی الفاظ ہیں کہ وصول صدقات کا حق امام کو ہے۔ لیکن اگلے جزئیہ میں رب الماشیۃ کی قید ذکر کر کے اس کا اموال ظاہرہ کے متعلق ہونا بھی واضح فرما دیا ہے۔ اہل اصول کے ہاں یہ مسلم ہے کہ ایک ہی حادثہ میں جب مطلق و مقید وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے پس اسی ضابطے کی رو سے زیر بحث "جزئیہ" "اموال ظاہرہ" کے بارے میں تصور کیا جائے گا۔ کرنجی امام کی صحیح نہ ہونے کا حکم امام جصاص کے نزدیک مویشیوں کی زکوٰۃ کے متعلق ہے۔ تمام اموال زکوٰۃ کے بارے میں نہیں۔ اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ زیر بحث عبارت کے متصل بعد آگے اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ کی تفصیل مستقل طور پر بیان کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

واما زکاۃ الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان ثم خطب عثمان فقال ھذا شہر زکوتکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک بقیتہ فجعل لھم اداءھا الی المساکین وسقط من اجل ذالک حق الامام فی اخذھا۔

علاوہ ازیں اموال ظاہرہ اور باطنہ کی زکوٰۃ کے بارے میں امام جصاص نے ایک دوسری طرح سے بھی فرق کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کے متعلق "صدقات" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اموال باطنہ کی "زکوٰۃ" کے لئے لفظ "زکوٰۃ" استعمال کرتے ہیں۔ یہ فرق المبسوط کی زیر بحث عبارت اور ہماری نقل کردہ اس عبارت سے بھی واضح ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ مالک کی خود ادائیگی معتبر نہ ہونے کا حکم اموال ظاہرہ سے متعلق ہے کیونکہ زیر بحث عبارت میں صدقات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، نہ کہ زکوٰۃ کا۔ اور ہمارے اس دعویٰ کی ایک بیّن

دلیل امام ابوبکر جصاصؒ کی ایک دوسری عبارت ہے جس میں قطعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں ابتدائے اسلام سے ہی وصولیٔ امام کی شرط نہیں تھی۔ البتہ یہ شرط اموال ظاہرہ کے صدقہ میں ہے۔ امام موصوف لکھتے ہیں:

انہ تعالیٰ قال فی الزکوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ ولم یختلف فیہا اخذ الامام (الی ان قال) فلما خص الزکاۃ بالامر بالایتاء دون اخذ الامام وامر فی الصدقۃ بان یأخذھا الامام وجب ان یکون اداء الزکوٰۃ موکولا الی اربابھا الا ما یمر بھم التاجر علی العاشر۔ (احکام القرآن ص[illegible] ج ۲)

امام جصاصؒ نے فیصلہ فرما دیا کہ فرضیت زکوٰۃ کے وقت سے ہی اموال باطنہ کی ادائیگی کا حق اختیار مالکان کو بنص قرآنی حاصل تھا البتہ اموال ظاہرہ کے صدقہ میں وصولیٔ امام شرط ہے۔ اس عبارت میں لفظ زکوٰۃ اور لفظ صدقہ کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایسی تصریحات کے باوجود ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ارباب "البلاغ" نے ایک ناقص استدلال پر اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر بیٹھے اور سیاق و سباق دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ الحاصل امام جصاص رازی کی زیر بحث عبارت سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمانؓ کے اعلان سے قبل اگر کوئی شخص اپنے مال باطن کی زکوٰۃ خود فقیر کو دے دیتا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تھی۔

امام موصوف نے تصریح کر دی ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں وصولیٔ امام شرط نہ تھی جیسا کہ وآتوا الزکوٰۃ کا صیغہ اس پر دال ہے۔ اس کی مزید تحقیق آگے ملاحظہ فرمائیے:

امام جصاصؒ کی عبارت سے "ادائے زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط نہیں"

قطع نظر دیگر دلائل قرآن پاک، احادیث مبارکہ، اجماع صحابہؓ، اقوال ائمہ تفسیر، تصریحات فقہاء و محدثین سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں بھی اگر کوئی مالک اپنی نقدی کی زکوٰۃ براہ راست فقیر کو دے دیتا تو اس کی یہ ادائیگی زکوٰۃ شرعاً معتبر تھی۔ اس سلسلہ میں مختصراً بطور نمونہ چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں ——— قرآن کریم میں ہے:

(۱) وآتوا الزکوٰۃ: زکوٰۃ کے متعلق لفظ "ایتاء" وارد ہوا ہے اور عربی لغت

بمثل ذلك لكان أقوى لها

وقال القرطبي (فتح الباري ٩/٥٠٣) وحجة الجمهور من جهة اللزوم من حيث النظر ظاهرة جداً: وهو أن المطلقة ثلاثًا لا تحل للمطلق حتى تنكح زوجًا غيره، ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغة وشرعًا، وما يتخيل من الفرق صوري ألغاه الشارع اتفاقًا في النكاح والعتق والأقارير. فلو قال الولي أنكحتك هؤلاء الثلاث في كلمة واحدة انعقد كما لو قال أنكحتك هذه وهذه وهذه. وكذا في العتق والإقرار وغير ذلك من الأحكام. نقله عنه ابن حجر العسقلاني (أيضًا).

ويرد عليه بأن (أيضا) من قال: أحلف بالله ثلاثًا لا يعد حلفه إلا يمينا واحدة فليكن المطلق مثله، وتعقب باختلاف الصيغتين فإن المطلق ينشيء طلاق امرأته وقد جعل أمر طلاقها ثلاثًا، فإذا قال: أنت طالق ثلاثًا فكأنه قال أنت طالق جميع الطلاق، وأما الحلف فلا أمد لعدد أيمانه: فافترقا اهـ.

المذهب الثاني

إن الرجل إذا طلق زوجته ثلاثًا بلفظ واحد وقعت واحدة دخل بها أولا.

قال ابن الهمام (فتح القدير ٣/٤٦٩): وقال قوم يقع به واحدة وهو مروي عن ابن عباس رضي الله عنهما وبه قال إسحق، ونقل عن طاؤس وعكرمة أنهم يقولون خالف السنة فيرد إلى السنة.

قال الباجي (المنتقى شرح الموطا ٤/٣): وحكى القاضي أبومحمد في إشرافه عن بعض المبتدعة يلزمه طلقة واحدة ... وإنما يروى هذا عن الحجاج بن أرطاة و محمد بن إسحق. انتهى المقصود.

قال شيخ الإسلام في أثناء الكلام على ذكر المذاهب في ذلك (مجموع

الفتاوی ٣٣/٨) الثالث أنه محرم ولا يلزم منه إلا طلقة واحدة، وهذا القول منقول عن طائفة من السلف والخلف من أصحاب رسول الله ﷺ مثل: الزبير بن العوام، وعبدالرحمن ابن عوف، ويروى عن علي و ابن مسعود و ابن عباس القولان وهو قول كثير من التابعين ومن بعدهم مثل طاؤس وخلاس بن عمرو، و محمد بن اسحق، وهو قول داؤد وأكثر أصحابه، ويروى ذلك عن أبي جعفر محمد بن علي بن الحسين وابنه جعفر بن محمد، ولهذا ذهب إلى ذلك من ذهب من الشيعة، وهو قول بعض أصحاب أبي حنيفة ومالك و أحمد بن حنبل. اهـ.

قال ابن القيم (زادالمعاد ٤/١٠٥): وهو اختيار شيخ الإسلام ابن تيمية. اهـ.

قال المرداوي (الانصاف ٨/٤٥٣): وحكى أي شيخ الإسلام ابن تيمية عدم وقوع الطلاق الثلاث جملة بل واحدة، في المجموعة أو المتفرقة عن جده المجد وانه كان يفتي به سرا احيانا. اهـ.

قال ابن القيم (اعلام الموقعين ٣/٢٤،٢٨،٢٩): المثال السابع: أن المطلق في زمن النبي ﷺ وزمن خليفته أبي بكر، وصدر من خلافة عمر كان إذا جمع الطلقات الثلاث بفم واحد جعلت واحدة ... وكل صحابي من لدن خلافة الصديق إلى ثلاث سنين من خلافة عمر كان على أن الثلاث واحدة فتوى أو إقرارا أو سكوتا، ولهذا ادعى بعض أهل العلم أن هذا إجماع قديم، ولم تجمع الأمة ولله الحمد على خلافه. بل لم يزل فيهم من يفتي به قرنا بعد قرن إلى يومنا هذا.

فافتى به حبر الأمة وترجمان القرآن: عبدالله بن عباس، كما رواه حماد بن زيد، عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس، إذا قال: انت طالق ثلاثا بفم واحد فهي واحدة، وافتى ايضا بالثلاث، افتى بهذا وهذا، وافتى بأنها واحدة الزبير بن العوام، وعبدالرحمن بن عوف، حكاه عنهما ابن وضاح، وعن علي كرم الله وجهه و ابن مسعود روايتان كما عن ابن عباس.

وأما التابعون فأفتى به عكرمة رواه اسماعيل بن ابراهيم عن أيوب عنه، وأفتى به طاوس.

وأما اتباع التابعين فأفتى به محمد بن اسحق حكاه الإمام أحمد وغيره عنه، وأفتى به خلاس بن عمرو والحارث العكلي.

وأما اتباع تابعي التابعين فأفتى به داؤد بن علي وأكثر أصحابه حكاه عنهم ابوالعكلي و ابن حزم وغيرهما. وأفتى به بعض أصحاب مالك حكاه التلمساني في شرح تفريع ابن الجلاب قولاً لبعض المالكية.

وأفتى به بعض الحنفية حكاه أبوبكر الرازي عن محمد بن مقاتل وأفتى به بعض أصحاب أحمد حكاه شيخ الإسلام ابن تيمية عنه قال: وكان يفتي به أحياناً.

وأما الإمام أحمد نفسه فقد قال الأثرم: سألت أبا عبدالله عن حديث ابن عباس كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر و عمر واحدة بأي شيء تدفعه، قال: برواية الناس عن ابن عباس من وجوه خلافه، ثم ذكر عن عدة عن ابن عباس أنها ثلاث، فقد صرح بأنه إنما ترك القول به لمخالفة راويه له.

وأصل مذهبه وقاعدته التي بنى عليها، أن الحديث إذا صح لم يرده لمخالفة راويه، بل الأخذ عنده بما رواه كما فعل في رواية ابن عباس وفتواه في بيع الأمة، فأخذ بروايته أنه لا يكون طلاقًا وترك رأيه. وعلى أصله يخرج له قول: أن الثلاث واحدة، فإنه إذا صرح بأنه إنما ترك الحديث لمخالفة الراوي، وصرح في عدة مواضع أن مخالفة الراوي لا توجب ترك الحديث. خرج له في المسألة قولان، وأصحابه يخرجون على مذهبه أقوالاً دون ذلك بكثير. اهـ

قال يوسف بن حسن بن عبدالرحمن بن عبدالهادي (سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ضمن مجموعة علمية (٨٤) الفصل الرابع في أنه إنما يقع بالثلاث للفظ الواحد واحدة، وهذه رواية عن أحمد، روايتها باطلة، لكنها قول في

المذهب حكاه الشيخ شمس الدين ابن القيم في كتابه أعلام الموقعين وذكره في الفروع، وقال: إنه اختيار شيخه، وهو اختياره بلا خلاف، وهو الذي إليه جنح الشيخ شمس الدين بن القيم في كتبه "الهدى وأعلام الموقعين، وإغاثة اللهفان" وقواه جدنا جمال الدين الإمام وقد صنف فيه مصنفات وهو اختيار شيخه الشيخ تقي الدين بن تيمية وحكاه أيضا عن جده الشيخ مجد الدين وغيره. اهـ.

وقال أيضا (سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ضمن مجموعة علمية ۸۲-۸۳): الفصل الخامس - فيمن قال بهذا القول وافتى به - وبعد أن ذكر ما سبق ذكره عن ابن القيم من أعلام الموقعين قال. قلت وقد كان يفتي به فيما يظهر لي ابن القيم، وكان يفتي به شيخ الإسلام ابن تيمية رحمة الله عليه، بلا خلاف، وكان يفتي به جدنا جمال الدين الإمام، ولم يرو عنه أنه أفتى بغيره.

قلت وقد كان يفتي به في زماننا الشيخ علي الدواليبي البغدادي، وجرى له من أجله محنة ونكاية فلم يدعه، وقد سمعت بعض شيوخنا يقويه، وظاهر اجماع (قبله "وظاهر إجماع بن حزم... الخ" هكذا بالأصل المطبوع) ابن حزم أنه إجماع لكن لم يصرح به. اهـ.

وقد استدل لهذا المذهب بالكتاب والسنة والإجماع والأثر والقياس.

الدليل الأول: قال تعالى (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء .. الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۸) إلى قوله تعالى: (حتى تنكح زوجا غيره ... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۳۰)

وجه الاستدلال: قال ابن عبدالهادي (سير الحاث/ ۹۰ وما بعدها ويرجع إلى ما ذكره ابن القيم في الإغاثة: ۱/ ۳۰۹): قال الشيخ جمال الدين الإمام في أول أحد كتبه: فقد حكم الله تعالى في هذه الآيات الكريمات في هذه المسألة ثلاثة أحكام، فمن فهمها وتصورها على حقيقة ما هي عليه وقد أراد الله هدايته إلى

قبول الحق إذا ظهر له صح كلامه.

واعلم أن كتاب الله نص صريح ... أن الطلاق الثلاث واحدة شرعًا لا يحتمل خلافًا صحيحًا وهذا هو النص شرعًا، فإن كل كلام له معنى لا يحتمل غيره فهو نص فيه. فإن كان لا يحتمل غيره لغة فهو نص لغة، وإن كان لا يحتمل غيره شرعًا فهو نص شرعًا، وكتاب الله في هذه الآيات لا يحتمل شرعًا غير أن الطلاق الثلاث واحدة... والألف واللام في قوله (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) للعهد والمعهود هنا هو الطلاق المفهوم من قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) وهو الرجعي بقوله. (وبعولتهن أحق بردهن في ذلك) فصار المعنى: الطلاق الذي الزوج أحق فيه بالرد مرتان فقط، فقد تقيد الرد الذي كان مطلقًا في كل مرة من الطلاق بمرتين منه فقط فلم يعرف (قوله "يعرف" كذا في الأصل المطبوع)، ولا فرق في الآية بين قوله في كل مرة: طلقتك واحدة، أو ثلاثًا، أو ثلاثين ألفًا.

ثم قال فصل: الكلام هنا على معنى الآيات الكريمات في حكم الطلاق الثلاث جملة سواء كانت ثلاث مرات أو مائة مرة أو ثلاثين ألفًا.

ثم قال: وذلك أن ضمير الآيات في قوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) أي: إن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له بعدها، المفهوم من قوله: (الطلاق مرتان) لا يجوز فيه شرعًا غير ذلك وهذا الحكم مختص به شرعًا: أي بتحريم المطلقة عليه حتى تنكح زوجًا غيره، ويلزم أن يكون التحريم فيما بعد المرتين الأولين فإن كل واحدة من الأولين له فيها الخيار بين الإمساك والتسريح بنص الآية. فيكون التقدير: فإن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له، هذا لا يحتمل خلافًا.

قلت : هذه الآية صريحها على هذا أن الثلاث متفرقات والله أعلم.

ثم قال : ويدل على التفسير لزوم أنه لا يجوز في الآية أن يقال (فإن طلقها فلا تحل له) لا يجوز أن يكون مستقلاً بنفسه، منفصلاً عما قبله، لما في ذلك من لزوم نسخ مشروعية الرجعة في الطلاق من دين الإسلام ولا قائل به. وذلك لما فيه من عود الضمير المطلق فيه إلى غير موجود في الكلام قبله، معين له، مختص بحكمه، فيكون عامًا في كل مطلق ومطلقة، ولا قائل به، وذلك أن قوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له... الآية) جملة مفيدة، والجملة نكرة، وهي في سياق شرط ونفي فتعم كل مطلق ومطلقة، فيكون ذلك ناسخًا لمشروعية الرد في الطلاق في دين الإسلام، ولا قائل به، فتعين أن يكون قوله: (فإن طلقها فلا تحل له... الآية) إنما هو لما قبله أي متصلاً به، ويكون الضمير فيه عائدًا على موجود في الكلام قبله، ومعين له، مختص بحكم تحريمه في طلاقه إن طلق، وليس فيما قبله ما يصلح عود هذا الضمير إليه، واختصاصه بهذا الحكم من التحريم شرعًا إلا المطلق المفهوم من قوله: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) لأنه لو عاد إلى من يطلق في صورة المفاداة المذكورة قبله كان التحريم مختصًا بطلاق المفادات، ولا قائل به، ولو عاد إلى من يطلق في صورة الإيلاء المذكورة قبل هذه الآيات كان التحريم مختصًا بطلاق المولي ولا قائل به، فتعين أن يكون الضمير عائدًا إلى المطلق المفهوم من قوله: (الطلاق مرتان) وهو في نظم الكلام متعين له شرعًا، لا يجوز عوده إلى غيره شرعًا، وأن يكون تقدير الكلام: فإن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره، وقد تبين أن معنى هذا الكلام وتقديره: أن الطلاق الرجعي مرتان، فإن طلقها بعدهما مرة ثالثة فلا تحل له بعدهما حتى تنكح زوجًا غيره، فلم يشرع الله التحريم إلا بعد المرة الثالثة من الطلاق، والمرة الثالثة لا تكون إلا بعد مرتين شرعًا ولغة وعرفًا وإجماعًا، إلا

ما وقع في هذه المسألة بقضاء الله وقدره. انتهى.

وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في المسألة الأولى والإجابة عنه في كلام الباجي ـ ص۷ ـ وما ذكر عن شيخ الإسلام في ـ ص۱۱ ـ وكلام ابن القيم في ـ ص۱۳ـ۱۴.

الدليل الثاني :

قوله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء ـ إلى قوله ـ فامسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱)

قال ابن القيم: الاستدلال بالآية من وجوه.

الوجه الأول :

أنه سبحانه وتعالى إنما شرع أن تطلق لعدتها أي لاستقبال عدتها فتطلق طلاقاً يعقبه شروعها في العدة، ولهذا أمر رسول الله ﷺ عبدالله بن عمر رضي الله عنهما لما طلق امرأته في حيضها أن يراجعها، وتلا هذه الآية تفسيراً للمراد بها. وأن المراد بها الطلاق في قبل العدة وكذلك كان يقرأها عبدالله بن عمر. ولهذا قال كل من قال بتحريم جمع الثلاث أنه لا يجوز له أن يردف الطلقة بأخرى في ذلك الطهر، لأنه غير مطلق للعدة فإن العدة قد استقبلت من حين الطلقة الأولى فلا تكون الثانية للعدة، ثم قال الإمام أحمد في ظاهر مذهبه ومن وافقه: إذا أراد أن يطلقها ثانية طلقها بعد عقد أو رجعة لأن العدة تنقطع بذلك، فإذا طلقها بعد ذلك أخرى طلقها للعدة. وقال في رواية أخرى عنه: له أن يطلقها الثانية في الطهر الثاني، ويطلقها الثالثة في الطهر الثالث، وهو قول أبي حنيفة، فيكون مطلقاً للعدة أيضاً. لأنها تبنى على ما مضى والصحيح هو الأول، وأنه ليس له أن يردف الطلاق قبل الرجعة أو العقد لأن الطلاق الثاني لم يكن لاستقبال العدة بل هو طلاق لغير العدة فلا يكون مأذوناً فيه، فإن العدة إنما تجب من الطلقة الأولى لأنها

طلاق العدة، بخلاف الثانية والثالثة. ومن جعله مشروعاً، قال: هو الطلاق لتمام العدة، والطلاق لتمامها كالطلاق لاستقبالها وكلاهما طلاق للعدة.

وأصحاب القول الأول يقولون: المراد بالطلاق للعدة الطلاق لاستقبالها كما في القراءة الأخرى التي تفسر القراءة المشهورة: (فطلقوهن في قبل عدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق:١)

قالوا: فإذا لم يشرع إرداف الطلاق للطلاق قبل الرجعة أو العقد، فأن لا يشرع جمعه معه أولي وأحرى فإن إرداف الطلاق أسهل من جمعه ولهذا يسوغ الإرداف في الأطهار من لا يجوز الجمع في الطهر الواحد.

وقد احتج عبدالله بن عباس على تحريم الثلاث بهذه الآية. وساق الأثر عن ابن عباس وقد سبق.

الوجه الثاني :

من الاستدلال بالآية، قوله تعالى: (ولا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن... الآية الكريمة من سورة الطلاق:١) وهذا إنما هو في الطلاق الرجعي، فأما البائن فلا سكنى لها ولا نفقة لسنة رسول الله ﷺ الصحيحة التي لا مطعن في صحتها الصريحة التي لا شبهة في دلالتها فدل على أن هذا حكم كل طلاق شرعه الله تعالى ما لم يسبقه طلقتان قبله، ولهذا قال الجمهور: إنه لا يشرع له ولا يملك إبانتها بطلقة واحدة بدون العوض.

وأبو حنيفة قال: يملك ذلك لأن الرجعة حقه وقد أسقطها.

والجمهور يقولون: ثبوت الرجعة وإن كان حقاً له، فلها عليه حقوق الزوجية فلا يملك إسقاطها إلا بمخالعة أو باستيفاء العدد كما دل عليه القرآن.

الوجه الثالث :

أنه قال: (وتلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه... الآية

الكريمة من سورة الطلاق : ١) فإذا طلقها ثلاثًا جملة واحدة فقد تعدى حدود الله فيكون ظالمًا

الوجه الرابع :

انه سبحانه قال. (لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرا .. ايضًا) وقد فهم أعلم الأمة بالقرآن وهم الصحابة أن الأمر ههنا هو الرجعة، قالوا: وأى أمر يحدث بعد الثلاث.

الوجه الخامس :

قوله تعالى: (فإذا بلغن أجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف.. الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) فهذا حكم كل طلاق شرعه الله، إلا أن يسبق بطلقتين قبله، وقد احتج ابن عباس على تحريم جمع الثلاث بقوله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١) كما تقدم قصده رحمه الله الأثر الذى أشرنا إليه سابقًا وهذا حق، فإن الآية إذا دلت على منع ارداف الطلاق الطلاق في طهر أو أطهار قبل رجعة أو عقد كما تقدم لأنه يكون مطلقًا في غير قبل العدة فلأن تدل على تحريم الجمع أولى وأحرى

ومضى رحمه الله إلى أن قال: فهذه الوجوه ونحوها مما بين الجمهور أن جمع الثلاث غير مشروع هي بعينها تبين عدم الوقوع وأنه إنما يقع المشروع وحده وهي الواحدة. اهـ. وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في المسألة الأولى

وأما السنة : فقد استدلوا بالأدلة الآتية

الدليل الأول : روى مسلم في صحيحه من طريق ابن طاؤس عن أبيه عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: "كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر رضي الله عنه إن الناس قد

استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم".

وفي صحيحه أيضًا عن طاوس : أن أبا الصهباء قال لابن عباس "هات من هناتك ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر واحدة؟

فقال: قد كان ذلك فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فأجازه عليهم وفي لفظ لأبي داود: أن رجلاً يقال له أبوالصهباء كان كثير السؤال لابن عباس قال: أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من إمارة عمر رضي الله عنهما . فقال ابن عباس: بلى، كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر و صدر من إمارة عمر رضي الله عنهما فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال أجيزوهن عليهم ... هكذا في هذه الرواية قبل أن يدخل بها.

وفي مستدرك الحاكم من حديث عبدالله بن المؤمل، عن ابن أبي مليكة، أن أباالجوزاء أتى ابن عباس فقال: أتعلم أن الثلاث كن يرددن على عهد رسول الله ﷺ إلى واحدة؟ قال: نعم "قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد وهذه غير طريق طاوس عن أبي الصهباء، وقد أجاب القائلون بأن الثلاث بلفظ واحد تقع ثلاثًا عن حديث ابن عباس بأجوبة.

الجواب الأول : أنه منسوخ وهو قول الشافعي وأبي داود والطحاوي.

قال الشافعي :

بعد سياقه لحديث أبي الصهباء وأثر ابن عباس في الذي طلق امرأته ألفًا وإفتاءه بوقوع الثلاث، والذي طلق مائة وقد سبق، قال بعد ذلك: فإن كان معنى قول ابن عباس أن الثلاث كانت تحسب على عهد رسول الله ﷺ واحدة يعني أنه بأمر النبي ﷺ فالذي يشبه والله أعلم. أن يكون ابن عباس قد علم أن كان

شيئاً فنسخ.

فإن قيل: فمن دل على ما وصفت؟ قيل: لا يشبه أن يكون يروى عن رسول الله ﷺ شيئاً ثم يخالفه بشيء لم يعلمه كان من النبي فيه خلافه.

فإن قيل: فلعل هذا شيء روي عن عمر فقال فيه ابن عباس بقول عمر، قيل: قد علمنا أن ابن عباس يخالف عمر في نكاح المتعة، وبيع الدينار بالدينارين، وفي بيع أمهات الأولاد وغيره، فكيف يوافقه في شيء يروى عن النبي ﷺ فيه خلافه؟

فإن قيل فلم لم يذكره؟

قيل: فقد يسأل الرجل عن الشيء فيجيب فيه ولا يتقصى فيه الجواب، ويأتي على الشيء ويكون جائزاً له كما يجوز له، لو قيل: أصلى الناس على عهد رسول الله ﷺ إلى بيت المقدس: أن يقول نعم، وإن لم يقل ثم حولت القبلة.

قال: فإن قيل فقد ذكر على عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر؟ قيل والله أعلم. وجوابه حين استفتي يخالف ذلك كما وصفت.

فإن قيل: فهل من دليل تقوم به الحجة في ترك أن تحسب الثلاث واحدة في كتاب أو سنة أو أمر أبين مما ذكرت؟

قيل: نعم. أخبرنا مالك عن هشام بن عروة عن أبيه قال كان الرجل إذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل أن تنقضي عدتها كان ذلك له، وإن طلقها ألف مرة. فعمد رجل إلى امرأة له فطلقها ثم أمهلها حتى إذا شارفت انقضاء عدتها ارتجعها ثم طلقها وقال. والله لا آويك ... ولا تحلين بداً، فأنزل الله تعالى: الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... (الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٢٩) فاستقبل الناس الطلاق جديداً من يومئذ، من كان منهم طلق أو لم يطلق. وذكر بعض أهل التفسير هذا فلعل ابن عباس أجاب أن الثلاث والواحدة سواء، وإذا

جعل الله عدد الطلاق إلى الزوج وأن يطلق متى شاء، فسواء الثلاث والواحدة وأكثر من الثلاث في أن يقضي بطلاقه.

قال الشافعي. وحكم الله في الطلاق أنه مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان. وقوله: (فإن طلقها) يعني ـ والله أعلم ـ الثلاث (فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) فدل حكمه أن المرأة تحرم بعد الطلاق ثلاثًا حتى تنكح زوجًا غيره، وجعل حكمه بأن الطلاق إلى الأزواج يدل على أنه إذا حدث تحريم المرأة بطلاق ثلاث وجعل الطلاق إلى زوجها فطلقها ثلاثًا مجموعة أو مفرقة حرمت عليه بعدهن حتى تنكح زوجًا غيره كما كانوا مملكين عتق رقيقهم، فإن أعتق واحدًا أو مائة في كلمة لزمه ذلك كما يلزمه كلها، جمع الكلام فيه أو فرقه مثل قوله لنسوة له: أنتن طوالق، ووالله لا أقربكن، وأنتن علي كظهر أمي، وقوله: لفلان علي كذا، ولفلان علي كذا، ولفلان علي كذا، فلا يسقط عنه بجمع الكلام معنى من المعاني. جميعه كلام فيلزمه بجمع الكلام ما يلزمه بتفريقه.

فإن قال قائل: فهل من سنة تدل على هذا قيل نعم. حدثنا الربيع قال: أخبرنا الشافعي قال أخبرنا سفيان عن الزهري عن عروة بن الزبير عن عائشة أنه سمعها تقول:

جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله فقالت إني كنت عند رفاعة فطلقني فبت طلاقي فتزوجت عبدالرحمن بن الزبير وأنا معه مثل هدبة الثوب فتبسم رسول الله وقال: أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة، لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته" قال وأبوبكر عند النبي و خالد بن سعيد بن العاص بالباب ينتظر أن يؤذن له فنادى يا أبابكر ألا تسمع ما تجهر به هذه عند رسول الله ﷺ.

قال الشافعي: فإن قيل: فقد يحتمل أن يكون رفاعة بت طلاقها في

مرات. قلت. ظاهره في مرة واحدة (وبت) إنما هي ثلاث إذا احتملت ثلاثًا وقال رسول الله "اتريدين أن ترجعي إلى رفاعة لا حتى يذوق عسيلتك" ولو كانت عائشة حسب طلاقها واحدة كان لها أن ترجع إلى رفاعة بلا زوج.

فإن قيل: أطلق أحد ثلاثًا على عهد النبي ﷺ قيل: نعم. عويمر العجلاني طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يخبره النبي أنها تحرم عليه باللعان فلما اعلم النبي نهاه.

وفاطمة بنت قيس تحكي للنبي: أن زوجها بت طلاقها: تعني والله اعلم. أنه طلقها ثلاثًا، وقال النبي. "ليس لك عليه نفقة" (الآية الكريمة من سورة البقرة ۲۲۹) لأنه والله اعلم لارجعة له عليها، ولم أعلمه عاب طلاق ثلاث معًا، قال الشافعي. فلما كان حديث عائشة في رفاعة موافقًا ظاهر القرآن، وكان ثابتًا، كان أولى الحديثين أن يؤخذ به والله اعلم. وإن كان ليس بالبين فيه جدًا.

قال الشافعي: ولو كان الحديث الآخر له مخالفًا كان الحديث الآخر يكون ناسخًا. والله اعلم. وإن كان ذلك ليس بالبين فيه جدًا. اهـ.

وقال ابو داؤد:

في سننه "باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث" حدثنا أحمد بن سعيد المروزى حدثني علي بن حسين بن واقد عن أبيه عن يزيد النحوى، عن عكرمة عن ابن عباس قال. (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۸) وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعتها وإن طلقها ثلاثًا فنسخ ذلك فقال. (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) ثم اورد أبوداؤد في نفس الباب حديث ابن طاوس عن أبيه أن أبا الصهباء قال لابن عباس: أتعلم أنما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر، وثلاثًا من إمارة عمر قال ابن عباس نعم.

وقال الطحاوی :

فی "باب الرجل یطلق امرأته ثلاثا معًا" حدثنا روح بن الفرج، ثنا أحمد بن صالح قال: ثنا عبدالرزاق، قال: أخبرنا ابن جریج، قال: أخبرنی ابن طاؤس عن أبیه أن أبا الصهباء قال لابن عباس: أتعلم أن الثلاث کانت تجعل واحدة علی عهدالنبی ﷺ وأبی بکر وثلاثًا من إمارة عمر، قال ابن عباس: نعم.

وقال الطحاوی :

بعد استعراض بعض الآراء فی المسألة : وفی حدیث ابن عباس ما لو اکتفینا به کانت حجة قاطعة، وذلک أنه قال: فلما کان زمان عمر رضی اللّٰه عنه قال: أیها الناس قد کانت لکم فی الطلاق أناة وانه من تعجل أناة اللّٰه فی الطلاق ألزمناه إیاه. حدثنا بذلک ابن أبی عمران. قال: حدثنا اسحق بن أبی اسرئیل قال: أخبرنا عبدالرزاق ۔ ح۔ وحدثنا عبدالحمید بن عبدالعزیز قال: ثنا أحمد بن منصور الرمادی قال: ثنا عبدالرزاق عن معمر عن ابن طاؤس عن أبیه عن ابن عباس مثل الحدیث الذی ذکرناه فی أول هذا الباب، غیر أنهما لم یذکرا أباالصهباء، ولا سؤاله ابن عباس رضی اللّٰه عنهما وإنما ذکرا مثل جواب ابن عباس رضی اللّٰه عنهما الذی فی ذلک الحدیث، وذکرا بعد ذلک من کلام عمر رضی اللّٰه عنه ما قد ذکرناه قبل هذا الحدیث، فخاطب عمر رضی اللّٰه عنه بذلک الناس جمیعًا وفیهم أصحاب رسول اللّٰه ﷺ ورضی عنهم، الذین قد علموا ما تقدم من ذلک فی زمن رسول اللّٰه ﷺ فلم ینکره علیه منهم منکر، ولم یدفعه دافع فکان ذلک أکبر الحجة فی نسخ ما تقدم من ذلک لأنه لما کان فعل أصحاب رسول اللّٰه ﷺ جمیعًا فعلا یجب به الحجة کان کذلک أیضًا إجماعهم علی القول إجماعًا یجب به الحجة، وکما کان اجماعهم علی النقل بریئًا من الوهم والزلل کان کذلک إجماعهم علی الرای بریئًا من الوهم والزلل. وقد رأینا أشیاء قد کانت علی عهد

رسول الله ﷺ علي معاني فجعلها أصحابه رضي الله عنهم، من بعده على خلاف تلك المعاني، لما رأوا فيه مما خفي على من بعدهم، فكان ذلك حجة ناسخًا لما تقدمه. من ذلك تدوين الدواوين، والمنع من بيع أمهات الأولاد، وقد كن يبعن قبل ذلك، والتوقيت في حد الخمر ولم يكن فيه توقيت قبل ذلك، فلما كان ما عملوا به من ذلك ووقفنا عليه لا يجوز لنا خلافه إلى ما قد رأيناه مما تقدم فعلهم له، كان كذلك ما وقفونا عليه من الطلاق الثلاث الموقع معًا أنه يلزم لا يجوز لنا خلافه إلى غيره مما قد روي أنه كان قبله على خلاف ذلك." اهـ المراد من كلام الطحاوي.

وقال الطحاوي:

بعد كلامه في النسخ (شرح معاني الآثار ٣/٣٣) "ثم هذا ابن عباس رضي الله عنهما قد كان من بعد ذلك يفتي من طلق امرأته ثلاثًا معًا أن طلاقه قد لزمه وحرمها عليه.

حدثنا ابراهيم بن مرزوق قال: ثنا أبوحذيفة قال: ثنا سفيان عن الأعمش عن مالك ابن الحارث قال. جاء رجل إلى ابن عباس فقال: إن عمي طلق امرأته ثلاثًا؟ فقال: إن عمك عصي الله فأثمه الله وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجًا. فقلت كيف ترى في رجل يحلها له؟ فقال. من يخادع الله يخادعه. حدثنا يونس قال: اخبرنا ابن وهب أن مالكًا اخبره عن ابن شهاب عن محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان، عن محمد بن إياس بن البكير قال: طلق رجل امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها ثم بدا له أن ينكحها، فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له أبا هريرة و عبدالله بن عباس عن ذلك فقالا: لا نرى أن تنكحها حتى تتزوج زوجًا غيرك. فقال: إنما كان طلاقي إياها واحدة، فقال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل. حدثنا يونس قال اخبرنا ابن وهب أن مالكًا اخبره عن يحيى بن سعيد أن بكير بن

الأشج أخبر عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري أنه كان جالساً مع عبدالله بن الزبير وعاصم بن عمر فجاء هما محمد بن إياس بن البكير فقال: إن رجلاً من أهل البادية طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فماذا تريان؟ فقال ابن الزبير إن هذا الأمر ما لنا فيه من قول، فاذهب إلى عبدالله ابن عباس و أبي هريرة رضي الله عنهم فاسألهما ثم ائتنا فأخبرنا فذهب فسألهما فقال ابن عباس لأبي هريرة: أفته يا أبا هريرة: فقد جاء تك معضلة، فقال أبوهريرة: الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره. حدثنا ربيع المؤذن، قال: ثنا خالد بن عبدالرحمن قال: أخبرني ابن أبي ذئب عن الزهري عن محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان، عن محمد بن إياس بن البكير، أن رجلاً سأل ابن عباس وأبا هريرة و ابن عمر عن طلاق البكر ثلاثاً وهو معه فكلهم قالوا: حرمت عليك. حدثنا يونس قال أخبرنا سفيان عن الزهري عن أبي سلمة عن أبي هريرة و ابن عباس أنهما قالا في الرجل يطلق البكر ثلاثاً. لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. حدثنا أبوبكرة، قال لنا مؤمل قال ثنا سفيان عن عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير أن رجلاً سأل ابن عباس عن رجل طلق امرأته مائة فقال: ثلاث تحرمها عليه وسبعة وتسعون في رقبته إنه اتخذ آيات الله هزواً.

حدثنا علي بن شيبة حدثنا أبونعيم قال ثنا إسرائيل عن عبدالأعلى عن سعيد بن جبير عن ابن عباس مثله.

حدثنا ابن مرزوق ثنا ابن وهب قال ثنا شعبة عن ابن أبي نجيح وحميد الأعرج عن مجاهد، أن رجلاً قال لابن عباس: رجل طلق امرأته مائة فقال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تتق الله فيجعل لك مخرجاً "ومن يتق الله يجعل له مخرجاً". قال تعالى: يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن... (الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱) انتهى المراد من كلام الطحاوي.

وممن ارتضى هذا المسلك الذي هو مسلك النسخ. الحافظ بن حجر

الفسلاتي في نهاية بحثه الطويل في هذه المسألة قال (فتح الباري ۹/۲۹۹):
وفي الجملة فالذي وقع في هذه المسألة نظير ما وقع في مسألة المتعة سواء أعني قول جابر أنها كانت تفعل في عهد النبي ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر، قال: ثم نهانا عمر عنها فانتهينا، فالراجح في الموضعين تحريم المتعة وإيقاع الثلاث للإجماع الذي انعقد في عهد عمر على ذلك، ولا يحفظ أن أحدا في عهد عمر خالفه في واحدة منهما وقد دل اجماعهم على وجود ناسخ وإن كان خفي عن بعضهم قبل ذلك، حتى ظهر لجميعهم في عهد عمر، فالمخالف بعد هذا الإجماع منابذ له، والجمهور على عدم اعتبار من أحدث الاختلاف بعد الاتفاق. اهـ

واعترض المازري على ذلك قال: "زعم بعضهم أن هذا الحكم منسوخ وهو غلط فإن عمر لا ينسخ ولو نسخ وحاشاه لبادر الصحابة إلى انكاره. وإن أراد القائل أنه نسخ في زمن النبي ﷺ فلا يمتنع لكن يخرج عن ظاهر الحديث لأنه لو كان كذلك لم يجز للراوي أن يخبر ببقاء الحكم في خلافة أبي بكر وبعض خلافة عمر قال: فإن قيل فقد يجمع الصحابة ويقبل منهم ذلك قلنا إنما يقبل ذلك لأنه يستدل باجماعهم على ناسخ وأما أنهم ينسخون من تلقاء أنفسهم فمعاذالله لأنه إجماع على الخطاء وهم معصومون عن ذلك. قال: فإن قيل. فلعل النسخ إنما ظهر في زمن عمر، قلنا: هذا أيضاً غلط لأنه يكون قد حصل الإجماع على الخطأ في زمن أبي بكر وليس انقراض العصر شرطاً في صحة الإجماع على الراجح. هذا ما أورده المازري، وأجاب عليه الحافظ بقوله (فتح الباري ۹/۲۹۸): وهو متعقب في مواضع:

احدها : أن الذي ادعى نسخ الحكم لم يقل إن عمر هو الذي نسخ حتى يلزم منه ما ذكر، وإنما قال ما تقدم "يشبه أن يكون علم شيئاً من ذلك نسخ" أي اطلع

على ناسخ الحكم الذي رواه مرفوعًا، ولذلك أفتى بخلافه، وقد سلم المازري في أثناء كلامه أن إجماعهم يدل على ناسخ وهذا هو مراد من ادعى النسخ

الثاني : إنكاره الخروج عن الظاهر عجيب، فإن الذي يحاول الجمع بالتأويل يرتكب خلاف الظاهر حتمًا

الثالث :

أن تغليطه من قال المراد ظهور النسخ عجيب أيضًا لأن المراد بظهوره انتشاره، وكلام ابن عباس أنه يفعل في زمن أبي بكر محمول على أن الذي كان يفعله من لم يبلغه النسخ، فلا يلزم ما ذكر من إجماعهم على الخطأ. وما أشار إليه من مسألة انقراض العصر لا يجيء هنا لأن عصر الصحابة لم ينقرض في زمن أبي بكر بل ولا عمر، فإن المراد بالعصر الطبقة من المجتهدين وهم في زمن أبي بكر وعمر بل وبعدهما طبقة واحدة. اهـ كلام الحافظ

وقد أجاب ابن القيم عن دعوى النسخ فقال (زاد المعاد ٤/ ١٩٧-١٩٨)

"وأما دعواكم نسخ الحديث فموقوف على ثبوت معارض مقاوم متراخ فأين هذا"

وأما حديث عكرمة عن ابن عباس في نسخ المراجعة بعد الطلاق الثلاث فلو صح لم يكن فيه حجة فإنما فيه "أن الرجل كان يطلق امرأته ويراجعها بغير عدد" فنسخ ذلك، وقصر على ثلاث فيها تنقطع الرجعة. فأين في ذلك الإلزام بالثلاث بفم واحد؟ ثم كيف يستمر المنسوخ على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدرًا من خلافة عمر لا تعلم به الأمة، وهو من أهم الأمور المتعلقة بحل الفروج؟ ثم كيف يقول عمر "إن الناس قد استعجلوا في شيء كانت لهم فيه أناة" وهل للأمة أناة في المنسوخ بوجه ما؟ ثم كيف يعارض الحديث الصحيح بهذا الذي فيه علي بن الحسين بن واقد وضعفه معلوم.

وقد أجاب عن ذلك الشيخ محمد الأمين الشنقيطي فقال (أضواء البيان

۱۸۶/۱-۱۸۷): وأوضح دليل يزيل الإشكال عن القول بالنسخ المذكور وقوع مثله واعتراف المخالف به في نكاح المتعة، فإن مسلماً روى عن جابر رضي الله عنه أن متعة النساء كانت تفعل في عهد النبي ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر، قال: ثم نهانا عمر عنها فانتهينا وهذا مثل ما وقع في طلاق الثلاث طبقاً.

فمن الغريب أن يسلم منصف إمكان النسخ في إحداهما ويدعي استحالته في الأخرى مع أن كلا منهما روى مسلم فيها عن صحابي جليل أن ذلك الأمر كان يفعل في زمن النبي ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر في مسألة تتعلق بالفروج ثم غيره عمر. ومن أجاز نسخ نكاح المتعة وأحال جعل الثلاث واحدة، يقال له ما بالك تجر وبائي لا تجر؟

فإن قيل: نكاح المتعة صح النص بنسخه؟ قلنا قد رأيت الروايات المتقدمة بنسخ المراجعة بعد الثلاث.

وممن جزم بنسخ جعل الثلاث واحدة الإمام أبو داؤد رحمه الله تعالى ورأى أن جعلها واحدة إنما هو في الزمن الذي كان يرتجع فيه بعد ثلاث تطليقات وأكثر قال في سننه. "باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث" ثم ساق بسنده حديث ابن عباس في قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن .. الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۸) الآية وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعتها وإن طلقها ثلاثاً فنسخ ذلك وقال (الطلاق مرتان.. الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹)، وأخرج نحوه النسائي، وفي إسناده علي بن الحسين بن واقد، قال فيه ابن حجر في التقريب صدوق يهم.

وروى مالك في الموطا عن هشام بن عروة عن أبيه أنه قال. كان الرجل إذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل أن تنقضي عدتها كان ذلك له، وإن طلقها ألف مرة،

فعمد رجل إلى امرأته فطلقها حتى إذا أشرفت على انقضاء عدتها راجعها، ثم قال: لا آويك ولا أطلقك، فأنزل الله (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) فاستقبل الناس الطلاق جديدا من يومئذ من كان طلق منهم أو لم يطلق.

ويزيد هذا أن عمر لم ينكر عليه أحد من أصحاب رسول الله ﷺ إيقاع الثلاث دفعة مع كثرتهم وعلمهم وورعهم.

ويزيده أن كثيرا من الصحابة الأجلاء العلماء صح عنهم القول بذلك كابن عباس و عمر و ابن عمر و خلق لا يحصى. والناسخ الذي نسخ المراجعة بعد الثلاث قال بعض العلماء إنه قوله تعالى: (الطلاق مرتان) كما جاء مبينا في الروايات المتقدمة، ولا مانع عقلا ولا عادة من أن يجهل مثل هذا الناسخ كثير من الناس إلى خلافة عمر، مع أنه ﷺ صرح بنسخها وتحريمها إلى يوم القيامة في غزوة الفتح وفي حجة الوداع أيضا كما جاء في رواية عند مسلم ومع أن القرآن دل على تحريم غير الزوجة والسرية بقوله تعالى: (والذين هم لفروجهم حافظون. إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم... الآية الكريمة من سورة المؤمنون: ۵-۶) ومعلوم أن المرأة المتمتع بها ليست بزوجة ولا سرية... والذين قالوا بالنسخ. قالوا معنى قول عمر: إن الناس استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، أن المراد بالأناة أنهم كانوا يتأنون في الطلاق فلا يوقعون الثلاث في وقت واحد، ومعنى استعجالهم أنهم صاروا يوقعونها بلفظ واحد. على القول بأن ذلك هو معنى الحديث، وقد قدمنا أنه لا يتعين كونه هو معناه وإمضاؤه له عليهم إذن هو اللازم، ولا ينافيه قوله فلو أمضيناه عليهم، يعني ألزمناهم بمقتضى ما قالوا، ونظيره قول جابر عند مسلم في نكاح المتعة فنهانا عنها عمر، فظاهر كل منهما أنه اجتهاد من عمر والنسخ ثابت فيهما كما رأيت، وليست الأناة في المنسوخ وإنما

هي في عدم الاستعجال بإيقاع الثلاث دفعة . أما كون عمر كان يعلم أن رسول الله ﷺ كان يجعل الثلاث بلفظ واحد واحدة فتعمد مخالفة رسول الله ﷺ وجعلها ثلاثًا ولم ينكر عليه أحد من الصحابة فلا يخفي بعده، والعلم عندالله تعالى. انتهى

الجواب الثاني :

حمل الحديث علي أن الناس اعتادوا في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر إيقاع المطلق الطلقة الواحدة ثم يدعها حتي تنقضي عدتها ثم اعتادوا الطلاق الثلاث جملة وتتابعوا فيه. فمعني الحديث علي هذا كان الطلاق الذي يوقعه المطلق الآن ثلاثًا يوقعه المطلق علي عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر واحدة، فالحديث علي هذا اخبار عن الواقع لا عن المشروع.

وهذا جواب أبي زرعة، والباجي، والقاضي أبي محمد عبدالوهاب، ونقل القرطبي عن الكيا الطبري أنه قول علماء الحديث ورجحه ابن العربي، وذكره ابن قدامة.

أما أبوزرعة الرازي فقد نقله عنه البيهقي بسنده إلى عبدالرحمٰن بن أبي حاتم قال (السنن الكبرى: ٣٣٨/٧): سمعت أبا زرعة يقول . "معني هذا الحديث عندي أن ما تطلقون أنتم ثلاثًا كانوا يطلقون واحدة في زمن النبي ﷺ وأبي بكر وعمر رضي الله عنهما.

وأما الباجي فقال (المنتقي ٤/٤): "معني الحديث أنهم كانوا يوقعون طلقة واحدة بدل إيقاع الناس ثلاث طلقات. قال: ويدل علي صحة هذا التأويل أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال : "إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة" فأنكر عليهم أن أحدثوا في الطلاق استعجال أمر كان لهم فيه أناة فلو

كانت حالتهم ذلك في أول الإسلام في زمن النبي ﷺ ما قاله وما عاب عليهم أنهم استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، ويدل لصحة هذا التأويل ما روي عن ابن عباس من غير طريق أنه أفتى بلزوم الطلاق الثلاث لمن أوقعها مجتمعة، فإن كان معنى حديث ابن طاؤس فهو الذي قلناه، وإن حمل حديث ابن طاؤس على ما يتأول فيه من لا يعبأ بقوله فقد رجع ابن عباس إلى قول الجماعة وانعقد به الإجماع... انتهى كلام الباجي.

وأما القاضي فقد نقل عنه القرطبي أنه قال (تفسير القرطبي: ٣/ ١٣٠):
"معناه أن الناس كانوا يقتصرون على طلقة واحدة ثم أكثروا أيام عمر من إيقاع الثلاث قال ـ قال القاضي: وهذا هو الأشبه بقول الراوي إن الناس في أيام عمر استعجلوا الثلاث فعجل عليهم معناه ألزمهم حكمها". انتهى.

وأما ما نسب إلى علماء الحديث فقد قال القرطبي بعد ذكره تأويل الباجي حديث ابن عباس وما أوله به أبوزرعة قال: قلت ما تأوله الباجي هو الذي ذكر معناه الكيا الطبري عن علماء الحديث أي أنهم كانوا يطلقون طلقة واحدة هو الذي تطلقون ثلاثًا أي ما كانوا يطلقون في كل قرء طلقة وإنما كانوا يطلقون في جميع العدة واحدة إلى أن تبين وتنقضي العدة. انتهى كلام القرطبي. وأما ترجيح ابن العربي فقد نقله عنه ابن حجر (الفتح ٩/ ٢٩٩)

وأما ذكر ابن قدامة له فقد قال (المغني ومعه الشرح ٧/ ٣٠٤): قيل معنى حديث ابن عباس أن الناس كانوا يطلقون واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وإلا فلا يجوز أن يخالف عمر ما كان في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر، ولا يسوغ لابن عباس أن يروي هذا عن رسول الله ﷺ ويفتي بخلافه.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (زاد المعاد ٤/ ١١٩): وأما قول من قال: إن معناه كان وقوع الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ واحدة، فإن

حقيقة هذا التأويل كان الناس على عهد رسول الله ﷺ يطلقون واحدة وعلى عهد عمر صاروا يطلقون ثلاثاً، والتأويل إذا وصل إلى هذا الحد كان من باب الألغاز والتحريف لا من باب بيان المراد ولا يصح ذلك بوجه ما، فإن الناس ما زالوا يطلقون واحدة وثلاثاً، وقد طلق رجال نساءهم على عهد رسول الله ﷺ ثلاثاً فمنهم من رد إلى واحدة كما في حديث عكرمة عن ابن عباس، ومنهم من أنكر عليه وغضب وجعله متلاعباً بكتاب الله، ولم يعرف ما حكم به عليهم، وفيهم من أقره لتأكيد التحريم الذي أوجبه اللعان، ومنهم من ألزمه بالثلاث لكون ما أتي به من الطلاق آخر الثلاث. فلم يصح أن يقال: إن الناس ما زالوا يطلقون واحدة إلى أثناء خلافة عمر فطلقوا ثلاثاً، ولا يصح أن يقال: إنهم قد استعجلوا في شيء كانت لهم فيه أناة فنمضيه عليهم ولا يلائم هذا الكلام الفرق بين عهد رسول الله ﷺ وبين عهده بوجه ما. فإنه ماض منكم على عهده بعد عهده، ثم إن في بعض ألفاظ الحديث الصحيحة "ألم تعلم أنه من طلق ثلاثاً جعلت واحدة على عهد رسول الله ﷺ؟" ولفظ "أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر؟ فقال ابن عباس بلى كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من أمارة عمر فلما رأى الناس يعني عمر قد تتابعوا فيها قال أجيزوهن عليهم" هذا لفظ الحديث وهو بأصح إسناد وهو لا يحتمل ما ذكرتم من التأويل بوجه ما. ولكن هذا كله عمل من جعل الأدلة تبعاً للمذهب فاعتقد ثم استدل، وأما من جعل المذهب تبعاً للدليل واستدل ثم اعتقد لم يمكنه هذا العمل. اهـ

الجواب الثالث : حمل الحديث على غير المدخول بها :

فقد سلك أبو عبدالرحمن النسائي في سننه في الحديث مسلكاً آخر

وقوى جانبها عنده فقال: باب الطلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة، ثم ساقه فقال. حدثنا أبوداؤد حدثنا أبوعاصم عن ابن جريج عن ابن طاؤس عن أبيه ان اباالصهباء جاء إلي ابن عباس رضي الله عنهما فقال: يا ابن عباس، الم تعلم أن الثلاث كانت على عهد رسول الله صلي الله عليه وسلم، وأبي بكر وصدر من خلافة عمر ترد إلي الواحدة قال. نعم.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (إغاثة اللهفان.۲۹۸): وأنت إذا طابقت بين هذه الترجمة وبين لفظ الحديث وجدتها لا يدل عليها ولا يشعر بها بوجه من الوجوه بل الترجمة لون والحديث لون آخر وكأنه لما أشكل عليه لفظ الحديث جملة على ما إذا قال لغير المدخول بها - أنت طالق، أنت طالق، انت طالق طلقت واحدة، ومعلوم أن هذا الحكم لم يزل ولا يزال كذلك ولا يتقيد ذلك بزمان رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافةعمر رضي الله عنه، ثم يتغير في خلافة عمر رضي الله عنه، ويمضي الثلاث بعد ذلك على المطلق فالحديث لا يندفع بمثل هذا البتة. اهـ.

وهناك توجيه آخر للحديث قال ابن حجر (فتح الباري. ۹/۳۶۳): وهو جواب اسحق بن راهويه وجماعة وبه جزم زكريا الساجي من الشافعية.

ووجهوه بأن غير المدخول بها تبين إذا قال لها زوجها: أنت طالق، فإذا قال ثلاثًا لغي العدد لوقوعه بعد البينونة.

وتعقبه القرطبي بأن قوله أنت طالق ثلاثًا كلام متصل غير منفصل فكيف جعله كلمتين؟ وتعطي كل كلمة حكمًا؟

وقال النووي أنت طالق معناه: أنت ذات الطلاق، وهذا اللفظ يصح تفسيره بالواحدة وبالثلاث وغير ذلك. انتهى كلام ابن حجر.

وأجاب ابن القيم عن الرواية التي فيها ذكر غير المدخول بها فقال (إغاثة

اللهفان: ۱/۲۸۵/۲۸۶)؛ ورواية طاؤس نفسه عن ابن عباس ليس في شيء منها قبل الدخول، وإنما حكى ذلك طاؤس عن سؤال أبي الصهباء لابن عباس فأجابه ابن عباس بما سأله عنه ولعله إنما بلغه جعل الثلاث واحدة في حق مطلق قبل الدخول، فسأل عن ذلك ابن عباس وقال: "كانوا يجعلونها واحدة؟" فقال له ابن عباس "نعم" أي الأمر ما قلت وهذا لا مفهوم له فإن التقييد في الجواب وقع في مقابلة تقييد السؤال ومثل هذا لا يعتبر مفهومه.

نعم لو لم يكن السؤال مقيداً فقيد المسؤول الجواب كان مفهومه معتبراً، وهذا كما إذا سئل عن فأرة وقعت في سمن فقال "إذا وقعت الفأرة في السمن فألقوها وما حولها وكلوه" لم يدل ذلك على تعين الحكم بالسمن خاصة، وبالجملة فغير المدخول بها فرد من أفراد النساء فذكر النساء مطلقًا في أحد الحديثين وذكر بعض أفرادهن في الحديث الآخر لا تعارض بينهما.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي (أضواء البيان: ۱/۱۹۶ـ۱۹۷ـ۱۹۸). وحجة هذا القول أن بعض الروايات كرواية أبي داؤد جاء فيها التقييد بغير المدخول بها، والمقرر في الأصول هو حمل المطلق على المقيد ولا سيما إذا اتحد الحكم والسبب كما هنا، قال في مراقي السعود:

وحمل مطلق على ذاك وجب إن فيهما اتحد حكم والسبب

وما ذكره الأبي رحمه الله من أن الإطلاق والتقييد إنما هو في حديثين، أما في حديث واحد من طريقين فمن زيادة العدل فمردود بأنه لا دليل عليه وإنه مخالف لظاهر كلام عامة العلماء ولا وجه للفرق بينهما، وما ذكره الشوكاني رحمه الله في نيل الأوطار من أن رواية أبي داؤد التي فيها التقييد بعدم الدخول فرد من أفراد الروايات العامة، وذكر بعض أفراد العام بحكم العام لا يخصصه، لا يظهر، لأن هذه المسألة من مسائل المطلق والمقيد، لا من مسائل ذكر بعض أفراد العام،

فالروايات التي أخرجها مسلم مطلقة عن قيد الدخول، والرواية التي أخرجها أبوداؤد مقيدة بعدم الدخول كما ترى، والمقرر في الأصول حمل المطلق على المقيد، ولا سيما إن اتحد الحكم والسبب كما هنا.

نعم لقائل أن يقول: إن كلام ابن عباس في رواية أبي داؤد المذكورة وارد على سؤال أبي الصهباء وأبو الصهباء لم يسأل إلا عن غير المدخول بها فجواب ابن عباس لا مفهوم مخالفة له، لأنه إنما خص غير المدخول بها لمطابقة الجواب للسؤال.

وقد تقرر في الأصول أن من موانع اعتبار دليل الخطاب أعني مفهوم المخالفة كون الكلام واردًا جوابا لسؤال، لأن تخصيص المنطوق بالذكر لمطابقة السؤال فلا يتعين كونه لإخراج المفهوم عن المنطوق، وأشار إليه في مراقي السعود في ذكر موانع اعتبار مفهوم المخالفة بقوله:

وجهل الحكم والنطق انجلب لسؤال أو جرى على الذي غلب

ومحل الشاهد منه قوله - أو النطق انجلب للسؤال.

وقد قدمنا أن رواية أبي داؤد المذكورة عن أيوب السختياني عن غير واحد عن طاؤس، وهو صريح في أن من روى عنهم أيوب مجهولون، ومن لم يعرف من هو لا يصح الحكم بروايته، ولذا قال النووي في شرح مسلم ما نصه: وأما هذه الرواية لأبي داؤد فضعيفة رواها أيوب عن قوم مجهولين عن طاؤس عن ابن عباس فلا يحتج بها، والله أعلم. انتهى منه بلفظه.

وقال المنذري في مختصر سنن أبي داؤد بعد أن ساق الحديث المذكور ما نصه: الرواة عن طاؤس مجاهيل. انتهى منه بلفظه. وضعف رواية أبي داؤد هذه ظاهر كما ترى للجهل بمن روى عن طاؤس فيها، وقال العلامة ابن القيم رحمه الله تعالى في زاد المعاد بعد أن ساق لفظ هذه الرواية ما نصه: وهذا لفظ الحديث

وهو بأصح إسناد. انتهى محل الغرض منه بلفظه فانظره مع ما تقدم. انتهى كلام الشيخ محمد الأمين الشنقيطي.

الجواب الرابع :

ليس في الحديث ما يدل على أن الرسول ﷺ هو الذي جعل ذلك ولا بأنه علم به وأقر عليه وهذا جواب ابن المنذر وابن حزم ومن وافقهما.

قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ۱/ ۲۹۹): وأما ابن المنذر فقال: لم يكن ذلك عن علم النبي ﷺ ولا عن أمره، قال. وغير جائز أن يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبي ﷺ شيئا ثم يفتي بخلافه، فلما لم يجز ذلك دل فتيا ابن عباس رضي الله عنه على أن ذلك لم يكن عن علم النبي ﷺ ولا عن أمره، إذ لو كان ذلك عن علم النبي ﷺ مااستحل ابن عباس أن يفتي بخلافه أو يكون ذلك منسوخا استدلالا بفتيا ابن عباس.

وقال ابن حزم (المحلى ۱۰/۱٦۸/۱٦۹): وأما حديث طاؤس عن ابن عباس الذي فيه أن الثلاث كانت واحدة وترد إلى واحدة "وتجعل واحدة" فليس في شيء منه أنه عليه الصلاة والسلام هو الذي جعلها واحدة أوردها إلى واحدة ولأنه عليه الصلاة والسلام علم بذلك فأقره، ولا حجة إلا فيما صح أنه عليه الصلاة والسلام قاله أو فعله أو علمه فلم ينكره وإنما يلزم هذا الخبر من قال في قول أبي سعيد الخدري "كنا نخرج زكاة الفطر على عهد رسول الله ﷺ صاعا من كذا وأما نحن فلا. انتهى كلام ابن حزم.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (زادالمعاد ٤/ ۲٤۰): سبحانك هذا بهتان عظيم أن يستمر هذا الجعل الحرام المتضمن لتغيير شرع الله ودينه وإباحة الفرج لمن هو عليه حرام وتحريمه على من هو عليه حلال على عهد رسول الله ﷺ وأصحابه خير الخلق وهم يفعلونه ولا يعلمونه ولا يعلمه هو، والوحي ينزل

عليه وهو يقرهم عليه، فهب أن رسول الله ﷺ لم يكن يعلمه، وأصحابه يعلمونه ويبدلون دينه وشرعه والله يعلم ذلك ولا يوحيه إلى رسوله ولا يعلمه به، ثم يتوفى الله رسوله والأمر على ذلك فيستمر هذا الضلال العظيم والخطأ المبين عندكم مدة خلافة الصديق كلها يعمل به ولا يغيره إلى أن فارق الصديق الدنيا، واستمر الخطأ والضلال المركب صدراً من خلافة عمر حتى رأى بعد ذلك رأيه أن يلزم الناس بالصواب، فهل بالجهل بالصحابة وما كانوا عليه في عهد نبيهم وخلفائه أقبح من هذا؟ وتالله لو كان جعل الثلاث واحدة خطأ محضاً لكان أسهل من هذا الخطأ الذي ارتكبتموه، والتأويل الذي تأولتموه، ولو تركتم المسألة بهيأتها لكان أقوى لشأنها من هذه الأدلة والأجوبة.

وذكر الشيخ محمد الأمين الشنقيطي (أضواء البيان ١/١٩٦). ضعف هذا الجواب لأن جماهير المحدثين والأصوليين على أن ما أسنده الصحابي إلى عهد النبي ﷺ له حكم المرفوع، وإن لم يصرح بأنه بلغه ﷺ وأقره.

الجواب الخامس:

ما ذكره المجد قال: وتأوله بعضهم على صورة تكرير لفظ الطلاق بأن يقول: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق فإنه يلزمه واحدة إذا قصد التوكيد وثلاثاً إذا قصد تكرير الإيقاع، فكان الناس في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر على صدقهم وسلامتهم وقصدهم في الغالب الفضيلة والاختيار، لم يظهر فيهم خب ولا خداع، وكانوا يصدقون في إرادة التوكيد فلما رأى عمر في زمانه أموراً ظهرت وأحوالاً تغيرت وفشا إيقاع الثلاث جملة بلفظ لا يحتمل التأويل ألزمهم الثلاث في صورة التكرير إذ صار الغالب عليهم قصدها، وقد أشار إليه بقوله: "إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة". انتهى كلام المجد.

وهذا جواب ابن سريج كما قاله (معالم السنن ٣/٢٢٧) الخطابي

والمنذري (المختصر المنذري ٣/١٢٩).

وقال ابن حجر (الفتح ٩/٢٩٨): هذا الجواب ارتضاه القرطبي وقواه بقول عمر: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، وكذا قال النووي إنه أصح الأجوبة.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (زادالمعاد ٤/١١٨، ١١٩): وأما حملكم الحديث على قول المطلق: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، ومقصوده التأكيد بما بعد الأول فسياق الحديث من أوله إلى آخره يرده فإن هذا الذي أولتم الحديث عليه لا يتغير بوفاة رسول الله ﷺ لا يختلف على عهده وعهد خلفائه، وهلم جرًا... آخر الدهر، ومن ينويه في قصد التأكيد لا يفرق بين بر وفاجر وصادق وكاذب بل يرده إلى نيته، وكذلك من لا يقبله في الحكم لا يقبله مطلقًا برًا كان أو فاجرًا.

وأيضًا فإن قوله: "إن الناس قد استعجلوا وتتابعوا في شيء كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم" إخبار من عمر بأن الناس قد استعجلوا ما جعلهم الله في فسحة منه وشرعه متراخيًا بعضه عن بعض رحمة بهم ورفقًا وأناة لهم لئلا يندم مطلق فيذهب حبسه من يده من أول وهلة فيعز عليه تداركه فجعل له أناة ومهلة يستعتبه فيها ويرضيه، ويزول ما أحدثه الغضب الداعي إلى الفراق ويراجع كل منهما الذي عليه بالمعروف، فاستعجلوا فيما جعل لهم فيه أناة ومهلة وأوقعوه بفم واحد، فرأى عمر أن يلزمهم ماالتزموا عقوبة لهم فإذا علم المطلق أن زوجته وسكنه تحرم عليه من أول مرة بجمعه الثلاث كف عنها ورجع إلى الطلاق المشروع المأذون فيه وكان هذا من تأديب عمر لرعيته لما أكثروا من الطلاق الثلاث... هذا وجه الحديث الذي لا وجه له غيره فأين هذا من تأويلكم المستكره المستبعد الذي لا توافقه ألفاظ الحديث بل تنبو عنه وتنافره.

ويمكن أن يجاب عن جواب ابن القيم بما قاله الشيخ محمد الأمين الشنقيطي قال (أضواء البيان: ١٨٠-١٨٢): وللجمهور عن حديث ابن عباس هذا عدة أجوبة. الأول: أن الثلاث المذكورة فيها التي كانت تجعل واحدة ليس في شيء من روايات الحديث، التصريح بأنها دفعة بلفظ واحد، ولفظ كلامه الثلاث لا يلزم منه لغة ولا عقلاً ولا شرعا أن تكون بلفظ واحد، فمن قال لزوجته أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق ثلاث مرات في وقت واحد فطلاقه هذا طلاق الثلاث، لأنه صريح بالطلاق فيه ثلاث مرات، وإذا قيل لمن جزم بأن المراد في الحديث إيقاع الثلاث بكلمة واحدة من أين أخذت كونها بكلمة واحدة، فهل في لفظ من ألفاظ الحديث أنها بكلمة واحدة؟ وهل يمنع إطلاق الطلاق الثلاث على الطلاق بكلمات متعددة؟

فإن قال: لا يقال له طلاق الثلاث إلا إذا كان بكلمة واحدة، فلا شك في أن دعواه هذه غير صحيحة، وإن اعترف بالحق وقال: يجوز إطلاقه على ما أوقع بكلمة واحدة وعلى ما أوقع بكلمات متعددة وهو أشد بظاهر اللفظ، قيل له، وإذا فجزمك بكونه بكلمة واحدة لا وجه له، وإذا لم يتعين في الحديث كون الثلاث بلفظ واحد سقط الاستدلال به من أصله في محل النزاع.

ومما يدل على أنه لا يلزم من لفظ طلاق الثلاث في هذا الحديث كونها بكلمة واحدة أن الإمام أبا عبدالرحمن النسائي مع جلالته وعلمه وشدة فهمه ما فهم من هذا الحديث إلا أن المراد بطلاق الثلاث لفظه أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق بتفريق الطلقات لأن لفظ الثلاث أظهر في إيقاع الطلاق ثلاث مرات ولذا ترجم في سننه لرواية أبي داؤد المذكورة في هذا الحديث وقد سبق في الوجه الثالث ثم قال: فترى هذا الإمام الجليل صرح بأن طلاق الثلاث في هذا الحديث ليس بلفظ واحد بل بألفاظ متفرقة ويدل على صحة ما فهمه النسائي رحمه الله

من الحديث ما ذكره العلامة ابن القيم رحمه الله في زاد المعاد في الرد على من استدل لوقوع الثلاث دفعة بحديث عائشة، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت الحديث، فإنه قال فيه ما نصه. ولكن أين في الحديث أنه طلق الثلاث بفم واحد؟ بل الحديث حجة لنا فإنه لا يقال فعل ذلك ثلاثاً، وقال ثلاثاً إلا من فعل وقال مرة بعد مرة وهذا هو المعقول في لغات الأمم عربهم وعجمهم، كما يقال قذفه ثلاثاً وشتمه ثلاثاً وسلم عليه ثلاثاً. اهـ بلفظه.

وهو دليل واضح لصحة ما فهمه النسائي رحمه الله من الحديث، لأن لفظ الثلاث في جميع رواياته أظهر في أنها طلقات ثلاث واقعة مرة بعد مرة كما أوضحه ابن القيم في حديث عائشة آنفاً. وبعد أن نقل كلام ابن سريج وأن القرطبي ارتضى هذا الجواب ونقل عن النووي جوابه عنه وقد سبقت الإشارة إلى ذلك كله في أول الجواب ثم قال. قال مقيده عفا الله عنه. وهذا الوجه لا إشكال فيه لجواز تغير الحال عند تغير القصد لأن الأعمال بالنيات ولكل امرئ ما نوى، وظاهر اللفظ يدل لهذا كما قدمنا

وعلى كل حال فادعاء الجزم بأن معنى حديث طاوس المذكور أن الثلاث بلفظ واحد ادعاء خال من دليل كما رأيت، فليتق الله من تجرأ على عزو ذلك إلى النبي ﷺ مع أنه ليس في شيء من روايات حديث طاوس كون الثلاث المذكورة بلفظ واحد، ولم يتعين ذلك من اللغة ولا من الشرع ولا من العقل كما ترى. قال مقيده عفا الله عنه ويدل لكون الثلاث المذكورة ليست بلفظ واحد ما تقدم من حديث ابن إسحاق عن داود بن الحصين عن عكرمة، عن ابن عباس، عند أحمد وأبي يعلى، من قوله طلق امرأته ثلاثاً في مجلس واحد وقوله ﷺ "كيف طلقتها؟" قال ثلاثاً في مجلس واحد لأن التعبير بلفظ المجلس يفهم منه أنها ليست بلفظ واحد، إذ لو كان اللفظ واحداً لقال بلفظ واحد ولم يحتج إلى ذكر

المجنس، إذ لا داعي لذكر الوصف الأعم وترك الأخص بلا موجب كما هو ظاهر. انتهى كلام الشيخ الشنقيطي.

الجواب السادس :

عن حديث طاؤس عن ابن عباس أن سائر أصحاب ابن عباس رووا عنه الفتاء ه بخلاف ذلك وما كان ابن عباس ليروى عن النبي ﷺ شيئا ثم يخالفه إلى رأي نفسه، بل المعروف عنه أنه كان يقول: أنا أقول لكم سنة رسول الله ﷺ وتقولون قال أبوبكر و عمر فانه في فسخ الحج وغيره، ولهذا اتجه الإمام احمد بن حنبل إلى دفع حديث طاؤس هذا مما رواه سائر أصحاب ابن عباس عن ابن عباس. قال الأثرم: سألت أبا عبدالله عن حديث ابن عباس: كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر و عمر رضي الله تعالى عنهما طلاق الثلاث واحدة بأي شيء تدفعه. قال: برواية الناس عن ابن عباس من وجوه خلافه وكذلك نقل عنه ابن منصور، ذكر جميع ذلك الإمام ابن القيم (إغاثة اللهفان ۱/۱۵۸-۱۵۹) وجاء في مسودة آل تيمية ما نصه (المسودة ۲۴۲)

"وفيه - أي معاني الحديث للأثرم - أيضًا في حديث ابن عباس. كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدرًا من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال أبو عبدالله: ادفع هذا الحديث بأنه قد روى عن ابن عباس خلافه من عشرة وجوه، أنه كان يرى طلاق الثلاث ثلاثًا" اهـ.

وقال البيهقي في "باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد في خلاف ذلك" (السنن الكبرى ۷/۳۳۷-۳۳۸) هذا الحديث أحد ما اختلف فيه البخاري ومسلم فأخرجه مسلم وتركه البخاري وأظنه إنما تركه لمخالفته سائر الروايات عن ابن عباس ... ومنها ما أخبرنا أبوزكريا بن أبي إسحاق، نا أبوالعباس محمد بن يعقوب، أنا الربيع، أنا الشافعي، أنا مسلم و عبدالمجيد، عن ابن جريج قال:

أخبرني عكرمة بن خالد أن سعيد بن جبير أخبره، أن رجلاً جاء إلى ابن عباس فقال: طلقت امرأتي ألفًا، فقال: تأخذ ثلاثًا وتدع تسعمائة وسبعة وتسعين، ورواه عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير عن ابن عباس أنه قال لرجل طلق امرأته ثلاثًا حرمت عليك.

وأخبرنا أبو زكريا بن أبي إسحاق وأبوبكر بن الحسن قالا: نا أبو العباس، نا الربيع، نا الشافعي، نا مسلم بن خالد و عبدالمجيد عن ابن جريج عن مجاهد قال: قال رجل لابن عباس طلقت امرأتي مائة قال: تأخذ ثلاثًا وتدع سبعًا وتسعين.

وأخبرنا أبو عبدالله الحافظ: نا أبو عمرو بن مطر، نا يحيى بن محمد، نا عبيدالله بن معاذ، نا أبي، نا شعبة عن ابن أبي نجيح وحميد الأعرج، عن مجاهد قال: سئل ابن عباس عن رجل طلق امرأته مائة فقال عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تتق الله فيجعل لك مخرجًا {ومن يتق الله يجعل له مخرجًا} يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱)

وأخبرنا أبو عبدالله الحافظ وعبيد بن محمد بن محمد بن مهدي قالا: نا أبو العباس محمد بن يعقوب، نا يحيى بن أبي طالب، أنا عبدالوهاب بن عطاء، أنا ابن جريج، عن عبد الحميد بن رافع، عن عطاء أن رجلاً قال لابن عباس طلقت امرأتي مائة فقال. تأخذ ثلاثًا وتدع سبعًا وتسعين، وأخبرنا محمد بن عبدالله الحافظ واحمد بن الحسن القاضي قالا. نا أبو العباس محمد بن يعقوب، نا محمد بن إسحاق أنا حسين بن محمد، نا جرير بن حازم، عن أيوب عن عمرو بن دينار، أن ابن عباس سئل عن رجل طلق امرأته عدد النجوم فقال: إنما يكفيك رأس الجوزاء.

وأخبرنا أبو عبدالله الحافظ، نا أبو العباس محمد بن يعقوب، نا الحسن بن علي بن عفان، نا ابن نمير عن الأعمش عن مالك بن الحارث عن ابن عباس قال: أتاني رجل فقال: إن عمي طلق امرأته ثلاثًا فقال: إن عمك عصى الله فأندمه الله

وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجًا. قال: أفلا يحللها له رجل؟ فقال: من يخادع الله يخدعه.

أخبرنا أبو أحمد المهرجاني، أنا أبوبكر بن جعفر المزكي، نا محمد بن ابراهيم البوشنجي، نا ابن بكير، نا مالك عن ابن شهاب، عن محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان، عن محمد بن إياس بن البكير أنه قال: طلق رجل امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها ثم بدا له أن ينكحها فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له فسأل أبا هريرة وعبدالله بن عباس عن ذلك فقالا له: لا نرى أن تنكحها حتى تزوج زوجًا غيرك. قال: فإنما كان طلاقي إياها واحدة فقال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل.

فهذه رواية سعيد بن جبير وعطاء ابن أبي رباح و مجاهد وعكرمة وعمرو بن دينار و مالك بن الحارث ومحمد بن إياس بن البكير، ورواية عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري كلهم عن ابن عباس، أنه أجاز الطلاق بالثلاث وأمضاهن ... اهـ. كلام البيهقي رحمه الله تعالى.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (أعلام الموقعين ۳/ ۴۱ ومابعدها): لا يترك الحديث الصحيح المعصوم لمخالفة راويه له فإن مخالفته ليست معصومة. وقد قدم الشافعي رواية ابن عباس في شأن بريرة على فتواه التي تخالفها في كون بيع الأمة طلاقها، وأخذ هو وأحمد وغيرهما بحديث أبي هريرة: من استقاء فعليه القضاء وقد خالفه ابوهريرة وأفتى بأنه لاقضاء عليه. وذكر جملة أمثلة نسبها إلى الحنابلة والحنفية والمالكية والشافعية إلى أن قال رحمه الله والذي ندين الله به ولا يسعنا غيره وهو القصد في هذا الباب أن الحديث إذا صح عن رسول الله ﷺ ولم يصح عنه حديث آخر ينسخه، أن الفرض علينا وعلى الأمة الأخذ بحديثه وترك كل ما خالفه ولا نتركه لخلاف أحد من الناس كائنًا من كان لا راويه

ولا غيره، إذ من الممكن أن ينسى الراوي الحديث، أو لا يحضره وقت الفتيا أو لا يتفطن لدلالته على تلك المسألة، أو يتأول فيه تأويلاً مرجوحاً، أو يقوم في ظنه ما يعارضه، ولا يكون معارضاً في نفس الأمر أو يقلد غيره في فتواه بخلافه لاعتقاده أنه أعلم منه وأنه إنما خالفه لما هو أقوى منه ولو قدر انتفاء ذلك كله ولا سبيل إلى العلم بانتفائه ولا ظنه لم يكن الراوي معصوماً ولم توجب مخالفته لما رواه سقوط عدالته حتى تغلب سيئاته حسناته، وبخلاف هذا الحديث الواحد لا يحصل له ذلك. اهـ.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي تعليقاً على هذا الوجه (أضواء البيان ١/١٨٩-١٩٠): قال مقيده عفا الله عنه: فهذا إمام المحدثين وسيد المسلمين في عصره الذي تداركت به الإسلام بعد ما كادت تتزلزل قواعده وتغير عقائده أبو عبد الله أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى قال للأثرم وابن منصور: أنه رفض حديث ابن عباس قصداً لأنه يرى عدم الاحتجاج به في لزوم الثلاث بلفظ واحد لرواية الحفاظ عن ابن عباس ما يخالف ذلك، وهذا الإمام محمد بن إسماعيل البخاري ـ وهو هو ـ ذكر عنه الحافظ البيهقي أنه ترك الحديث عمداً لذلك الموجب الذي تركه من أجله الإمام أحمد، ولا شك أنهما ما تركاه إلا لموجب يقتضي ذلك.

فإن قيل رواية طاؤس في حكم المرفوع ورواية الجماعة المذكورين موقوفة على ابن عباس والمرفوع لا يعارض بالموقوف. فالجواب أن الصحابي إذا خالف ما روى ففيه للعلماء قولان وهما روايتان عن أحمد رحمه الله، الأولى: أنه لا يحتج بالحديث لأن أعلم الناس به راويه وقد ترك العمل به وهو عدل عارف وعلى هذه الرواية فلا إشكال.

وعلى الرواية الأخرى التي هي المشهورة عند العلماء أن العبرة بروايته لا

بقوله فإنه لا تقدم روايته إلا إذا كانت صريحة المعنى أو ظاهرة فيه ظهورًا يضعف معه احتمال مقابله، أما إذا كانت محتملة لغير ذلك المعنى احتمالاً قويًا فإن مخالفة الراوي لما روى تدل على أن ذلك المحتمل الذي ترك ليس هو معنى ما روى، وقد قدمنا أن لفظ طلاق الثلاث في حديث طاوس المذكور محتمل احتمالاً قويًا لأن تكون الطلقات مفرقة كما جزم به النسائي وصححه النووي والقرطبي و ابن سريج

فالحاصل أن ترك ابن عباس لجعل الثلاث بفم واحد واحدة يدل على أن معنى الحديث الذي روى ليس كونها بلفظ واحد ... واعلم أن ابن عباس لم يثبت عنه أنه أفتى بالثلاث بفم واحد أنها واحدة، وما روى عنه أبوداؤد من طريق حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة أن ابن عباس قال إذا قال أنت طالق ثلاثًا بفم واحد فهي واحدة فهو معارض بما رواه أبوداؤد نفسه من طريق اسماعيل بن إبراهيم عن أيوب عن عكرمة أن ذلك من قول عكرمة لا من قول ابن عباس، وترجح رواية اسماعيل بن ابراهيم على رواية حماد بموافقة الحفاظ لإسماعيل في أن ابن عباس يجعلها ثلاثًا لا واحدة انتهى.

الجواب السابع :

حمل الثلاث فيه على أن المراد بها لفظ البتة، وكان يراد بها واحدة على عهد رسول الله ﷺ كما أراد بها ركانة ثم تتابع الناس فأرادوا بها الثلاث فألزمهم عمر إياها.

وهذا جواب الخطابي وقواه ابن حجر قال الخطابي (معالم السنن ١٢٦/٣) ويشبه أن يكون معنى الحديث منصرفًا إلى طلاق البتة لأنه قد روى عن النبي ﷺ في حديث ركانة أنه جعل البتة واحدة، وكان عمر بن الخطاب رضي الله عنه يراها واحدة، ثم تتابع الناس في ذلك فألزمهم الثلاث وإليه ذهب غير

واحد من الصحابة رضي الله تعالى عنهم روى عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه أنه جعلها ثلاثاً، وكذلك روى عن ابن عمر وكان يقول: أبت الطلاق طلاق البتة، وإليه ذهب سعيد بن المسيب وعروة و عمر بن عبدالعزيز والزهرى، وبه قال مالك والأوزاعي و ابن أبي ليلى و أحمد بن حنبل، وهذا كصنيعه بشارب الخمر فإن الحد كان في زمان النبي ﷺ وأبي بكر أربعين، ثم أن عمر لما رأى الناس تتابعوا في الخمر واستخفوا بالعقوبة فيها قال: أرى أن تبلغ فيها حد المفترى، لأنه إذا سكر هذى وإذا هذى افترى وكان ذلك على ملأ من الصحابة فلا ينكر أن يكون الأمر في طلاق "البتة" على شاكلته. انتهى كلام الخطابي.

وقال ابن حجر (فتح البارى ۹/۲۹۹) هو قوى ويؤيده إدخال البخارى في هذا الباب الآثار التي فيها "البتة" والأحاديث التي فيها التصريح بالثلاث كأنه يشير إلى عدم الفرق بينهما، وأن "البتة" إذا أطلقت حملت على الثلاث إلا إن اراد المطلق واحدة فيقبل فكأن بعض رواته حمل لفظ (البتة) على الثلاث لاشتهار التسوية بينهما فرواها بلفظ الثلاث وإنما المراد لفظ البتة وكانوا في العصر الأول يقبلون ممن قال أردت بالبتة الواحدة فلما كان عهد عمر أمضى الثلاث في ظاهر الحكم ... انتهى كلام الحافظ بن حجر.

الجواب الثامن :

حمل الحديث على أنه شاذ وقد حمله على ذلك جماعة من أهل العلم فقال ابن عبد الهادى قال ابن رجب في كتاب "مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة" وساق حديث ابن عباس ثم قال (سير الحاث: ۷٤): فهذا الحديث لأئمة الإسلام فيه طريقان:

أحدهما وهو مسلك الإمام أحمد ومن وافقه ويرجع الكلام في إسناد الحديث بشذوذه وانفراد طاوس به، وأنه لم يتابع عليه، وانفراد الراوى بالحديث

وإن كان ثقة هو علة في الحديث يوجب التوقف فيه وأن يكون شاذا ومنكرا إذا لم يرو معناه من وجه يصح وهذه طريقة أئمة الحديث المتقدمين، كالإمام أحمد ويحيى القطان ويحيى بن معين وعلي بن المديني وغيرهم، وهذا الحديث لا يرويه عن ابن عباس غير طاؤس قال الإمام أحمد في رواية ابن منصور: كل أصحاب ابن عباس يعني رووا عنه خلاف ما روى طاؤس.

وقال الجوزجاني: هو حديث شاذ، قال وقد عنيت بهذا الحديث في قديم الدهر فلم أجد له أصلاً. قال المصنف ومتى أجمع الأمة على إطراح العمل بحديث وجب اطراحه وترك العمل به، وقال ابن مهدى لا يكون إماما في العلم من عمل بالشاذ.

وقال النخعي: كانوا يكرهون الغريب من الحديث. وقال يزيد بن أبي حبيب: إذا سمعت الحديث فأنشده كما تنشد الضالة فإن عرف وإلا فدعه، وعن مالك قال: "شر العلم الغريب" وخير العلم الظاهر الذى قد رواه الناس وفي هذا الباب شيء كثير لعدم جواز العمل بالغريب وغير المشهور ... قال ابن رجب: وقد صح عن ابن عباس وهو راوى الحديث أنه أفتي بخلاف هذا الحديث ولزوم الثلاث المجموعة، وقد علل بهذا أحمد والشافعي كما ذكره في المغني وهذه أيضا علة في الحديث بانفرادها فكيف وقد ضم إليها علة الشذوذ والإنكار وإجماع الأمة.

وقال القاضي إسماعيل في كتاب "أحكام القرآن": طاؤس مع فضله وصلاحه يروى أشياء منكرة منها هذا الحديث، وعن أيوب أنه كان يعجب من كثرة خطأ طاؤس.

وقال ابن عبدالبر: شذ طاؤس في هذا الحديث.

قال ابن رجب وكان علماء أهل مكة ينكرون على طاؤس ما ينفرد به من

شواذ الأقاويل. انتهى المقصود. الثاني: أنه منسوخ وقد سبق ما يغني عن إعادته

ونقل القرطبي عن ابن عبدالبر أنه قال (تفسير القرطبي ۳/۱۲۹): رواية طاؤس وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من فقهاء الأمصار بالحجاز والشام والمغرب۔ قال۔ وقد قيل: إن أبا الصهباء لا يعرف في موالي ابن عباس.

ونقل الشيخ محمد الأمين الشنقيطي عن ابن العربي المالكي ما يختص بحديث ابن عباس هذا فقال (أضواء البيان ۱۹۲): فإن قيل ففي صحيح مسلم عن ابن عباس وذكر حديث أبي الصهباء المذكور؟ قلنا هذا لا متعلق فيه من خمسة أوجه:

الأول :

أنه حديث مختلف في صحته، فكيف يقدم على إجماع الأمة ولم يعرف لها في هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين، وقد سبق العصر ان الكريمان والاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رووا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم نقل العدل عن العدل، ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبدا.

الثاني :

أن هذا الحديث لم يرد إلا عن ابن عباس ولم يرو عنه إلا عن طريق طاؤس فكيف يقبل ما لم يروه من الصحابة إلا واحد ومالم يروه عن ذلك الصحابي إلا واحد، وكيف خفي على جميع الصحابة وسكتوا عنه إلا ابن عباس، وكيف خفي على أصحاب ابن عباس إلا طاؤس؟ انتهى محل الغرض من كلام ابن العربي. انتهى۔

وقال ابن حجر (الفتح ۹/۳۶۳): الجواب الثاني دعوى شذوذ رواية طاؤس وهي طريقة البيهقي فإنه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث، ثم

نقل عن ابن المنذر انه لا يظن بابن عباس أن يحفظ عن النبي ﷺ شيئا ويفتي بخلافه. فيتعين المصير إلى الترجيح والأخذ بقول الأكثر اولى من الأخذ بقول الواحد إذا خالفهم. انتهى.

وقال ابن التركماني و طاؤس يقول: إن أبا الصهباء مولاه سأله عن ذلك ولا يصح ذلك عن ابن عباس لرواية الثقات عنه خلافه ولو صح عنه ما كان قوله حجة على من هو من الصحابة أجل وأعلم منه، وهم عمر و عثمان و علي و ابن مسعود و ابن عمر وغيرهم. انتهى

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال بعد عرضه لهذا المسلك (إغاثة اللهفان ١/٢٩٥-٢٩٦): وهذا أفسد من جميع ما تقدم، ولا ترد أحاديث الصحابة وأحاديث الأئمة الثقات بمثل هذا، فكم من حديث تفرد به واحد من الصحابة لم يروه غيره وقبلته الأمة كلهم فلم يرده أحد منهم، وكم من حديث تفرد به من هو دون طاؤس بكثير ولم يرده أحد من الأئمة ولا نعلم أحدًا من أهل العلم قديمًا ولا حديثًا قال: إن الحديث إذا لم يروه إلا صحابي واحد لم يقبل، وإنما يحكى عن أهل البدع ومن تبعهم في ذلك أقوال لا يعرف لها قائل من الفقهاء.

قد تفرد الزهري بنحو ستين سنة، لم يروها غيره، وعلمت بها الأمة ولم يردوها بتفرده هذا مع أن عكرمة روى عن ابن عباس رضي الله عنهما حديث ركانة وهو موافق لحديث طاؤس عنه، فإن قدح في عكرمة أبطل وتناقض، فإن الناس احتجوا بعكرمة، وصحح أئمة الحفاظ حديثه، ولم يلتفتوا إلى قدح من قدح فيه.

فإن قيل: فهذا هو الحديث الشاذ، وأقل أحواله أن يتوقف فيه ولا يجزم بصحته عن رسول الله ﷺ قيل: ليس هذا هو الشاذ، وإنما الشذوذ: أن يخالف الثقات فيما رووه فيشذ عنهم بروايته، فأما إذا روى الثقة حديثًا منفردًا به، لم يرو

الثقات خلافه فإن ذلك لا يسمى شاذًا. وإن اصطلح على تسميته شاذًا بهذا المعنى، لم يكن هذا الاصطلاح موجبًا لرده، ولا مسوغًا له.

قال الشافعي: "وليس الشاذ أن ينفرد الثقة برواية الحديث، بل الشاذ أن يروى خلاف ما رواه الثقات" قاله في مناظرته لبعض من رد الحديث بتفرد الراوى به ... ثم إن هذا القول لا يمكن أحدًا من أهل العلم، ولا من الأئمة، ولا من أتباعهم طرده، ولو طردوه لبطل كثير من أقوالهم وفتاويهم. والعجب أن الرادين لهذا الحديث بمثل هذا الكلام قد بنوا كثيرًا من مذاهبهم على أحاديث ضعيفة، انفرد بها رواتها لا تعرف عن سواهم وذلك أشهر وأكثر من أن يعد.

وبعد ما ذكر الشيخ محمد الأمين الشنقيطي كلامًا يتفق مع ما سبق ذكره عن ابن القيم قال (أضواء البيان ١/١٩٣-١٩٥): نعم لقائل أن يقول: إن خبر الآحاد إذا كانت الدواعي متوفرة إلى نقله ولم ينقله إلا واحد ونحوه، أن ذلك يدل على عدم صحته، ووجهه أن توفر الدواعي يلزم منه النقل تواترًا والاشتهار، فإن لم يشتهر دل على أنه لم يقع، لأن انتفاء اللازم يقتضي انتفاء الملزوم، وهذه قاعدة في الأصول أشار إليها في مراقي السعود بقوله عاطفًا على ما يحكم فيه بعدم صحة الخبر "وخبر الآحاد في السني."

حيث دواعي نقله تواترا نرى له لو قاله تقررا

وجزم بها غير واحد من الأصوليين، وقال صاحب جمع الجوامع عاطفًا على ما يجزم فيه بعدم صحة الخبر والمنقول آحادًا فيما تتوفر الدواعي إلى نقله خلافًا للرافضة. اهـ منه بلفظه.

ومراده أن مما يجزم بعدم صحته الخبر المنقول آحادًا مع توفر الدواعي إلى نقله، وقال ابن الحاجب في مختصره الأصولي مسألة: إذا انفرد واحد فيما يتوفر الدواعي إلى نقله وقد شاركه خلق كثير، كما لو انفرد واحد بقتل خطيب

على المنبر في مدينة فهو كاذب قطعا خلافا للشيعة ا هـ. محل الغرض منه بلفظه.

وفي المسألة مناقشات وأجوبة عنها معروفة في الأصول.

قال مقيده عفا الله عنه : ولا شك أنه على القول بأن معنى حديث طاوس المذكور أن الثلاث بلفظ واحد كانت تجعل واحدة على عهد النبي ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر ثم إن عمر غير ما كان عليه رسول الله ﷺ والمسلمون في زمن أبي بكر وعامة الصحابة أو جلهم يعلمون ذلك، فالدواعي إلى نقل ما كان عليه رسول الله ﷺ والمسلمون من بعده متوفرة توافرا لا يمكن إنكاره لأن (قوله "لأن" كذا بالأصل المطبوع) يرد بذلك التغيير الذي أحدثه عمر فسكوت جميع الصحابة عنه، وكون ذلك لم ينقل منه حرف عن غير ابن عباس، يدل دلالة واضحة على أحد أمرين:

أحدهما :

أن حديث طاوس الذي رواه عن ابن عباس ليس معناه أنها بلفظ واحد بل بثلاثة ألفاظ في وقت واحد كما قلمنا، وكما جزم به النسائي وصححه النووي والقرطبي وابن سريج. وعليه فلا إشكال، لأن تغيير عمر للحكم مبنى على تغيير قصدهم، والنبي ﷺ قال: "إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرىء ما نوى"، فمن قال: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، ونوى التأكيد فواحدة، وإن نوى الاستئناف بكل واحدة فثلاث، واختلاف محامل اللفظ الواحد لاختلاف نيات اللافظين به لا إشكال فيه لقوله ﷺ "وإنما لكل امرىء ما نوى".

والثاني :

أن يكون الحديث غير محكوم بصحته لنقله آحادا مع توفر الدواعي إلى نقله. والأول أولى وأخف من الثاني، وقال القرطبي في المفهم في الكلام على حديث طاوس المذكور: وظاهر سياقه يقتضي النقل عن جميعهم أن معظمهم

كانوا يرون ذلك، والعادة في مثل هذا أن يفشو الحكم وينتشر فكيف ينفرد به واحد عن واحد؟ قال: فهذا الوجه يقتضي التوقف عن العمل بظاهره إن لم يقتض القطع ببطلانه. اهـ منه بواسطة نقل ابن حجر في فتح الباري عنه وهو قوي جدا بحسب المقرر في الأصول كما ترى. انتهى.

الجواب التاسع:

أن الحديث مضطرب، نقل هذا الجواب ابن حجر عن القرطبي (فتح الباري ٩/ ٣٦٤) وذكر ابن القيم هذا الجواب وناقشه فقال: وسلك آخرون في رد الحديث مسلكًا آخر فقالوا هو حديث مضطرب لا يصح، ولذلك أعرض عنه البخاري، وترجم في صحيحه على خلافه فقال: "باب فيمن جوز الطلاق الثلاث في كلمة لقوله تعالى: (الطلاق مرتان). ثم ذكر حديث اللعان وفيه فطلقها ثلاثًا قبل أن يأمره رسول الله ﷺ ولم يغير عليه النبي ﷺ وهو لا يقر على باطل".

قالوا: ووجه اضطرابه أنه تارة يروى عن طاوس عن ابن عباس، وتارة عن طاوس عن أبي الصهباء عن ابن عباس، وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس فهذا اضطرابه من جهة السند.

وأما المتن فإن أبا الصهباء تارة يقول: "ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة" وتارة يقول. "ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر واحدة. فهذا يخالف اللفظ الآخر وهذا المسلك من أضعف المسالك ورد الحديث به ضرب من التعنت ولا يعرف أحد من الحفاظ قدح في هذا الحديث ولا ضعفه، والإمام أحمد لما قيل له: بأي شيء ترده؟ قال: برواية الناس عن ابن عباس خلافه.

ولم يرده بتضعيف ولا قدح في صحته، وكيف يتهيأ القدح في صحته ورواته كلهم أئمة حفاظ، حدث به عبدالرزاق وغيره عن ابن جريج بصيغة

الإخبار، وحدث به كذلك ابن جريج عن ابن طاؤس، وحدث به ابن طاؤس عن ابيه. وهذا إسناد لا مطعن فيه لطاعن، وطاؤس من أخص أصحاب ابن عباس، ومذهبه: أن الثلاث واحدة وقد رواه حماد بن زيد عن أيوب عن غير واحد عن طاؤس، فلم ينفرد به عبدالرزاق ولا ابن جريج، ولا عبدالله بن طاؤس فالحديث من أصح الاحاديث، وترك رواية البخاري له لا يوهنه وله حكم أمثاله من الأحاديث الصحيحة التي تركها البخاري لئلا يطول كتابه فإنه سماه: الجامع المختصر الصحيح، ومثل هذا العذر لا يقبله من له حظ من العلم.

وأما رواية من رواه عن أبي الجوزاء فإن كانت محفوظة فهي مما يزيد الحديث قوة وإن لم تكن محفوظة وهو الظاهر فهي وهم في الكنية انتقل فيها عبدالله بن المؤمل عن ابن أبي مليكة من أبي الصهباء، إلى أبي الجوزاء، فإنه كان سيء الحفظ، والحفاظ قالوا: "أبو الصهباء" وهذا لا يوهن الحديث، وهذه الطريق عندالحاكم في المستدرك وأما رواية من رواه مقيداً "قبل الدخول" فإنه تقدم أنه لا تناقض رواية الآخرين على أنها عند أبي داؤد عن أيوب عن غير واحد ورواية الإطلاق عن معمر عن ابن جريج عن ابن طاؤس عن أبيه، فإن تعارضا فهذه الرواية أولى، وإن لم يتعارضا فالأمر واضح.

وحديث داؤد بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس عن النبي ﷺ صريح في كون الثلاث واحدة في حق المدخول بها وغاية ما يقدر في حديث أبي الصهباء أن قوله: "قبل الدخول" زيادة من ثقة فيكون الأخذ بها أولى، وحينئذ فيدل أحد حديثي ابن عباس على أن هذا الحكم ثابت في حق البكر، وحديثه الآخر على أنه ثابت في حكم الثيب أيضاً، فأحد الحديثين يقوي الآخر ويشهد بصحته، وبالله التوفيق.

الجواب العاشر :

أن حديث ابن عباس معارض بالإجماع والإجماع أقوى من خبر الواحد كما ذكر ذلك الشافعي، وغيره وقد سبق استدلال الجمهور بالإجماع مع ذكر أدلتهم لمذهبهم وبيان من قال به ومناقشة ابن القيم له، فاكتفي بذلك عن الإعادة هنا.

الدليل الثاني :

ما رواه الإمام أحمد في المسند قال: حدثنا سعد بن ابراهيم حدثنا أبي عن محمد بن اسحاق قال حدثني داؤد بن الحصين عن عكرمة ـ مولى ابن عباس ـ عن ابن عباس قال: "طلق ركانة ابن عبد يزيد ـ أخو بني المطلب ـ امرأته ثلاثا في مجلس واحد، فحزن عليها حزنا شديدا، قال: فسأله رسول الله ﷺ "كيف طلقتها"؟ قال: طلقتها ثلاثا قال فقال:"في مجلس واحد؟" قال: نعم، فقال: "فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت" قال: فراجعها فكان ابن عباس يرى الطلاق عند كل طهر.

قال ابن القيم (أعلام الموقعين ٣/٤٠) وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد وحسنه، فقال في حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن النبي ﷺ رد ابنته على ابن أبي العاص بمهر جديد، ونكاح جديد" هذا حديث ضعيف أو قال واه لم يسمعه الحجاج عن عمرو بن شعيب وإنما سمعه من محمد بن عبدالله العزرمي، والعزرمي لا يساوي حديثه شيئا والحديث الذي رواه أن النبي ﷺ أقرها على النكاح الأول وإسناده عنده هو إسناد حديث ركانة بن عبد يزيد؟ هذا وقد قال الترمذي فيه ليس بإسناده بأس فهذا إسناد صحيح عند أحمد وليس به بأس عند الترمذي فهو حجة ما لم يعارضه ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده ما هو نظيره أو أقوى منه؟ ثم ساق رواية أبي داؤد وستاتي وهي الدليل الثالث ثم قال ابن

القيم: قال شيخنا رضي الله عنه: وابوداؤد لما لم يرو في سننه الحديث الذي في مسند أحمد يعني الذي ذكرناه آنفا فقال: حديث البتة أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثًا لأنهم أهل بيته ولكن الأئمة الأكابر العارفين بعلل الحديث والفقه كالإمام أحمد و أبي عبيد والبخاري ضعفوا حديث البتة وبينوا أنه رواية قوم مجاهيل لم تعرف عدالتهم وضبطهم وأحمد أثبت حديث الثلاث وبين أنه الصواب وقال حديث ركانة لا يثبت أنه طلق امرأته البتة وفي رواية عنه: حديث ركانة في البتة ليس بشيء، لأن ابن اسحاق يرويه عن داؤد بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه أن ركانة طلق امرأته ثلاثًا وأهل المدينة يسمون الثلاث البتة قال الأثرم: قلت لأحمد حديث ركانة في البتة فضعفه. انتهى.

وقد سبق الكلام على رواية الإمام أحمد لحديث ركانة وكذلك رواية الزبير بن سعيد، ورواية نافع بن عجير عند الكلام على الدليل الخامس لمذهب الجمهور في المسألة الثانية.

الدليل الثالث :

قال أبوداؤد حدثنا أحمد بن صالح، قال حدثنا عبدالرزاق أخبرنا ابن جريج، قال أخبرني بعض بني أبي رافع، مولى النبي ﷺ عن عكرمة مولى ابن عباس، قال: ''طلق يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة ونكح امرأة من مزينة فجاءت النبي ﷺ فقالت: ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ففرق بيني وبينه فأخذت النبي ﷺ حمية فدعى بركانة وإخوته، ثم قال لجلسائه: ''أترون فلانًا يشبه منه كذا وكذا من عبد يزيد وفلانًا لابنه الآخر يشبه منه كذا وكذا؟'' قالوا نعم. فقال النبي ﷺ لعبد يزيد ''طلقها'' ففعل فقال ''راجع امرأتك أم ركانة وإخوته'' فقال: إني طلقتها ثلاثًا يا رسول الله، قال: وتلا ''يا أيها النبي إذا

طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن"... (الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

وقد سبقت مناقشة رواية أبي داؤد عند الكلام على الدليل الخامس لمذهب الجمهور في المسألة الثانية فاكتفي بما هناك عن إعادته هنا.

الدليل الرابع:

ما جاء في بعض روايات حديث ابن عمر من أنه طلق امرأته في الحيض ثلاثًا فاحتسب بواحدة وقد سبقت مناقشة حديث ابن عمر برواياته وأن الصحيح أنه إنما طلقها واحدة وذلك عند الكلام على الدليل السادس فاكتفي بما ذكر هناك عن إعادته هنا.

وأما الاجماع فممن ذكره شيخ الاسلام ابن تيمية و ابن القيم وغيرهما من العلماء فقد بينوا أن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد واحدة في عهد أبي بكر وثلاث سنين من خلافة عمر ويمكن ان يجاب عنه بما ورد من الآثار عن بعض الصحابة في أن الثلاث بلفظ واحد تكون ثلاثًا وقد سبقت.

وأما القياس فقد قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ١/٢٨٩): وأما القياس فإن الله سبحانه وتعالى قال: (والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء إلا أنفسهم فشهادة أحدهم أربع شهادات بالله... الآية الكريمة من سورة النور: ٦)، ثم قال: (ويدرأ عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله. الآية الكريمة من سورة النور: ٨) فلو قال: اشهد بالله أربع شهادات اني صادق، وقالت اشهد بالله أربع شهادات انه كاذب كانت شهادة واحدة ولم تكن أربعًا، فكيف يكون قوله أنت طالق ثلاثًا ثلاث تطليقات وأي قياس أصح من هذا؟ وهكذا كل ما يعتبر فيه العدد من الاقرار ونحوه ولهذا لو قال المقر بالزنا: إني أقر بالزنا أربع مرات كان ذلك مرة واحدة، وقد قال الصحابة لماعز: "إن اقررت اربعًا رجمك رسول الله ﷺ". فلو قال: أقربه أربع مرات كان مرة واحدة فهكذا الطلاق سواء.

وقد أجاب الشيخ محمد الأمين الشنقيطي عن هذا القياس فقال (أضواء البيان ١/٩٥-١٩٦): وقياس أنت طالق ثلاثًا على أيمان اللعان في أنه لو حلفها بلفظ واحد لم تجز، قياس مع وجود الفارق، لأن من اقتصر على واحدة من الشهادات الأربع المذكورة في آية اللعان أجمع العلماء على أن ذلك كما لو لم يأت بشيء منها أصلاً، بخلاف الطلقات الثلاث فمن اقتصر على واحدة منها اعتبرت إجماعًا وحصلت بها البينونة بانقضاء العدة إجماعًا.

وأما الآثار فما جاء عن الصحابة في ذلك، فقد روى طاوس وعكرمة عن ابن عباس الإفتاء بذلك ورواية طاوس عند أبي جعفر النحاس في الناسخ والمنسوخ ورواية عكرمة عند أبي داود من رواية حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس، وحكى ابن وضاح وعنه ابن مغيث الإفتاء بكون الطلاق الثلاث في كلمة واحدة واحدة عن علي و ابن مسعود والزبير و عبدالرحمٰن بن عوف، وجاء عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه. ما رواه الحافظ أبوبكر الاسماعيلي في مسند عمر قال: أخبرنا أبويعلى حدثنا صالح بن مالك، حدثنا خالد بن يزيد بن أبي مالك عن أبيه قال قال عمر رضي الله تعالى عنه: ما ندمت على شيء ندامتي على ثلاث أن لا أكون حرمت الطلاق، وعلى أن لا أكون أنكحت الموالي، وعلى أن لا أكون قتلت النوائح. وكذلك ما نقل من الآثار عن أهل البيت.

ويضاف إلى هذه الآثار ما سبق ذكره من الآثار مما لم يذكر هنا وذلك في الكلام على رد استدلال الجمهور بالإجماع.

وأجيب عن تلك الآثار بما يأتي.

أما ما روى طاوس عن ابن عباس أن من قال لامرأته: أنت طالق ثلاثًا إنما تلزمه طلقة واحدة فقد اعتبره أبوجعفر النحاس من مناكير طاوس التي خولف فيها

طاؤس (الناسخ والمنسوخ: ۷۹) قال: وطاؤس وإن كان رجلاً صالحا فعنده عن ابن عباس مناكير يخالف عليها ولا يقبلها أهل العلم، منها أنه روى عن ابن عباس أنه قال في رجل قال لامرأته أنت طالق ثلاثا إنما تلزمه واحدة ولا يعرف هذا عن ابن عباس إلا من روايته، والصحيح عنه وعن علي ابن أبي طالب رضي الله عنهما أنها ثلاث كما قال الله تعالى (فإن طلقها فلا تحل له من بعد . الآية الكريمة من سورة البقرة. ۲۳۰) أي الثالثة.

وأما ما روى حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس أنه قال "إذا قال أنت طالق ثلاثا بفم واحد فهي واحدة" فقد تعقبه أبو داؤد في سننه بقوله: ورواه اسماعيل بن ابراهيم عن أيوب عن عكرمة هذا قوله ولم يذكر ابن عباس وجعله قول عكرمة، وعلى فرض ثبوتهما فقد رجع ابن عباس عن ذلك كما صرح أبو داؤد قال (سنن أبي داؤد بشرح عون المعبود ۲/۲۲۶-۲۲۷) وصار قول ابن عباس فيما حدثنا أحمد بن صالح و محمد بن يحيى وهذا حديث أحمد قالا . نا عبدالرزاق عن معمر عن الزهري عن أبي سلمة بن عبدالرحمن بن عوف و محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان عن محمد بن إياس أن ابن عباس وأبا هريرة و عبدالله بن عمرو بن العاص سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثا فكلهم قال: لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره: قال أبو داؤد وروى مالك عن يحيى بن سعيد عن بكير بن الأشج عن معاوية بن أبي عياش أنه شهد هذه القصة حين جاء محمد بن إياس بن البكير إلى ابن الزبير وعاصم بن عمر فسألهما عن ذلك فقالا . إذهب إلى ابن عباس و أبي هريرة فإني تركتهما عند عائشة رضي الله عنها ثم ساق هذا الخبر قال أبو داؤد وقول ابن عباس هو أن الطلاق الثلاث تبين من زوجها مدخولاً بها أو غير مدخول بها لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره. هذا مثل خبر الصرف قال فيه ثم إنه رجع عنه يعني ابن عباس. اهـ.

وقد ساق في الباب الذي أورد فيه ذلك وهو باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث آثارًا عن سائر أصحاب ابن عباس بخلاف ما ذكر عن طاؤس وعكرمة حيث قال: حدثنا حميد بن مسعدة، نا إسماعيل أنا أيوب، عن عبدالله بن كثير عن مجاهد قال: كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال - إنه طلق امرأته ثلاثًا قال فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه ثم قال. ينطلق أحدكم فيركب الحموقة ثم يقول. يا ابن عباس: يا ابن عباس وإن الله قال. (ومن يتق الله يجعل له مخرجًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق ٢) وإنك لم تتق الله فلا أجد لك مخرجًا عصيت ربك وبانت منك امرأتك وإن الله تعالى قال: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) قال أبوداؤد: روى هذا الحديث حميد الأعرج وغيره عن مجاهد عن ابن عباس ورواه شعبة عن عمرو بن مرة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، وأيوب وابن جريج جميعًا عن عكرمة بن خالد عن سعيد ابن جبير عن ابن عباس وابن جريج، عن عبدالحميد بن رافع عن عطاء عن ابن عباس، ورواه الأعمش عن مالك بن الحارث، عن ابن عباس وابن جريج عن عمرو بن دينار عن ابن عباس كلهم قالوا في الطلاق الثلاث: إنه أجازها، قال: وبانت منك، نحو حديث إسماعيل عن أيوب عن عبدالله بن كثير ... اهـ.

وقال الباجي بخصوص ما نقل عن ابن عباس من فتواه بأن الثلاث بفم واحد واحدة (المنتقى ٤/٤) ما نصه. قد رجع ابن عباس إلى قول الجماعة وانعقد به الإجماع. اهـ.

وأما ما نقله أبوجعفر أحمد بن محمد بن مغيث الطليطلي عن ابن وضاح، من أن علي بن أبي طالب والزبير ابن العوام وعبدالرحمن بن عوف وعبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنهم قد أفتوا بأن من طلق ثلاثًا في كلمة واحدة لا يلزمه

سوی طلقة واحدة، ليتوقف الإستدلال به على ثبوت السند إليهم بذلك ولم يثبت.

وقد تعقبه أبوبكر بن العربي في كتابه الناسخ والمنسوخ ونقله عنه ابن القيم قال (مختصر سنن ابی داؤد ومعه التهذيب والمعالم ج۳ص۱۲۸). قال تعالى. الطلاق مرتان (الآية الكريمة من سورة البقرة:۲۲۹) "زل قوم في آخرالزمان فقالوا: إن الطلاق الثلاث في كلمة واحدة لا يلزم وجعلوه واحدة ونسبوه إلى السلف الأول فحكوه عن علي والزبير و عبدالرحمن بن عوف و ابن مسعود و ابن عباس، وعزوه إلي الحجاج ابن أرطاة الضعيف المنزلة المغموز المرتبة ورووا في ذلك حديثاً ليس له أصل، وغوى قوم من أهل المسائل فتتبعوا الأهواء المبتدعة فيه وقالوا: إن قوله أنت طالق ثلاثاً كذب لأنه لم يطلق ثلاثاً كما لو قال: طلقت ثلاثاً ولم يطلق إلا واحدة وكما لو قال: أحلف ثلاثاً كانت يميناً واحدة. ومر أبوبكر بن العربي إلى أن قال: وما نسبوه إلى الصحابة كذب بحت لا أصل له في كتاب ولا رواية له عن أحد وقد أدخل مالك في موطئه عن علي أن الحرام ثلاث لازمة في كلمة فهذا في معناها فكيف إذا صرح بها وأما حديث الحجاج بن ارطاة فغير مقبول بن ارطاة فغير مقبول في الملة ولا عند أحد من الأئمة.

قال ابن العربي لم يعرف في هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين وقد سبق العصران الكريمان بالاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رووا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم، نقل العدل عن العدل ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبداً. اھ.

في الاصل فرجة مصححه :

ابن القيم ذلك في إغاثة اللهفان ص۱۷۹ بقوله: "لعله إحدى الروايتين عنهم وإلا

فقد صح بلا شك عن ابن مسعود وعلي و ابن عباس الإلزام بالثلاث إن أوقعها جملة وصح عن ابن عباس أنه جعلها واحدة ولم نقف على نقل صحيح عن غيرهم من الصحابة بذلك، فلذلك لم نعد ما حكي عنهم في الوجوه المبينة للنزاع وإنما نعد ما وقفنا عليه في مواضعه ونعزوه إليها، وبالله التوفيق" ا هـ كلام ابن القيم.

وقال البيهقي في السنن الكبرى في عزو ذلك إلى أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه (السنن الكبرى ج/۷/ص: ۳۳۹-۳۴۰) أخبرنا أبو سعد أحمد بن محمد الماليني، أنا أبو احمد عبدالله بن عدي الحافظ، ثنا محمد بن عبدالوهاب ابن هشام نا علي بن سلمة اللبقي، ثنا ابو أسامة عن الأعمش قال: كان بالكوفة شيخ يقول سمعت علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه يقول: اذا طلق الرجل امرأته ثلاثًا في مجلس واحد فإنه يرد إلى واحدة والناس عنقًا واحدًا إذ ذلك يأتونه ويسمعون منه قال فأتيته فقرعت عليه الباب فخرج إلي شيخ فقلت له: كيف سمعت علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه يقول: فيمن طلق امرأته ثلاثًا في مجلس واحد؟ قال سمعت علي بن ابي طالب يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثًا في مجلس واحد فإنه يرد إلى واحدة، قال فقلت له: أين سمعت هذا من علي رضي الله تعالى عنه؟ قال اخرج إليك كتابًا فاخرج فإذا فيه: بسم الله الرحمن الرحيم، هذا ما سمعت علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثًا في مجلس واحد فقد بانت منه ولا تحل له حتى تنكح زوجا غيره قال- فقلت ويحك هذا غير الذي تقول، قال: الصحيح هو هذا ولكن هؤلاء ارادوني على ذلك" ا هـ.

وأما ما روى أبو يعلى عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه من قوله: "ما ندمت على شيء ندامتي على ثلاث: أن لا أكون حرمت الطلاق" الخ فلا يصلح الاحتجاج به على أن عمر قد ندم آخر حياته على امضاء الثلاث لأمرين:

أحدهما ان يزيد بن ابي مالك لم يدرك عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه وقد قال الحافظ الذهبي في (ميزان الاعتدال) في يزيد بن ابي مالك: صاحب تدليس وإرسال عمن لم يدرك. وذكره الحافظ بن حجر في "تعريف أهل التقديس بالموصوفين بالتدليس" وقال وصفه أبو مسهر بالتدليس.

الثاني ان خالد بن يزيد أبي مالك وهاه ابن معين وقال أحمد: ليس بشيء، وقال النسائي: غير ثقة وقال الدارقطني: ضعيف، وقال ابن عدى عن ابن عصمة عن أحمد بن أبي يحيى: سمعت أحمد بن حنبل يقول: خالد بن يزيد بن أبي مالك ليس بشيء، وقال ابن أبي الحوارى سمعت ابن معين يقول بالعراق: كتاب ينبغي أن يدفن: كتاب الديات لخالد بن يزيد بن أبي مالك، لم يرض أن يكذب على أبيه حتى كذب على الصحابة، قال أحمد بن أبي الحوارى: سمعت هذا الكتاب من خالد ثم اعطيته العطار فأعطى الناس فيه حوائج. وفي "تهذيب التهذيب" للحافظ بن حجر، قال ابن حبان: كان صدوقا في الرواية ولكنه كان يخطيء كثيرا وفي حديثه مناكير لا يعجبني الاحتجاج به إذا انفرد عن ابيه، وقال أبوداؤد: ضعيف وقال مرة: متروك الحديث، وذكره ابن الجارود والساجي والعقيلي في الضعفاء. اهـ

وأجيب عما نقل عن أهل البيت النبوى في اعتبار الطلاق الثلاث في كلمة واحدة، واحدة بما رواه البيهقي (السنن الكبرى ٧/ ٣٤٠) قال: أخبرنا أبوعبدالله الحافظ، نا أبو عمرو عثمان بن أحمد بن السماك ببغداد، انا حنبل بن اسحاق بن حنبل، نا محمد بن عمران بن محمد بن عبدالرحمن بن أبي ليلى، نا مسلمة بن جعفر الأحمسي، قال: قلت لجعفر بن محمد: إن قوما يزعمون أن من طلق ثلاثا بجهالة رد إلى السنة يجعلونها واحدة يروونها عنكم؟ قال معاذالله ما هذا من قولنا "من طلق ثلاثا فهو كما قال" وأخبرنا أبوعبدالله، نا ابو محمد

الحسن بن سليمان الكوفي ببغداد، نا محمد بن عبدالله الحضرمي: نا اسماعيل بن بهرام، نا الأشجعي عن بسام الصيرفي قال: سمعت جعفر بن محمد يقول: من طلق امرأته ثلاثًا بجهالة أو علم فقد بانت منه. اهـ. ونقل السياغي عن صاحب الأمالي أنه قال (الروض النضير ٤/٣٨٧): حدثنا أبو كريب عن حفص بن غياث قال: سمعت جعفر بن محمود يقول: من طلق ثلاثًا فهي ثلاث وهو قولنا أهل البيت" ثم ذكر رواية البيهقي عن شيخه الحاكم المتقدمة. وقال السياغي من الروض النضير في وقوع الطلاق بائنًا بإرساله ثلاثًا بلفظ واحد قال (الروض النضير ٤/٣٧٩): وهو مذهب جمهور أهل البيت كما حكاه محمد بن منصور عنهم في الأمالي بأسانيده، وروى في الجامع الكافي عن الحسن بن يحيى قال رويناه عن النبي ﷺ وعن علي رضي الله عنه وعلي بن الحسين، وزيد بن علي، ومحمد بن علي الباقر، ومحمد بن عمر بن علي، وجعفر بن محمد وعبدالله بن الحسن، ومحمد بن عبدالله وخيار آل رسول الله ﷺ ثم قال الحسن أجمع آل الرسول على أن الذي يطلق ثلاثًا في كلمة واحدة أنها قد حرمت عليه سواء كان قد دخل بها الزوج أو لم يدخل ورواه في (البحر) عن ابن عباس و ابن عمر وعائشة و أبي هريرة و عن علي رضي الله عنه والناصر والمؤيد بالله وتخريجه، والإمام يحيى والفريقين ومالك وبعض الامامية، قال ابن القيم: وهو قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة اهـ وذهب إليه ابن حزم في المحلى وأطال الاحتجاج عليه. اهـ. المراد من الروض النضير.

المذهب الثالث:

يقع في المدخول بها ثلاثًا وبغير المدخول بها واحدة، وذكر ابن القيم أنه أخذ بالحديث الوارد في التفرقة: اسحاق بن راهويه وخلق من السلف جعلوا الثلاث واحدة في غير المدخول بها

وهذا المذهب مبني على ما رواه أبو داود في سننه أن رجلا يقال له أبو الصهباء وكان كثير السؤال لابن عباس قال: أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من إمارة عمر رضي الله تعالى عنهما فقال ابن عباس: بلى كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من إمارة عمر رضي الله تعالى عنهما. فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال: أجيزوهن عليهم.

قال ابن القيم: رأى هؤلاء أن إلزام عمر بالثلاث هو في حق المدخول بها، وحديث أبي الصهباء في غير المدخول بها قالوا ففي هذا التفريق موافقة المنقول من الجانبين وموافقة القياس. انتهى.

وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في الجواب الثالث من الأجوبة على حديث ابن عباس وهو الدليل الأول للمذهب الثاني..

المذهب الرابع:

عدم وقوع الطلاق مطلقاً لأن إيقاع الطلاق على ذلك الوجه بدعة محرمة فهو مردود لحديث: "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد". وقد حكي هذا القول للإمام أحمد فأنكره وقال: هو قول الرافضة، كما نص عليه ابن القيم في زاد المعاد وذكر بأن القول بعدم الوقوع جملة هو مذهب الإمامية، قال: وحكوه عن جماعة من أهل البيت وذكر شيخ الإسلام ابن تيمية في رسالة الفرق بين الطلاق الحلال والحرام أن القول بعدم الوقوع محدث مبتدع، قاله بعض المعتزلة والشيعة ولا يعرف عن أحد من السلف. اهـ.

وقال ابن رجب في كتابه جامع العلوم والحكم في شرحه لحديث: "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد". قال الإمام أحمد في رواية أبي الحارث وسئل

عمن قال لا يقع الطلاق المحرم لأنه يخالف ما أمر به فقال: هذا قول سوء ردی" ثم ذكر قصة ابن عمر وأنه احتسب بطلاقه في الحيض. وقال أبوعبيد- الوقوع هوالذي عليه العلماء مجمعون في جميع الأمصار حجازهم وتهامهم، ويمنهم وشامهم، وعراقهم، ومصرهم، وحكي ابن المنذر ذلك عن كل من يحفظ قوله من أهل العلم إلا ناسًا من أهل البدع لا يعتد بهم. اهـ.

وفيما يلي كلام مجمل لابن تيمية في المسألتين:

قال (مجموع الفتاوى ج۳۳/۸۱تا۹۸): "الأصل الثاني" أن الطلاق المحرم الذي يسمى "طلاق البدعة" إذا أوقعه الإنسان هل يقع، أم لا؟ فيه نزاع بين السلف والخلف. والأكثرون يقولون بوقوعه مع القول بتحريمه. وقال آخرون: لا يقع مثل طاؤس، وعكرمة، وخلاس، و عمر، و محمد بن إسحاق، وحجاج بن ارطاة، وأهل الظاهر كداؤدوأصحابه. وطائفة من أصحاب ابي حنيفة ومالك و أحمد، ويروى عن أبي جعفر الباقر، وجعفر بن محمد الصادق، وغيرهما من أهل البيت، وهو قول أهل الظاهر داؤد وأصحابه. لكن منهم من لا يقول بتحريم الثلاث. ومن أصحاب أبي حنيفة ومالك وأحمد من عرف أنه لا يقع مجموع الثلاث إذا أوقعها جميعًا، بل يقع منها واحدة.

ولم يعرف قوله في طلاق الحائض ولكن وقوع الطلاق جميعًا قول طوائف من أهل الكلام والشيعة. ومن هؤلاء من يقول- إذا أوقع الثلاث جملة لم يقع به شيء اصلا، لكن هذا قول مبتدع لا يعرف لقائله سلف من الصحابة والتابعين لهم باحسان، وطوائف من أهل الكلام والشيعة، لكن ابن حزم من الظاهرية لا يقول بتحريم جمع الثلاث، فلذا يوقعها، وجمهورهم على تحريمها وأنه لا يقع إلا واحدة.

ومنهم من عرف قوله في الثلاث ولم يعرف قوله في الطلاق في الحيض،

لكن ينقل عنه من أصحاب أبي حنيفة ومالك. و ابن عمر روى عنه من وجهين أنه لايقع، وروى عنه من وجوه أخرى أشهر وأثبت أنه يقع. وروى ذلك عن زيد...

وأما "جمع الثلاث" فأقوال الصحابة فيها كثيرة مشهورة: روى الوقوع فيها عن عمر، وعثمان، وعلي، و ابن مسعود، وابن عباس، و ابن عمر، و أبي هريرة و عمران بن الحصين وغيرهم. وروى عدم الوقوع فيها عن أبي بكر، وعن عمر صدرا من خلافته، وعلي بن أبي طالب و ابن مسعود، و ابن عباس أيضاً، وعن الزبير، و عبدالرحمن بن عوف رضي الله تعالى عنهم أجمعين.

قال أبو جعفر أحمد بن محمد بن مغيث في كتابه الذي سماه: "المقنع في أصول الوثائق وبيان ما في ذلك من الدقائق": وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثًا في كلمة واحدة، فإن فعل لزمه الطلاق... ثم اختلف أهل العلم بعد إجماعهم على أنه مطلق كم يلزمه من الطلاق؟ فقال علي بن أبي طالب، و ابن مسعود رضي الله تعالى عنهما: يلزمه طلقة واحدة، وكذا قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما وذلك لأن قوله "ثلاثًا" لا معنى له، لأنه لم يطلق ثلاث مرات: لأنه إذا كان مخبراً عما مضى فيقول: طلقت ثلاث مرات، يخبر عن ثلاث طلقات أتت منه في ثلاثة أفعال كانت منه، فذلك يصح. ولو طلقها مرة واحدة فقال: طلقتها ثلاث مرات لكان كاذبًا.

وكذلك لو حلف بالله تعالى ثلاثًا يردد الحلف كانت ثلاثة أيمان، وأما لو حلف بالله تعالى فقال: أحلف بالله تعالى ثلاثًا لم يكن حلف إلا يمينًا واحدة، والطلاق مثله. قال: ومثل ذلك قال الزبير بن العوام، وعبدالرحمن بن عوف روينا ذلك كله عن ابن وضاح يعني الإمام محمد بن وضاح الذي يأخذ عن طبقة أحمد بن حنبل و ابن أبي شيبة ويحيى بن معين، وسحنون بن سعيد، وطبقتهم قال، وبه قال من شيوخ قرطبة ابن زنباع شيخ هدى، ومحمد بن عبدالسلام الخشني فقيه

عصره، وابن بقي بن مخلد، وأصبغ بن الحباب، وجماعة سواهم من فقهاء قرطبة، وذكر هذا عن بضعة عشر فقيهاً من فقهاء طليطلة المتفقين على مذهب مالك بن أنس.

قلت: وقد ذكره التلمساني رواية عن مالك، وهو قول محمد بن مقاتل الرازي من أئمة الحنفية حكاه عنه المازني وغيره، وقد ذكر هذا رواية عن مالك، وكان يفتي بذلك أحياناً الشيخ أبو البركات ابن تيمية، وهو وغيره يحتجون بالحديث الذي رواه مسلم في صحيحه وأبوداؤد وغيرهما عن طاؤس، عن ابن عباس أنه قال: كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر رضي الله تعالى عنهما طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر بن الخطاب: إن الناس قد استعجلوا أمراً كان لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم. وفي رواية: أن أبا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك ألم يكن طلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر واحدة؟ قال: قد كان ذلك، فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فأمضاه عليهم وأجازه.

والذين ردوا هذا الحديث تأولوه بتأويلات ضعيفة، وكذلك كل حديث فيه: أن النبي ﷺ ألزم الثلاث بيمين أوقعها جملة، أو أن أحداً في زمنه أوقعها جملة فألزمه بذلك: مثل حديث يروى عن علي، وآخر عن عبادة بن الصامت، وآخر عن الحسن عن ابن عمر، وغير ذلك: فكلها أحاديث ضعيفة باتفاق أهل العلم بالحديث، بل هي موضوعة، ويعرف أهل العلم بنقد الحديث أنها موضوعة، كما هو مبسوط في موضعه.

وأقوى ما ردوه به أنهم قالوا: ثبت عن ابن عباس من غير وجه أنه أفتى بلزوم الثلاث. وجواب المستدلين أن ابن عباس روي عنه من طريق عكرمة أيضاً أنه كان يجعلها واحدة، وثبت عن عكرمة عن ابن عباس ما يوافق حديث طاؤس

مرفوعا إلى النبي ﷺ وموقوف على ابن عباس، ولم يثبت خلاف ذلك عن النبي ﷺ فالمرفوع "أن ركانة طلق امرأته ثلاثا، فردها عليه النبي ﷺ" قال الإمام أحمد بن حنبل في مسنده: حدثنا سعيد بن ابراهيم، حدثنا أبي عن ابن إسحاق، حدثني داؤد بن الحصين، عن عكرمة مولى ابن عباس، قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو بن المطلب امرأته ثلاثا في مجلس واحد، فحزن عليها حزنا شديدا قال: فسأله رسول الله ﷺ: "كيف طلقتها؟" قال: فقال: طلقتها ثلاثا، قال: "في مجلس واحد؟" قال: نعم قال: فإنها تلك واحدة فارجعها إن شئت" قال: فراجعها، وكان ابن عباس يقول: إنما الطلاق عند كل طهر.

قلت وهذا الحديث قال فيه ابن إسحاق حدثني داؤد، وداؤد من شيوخ مالك ورجال البخاري، وابن إسحاق إذا قال: حدثني، فهو ثقة عند أهل الحديث، وهذا إسناد جيد، وله شاهد من وجه آخر رواه أبوداؤد في السنن، ولم يذكر أبوداؤد هذا الطريق الجيد، فلذلك ظن أن تطليقة واحدة بائنة أصح، وليس الأمر كما قاله، بل الإمام أحمد رجح هذه الرواية على تلك وهو كما قال أحمد وقد بسطنا الكلام على ذلك في موضع آخر.

وهذا المروي عن ابن عباس في حديث ركانة من وجهين، وهو رواية عكرمة عن ابن عباس من وجهين عن عكرمة، وهو أثبت من رواية عبدالله بن علي بن يزيد بن ركانة، ونافع بن عجير: أنه طلقها البتة، و "أن النبي ﷺ استحلفه، فقال: "ما أردت إلا واحدة؟" فإن هؤلاء مجاهيل لا تعرف أحوالهم، وليسوا فقهاء، وقد ضعف حديثهم أحمد بن حنبل و أبوعبيد و ابن حزم وغيرهم وقال أحمد بن حنبل: حديث ركانة في البتة ليس بشيء. وقال أيضا: حديث ركانة لا يثبت أنه طلق امرأته البتة لأن ابن إسحاق يرويه عن داؤد بن الحصين، عن عكرمة، عن ابن عباس "أن ركانة طلق امرأته ثلاثا" وأهل المدينة يسمون "ثلاثا" البتة فقد

استدل أحمد على بطلان حديث البتة بهذا الحديث الآخر الذي فيه أن طلقها ثلاثًا، وبين أن أهل المدينة يسمون من طلق ثلاثًا طلق البتة، وهذا يدل على ثبوت الحديث عنده، وقد بينه غيره من الحفاظ. هذا الاسناد وهو قول ابن اسحاق: حدثني داؤد بن الحصين، عن عكرمة، عن ابن عباس: هو إسناد ثابت عن أحمد وغيره من العلماء.

وبهذا الإسناد روى: أن النبي ﷺ "رد ابنته زينب على زوجها بالنكاح الأول" وصحح ذلك أحمد وغيره من العلماء و ابن إسحاق إذا قال: حدثني. فحديثه صحيح عند أهل الحديث إنما يخاف عليه التدليس إذا عنعن، وقد روى أبو داؤد في سننه هذا عن ابن عباس من وجه آخر، وكلاهما يوافق حديث طاؤس عنه، وأحمد كان يعارض حديث طاؤس بحديث فاطمة بنت قيس أن زوجها طلقها ثلاثًا، ونحوه.

وكان أحمد يرى جمع الثلاث جائزًا، ثم رجع أحمد عن ذلك، وقال: تدبرت القرآن فوجدت الطلاق الذي فيه هو الرجعي، أو كما قال. واستقر مذهبه على ذلك، وعليه جمهور أصحابه، وتبين من حديث فاطمة أنها كانت مطلقة ثلاثًا متفرقات، لا مجموعة، وقد ثبت عنده حديثان عن النبي ﷺ: أن من جمع ثلاثًا لم يلزمه إلا واحدة. وليس عن النبي ﷺ ما يخالف ذلك، بل القرآن يوافق ذلك، والنهي عنده يقتضي الفساد. فهذه النصوص والأصول الثابتة عنه تقتضي من مذهبه أنه لا يلزمه إلا واحدة، وعدوله عن القول بحديث ركانة وغيره كان أولاً لما عارض ذلك عنده من جواز جمع الثلاث، فكان ذلك يدل على النسخ، ثم إنه رجع عن المعارضة، وتبين له فساد هذا المعارض، وأن جمع الثلاث لا يجوز: فوجب على أصله العمل بالنصوص السالمة عن المعارض، وليس يعل حديث طاؤس بفتيا ابن عباس بخلافه، وهذا علمه في إحدى الروايتين عنه، ولكن ظاهر

مذهبه الذي عليه أصحابه أن ذلك لا يقدح في العمل بالحديث، لا سيما وقد بين ابن عباس عذر عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في الإلزام بالثلاث، أو ابن عباس عذره هو العذر الذي ذكره عن عمر رضي الله تعالى عنه، وهو أن الناس لما تتابعوا فيما حرم الله تعالى عليهم استحقوا العقوبة على ذلك فعوقبوا بلزومه، بخلاف ما كانوا عليه قبل ذلك، فإنهم لم يكونوا مكثرين من فعل المحرم.

وهذا كما أنهم لما أكثروا شرب الخمر واستخفوا بحدها كان عمر يضرب فيها ثمانين، وينفي فيها، ويحلق الرأس، ولم يكن ذلك على عهد النبي ﷺ وكما قاتل على بعض أهل القبلة ولم يكن ذلك على عهد النبي ﷺ والتفريق بين الزوجين هو مما كانوا يعاقبون به أحيانًا: إما مع بقاء النكاح، وإما بدونه. فالنبي ﷺ فرق بين الثلاثة الذين خلفوا وبين نسائهم حتى تاب الله عليهم من غير طلاق، والمطلق ثلاثًا حرمت عليه امرأته حتى تنكح زوجًا غيره عقوبة له ليمتنع عن الطلاق.

وعمر بن الخطاب ومن وافقه كمالك وأحمد في إحدى الروايتين حرموا المنكوحة في العدة على الناكح أبدًا، لأنه استعجل ما أحله الله فعوقب بنقيض قصده، والحكمان لهما عند أكثر السلف أن يفرقا بينهما بلا عوض إذا رأيا الزوج ظالمًا معتديًا، لما في ذلك من منعه من الظلم ودفع الضرر عن الزوجة ودل على ذلك الكتاب والسنة والآثار، وهو قول مالك وأحد القولين في مذهب الشافعي وأحمد، وإلزام عمر بالثلاث لما أكثروا منه: إما أن يكون رآه عقوبة تستعمل وقت الحاجة، وإما يكون رآه شرعًا لازمًا، لاعتقاده أن الرخصة كانت لما كان المسلمون لا يوقعونه إلا قليلاً.

وهكذا كما اختلف كلام الناس في نهيه عن المتعة: هل كان نهي اختيار، لأن إفراد الحج بسفرة والعمرة بسفرة كان أفضل من التمتع، أو كان قد نهى عن

المسح، لاعتقاده أنه كان مخصوصاً بالصحابة؟ وعلى التقديرين فالصحابة قد تنازعوا في ذلك، وخالفه كثير من الصحابة من أهل الشورى وغيرهم: في المتعة وفي الإلزام بالثلاث. وإذا تنازعوا في شيء وجب رد ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول. كما أن عمر كان يرى أن المبتوتة لا نفقة لها ولا سكنى، ونازعه في ذلك كثير من الصحابة، وأكثر العلماء على قولهم. وكان هو وابن مسعود يريان أن الجنب لا يتيمم، وخالفهما عمار وأبو موسى وابن عباس وغيرهم من الصحابة، وأطبق العلماء على قول هؤلاء، لما كان معهم الكتاب والسنة. والكلام على هذا كثير مبسوط في موضع آخر. والمقصود هنا التنبيه على ما أخذ الناس به.

والذين لا يرون الطلاق المحرم لازماً يقولون: هذا هو الأصل الذي عليه أئمة الفقهاء. كمالك، والشافعي وأحمد، وغيرهم، وهو: أن إيقاعات العقود المحرمة لا تقع لازمة: كالبيع المحرم، والنكاح المحرم، والكتابة المحرمة، ولهذا أبطلوا نكاح الشغار، ونكاح المحلل، وأبطل مالك وأحمد البيع يوم الجمعة عند النداء، وهذا بخلاف الظهار المحرم، فإن ذلك نفسه محرم، كما يحرم القذف وشهادة الزور، واليمين الغموس، وسائر الأقوال التي هي في نفسها محرمة: فهذا لا يمكن أن ينقسم إلى صحيح وغير صحيح، بل صاحبها يستحق العقوبة بكل حال، فعوقب المظاهر بالكفارة، ولم يحصل ما قصده به من الطلاق، فإنهم كانوا يقصدون به الطلاق وهو موجب لفظه، فأبطل الشارع ذلك، لأنه قول محرم، وأوجب فيه الكفارة.

وأما الطلاق فجنسه مشروع: كالنكاح والبيع، فهو يحل تارة، ويحرم تارة فينقسم إلى صحيح وفاسد، كما ينقسم البيع والنكاح. والنهي في هذا الجنس يقتضي فساد المنهي عنه، ولما كان أهل الجاهلية يطلقون بالظهار فأبطل الشارع ذلك، لأنه قول محرم- كان مقتضى ذلك أن كل قول محرم لا يقع

به الطلاق، وإلا فهم كانوا يقصدون الطلاق بلفظ الظهار، كلفظ الحرام، وهذا قياس أصل الأئمة مالك، والشافعي وأحمد

ولكن الذين خالفوا قياس أصولهم في الطلاق خالفوه لما بلغهم من الآثار. فلما ثبت عندهم عن ابن عمر أنه اعتد بتلك التطليقة التي طلق امرأته وهي حائض قالوا: هو أعلم بقصته، فاتبعوه في ذلك. ومن نازعهم يقول: ما زال ابن عمر وغيره يروون أحاديث ولا تأخذ العلماء بما فهموه منها، فإن الاعتبار بما رووه، لا بما رأوه وفهموه. وقد ترك جمهور العلماء قول ابن عمر الذي فسر به قوله: "فاقدروا له" وترك مالك وأبو حنيفة وغيرهما تفسيره لحديث "البيعين بالخيار" مع أن قوله هو ظاهر الحديث. وترك جمهور العلماء تفسيره لقوله تعالى: (فأتوا حرثكم أنى شئتم . الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٢٣) وقوله نزلت هذه الآية في كذا. وكذلك إذا خالف الراوي ما رواه، كما ترك الأئمة الأربعة وغيرهم قول ابن عباس: أن بيع الأمة طلاقها، مع أنه روى حديث بريرة وأن النبي ﷺ خيرها بعد أن بيعت وعتقت، فإن الاعتبار بما رووه، لا ما رأوه وفهموه.

ولما ثبت عندهم عن أئمة الصحابة أنهم ألزموا بالثلاث المجموعة قالوا: لا يلزمون بذلك إلا وذلك مقتضى الشرع، واعتقد طائفة لزوم هذا الطلاق وأن ذلك إجماع، لكونهم لم يعلموا خلافًا ثابتًا، لا سيما وصار القول بذلك معروفًا عن الشيعة الذين لم ينفردوا عن أهل السنة بحق.

قال المستدلون: هؤلاء الذين هم بعض الشيعة وطائفة من أهل الكلام يقولون جامع الثلاث لا يقع به شيء. هذا القول لا يعرف عن أحد من السلف، بل قد تقدم الإجماع على بعضه وإنما الكلام هل يلزمه واحدة؟ أو يقع ثلاث؟ والنزاع بين السلف في ذلك ثابت لا يمكن رفعه، وليس مع من جعل ذلك شرعًا لازمًا للأمة حجة يجب اتباعها من كتاب، ولا سنة، ولا إجماع، وإن كان بعضهم

فقد احتج على هذا بالكتاب، وبعضهم بالسنة، وبعضهم بالإجماع، وقد احتج بعضهم بحجتين أو أكثر من ذلك، لكن المنازع يبين أن هذه كلها حجج ضعيفة، وأن الكتاب والسنة والاعتبار إنما تدل على نفي اللزوم، وتبين أنه لا إجماع في المسألة، بل الآثار الثابتة عمن ألزم بالثلاث مجموعة عن الصحابة تدل على أنهم لم يكونوا يجعلون ذلك مما شرعه النبي ﷺ لأمته شرعًا لازمًا، كما شرع تحريم المرأة بعد الطلقة الثالثة، بل كانوا مجتهدين في العقوبة بإلزام ذلك إذا كثر ولم ينته الناس عنه.

وقد ذكرت أن الألفاظ المنقولة عن الصحابة تدل على أنهم ألزموا بالثلاث لمن عصى الله تعالى بإيقاعها جملة، فأما من كان يتقي الله فإن الله يقول: (ومن يتق الله يجعل له مخرجًا. ويرزقه من حيث لا يحتسب... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢-٣) لمن لا يعلم التحريم حتى أوقعها، ثم لما علم التحريم تاب والتزم أن لا يعود إلى المحرم فهذا لا يستحق أن يعاقب، وليس في الأدلة الشرعية: الكتاب، والسنة، والإجماع، والقياس، ما يوجب لزوم الثلاث له، ونكاحه ثابت بيقين، وامرأته محرمة على الغير بيقين، وفي التزامه بالثلاث إباحتها للغير مع تحريمها عليه وذريعة إلى نكاح التحليل الذي حرمه الله ورسوله.

و "نكاح التحليل" لم يكن ظاهرًا على عهد النبي ﷺ وخلفائه، ولم ينقل قط أن امرأة أعيدت بعد الطلقة الثالثة على عهدهم إلى زوجها بنكاح تحليل، بل: "لعن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم المحلل والمحلل له": و "لعن آكل الربا، وموكله، وشاهديه وكاتبه" ولم يذكر في التحليل الشهود ولا الزوجة ولا الولي، لأن التحليل الذي كان يفعل كان مكتومًا بقصد المحلل، أو يتواطأ عليه هو والمطلق المحلل له. والمرأة ووليها لا يعلمون قصده ولو علموا لم يرضوا أن

يزوجوه، فإنه من أعظم المستقبحات والمنكرات عند الناس، ولأن عاداتهم لم تكن بكتابة الصداق في كتاب، ولا إشهاد عليه، بل كانوا يتزوجون ويعلنون النكاح، ولا يلتزمون أن يشهدوا عليه شاهدين وقت العقد، كما هو مذهب مالك وأحمد في إحدى الروايتين عنه وليس عن النبي ﷺ في الإشهاد على النكاح حديث صحيح هكذا قال أحمد بن حنبل وغيره.

فلما لم يكن على عهد عمر رضى الله تعالى عنه تحليل ظاهر، ورأى في إنفاذ الثلاث زجرًا لهم عن المحرم: فعل ذلك باجتهاده ـ أما إذا كان الفاعل لا يستحق العقوبة، وإنفاذ الثلاث يفضى إلى وقوع التحليل المحرم بالنص وإجماع الصحابة، والاعتقاد وغير ذلك من المفاسد، لم يجز أن يزال مفسدة حقيقية بمفاسد أغلظ منها، بل جعل الثلاث واحدة في مثل هذا الحال كما كان على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر أولى، ولهذا كان طائفة من العلماء مثل أبي البركات يفتون بلزوم الثلاث في حال دون حال، كما نقل عن الصحابة. وهذا: إما لكونهم رأوه من "باب التعزير" الذي يجوز فعله بحسب الحاجة، كالزيادة على أربعين في الخمر والنفي فيه، وحلق الرأس. وإما لاختلاف اجتهادهم: فرأوه تارة لازمًا وتارة غير لازم.

وبالجملة فما شرعه النبي ﷺ لأمته "شرعًا لازمًا" إنما لا يمكن تغييره لأنه لا يمكن نسخ بعد رسول الله ﷺ ولا يجوز أن يظن بأحد من علماء المسلمين أن يقصد هذا، لا سيما الصحابة، لا سيما الخلفاء الراشدون، وإنما يظن ذلك في الصحابة أهل الجهل والضلال: كالرافضة والخوارج الذين يكفرون بعض الخلفاء أو يفسقونه، ولو قدر أن أحدًا فعل ذلك لم يقره المسلمون على ذلك. فإن هذا إقرار على أعظم المنكرات والأمة معصومة أن تجتمع على مثل ذلك، وقد نقل عن طائفة: كعيسى ابن أبان وغيره من أهل الكلام والرأي من

المعتزلة وأصحاب أبي حنيفة ومالك: أن الاجماع ينسخ به نصوص الكتاب والسنة.

وكنا نتأول كلام هؤلاء على أن مرادهم أن الاجماع يدل على نص ناسخ، فوجدنا من ذكر عنهم أنهم يجعلون الاجماع نفسه ناسخًا، فإن كانوا أرادوا ذلك فهذا قول يجوز تبديل المسلمين دينهم بعد نبيهم، كما تقول النصارى من أن المسيح سوغ لعلمائهم أن يحرموا ما رأوا تحريمه مصلحة، ويحلوا ما رأوا تحليله مصلحة، وليس هذا دين المسلمين ولا كان الصحابة يسوغون ذلك لأنفسهم. ومن اعتقد في الصحابة أنهم كانوا يستحلون ذلك فإنه يستتاب كما يستتاب أمثاله، ولكن يجوز أن يجتهد الحاكم والمفتي فيصيب فيكون له أجران، ويخطئ فيكون له أجر واحد

وما شرعه النبي ﷺ "شرعًا معلقًا بسبب" إنما يكون مشروعًا عند وجود السبب: كإعطاء المؤلفة قلوبهم، فإنه ثابت بالكتاب والسنة، وبعض الناس ظن أن هذا نسخ، لما روى عن عمر: أنه ذكر أن الله أغنى عن التألف، فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر، وهذا الظن غلط، ولكن عمر استغنى في زمنه عن إعطاء المؤلفة قلوبهم، فترك ذلك لعدم الحاجة إليه، لا لنسخه، كما لو فرض أنه عدم في بعض الأوقات ابن السبيل والغارم ونحو ذلك.

و "متعة الحج" قد روى عن عمر أنه نهى عنها، وكان ابنه عبدالله بن عمر وغيره يقولون: لم يحرمها، وإنما قصد أن يأمر الناس بالأفضل، وهو أن يعتمر أحدهم من دويرة أهله في غير أشهر الحج، فإن هذه العمرة أفضل من عمرة المتمتع والقارن باتفاق الأئمة، حتى أن مذهب أبي حنيفة وأحمد منصوص عنه: أنه إذا اعتمر في غير أشهر الحج وأفرد الحج في أشهره: فهذا أفضل من مجرد التمتع والقران، مع قولهما بأنه أفضل من الإفراد المجرد ... ومن الناس من قال:

إن عمر أراد فسخ الحج إلى العمرة. قالوا: إن هذا محرم به لا يجوز، وأن ما أمره به النبي ﷺ أصحابه من الفسخ كان خاصًا بهم، وهذا قول كثير من الفقهاء: كأبي حنيفة، ومالك، والشافعي، وآخرون، من السلف والخلف قابلوا هذا، وقالوا بل الفسخ واجب، ولا يجوز أن يحج أحد إلا متمتعًا مبتدئًا، أو فاسخًا، كما أمر النبي ﷺ أصحابه في حجة الوداع، وهذا قول ابن عباس وأصحابه ومن اتبعه من أهل الظاهر والشيعة. و "القول الثالث": أن الفسخ جائز وهو أفضل. ويجوز أن لا يفسخ، وهو قول كثير من السلف والخلف: كأحمد بن حنبل وغيره من فقهاء الحديث، ولا يمكن للإنسان أن يحج حجة مجمعًا عليها إلا أن يحج متمتعًا ابتداء من غير فسخ.

فأما حج المفرد والقارن: ففيه نزاع معروف بين السلف والخلف كما تنازعوا في جواز الصوم في السفر، وجواز الإتمام في السفر، ولم يتنازعوا في جواز الصوم والقصر في الجملة.

وعمر لما نهى عن المتعة خالفه غيره من الصحابة كعمران بن حصين، وعلي بن أبي طالب، وعبدالله ابن عباس، وغيرهم، بخلاف نهيه عن متعة النساء، فإن عليًا وسائر الصحابة وافقوه على ذلك، وأنكرعلي على ابن عباس إباحة المتعة. قال: إنك امرؤ تائه، إن رسول الله ﷺ حرم متعة النساء، وحرم لحوم الحمر الأهلية عام خيبر، فأنكر علي بن أبي طالب على ابن عباس إباحة الحمر، وإباحة متعة النساء، لأن ابن عباس، كان يبيح هذا وهذا. فأنكر عليه علي ذلك. وذكر له: أن رسول الله حرم المتعة، وحرم الحمر الأهلية": ويوم خيبر كان تحريم الحمر الأهلية... وأما تحريم المتعة، فإنه عام فتح مكة، كما ثبت ذلك في الصحيح، وظن بعض الناس أنها حرمت، ثم أبيحت، ثم حرمت فظن بعضهم أن ذلك ثلاثًا. وليس الأمر كذلك.

فقول عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة " فلو أنفذناه عليهم فأنفذه عليهم: هو بيان أن الناس أحدثوا ما استحقوا عنده أن ينفذ عليهم الثلاث. فهذا إما أن يكون كالنهي عن متعة الفسخ، لكون ذلك كان مخصوصاً بالصحابة وهو باطل، فإن هذا كان على عهد أبي بكر رضي الله تعالى عنه ولأنه لم يذكر مايوجب اختصاص الصحابة بذلك، وبهذا أيضاً تبطل دعوى من ظن ذلك منسوخاً كنسخ متعة النساء، وإن قدر أن عمر رأى ذلك لازماً فهو اجتهاد منه اجتهده في المنع من فسخ الحج لظنه أن ذلك كان خاصاً.

وهذا قول مرجوح قد أنكره غير واحد من الصحابة، والحجة الثابتة هي مع من أنكره. وهكذا الإلزام بالثلاث. من جعل قول عمر فيه شرعاً لازماً قيل له: فهذا اجتهاده قد نازعه فيه غيره من الصحابة، وإذا تنازعوا في شيء وجب رد ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول، والحجة مع من أنكر هذا القول المرجوح.

وإما أن يكون عمر جعل هذا عقوبة تفعل عند الحاجة، وهذا أشبه الأمرين بعمر، ثم العقوبة بذلك يدخلها الاجتهاد من "وجهين" من جهة أن العقوبة بذلك: هل تشرع؟ أم لا؟ فقد يرى الإمام أن يعاقب بنوع لا يرى العقوبة به غيره، كتحريق علي الزنادقة بالنار، وقد أنكره عليه ابن عباس، وجمهور الفقهاء مع ابن عباس. ومن جهة أن العقوبة إنما تكون لمن يستحقها لمن كان من "المتقين" استحق أن يجعل الله له فرجاً ومخرجاً، لم يستحق العقوبة، ومن لم يعلم أن جمع الثلاث محرم، فلما علم أن ذلك محرم تاب من ذلك اليوم أن لا يطلق إلا طلاقاً سنياً فإنه من "المتقين". فمثل هذا لا يتوجه إلزامه بالثلاث مجموعة بل يلزم بواحدة منها وهذه المسائل عظيمة وقد بسطنا الكلام عليها في موضع آخر من مجلدين وإنما نبهنا عليها هنا تنبيهاً لطيفاً.

والذي يحمل عليه أقوال الصحابة أحد أمرين: إما أنهم رأوا ذلك من باب التعزير الذي يجوز فعله بحسب العادة: كالزيادة على أربعين في الخمر، وإما لاختلاف اجتهادهم فرأوه تارة لازمًا، وتارة غير لازم. وأما القول بكون لزوم الثلاث شرعًا لازمًا، كسائر الشرائع، فهذا لا يقوم فيه دليل شرعي. وعلى هذا القول الراجح لهذا الموقع أن يلتزم طلقة واحدة ويراجع امرأته، ولا يلزمه شيء لكونها كانت حائضًا، إذا كان ممن اتقى وتاب من البدعة.

الخلاصة

اتفق الفقهاء على أن طلاق السنة بالنسبة لعدد الطلاق، أن يطلق الرجل زوجته طلقة واحدة مدخولاً بها أم غير مدخول بها، ثم له أن يمسك المدخول بها فيراجعها ما دامت في العدة وله أن يتركها، فلا يراجعها حتى تنقضي عدتها فتبين منه وهذا هو التسريح لها بإحسان، واتفقوا أيضًا على أنه إذا عاد إلى مطلقته برجعة أو عقد ثم طلقها طلقة واحدة فطلاقه طلاق سنة، ولو فعل مثل هذا مرة ثالثة كان طلاقه طلاق سنة باتفاق.

واختلفوا فيما لو طلق امرأته ثلاثًا بأن قال لها: أنت طالق ثلاثًا مثلاً هل هو طلاق بدعة أو لا؟ واختلفوا أيضًا فيما لو طلق المدخول بها طلقة ثم أتبعها أخرى في نفس الطهر أو الطهر الثاني أو الثالث قبل أن يراجعها، هل هو طلاق بدعة أو لا؟

ومحل البحث ما لو قال لها في لفظ واحد: أنت طالق ثلاثًا مثلاً، هل هو بدعة ممنوعة أو لا؟ وهل يعتد به أو لا؟ فهاتان مسألتان في كل منهما خلاف بين العلماء، وفيما يلي خلاصة القول فيهما:

المسألة الاولى :

في حكم الإقدام على جمع الثلاث بكلمة واحدة "وفيه قولان".

١- القول الأول : أنه بدعة ممنوعة، وهو قول الحنفية والمالكية وإحدى الروايتين عن أحمد وقول ابن تيمية و ابن القيم، وقد استدلوا لذلك بأدلة من الكتاب والسنة والإجماع والمعنى والقياس.

اما القرآن :

فمنه قوله تعالى: (فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) إلى قوله: فإذا بلغن اجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف (الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) قيل المراد الأمر بتفريق الطلقات الثلاث على أطهار العدة الثلاثة، والأمر بالتفريق نهي عن الجمع نهي تحريم أو نهي كراهة، فكان جمع الثلاث في طهر واحد بدعة ممنوعة (ص من البحث).

وذكر ابن تيمية أن الله لم يبح في هذه الآية إلا الطلاق الرجعي لقوله تعالى: (لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) والأمر هو الندم على الطلاق، والرغبة في الرجعة، وبقوله تعالى: (فإذا بلغن اجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) فخير سبحانه بين الرجعة قبل انقضاء العدة دون مضارة للزوجة وبين تركها حتى تنقضي عدتها فتبين منه، وأنه سبحانه لم يبح فيها إلا الطلاق للعدة، فإرداف الطلاق للطلاق في العدة ولو في طهر آخر ممنوع لقوله تعالى (فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) إذا المعنى الأمر بطلاقهن مستقبلات عدتهن، ومن طلق زوجه الطلقة الثانية في طهرها الثاني، والثالثة في طهرها الثالث بنت مطلقته على ما مضى من عدتها ولم تستأنف العدة للثاني ولا للثالث، فلم يكن طلاقًا للعدة، فكان غير مشروع (ص من البحث).

ومنه قوله تعالى: (الطلاق مرتان ... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) ووجه الاستدلال أن هذه الجملة خبرية لفظًا طلبية معنى، لئلا يلزم الخلف في خبره تعالى، ولهذا نظائر في الكتاب والسنة ولغة العرب، فالمعنى إذا عزمتم الطلاق فطلقوا مرة بعد مرة، إذ لا يقال لمن دفع درهمين لإنسان دفعة أنه أعطاه مرتين إلى غير هذا من النظائر، والأمر بالتفريق نهي عن الجمع فكان ممنوعًا (ص من البحث).

فإن قيل: إذا كان كل الطلاق في دفعتين كان الواقع منه في دفعة طلقتين، وفي الأخرى طلقة، فكان الجمع بين طلقتين مشروعًا، وإذًا يكون الجمع بين الثلاث مشروعًا، إذ لا فرق.

فالجواب أن الآية أمرت بتفريق الطلقتين من الثلاث لا بتفريق الثلاث بدليل ما ذكر بعد من مشروعية الرجعة (ص من البحث). وفي معناه ما قيل: من أن المراد أوقعوا الطلاق الرجعي المذكور في قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) مرة بعد مرة، ومن طلق ثلاثًا أو طلقتين دفعة لم يفعل ما أمر به فكان مبتدعًا في طلاقه، كما أن من قال: سبحان الله ثلاثًا وثلاثين والحمدلله ثلاثًا وثلاثين والله اكبر ثلاثًا وثلاثين عقب المكتوبات مكتفيًا بذكر اسم العدد عن تكرار كل من التسبيح والتحميد والتكبير ثلاثًا وثلاثين مرة لم يكن آتيًا بما أمر به كما أمر، فكان مبتدعًا.

وقيل في وجه الاستدلال بالآية: إن المراد الإخبار عن صفة الطلاق الشرعي، والألف واللام في الطلاق للحصر فيقتضي ذلك المنع من الطلاق على غير هذه الصفة، لكونه بدعة مخالفة للشرع.

فإن قيل: المراد الإخبار عن أن الطلاق الرجعي طلقتان، وما زاد فليس برجعي، يدل عليه قوله بعد ذلك (فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية

الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) أجيب بأنه لو كان المراد ما ذكرتم لقال: الطلاق طلقتان، سواء أوقعهما الزوج مجتمعين أم مفترقين، فلما قال مرتان اقتضى إيقاعه مفترقا، وثبت أن المراد الإخبار عن صيغة إيقاعه.

فإن قيل: لفظ التكرار إذا علق بصسم أريد به تضعيف العدد دفعة دون تكرار الفعل كما في قوله تعالى: (نؤتها أجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) ونحوها، فإن المراد تضعيف العدد لا تفريق الأجر. أجيب بأن المراد نؤتها أجرها مرة بعد مرة كما روى عن بعض السلف، وعلى تقدير أن المراد في الآية تضعيف العدد دفعة يقال: إن الأصل فيما ذكر تكرار الفعل، إلا إذا دل دليل على إرادة تضعيف العدد فيعدل إليه استثناء، كما في آية (نؤتها أجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) وما عداه يبقى على الأصل، على أنه لو أريد بقوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) تضعيف العدد دفعة، لمنع الزوج من إيقاع طلقة مفردة، وهذا باطل بإجماع (ص من البحث)

وأجيب أيضا بأن الفرق معلوم بين ما يكون مرتين في الزمان، فلا يتصور فيه الجمع كآية الطلاق، وبين ما يكون مثلين وجزأين ومرتين في المضاعفة فيتصور فيه الجمع كما في آية (نؤتها أجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) وآية (سنعذبهم مرتين... الآية الكريمة من سورة التوبة: ١٠١) ونحوهما.

ومنه قوله تعالى: (وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٢)، وهذا إنما يكون فيما دون الثلاث، وهو يعم كل طلاق، لوقوعه في حيز الشرط، فعلم أن جمع الثلاث غير مشروع (ص من البحث)

ومن السنة حديث "تزوجوا ولا تطلقوا" الخ. قيل نهى عن الطلاق لأمر ملازم له لا لعينه، لأنه بقي معتبراً شرعاً في حق الحكم بعد النهي، والمراد والله أعلم الجمع بين طلقتين أو أكثر في طهر والطلاق في الحيض، ولكن هذا الحديث ضعيف فلا يشتغل بمناقشته (ص من البحث، ذكره السيوطي في الجامع الصغير وضعفه)

ومنها ما روى مخرمة بن بكير عن أبيه: قال سمعت محمود بن لبيد قال أخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً، فقال: "أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم" حتى قام رجل، فقال يا رسول الله ألا أقتله؟ وإسناده على شرط مسلم، ودلالة متنه على المنع ظاهرة. واعترض عليه أولاً: بأن مخرمة لم يسمع من أبيه وإنما هو كتاب، وعورض ذلك بقول من قال سمع من أبيه، ومعه زيادة علم وإثبات فيقدم، وعلى تقدير أنه لم يسمع من أبيه، وإنما رواه من كتابه وكان كتاب أبيه عنده محفوظاً مضبوطاً، فقد انعقد الإجماع على قبول الكتاب والعمل به إذا صح عند رواية أنه من كتاب شيخه، بل الرواية من الكتاب المصون أوثق، فإن الحفظ يخون والنسخة الثابتة المحفوظة لا تخون، وقد أطال ابن القيم الكلام على توثيق مخرمة واعتبار الرواية من الكتاب وصحة الاحتجاج بها (ص ـ من البحث)

واعترض ثانياً بأن محمود بن لبيد وإن كان صحابياً إلا أنه لم يثبت له سماع من النبي ﷺ فروايته عنه مرسلة، وأجيب بأن مرسل الصحابي مقبول، فصح الاحتجاج بالحديث.

ومنها حديث عبادة بن الصامت: أن قوماً جاءوا إلى النبي ﷺ فقالوا: إن أبانا طلق امرأته ألفاً فقال: "بانت امرأته بثلاث في معصية لله وبقي تسعمائة وسبعة وتسعون وزراً في عنقه إلى يوم القيامة" وأجيب بأن في سنده رجالاً

مجھولین وضعفاء، فلا یصلح للاحتجاج به (ص من البحث)

ومنها حدیث علی قال: سمع النبی ﷺ رجلاً طلق البتة فغضب، وقال "اتتخذون آیات الله هزواً او دین الله هزواً أو لعباً، من طلق البتة الزمناه ثلاثاً لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره" فدل عتبه علی المنع من جمع الثلاث بلفظ صریح او کنایة، واجاب الدارقطنی بأن فی سنده اسماعیل بن امیة القرشی، وهو ضعیف، وقال ابن القیم فی سنده مجاهیل وضعفاء، فلا یصح الاحتجاج به.

ومنها ان ابن عمر لما طلق امرأته فی الحیض وأمره النبی ﷺ بمراجعتها قال: أرأیت لو طلقتها ثلاثاً أکانت تحل لی، قال: "لا، بانت منك، وهی معصیة" وأجیب بأن فی سنده شعیب ابن رزیق وقد تکلموا فیه، وتفرد فی هذا الحدیث عن الثقات بزیادة قوله: أرأیت لو طلقتها ثلاثاً. الخ... فلم یأت أحد منهم فی روایته لهذا الحدیث بما أتی به، ولذا لم یرو حدیثه هذا احد من أصحاب الصحاح ولا السنن (ص ـ من البحث)

وأما الاجماع فقد انذر عمر من یاتیه وقد طلق امرأته ثلاث تطلیقات مجموعة بأن یوجعه ضرباً، وحکم کثیر من الصحابة بأن من یطلق ثلاثاً مجموعة أو أکثر فقد عصی ربه واستنکروا ذلك من فاعله وجعلوه متعدیاً لحدود الله، وانتشر ذلك عنهم دون نکیر، فکان إجماعاً علی المنع من جمع ثلاث طلقات فأکثر دفعة.

وأما المعنی فمن وجهین: الأول ان النکاح عقد مصلحة، والطلاق إبطال له، فکان مفسدة، والله لا یحب الفساد.

الثانی: أن النکاح عقد مسنون بل واجب، وفی الطلاق قطع للسنة او تفویت للواجب، فکان الأصل فیه الحظر او الکراهة، إلا أنه رخص فیه للدواعی الطارئة کتوقع مفسدة من استمرار النکاح أشد من مفسدة الطلاق. فیرتکب

أخف المفسدتين تفاديًا لأشدهما (ص - من البحث) لكن يقتصر من ذلك على طلقة واحدة، إذ بها تندفع المفسدة، وما زاد عليها فيبقى على الأصل، وهو المنع ويشهد لكون الأصل في الطلاق الحظر حديث: "أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة".

رواه أحمد وأبوداؤد والترمذي وحسنه. وأما القياس فلأن التطليق ثلاثًا دفعة فيه تحريم البضع من غير حاجة فأشبه الظهار، فكان ممنوعًا، ولأن فيه ضررًا وإضرارًا بنفسه وبامرأته، فأشبه الطلاق في الحيض فكان ممنوعًا.

القول الثاني : أن جمع الطلاق الثلاث في كلمة ليس بمحرم ولا بدعة، وبه قال الشافعي وأبو ثور وأحمد في أحدى الروايتين عنه، وجماعة من أهل الظاهر، واستدلوا لذلك بالكتاب والسنة والآثار والمعنى.

أما الكتاب فقوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره...الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠). وقوله تعالى: (إذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٤٩) وقوله تعالى: (وللمطلقات متاع بالمعروف... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٤١) فهذه تعم إباحة الثلاث والاثنين فإنه تعالى لم يخص مطلقة طلقة واحدة من مطلقة ثلاثًا، فليس لأحد أن يخصها إلا بدليل. ويمكن أن يقال: إن المقصود في الجمل الشرطية الحكم بما تضمنه الجواب على تقدير تحقق فعل الشرط، بقطع النظر عن كون فعل الشرط مطلوب الحصول أو مباحًا أو ممنوعًا، وعلى هذا يكون القصد من آية (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) الحكم بتحريم الزوجة على زوجها الذي طلقها المرة الثالثة حتى تنكح زوجًا غيره، وقد يكون طلاقها المرة الثالثة مأذونًا فيه كما لو طلقها في طهر

لم يمسها فيه طلقة، وقد يكون محرمًا كما لو طلقها المرة الثالثة في حيض مثلاً، ويكون القصد من آية ﴿إذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها...﴾ الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٤١) عدم وجوب العدة على تقدير حصول الطلاق قبل الدخول، أما كون طلاقها مباحًا أو محرمًا فيفهم من أمر آخر، وأما آية ﴿وللمطلقات متاع بالمعروف حقًا على المتقين...﴾ الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٤١) فالقصد منها إثبات المتعة للمطلقة، وجوبًا أو ندبًا، لا بيان حكم الطلاق، فقد يكون محرمًا وتثبت لها المتعة وقد يكون مباحًا كما تقدم.

وبهذا يتبين أن الآيات الثلاث ليست أدلة في محل النزاع.

وأما السنة فمنها حديث فاطمة بنت قيس، وفيه أن زوجها طلقها ثلاثًا أو طلقها البتة وهو غائب وبعث إليها وكيله بشعير نفقة لها، فسخطته، فقال: والله ما لك علينا من شيء، فذكرت ذلك للنبي ﷺ فقال "ليس لك عليه نفقة".

فلم يعب ﷺ الثلاث مع الإجمال فيما بلغه من خبر الطلاق ولم يستفسر عن كيفيته، ولفظ البتة هنا مراد به الثلاث، وإلا لم تسقط نفقتها ولا سكناها. وأجيب برواية الزهري هذا الخبر عن أبي سلمة وفيه ذكرت أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات وبرواية الزهري أيضًا عن عبيدالله بن عبدالله بن مسعود أن زوجها أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها من طلاقها، فذكر الخبر وفيه. أن مروان أرسل إليها قبيصة بن ذؤيب فحدثته وذكر باقي الخبر، فكان هذا تفسيرًا لما في الثلاث والبتة من الإجمال، وأن ذلك لم يكن مجموعًا، وأعل ابن حزم الرواية الثانية بالانقطاع، لعدم التصريح بالتحديث أو السماع، ويمكن أن يقال: إن ظاهرها الاتصال، لأنها في حكم الرواية بها لمعته ونحوها، فصلحت تفسيرًا للإجمال، وقال ابن حزم أيضًا: إن كلا الخبرين ليس فيهما أن النبي ﷺ أخبر بذلك،

ويمكن أن يقال: إن الأصل بيان المسائل لقلة الورع لواقع أمره، وخاصة الصحابة مع النبي ﷺ وذلك لتطمئن النفس إلى موافقة الجواب للواقع، وعلى تقدير الاحتمال في حديث فاطمة، فحمله على ما كان شائعًا كثيرًا، وهو إفراد الطلاق أولى من حمله على النادر وهو جمع الثلاث في كلمة، ومنها حديث تلا عن عويمر وامرأته، وفيه أنه طلقها ثلاثًا بعد اللعان قبل أن يأمره النبي ﷺ فلو كان جمع الثلاث ممنوعًا لبين له النبي ﷺ أنه عاص بجمع الثلاث، وعلمه الطلاق المشروع.

وأجيب بأنه لما لم يصادف طلاقه محلاً لم ينكر عليه، فإنها صارت أجنبية منه لا تحل له أبدًا بتمام اللعان لا بالطلاق الثلاث وإلا لحلت له بعد أن تنكح زوجًا آخر، وقد أيد ذلك فيما سبق في حديث محمود بن لبيد من إنكاره ﷺ على من طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعًا وبهذا يجمع بين خبري الإنكار والسكوت بحمل أحدهما على طلاق صادف محلاً والآخر على ما إذا لم يصادف محلاً، وأما قول سهل: فأنفذه رسول الله ﷺ وقوله: فمضت السنة بعد في المتلاعنين أن يفرق بينهما. فسيأتي الكلام عليه في موضعه من المسألة الثانية.

ومنها حديث المرأة التي طلقها زوجها ثلاثًا، والأخرى التي بت زوجها طلاقها وقد تزوجت كلا منهما بعد ذلك ثم طلقت قبل أن يجامعها، وأرادت أن ترجع إلى زوجها الأول فقال النبي ﷺ "لا. حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك" فدل عدم نقل الإنكار من النبي ﷺ طلاق الرجل امرأته ثلاثًا أو بت طلاقها على جواز الجمع بين الثلاث، إذ لو كان ممنوعًا لأنكره، ولو أنكره لنقل.
أجيب أن اللفظ محتمل أن تكون الثلاث مجتمعة وأن تكون مفرقة، ولفظ البتة يعبر به عن الثلاث، وقد ثبت أن كلا منهما قد طلقها زوجها آخر ثلاث تطليقات، فليس في ذلك دليل لجواز جمع الثلاث

وأما الآثار: فمنها ما روى أن عمر رضي الله عنه استفتي فيمن طلق امرأته البتة، فاستحلفه عما أراد فحلف أنه أراد واحدة فردها إليه، ولم يقل له لو أردت ثلاثًا لعصيت ربك. وأجيب بأن عمر أنكر عليه بقوله: ما حملك على هذا، وبتلاوة قوله تعالى: (ولو أنهم فعلوا ما يوعظون به لكان خيرًا لهم وأشد تثبيتًا... الآية الكريمة من سورة النساء: ٦٦) ورد الجواب بأنه أنكر عليه عدوله في الطلاق عن اللفظ الصريح إلى لفظ مشكل محتمل وهو البتة.

ومنها أن عثمان لم ينكر على عبدالرحمن بن عوف طلاقه امرأته ثلاثًا. ومنها أن أبا هريرة و ابن عباس و عبدالله بن عمر، وعائشة و عبدالله بن الزبير لم ينكروا على من استفتى في طلاق الثلاث ولم يعيبوا عليه ذلك ولم يقل أحد منهم لمن استفتاه في ذلك بئس ما صنعت، وما روى من إنكار ابن عباس وغيره من الصحابة على من طلق امرأته مائة أو ألفًا فإنما إنكاره لما زاد عما جعل إليه من الثلاث، وروى ما يوافق ذلك عن شريح والشعبي وغيرهما من التابعين (ص - من البحث) وقد يقال: يرد هذا ما روى عن عمر و ابن عمر و ابن عباس و عمران بن حصين أنهم أنموا من طلق ثلاثًا، وقالوا: إنه عصى ربه، وتوعدوا من يطلق ثلاثًا في مجلس واحد بالأذى كما روى عنهم ذلك فيمن تجاوز الثلاث في طلاقه، وإذًا فليس الإنكار خاصًا بما زاد على الثلاث (ص - من البحث)

وأما المعنى فإن الشرع قد جعل الطلاق إلى الزوج يمضي منه ما شاء ويبقي ما شاء، دون أن يكون عليه في ذلك حرج، كما أنه لا يحرم عليه أن يعتق ما شاء من عبيده ويتصدق بما شاء من ماله، ويبقي من ذلك ما شاء بل له أن يأتي على ذلك كله، وأجيب بأن الأصل فيما ذكر أنه من القربات، فله أن يفعل من ذلك ما شاء ويؤجر عليه ما لم يضر بنفسه، بخلاف الطلاق فإن الأصل فيه الحظر لما تقدم، ولأنه أبغض الحلال إلى الله وقد شرع على صفة معينة، فينبغي التزامها في إيقاعه.

المسألة الثانية : فيما يترتب على إيقاع الطلاق الثلاث بلفظ واحد وفيه مذاهب

المذهب الأول :

انه يقع ثلاثاً، وهو مذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم. وقد استدلوا لذلك بأدلة من الكتاب والسنة والآثار والإجماع والقياس

اما الكتاب :

فمنه قوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة:٢٢٩) فإنه يدل على انه إذا قال الزوج لامرأته: انت طالق، انت طالق، في طهر لزمه الثنتان، وإذاً فيلزمه الثنتان إذا أوقعهما معًا في كلمة واحدة (ص ـ من البحث) لأنه لم يفرق بين ذلك احد، وايضًا حكم الله بتحريمها عليه بعد الثالثة في قوله: (فإن طلقها .... الآية) ولم يفرق أحد بين إيقاعها في طهر أو أطهار، فوجب الحكم بإلزامه بالجميع على أي وجه أوقعه، مباح أو محظور، واعترض بأن المراد بالآية الطلاق المأذون فيه، وإيقاع الثلاث معًا غير ماذون فيه، فكيف يستدل بها في الإلزام بطلاق وقع على غير الوجه المباح وهي لم تتضمنه؟

واجيب بأنها دلت على الأمر بتفريق الطلاق، ولا مانع من دلالتها على الإلزام به من جهة اخرى إذا وقع على غير الوجه المأمور به.

واعترض ايضًا بأن قوله تعالى: (فطلقوهن لعدتهن) بين المراد من آية الاستدلال، وأن الطلاق إنما يكون للعدة، فمتى خالف ذلك لم يقع طلاقه.

واجيب بأنا نثبت حكم كل من الآيتين فنثبت بآية (فطلقوهن لعدتهن) أن الطلاق المسنون ما كان للعدة، ونثبت بآية (الطلاق مرتان) أن من طلق لغير العدة

او جمع بين الثلاث لزمه ما فعل، وبذلك نكون قد أخذنا بحكم كل من الأيتين؛ على ان آخر آية الطلاق للعدة وهو قوله تعالى: (وتلك حدود اللّٰه... الآية) يدل على وقوع الطلاق لغير العدة، فانه لو لم يلزمه لم يكن ظالمًا لنفسه بإيقاعه و لا بطلاقه، كما ان قوله تعالى: (ومن يتق اللّٰه يجعل له مخرجًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۲) يدل على ذلك، وسيأتي لهذا زيادة بيان في الدليل الثاني إن شاء اللّٰه

واعترض أيضًا بأن الزوج لو وكل من يطلق طلاقًا مفرقًا على الأطهار فجمع الثلاث في طهر لم يقع لكونه غير مأمور به فكذا الزوج. وأجيب بالفرق بينهما، فإن الزوج يملك الطلاق الثلاث، وإيقاعه على غير الوجه المشروع لا يمنع من الزامه به كالظهار والردة، أما الوكيل فلا يملك من الطلاق إلا ما ملكه موكله ولا يملك إيقاعه إلا على الوجه الذي وصفه له موكله، إذ هو معبر عن موكله وتلزمه حقوق ما يوقعه (ص - من البحث) وسيأتي لهذا مزيد بحث. واستدل أيضًا بعموم قوله تعالى في الآية. (او تسريح بإحسان) على أنه يتناول إيقاع الثلاث دفعة، وأجيب عن وجوه الاستدلال بالآية:

أولاً: بأن تسريح المطلقة طلاقًا رجعيًا بإحسان تركها بلا مضارة لها حتى تنقضي عدتها، لا طلاقها مرة أخرى قبل رجعتها، وما روى مرفوعًا من تفسير التسريح بالإحسان بطلاقها لثالثة فمرسل

ثانيًا: بأن من العلماء من فرق بين إيقاع الطلاق مفرقًا في طهر أو مجموعًا وبين إيقاعه مفرقًا في أطهار دون سبق رجعة، وإيقاعه مفرقًا في أطهار مع سبق كل برجعة، فدعوى عدم الفرق مخالفة للواقع.

ثالثًا: بأن اللّٰه جعل الطلاق إلى الزوج لكن على ان يوقعه مفرقًا مرة بعد مرة على صفة خاصة، ولم يشرع سبحانه إيقاع الطلاق ثلاثًا جملة حكمة في تشريعه ورحمة بعباده، فإيقاعه ثلاثًا مجموعة مخالف لأمر اللّٰه وشرعه، وأما قياس

الثلاث مجموعة على الظهار فيبطل قولكم ويثبت قول مخالفيكم، فإن الله لم يلزم المظاهر بما التزم من تحريم زوجته وجعلها كأمه أو أخته مثلاً بل لم تزل زوجته، وعاقبه بشيء آخر على جريمة الظهار هو الكفارة، فإذا أدى ما شرع من الكفارة حلت له مماستها، فمقتضى قياسكم أن لا يلزم بشيء من الثلاث ويعاقب بأمر آخر على جريمة الجمع بين الثلاث، وكذا القول في قياسكم جمع الثلاث على الردة، وإذا ليست الآية دليلاً على إلزام الثلاث أو الثنتين إذا وقعها مجموعة، بل تدل على خلافه.

ومنه قوله تعالى: (ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) ومن طلق ثلاثًا مجموعة فقد تعدى حدود الله، لإيقاعه الطلاق على غير الوجه المشروع، وظلم نفسه بتعجله فيما كانت له فيه أناة، وحرمانه من رجعة زوجته، إذ لو لم يلزم بالثلاث من طلق ثلاثًا مجموعة لم يكن ظالمًا لنفسه ولا محرومًا من زوجته، لتمكنه من رجعتها.

ويؤيده أن ابن عباس أفتى بإلزام الثلاث من طلق ثلاثًا. وعاب على من جمع الثلاث ورماه بالحماقة، واستشهد بالآية، وأجيب بمنع دلالة الآية على الإلزام بالثلاث، لأن ركانة لما طلق امرأته ثلاثًا أمره النبي ﷺ أن يراجعها، وتلا هذه الآية، ولو كانت دليلاً على إلزام الثلاث من طلق ثلاثًا مجموعة لما استدل بها ﷺ، وسيأتي مناقشة حديث ركانة.

وكما روى عن ابن عباس الإلزام بالثلاث والاستشهاد بالآية روى عنه اعتبارها واحدة (ص - من البحث)

ويمكن أن يقال: يحتمل تعدى حدود الله في الآية وظلم المطلق لنفسه على الطلاق لغير العدة وإخراج الزوج مطلقته طلاقًا رجعيًا من بيتها الذي كانت

تمسكه قبل الطلاق وخروجها منه أيام العدة، دون الطلاق الثلاث، وقد يساعد على هذا سابق الكلام ولاحقه، وفي هذا أيضًا جمع بين الأدلة.

ومنه قوله تعالى: (ولا تتخذوا آيات الله هزوًا)... الآية الكريمة من سورة البقرة: (۲۳۱) ذكر عن الحسن أنها نزلت فيمن كان يطلق ويزوج ابنته ويعتق عبده، ويدعي أنه كان لاعبًا، فقال رسول الله ﷺ "ثلاث من قالهن لاعبًا جائزات: العتاق والطلاق والنكاح" وأجيب بأنه لا دليل في الآية ولا في الحديث على المطلوب، لأنه لم يذكر فيهما طلاق الثلاث أصلاً، وإنما فيهما النهي عن اللعب في الطلاق ونحوه على أن ما ذكر من مراسيل الحسن.

وأما السنة فأولا:

حديث تلاعن عويمر العجلاني وامرأته، فإن النبي ﷺ فرق بينهما بإنفاذ الطلاق الثلاث لا باللعان، يؤيد هذا قول سهل: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فأنفذها رسول الله ﷺ... الخ. وبهذا يعلم أن طلاق عويمر اعتبر ثلاثًا، وبانت منه امرأته بذلك، ثم أكد ذلك بتأبيد تحريمها عليه في اللعان خاصة. وقد يقال: بأن إنفاذ الطلاق الثلاث دفعة على الملاعن خاص باللعان لما فيه من تأبيد التحريم بخلاف غيره، بدليل حديث محمود بن لبيد. ويجاب بأن حديث محمود بن لبيد وإن صح ليس فيه إنفاذ الثلاث ولا عدم إنفاذها، وحديث اللعان فيه إنفاذها فيقدم بل قيل إن حديث محمود بن لبيد دليل على اعتبار إيقاع الثلاث دفعة ثلاثًا، لأن الزوج طلق ثلاثًا يظنها لازمة له فلو كانت غير لازمة لبين له ﷺ لعدم جواز تأخير البيان عن وقت الحاجة (ص ـ من البحث).

وقد أجيب عن أصل الاستدلال بأن النبي ﷺ أنفذ تطليقات عويمر على الوجه الذي كان معروفًا في عهده من اعتبارها واحدة رجعية، ثم حرمها عليه تحريمًا أبديًا بدليل قوله في الحديث: فمضت السنة بعد في المتلاعنين أن يفرق

بينهما، فإن التفريق يأتي مع بقاء النكاح بخلاف ما إذا اعتبرت تطليقات عويمر ثلاثاً فإنها تكون أجنبية منه بذلك محرمة عليه حتى تنكح زوجاً غيره (ص - من البحث)

وكذلك يقال فيما أمضاه على المطلق في حديث محمود بن لبيد، فإن حمله على ما كان معروفاً في عهده ﷺ أقرب من حمله على الثلاث بل هو المتعين.

ثانياً :

حديث من طلقها زوجها ثلاثاً و أبى النبي ﷺ أن يبيحها لزوجها الأول حتى يطأها الثاني. قالوا: الظاهر أنه طلقها ثلاثاً مجموعة فأمضاها عليه النبي ﷺ وإلا لحلت للأول دون أن تذوق عسيلة الثاني، وأجيب بأنه ورد في بعض الروايات أن الأول طلقها آخر ثلاث تطليقات، وعلى تقدير تعدد القصة وأن هذه الرواية كانت في إحداهما فكل منهما ليس فيها ما يدل على أن التطليقات كانت مجموعة، لجواز أن تكون متفرقة، بل في الحديث ما يدل على تفرقها فإنه لا يقال طلق ثلاثاً إلا لمن فعل ذلك مرة بعد مرة كما يقال: سلم ثلاثاً، وسبح ثلاثاً، ومع هذا فقد كان المشهور في عهد النبي ﷺ إيقاع الطلاق متفرقاً، أما إيقاعه مجموعاً فقد كان قليلاً ومنكراً، وحمل اللفظ على الكثير الحق أقرب من حمله على القليل المنكر (ص - من البحث)

ثالثاً :

حديث فاطمة بنت قيس، فإن زوجها طلقها ثلاثاً مجموعة، وقد تقدم الكلام فيه وفي مثله توجيهاً وإجابة ، إلا أنه ذكر هنا زيادة في رواية مجالد بن سعيد عن الشعبي أن زوجها طلقها ثلاثاً جميعاً، وأجيب عنها بأنها قد تفرد بها مجالد عن الشعبي وهو ضعيف، وعلى تقدير الصحة فكلمة جميع في الغالب لتأكيد العدد فالمعنى حصول الطلاق الذي يملكه جميعه لا اجتماعه كما في قوله تعالى: (ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعاً... الآية الكريمة من سورة

يونس: ٩٩) فالمراد حصول الإيمان من جميعهم لا حصوله منهم في وقت واحد (ص - من البحث) وذكر بعضهم أن تعبير فاطمة بنت قيس عن كيفية طلاقها مختلف الصيغة ولم يفرق بينها الصحابة في الحكم وإلا لا ستفسروا عما فيها من إجمال، وأجيب بأن الأجمال زال برواية طلقها آخر ثلاث تطليقات، ورواية أرسل إليها بطلقة كانت بقيت لها (ص - من البحث)

رابعًا :

حديث ركانة لأنه طلق امرأته سهيمة البتة، واستفسره النبي ﷺ عما أراد، واستحلفه عليه فحلف ما أراد إلا واحدة، فردها عليه، فدل على أنه لو أراد أكثر لأمضاه عليه، إذ لو لم يفترق الحكم لما استفسره ولا استحلفه، وهذا الحديث وإن تكلم فيه من أجل الزبير ابن سعيد فقد صححه بعض العلماء، وحسنه بعضهم وذكر الحاكم له متابعًا من بيت ركانة.

وأجيب بأن الإمام أحمد ضعف حديث طلاق ركانة زوجته البتة من جميع طرقه، وضعفه البخاري وقال مضطرب فيه، تارة قيل فيه ثلاثًا، وتارة قيل فيه واحدة، وعلى ذلك تترك الروايتان المتعارضتان، ويرجع إلى غيرهما. هذا وقد روى حديث تطليق ركانة امرأته ثلاثًا وجعلها واحدة من طريقين إحداهما: عند الإمام أحمد من طريق سعد بن ابراهيم بسنده إلى ابن عباس مرفوعًا، والثانية: في سنن أبي داؤد من طريق ابن صالح بسنده إلى ابن عباس مرفوعًا فوجب المصير إلى ذلك، وأجيب عن الأولى بأنها لا تقوم بها الحجة لمخالفتها فتيا ابن عباس وستأتي مناقشة ذلك، وأجيب عن الثانية بأن في سندها مقالاً لأن ابن جريج روى هذا الحديث عن بعض بني أبي رافع، ولأبي رافع بنون ليس فيهم من يحتج به بإسحاق، وسائرهم مجهولون وقد رجح ابوداؤد في سننه رواية نافع بن عجير في طلاق ركانة زوجته البتة على رواية بعض بني أبي رافع أن عبد يزيد طلق امرأته

ثلاثاً للتملك، ولفظ ابن جريج في تسمية المطلق عبد يزيد مع ان عبد يزيد لم يدرك الإسلام، ولأن أهل بيت ركانة أعلم بحاله.

وقد أجاب ابن القيم بما خلاصته: سقوط رواية كل من نافع بن عجير وبعض بني أبي رافع لجهالة كل منهما، أما أن يرجح أحد المجهولين أو من هو أشد جهالة على الآخر فكلا، وبعدل إلى رواية الإمام أحمد من طريق سعد بن ابراهيم بسنده إلى ابن عباس لسلامته، فإن أحمد وغيره احتجوا به في مسائل النكاح والفرائض وغيرها، وقد ذكر فيه أن ركانة طلق امرأته سهيمة ثلاثاً فجعلها ﷺ واحدة (ص ـ من البحث) وسيأتي لهذا زيادة بحث ان شاء الله.

خامساً :

حديث ابن عمر في تطليق زوجته في الحيض وفي آخره "فقلت يا رسول الله أرأيت لو طلقتها ثلاثاً أكان يحل لي أن أراجعها، قال: "لا، كانت تبين منك وتكون معصية". فإنه ظاهر في إمضاء الثلاث مجموعة، وأجيب أولاً: بأن في سنده شعيب بن زريق الشامي عن عطاء الخرساني وقد وثق الدارقطني شعيباً، وذكره ابن حبان في الثقات وحكى عنه ابن حجر أنه قال: يعتبر بحديثه من غير روايته عن عطاء الخرساني، وقال الأزدي: فيه لين، وقال ابن حزم: ضعيف، أما عطاء الخرساني فقد ذكره البخاري في الضعفاء، وقال ابن حبان كان رديء الحفظ يخطيء ولا يعلم فبطل الاحتجاج به. ووثقه ابن سعد و ابن معين و أبوحاتم، ومع ذلك فقد انفرد شعيب عن الأئمة الأثبات بهذه الزيادة فإنه لم يعرف عن أحد منهم ذكرها.

سادساً :

حديث عبادة بن الصامت في تطليق بعض آبائه امرأته ألفاً، فلما سأل بنوه النبي ﷺ قال: "بانت منه بثلاث على غير السنة وتسعمائة وسبعة وتسعون إثم

في عنقه" وأجيب بأن في سنده رواة مجهولين وضعفاء

سابعًا :

بحديث : "من طلق للبدعة واحدة أو اثنين أو ثلاثًا ألزمناه بدعته" وأجيب بأن في سنده اسماعيل بن أمية القراع، وقد قال فيه الدارقطني بعد روايته لهذا الحديث ضعيف متروك الحديث.

ثامنًا :

حديث علي أن النبي ﷺ سمع رجلاً طلق امرأته البتة فأنكر ذلك وقال: "من طلق البتة ألزمناه ثلاثًا لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره" وأجيب بأن في سنده اسماعيل ابن أمية القرشي، قال فيه الدارقطني: كوفي ضعيف، وقال ابن القيم في إسناد هذا الحديث مجاهيل وضعفاء (ص ـ من البحث).

وأما الإجماع : فقد نقل كثير من العلماء الإجماع على إمضاء الثلاث في الطلاق الثلاث بكلمة واحدة منهم: الشافعي و أبوبكر الرازي و ابن العربي والباجي و ابن رجب وقالوا: إنه مقدم على خبر الواحد، قال الشافعي: الإجماع أكثر من الخبر المنفرد، وذلك أن الخبر يجوز الخطأ والوهم على راويه بخلاف الإجماع فإنه معصوم، وأجيب بأنه قد روى عن جماعة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم القول برد الثلاث المجموعة إلى الواحدة منهم: أبوبكر و عمر صدر من خلافته، وعلي و ابن مسعود و ابن عباس، والزبير، و عبدالرحمٰن بن عوف، وطاؤس، والحسن البصري، وسعيد بن جبير، و عطاء بن ابي رباح، و محمد بن اسحاق، و ابن تيمية المجد، وأصبغ بن الحباب، و محمد بن بقي، و محمد بن عبدالسلام الخشني، وعطاء بن يسار و ابن زنباع، وخلاس بن عمرو، و أهل الظاهر، وخالفهم في ذلك ابن حزم، وغاية الأمر أن يقال: أن بعض من نقل عنهم الإلزام بالثلاث إذا كانت مجموعة نقل عنهم أيضًا جعلها واحدة فيكون لهم

في المسألة قولان. والقصد أن الخلاف في الإلزام بها مجموعة لم يزل قائمًا ثابتًا، وممن حكى الخلاف في ذلك عن السلف والخلف أبوالحسن علي بن عبدالله اللخمي، و أبوجعفر الطحاوي في تهذيب الآثار وغيرهم، وبهذا يتبين أنه ليس في المسألة إجماع (ص - من البحث).

وأما الآثار : المروية عن الصحابة وغيرهم في إمضاء الثلاث على من طلق زوجته ثلاثًا في مجلس واحد فكثيرة منها: ما روى عن عمر و عثمان و علي و ابن عباس و ابن مسعود و ابن عمر و عمران بن الحصين و أبي هريرة وغيرهم، فإن سلم اعتبارها في الاحتجاج لكونها أقوال صحابة ثبت المطلوب، وخاصة أن فيهم ثلاثة من الخلفاء: عمر الملهم وعثمان و علي وحبرالأمة ابن عباس رضي الله عنهم وإلا فالحجة في إجماعهم، فإن فتواهم اشتهرت عنهم، ولم يعرف عمن لم يفت بذلك إنكار لفتواهم به، فكان إجماعًا وقد تقدم.

وأجيب بأن عمر رضي الله عنه أمضى عليهم الثلاث عقوبة لهم لما رآه من المصلحة في زمانه ليكفوا عما تتابعوا فيه من جمع الطلاق الثلاث، ويرجعوا إلى ما جعل الله لهم من الفسحة والأناة رحمة منه بهم، ولما علم الصحابة منه حسن سياسته لرعيته وافقوه على ذلك وأفتوا به رعاية لما رآه من المصلحة، ولهذا صرحوا لمن استفتاهم في هذا الأمر بأنه عصى ربه ولم يتقه فلم يجعل له مخرجًا، ولم يجعل ذلك الإمضاء شرعًا لازمًا مستمرًا لأنه مما تتغير الفتوى به بتغير الزمان والأحوال بل جعل العقوبة به تعزيرًا لمن خالف ما أمر به كالنفي، ومنعه ﷺ المتخلفين الثلاثة عن نسائهم مدة من الزمن، والضرب في الخمر، ونحو هذا مما يختلف التعزير فيه باختلاف الزمان والأحوال وكان هذا من الخليفة اجتهادًا (ص من البحث)

وأما القياس : فهو أن النكاح ملك للزوج فصح إزالته مجتمعًا كما صحت إزالته متفرقا وأن الله جعله بيده يزيل منه ما شاء ويبقى ما شاء، كالعتق

وعقد النكاح. وأجيب بأنه قياس مع الفارق فإن الطلاق جعل إليه ليوقعه متفرقاً على كيفية معينة، ومنعه من جمعه لما تقدم في المسألة الأولى فلا يصح قياس جمعه على تفريقه، ولا على العتق، ولا عقد النكاح على أكثر من واحدة وما أشبهها، مما شرع له إيقاعه مجتمعاً ومتفرقاً (ص - من البحث)

المذهب الثاني

أن الطلاق الثلاث دفعة واحدة يعتبر طلقة واحدة، دخل بها الزوج أم لا.

وهو قول أبي بكر و عمر، صدر من خلافته، وعلي و ابن مسعود و ابن عباس والزبير بن العوام وعبد الرحمن بن عوف، وكثير من التابعين ومن بعدهم كطاؤس وعكرمة بن عمرو و محمد بن اسحاق، وداؤد الظاهري، وأكثر أصحابه، وهو اختيار ابن تيمية، و ابن القيم (ص - من البحث)، واستدل لهذا المذهب بالكتاب والسنة و الآثار، والإجماع، والقياس.

أما الكتاب فأولاً قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) إلى قوله تعالى: (حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) وبيانه أن الألف واللام في قوله: (الطلاق مرتان.... الخ) للعهد والمعهود هو الطلاق المفهوم من قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) وهو رجعي لقوله تعالى: (وبعولتهن أحق بردهن في ذلك... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) فالمعنى الطلاق من الذي يكون للزوج فيه حق الرجعة مرتان، مرة بعد مرة، ولا فرق في اعتبار كل مرة منهما واحدة بين أن يقول في كل مرة... طلقتك واحدة أو ثلاثاً أو ألفاً. فكل مرة منهما طلقة رجعية لمدة سيل، ولقوله تعالى بعد: (فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان.... الآية الكريمة

من سورة البقرة: ٢٢٩) وثانيًا قوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره.... الآية) فالضمير المرفوع والمنصوب فيه عائدان إلى المطلق والمطلقة فيما سبق لئلا يخلو الكلام عن مرجع لهما، ولأن الطلاق وقع بعد الشرط والحل بعد النفي فدل على العموم، فلو كانت هذه الجملة مستقلة عما قبلها للزم تحريم كل مطلقة ولو طلقة أو طلقتين حتى تنكح زوجًا آخر، وهو باطل بإجماع. وإذًا فمعنى الآية: فإن طلقها مرة ثالثة بلفظ واحد طلقة أو ثلاثًا فلا تحل له حتى تتزوج غيره. وبهذا يدل عموم الآية على اعتبار الثلاث بلفظ واحد طلقة، وقد سبقت مناقشة هذا الدليل (ص ـ من البحث).

ثانيًا : قوله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن ... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) إلى قوله: (فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) وبيانه أن الجمهور استدلوا بها من وجوه على تحريم جمع الثلاث، وإذًا فلا يقع منها مجموعة إلا ما كان مشروعًا وهو الواحدة (ص ـ من البحث) وأجيب بأن التحريم لا ينافي إمضاء الثلاث فكم من عبادة أو عقد مشروع ارتكب فيه مخالفة فقيل لصاحبه عصى وصحت عبادته ومضى عقده وعلى تقرير المناقضة فهو يمنع من إمضاء الواحدة أيضًا، لوقوع الطلاق على خلاف ما شرع الله وذلك ما لا يقول به أحد من الجمهور.

وأما السنة : فمنها ـ أولاً ما رواه مسلم في صحيحه من طريق ابن طاوس عن أبيه عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر رضي الله عنه: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم. وأجيب عن الاستدلال به بما يأتي:

أولاً: بأنه حديث منسوخ، لأن ابن عباس أفتى بخلافه، فدل ذلك على أنه علم ناسخًا له فاعتمد عليه في فتواه، ونوقش بأنه يمكن أن يكون اجتهد فوافق اجتهاده اجتهاد عمر رضي الله عنهما في إمضاء الثلاث تعزيرًا للمصلحة كما تقدم، وأيضًا لو علم ناسخًا لذكره، مع وجود الدواعي إليه ولم يكتف بمثل ما كان يعمل به في فتواه، وأيضًا الصواب أن العبرة بما رواه الراوي لا بقوله، قالوا أيضًا يدل على نسخ الحديث ما ذكر في سبب نزول قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹) من أن المطلق كان له الحق في الرجعة ولو طلق ألف مرة، ما دامت مطلقته في العدة. فأنزل الله الآية منعًا لهم من الرجعة بعد المرة الثالثة حتى تنكح زوجًا آخر، ونوقش أولاً: بأنه روى مرسلاً من طريق عروة بن الزبير ومتصلاً من طريق عكرمة عن ابن عباس لكن في سنده علي بن حسين بن واقد وهو ضعيف، وثانيًا: بأنه استدلال في غير محل النزاع فإنه ليس فيه الإلزام بالثلاث في لفظ واحد.

وقالوا أيضًا يدل على نسخه حديث امرأة رفاعة و حديث اللعان، وحديث فاطمة بنت قيس وقد سبق الاستدلال بها ومناقشتها (ص۔ من البحث)

وقالوا أيضًا: يدل على نسخه إجماع الصحابة زمن عمر رضي الله عنهم على إمضاء الثلاث، فإنه لا يكون إلا عن علم بالناسخ، ونوقش بأنه لا يتأتى مع قول عمر: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم، فلو كان اعتمادهم على العلم بالناسخ لذكروه ولم يعلل عمرؓ بذلك. وأيضًا كيف يستمر العمل بالمنسوخ في عهده ﷺ وفي عهد أبي بكر و صدر من خلافة عمر رضي الله عنهما؟ مع كون الأمة معصومة في إجماعها عن الخطأ، ونوقش استمرار العمل بالمنسوخ في العهود الثلاثة بأنه إنما فعله من لم يبلغه النسخ، فلما كان زمن عمر انتشر العلم بالناسخ فأجمعوا على إمضاء الثلاث كما حصل في

متعة النكاح سواء (أيضًا). ونوقش بأن متعة النكاح كان الخلاف فيها مستمرًا بين الصحابة لعدم معرفة بعضهم بالناسخ المنقول نقلاً صحيحًا إلى أن أعلمهم به عمر في خلافته، ونهاهم عنها، بخلاف جعل الثلاث في لفظ واحد طلقة واحدة فإنه ثابت في عهده ﷺ ولم يزل العمل عليه عند كل الصحابة في خلافة الصديق إلى سنتين أو ثلاث من خلافة عمر رضي الله عنهما إما فتوى أو إقرارًا أو سكوتًا ولهذا ادعى بعض أهل العلم أنه إجماع قديم، لم تجمع الأمة على خلافه بعده، بل لم يزل في الأمة من يفتي بجعل الثلاث واحدة (أيضًا). ولم ينقل حديث صحيح يصلح أن يعتمد عليه في نسخ حديث ابن عباس ويكون مستندًا لما ذكر من الإجماع بل الذي روى في ذلك إما في غير الموضوع وإما في الموضوع لكنه ضعيف أو مكذوب، ومع هذا فقد ثبت عن عكرمة عن ابن عباس ما يوافق حديث طاؤس مرفوعًا وموقوفًا على ابن عباس، فالمرفوع هو أن ركانة طلق امرأته ثلاثًا فردها عليه النبي ﷺ ولم يثبت ما يخالفه مرفوعًا، وقد سبقت مناقشة حديث ركانة وستأتي بقيتها (أيضًا) ولا نكارة في إمضاء عمر للثلاث باجتهاده، ولا على غيره من الصحابة ممن وافق اجتهادهم اجتهاده في إمضائها، وقد بين عمر و ابن عباس وغيرهما وجه ذلك بأن الناس لما تتابعوا فيما حرم الله عليهم من تطليقهم ثلاثًا مجموعة وكثر منهم ذلك على خلاف ما كانوا عليه قبل ألزموا بالثلاث عقوبة لهم، ونظير هذا كثير تغير فيه الفتوى بتغير الأحوال والأزمان والأمكنة كالعقوبة في الخمر، والتفريق بين اللذين خلفوا وتسالهم، وقتال عليؓ لبعض أهل القبلة متأولاً، ولم يكن الإمضاء شرعًا مستمرًا إنما كان رهن ظروفه (ص ـ من البحث).

والجيب ثانيًا : بتأويل حديث طاؤس عن ابن عباس بأن الطلاق الذي كان الناس يوقعونه واحدة في عهده ﷺ وعهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر اعتادوا إيقاعه بعد ذلك ثلاثًا، ويشهد لهذا قول عمر رضي الله عنه: إن الناس قد

استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة. الخ.

ونوقش بأنه تأويل يخالف الواقع في العهود الثلاثة الأولى، فإن الطلاق ثلاثًا جملة قد وقع فيها من الصحابة كما تقدم في حديث محمود بن لبيد، وحديث اللعان، وكما يأتي في حديث ركانة، وأيضًا يمنع منه ما ورد في بعض روايات الحديث من أنها جعلت واحدة أو ردت إلى الواحدة (ص ـ من البحث)

وأجيب ثالثًا: بحمل الحديث على غير المدخول بها بدليل ذكر ذلك في الرواية الأخرى فإن الزوج إذا قال لها: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، بانت بالأولى، فكان الثلاث واحدة ونوقش هذا ولم يزل ماضيًا ولم يتقيد بعهد ولا زمان، وما نحن فيه تغير حكمه في أيام عمر رضي الله عنه عما كان عليه قبل، وقد وجه بعضهم الجواب بتوجيه آخر، وهو أن زوجها إذا قال لها: أنت طالق ثلاثًا بانت بقوله أنت طالق، ولغي قوله: ثلاثًا، ونوقش بأنه كلام متصل، فكيف يفصل بعضه من بعض ويحكم لكل بحكم؟

ونوقش أصل الجواب بأن حديث طاؤس نفسه عن ابن عباس مطلق ليس فيه ذكر لغير المدخول بها، وجواب ابن عباس في الرواية الأخرى وارد على سؤال أبي الصهباء عن تطليق غير المدخول بها ثلاثًا، فخص ابن عباس غير المدخول بها ليطابق الجواب السؤال، ومثل هذا ليس له مفهوم مخالفة (ص ـ من البحث)

وأجيب رابعًا: بأن جعل الثلاث واحدة لم يكن عن علم منه ﷺ ولا عن أمره وإلا ما استحل ابن عباس أن يفتي بخلافه.

ونوقش بأن جماهير المحدثين على أن ما أسنده الصحابي إلى عهده ﷺ له حكم، فإنه على تقدير أن النبي ﷺ لم يحكم بذلك يستبعد أن يفعله الصحابة وهم خير الخلق، ولا يعلمه ﷺ والوحي ينزل، ثم كيف يستمر العمل من الأمة على خطأ في عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر، والأمة معصومة من

إجماعها على الخطأ (ص - من البحث).

وأجيب خامساً : بحمل الحديث على صورة تكرير لفظ الطلاق فإنه يعتبر واحدة مع قصد التوكيد، وثلاثاً مع قصد الإيقاع، وكان الصحابة خياراً أمناء فصدقوا فيما قصدوا فلما تغيرت الأحوال وفشا إيقاع الثلاث جملة بلفظ واحد ألزمهم عمر الثلاث في صورة التكرار إذ صار الغالب عليهم قصدها.

ونوقش بأن حمل الحديث على ذلك خلاف الظاهر، فإن الحكم لم يتغير في صورة التكرار فيما بعد عما كان عليه في حياة النبي ﷺ وفي عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر، بل الأمر لم يزل على اعتباره واحدة في هذه الصورة عند قصد التوكيد، ومن يدينه لا يفرق بين بر وفاجر وصادق وكاذب، ومن لا يدينه في الحكم لا يقبل منه مطلقاً براً أم فاجراً، وأيضاً قول عمر: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة. الخ. يرد حمل الحديث على هذه الصورة، فإن معناه أن الناس استعجلوا فيما شرعه الله لهم متراخياً بعضه عن بعض رحمة منه بهم، فأوقعوه بلفظ واحد، فهذا يدل على أن لفظ الثلاث في الحديث مراد به جمع الثلاث دفعة، وإن كان في نفسه محتملاً (ص - من البحث).

وأجيب سادساً : بمخالفة فتوى ابن عباس لروايته، فإنه لم يكن ليروي حديثاً ثم يخالفه إلى رأي نفسه، ولذلك لما سئل أحمد بأي شيء تدفع حديث ابن عباس قال برواية الناس عنه من وجوه خلافه، ونوقش بأن الصواب من القولين في مخالفة الراوي لروايته أن الحديث الصحيح المعصوم لا يترك لمخالفة راويه، وهو غير معصوم، إذ من الممكن أن ينسى الراوي الحديث أو أنه لا يحضره الحديث وقت الفتيا، أو لا يتفطن لدلالته على المسألة التي خالفه فيها أو يتأول فيه تأويلاً مرجوحاً، أو يقوم في ظنه ما يعارضه ولا يكون معارضاً له في الواقع، أو يقلد غيره في فتواه بخلافه، لثقته به واعتقاد أنه إنما خالفه لدليل أقوى منه، وعلى هذا

الأصل بين المالكية والشافعية والحنابلة فروعًا كثيرة حيث قدموا العمل بـ . .
الراوي على فتواه، وأيضًا كما نقل عن ابن عباس إمضاء الثلاث، وروي عنه اعتبار الثلاث مجموعة طلقة واحدة، وإذا تعارضت الروايتان عدل عنهما إلى الحديث، لكن هذه المناقشة مردودة بأمرين الأول أن رواية الراوي إنما تقدم على قوله إذا كانت صريحة أو ظاهرة في معنى قال بخلافه، وإلا قدم قوله، لأنه يدل على أن الاحتمال الذي خالفه قوله غير مراد من الحديث، وحديث ابن عباس هنا محتمل أن يكون في الطلاق ثلاثًا بلفظ واحد، وأن يكون مفرقًا كما في الصورة التي في الجواب الخامس عن الحديث، فدلت فتواه على إرادة صورة التفريق لا صورة الاجتماع. الثاني: أن ما رواه حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة أن ابن عباس قال: إذا قال أنت طالق ثلاثًا بفم واحد فهي واحدة معارض بما رواه اسماعيل بن ابراهيم عن أيوب عن عكرمة أن ذلك من قول عكرمة لا من قول ابن عباس، ورواية اسماعيل مقدمة لموافقته الثقاة في أن ابن عباس يجعلها ثلاثًا لا واحدة. (ص ـ من البحث)

وقد يقال في الأمر الأول: إن لفظ الطلاق الثلاث في الحديث ظاهر فيها مجموعة، وإلا لم يقل عمر رضي الله عنه. إن الناس استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة. الخ ـ اعتذارًا منه في الحكم على خلاف ظاهره، وبه اعتذر ابن عباس وغيره في إمضاء الثلاث، وقد سبق الكلام في هذا عند مناقشة الجواب عن الحديث بالنسخ.

ويقول في الأمر الثاني: أنه لا مانع من ثبوت القول بجعل الثلاث بلفظ واحدة عن كل من ابن عباس وعكرمة. وعلى تقدير تعارض الروايتين بالنفي والإثبات، فالمثبت مقدم على النافي، على أن حماد بن زيد أثبت في أيوب من كل من روى عن أيوب كما قال يحيى بن معين، فيقدم على اسماعيل بن إبراهيم

(تهذيب التهذيب).

وأجيب سابعًا: بأن المراد بالطلاق الثلاث في الحديث لفظ البتة لاشتهارها في الثلاث عند أهل المدينة، فرواه بعض رواته بالمعنى فعبر بالثلاث بدلاً من البتة وفي هذا جمع بين الروايات، وكان يراد بها واحدة كما أراد بها ركانة، فلما تتابع الناس في إرادة الثلاث بها ألزمهم إياها عمر رضي الله عنه ونظيره زيادته الضرب في شرب الخمر حين تتابع الناس فيه (ص ـ من البحث).

وقد يقال: إن هذا تأويل على خلاف الظاهر بلا دليل، وأيضًا تقدم في كلام الشافعي أن كلمة البتة مستحدثة (ص ـ من البحث).

وعلى ذلك لا يجوز حمل لفظ الطلاق الثلاث في الحديث عليها.

وأجيب ثامنًا: بأنه حديث شاذ، لانفراد طاؤس به عن ابن عباس، وانفراد الراوي بالحديث وإن كان ثقة ـ علة توجب التوقف فيه إذا لم يرو معناه من وجه يصح (ص ـ من البحث).

ونوقش بأن مجرد انفراد الثقة برواية الحديث ليس علة توجب رده أوالتوقف، ولا يسمى هذا شذوذًا عند علماء الحديث إنما الشذوذ الذي يكون علة في ردالحديث هو أن يخالف الثقة الثقاة مخالفة لا يمكن معها الجمع ولم يخالف طاؤس في رواية هذا الحديث أحدٌ من الرواة الثقاة عن ابن عباس في هذا الموضوع، وإنما وقعت المخالفة بين ما رواه وما أفتى به، وقد مضى الكلام في ذلك (ص ـ من البحث). لكن لقائل أن يقول: إن استمرار العمل في زمن النبي ﷺ وفي عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر بجعل الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة وتغيير عمر لذلك على علم من الصحابة مما تتوفر الدواعي على نقله، فنقله آحادًا يوجب رده، اللهم إلا أن يحمل الحديث على ما تقدم من أن الطلاق كان على وجه التكرار مع قصد التأكيد أو قد كان بلفظ البتة فاختلف

الحكم فيه لاختلاف النية (ص - من البحث).

وقد يناقش ألا يراد بمنع أن يكون ما ذكر مما تتوفر الدواعي على نقله، وأنه على تقدير أن يكون من ذلك، فللمستدل أن يقول: إن الحديث قد اشتهر نقله وصح سنده ولم يجرؤ أحد على تكذيبه أو تضعيفه بوجه يصح مثله كما اشتهر نقل مخالفة فتوى عمر و ابن عباس لظاهره، ويشهد لهذا اشتغال العلماء سلفًا وخلفًا بالأمرين، فبعضهم يؤول الحديث ليتفق مع الفتاوى، وبعضهم يذهب إلى بيان وجه مخالفة الفتاوى له ويبقيه على ظاهره، ويعتذر عن الفتوى بخلافه، وبعضهم يعارضه بفتوى ابن عباس ويقدم العمل بها عليه، إلى غير هذا مما يدل على شهرة النقل للأمرين، وعلى تقدير عدم الشهرة فكم من أمر تتوفر الدواعي على نقله قد نقل آحادًا وعمل به جمع من أئمة الفقهاء ورده آخرون بهذه الدعوى.

وأجيب تاسعًا : بأن الحديث مضطرب سندًا ومتنًا، أما اضطراب سنده فلروايته تارة عن طاوس عن ابن عباس، وتارة عن طاوس عن أبي الصهباء عن ابن عباس، وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس، وأما اضطراب متنه فإن أباالصهباء تارة يقول: ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة ؟ وتارة يقول: ألم تعلم أن الطلاق الثلاث كان على عهد رسول الله ﷺ وصدر من خلافة عمر واحدة؟

ونوقش بأن الاضطراب إنما يحكم به على الحديث إذا لم يمكن الجمع ولا الترجيح وكلاهما ممكن فيما نحن فيه، فإن الرواية عن أبي الجوزاء وهم فيها عبدالله بن المؤمل، حيث انتقل في روايته الحديث عن ابن أبي مليكة من أبي الصهباء إلى أبي الجوزاء، وقد كان سيء الحفظ فلا تعارض بها رواية الثقاة عن أبي الصهباء، وأما روايته عن طاوس عن ابن عباس و عن طاوس عن أبي الصهباء

وعن ابن عباس فكلا هما ممكن فلا تعارض ولا اضطراب، وأما اختلاف المتن فتقدم بيان الجمع بين الروايتين فلا اضطراب (ص - من البحث).

وأجيب عاشراً: بمعارضته بالإجماع والإجماع معصوم فيقدم. وقد تقدمت مناقشة ذلك (ص - من البحث). ومن السنة أيضاً ما رواه الإمام أحمد في مسنده عن سعد بن ابراهيم، حدثنا أبي عن محمد بن اسحاق قال: حدثني داؤد بن الحصين عن عكرمة مولى ابن عباس عن ابن عباس قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديداً، قال فسأله رسول الله ﷺ "كيف طلقتها؟" قال طلقتها ثلاثاً، قال: فقال: "في مجلس واحد؟" قال: نعم، قال: "فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت"، قال: فراجعها، فكان ابن عباس يرى الطلاق عند كل طهر. وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد واستدل بما روى به في رد ابنته ﷺ على زوجها ابن أبي العاص بالنكاح الأول وقدمه على ما يخالفه فهو حجة ما لم يعارضه ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده نظيره أو ما هو أقوى منه، ودلالة متنه ظاهرة في اعتبار الطلاق ثلاثاً في مجلس واحد واحدة.

ونوقش بأن المراد بالطلاق الثلاث في الحديث لفظ البتة لاشتهارها في الثلاث عند أهل المدينة فرواه بعض رواته بالمعنى فعبر بالثلاث بدلاً من البتة، وفي هذا جمع بين الروايات، وكانت يراد بها واحدة أولاً، فلما تتابع الناس في إرادة الثلاث ألزمهم إياها عمر رضي الله عنه، ونظيره زيادة الضرب في شرب الخمر ونحوه مما تغير فيه الحكم لتغير أحوال الناس وقد تقدم هذا في الجواب السابع عند الاستدلال بحديث طاوس عن ابن عباس في جعل الثلاث المجموعة واحدة مع مناقشة.

ونوقش أيضاً بأن لفظ طلقتها ثلاثاً يحتمل أن يكون بلفظ واحد، وأن

يكون مفرقًا، وأجيب بأن احتمال تفريقه خلاف الظاهر، لقوله في الحديث في مجلس واحد، والغالب فيما كان كذلك أن يكون بلفظ واحد.

ونوقش أيضًا بمعارضته للإجماع، وقد تقدم مناقشة الإجماع عند الكلام على الاستدلال به على إمضاء الثلاث.

ونوقش أيضًا بمعارضته لحديث نافع بن عجير في إمضائه ثلاثًا، وأجيب بترجيح هذه الرواية على رواية نافع بن عجير لسلامتها وضعف نافع، وقد سبق شرح ذلك، إلى غير هذا من المناقشات التي سبقت عند الإجابة عن الاستدلال بحديث ابن عباس في اعتبار الثلاث واحدة.

ومن السنة أيضًا حديث بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس أن يزيدًا أبا ركانة وإخوته طلق أم ركانة وتزوج امرأة أخرى فشكت ضعفه إلى رسول الله ﷺ فأمره بطلاقها فطلقها، وقال له "راجع أم ركانة"، فقال: إني طلقتها ثلاثًا، فقال: "قد علمت، راجعها". وقد سبق نص الحديث مع مناقشته.

ومن السنة أيضًا حديث ابن عمر وفيه أنه طلق امرأته ثلاثًا وهي حائض فردها النبي ﷺ إلى السنة. ورد أولاً: بأن رواة هذا الحديث شيعة، وثانيًا: بأن في سنده طريف بن ناصح وهو شيعي لا يكاد يعرف، وثالثًا: بأنه مع ما ذكر مخالف لما رواه الثقات الأثبات: أن ابن عمر طلق امرأته في الحيض تطليقة واحدة، فهو حديث منكر (ص - من البحث).

واستدلوا بالإجماع، قالوا: إن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد واحدة، إلى ثلاث سنين من خلافة عمر.

ويمكن أن يجاب بما ورد من الآثار عن بعض الصحابة من أن الثلاث بلفظ واحد تمضي ثلاثًا (ص - من البحث)، وقد سبق ذكرها في استدلال من يقول بإمضاء الثلاث. لكن للمستدل أن يقول: إن الآثار التي وردت فيها الفتوى

بخلاف هذا الدليل بدأت في عهد عمر بضرب من التأويل، يدل على تأخير بدئها ظاهر حديث طاوس عن ابن عباس، وقد تقدم مع المناقشة.

واستدلوا بالقياس، قالوا: كما لا يعتبر قول الملاعن وقول الملاعنة: أشهد بالله أربع شهادات، مكتفا، أربع شهادات - لا يعتبر قول الزوج لامرأته: أنت طالق ثلاثا بلفظ واحد ثلاث تطليقات وكذا كل ما يعتبر فيه تكرار القول أو الفعل من تسبيح وتحميد وتكبير وتهليل وإقرار.

ونوقش بأنه قياس مع الفارق، للإجماع على اعتبار الطلقة المفردة في الطلاق، وبينونة المعتدة منها بانتهاء العدة، وعدم اعتبار الشهادة الواحدة من الأربع في اللعان (ص - من البحث).

وللمستدل أن يقول: هذا الفارق مسلم، ومعه فوارق أخرى بينهما، لانفراد كل من الطلاق واللعان بشيء منها، لكنها ليست في مورد قياس المستدل هنا، فإنه وارد فيما يعتبر فيه تكرار الفعل أو القول، ولا يعتد فيه بالاكتفاء بذكر اسم العدد، وليس من شرط سلامة القياس اشتراك المقيس والمقيس عليه في جميع صفاتهما، بل إن اعتبار هذا لا يأتي معه قياس، لأن كل شيئين لا بدأن ينفرد كل منهما عن الآخر بخاصة أو خواص، وإلا كان عينه.

واستدلوا بما روي من الآثار في الإفتاء بذلك عن ابن عباس وعلي وابن مسعود والزبير وعبدالرحمن ابن عوف وغيرهم من الصحابة ومن بعدهم (ص - من البحث).

ونوقش بأن ما روي من ذلك عن طاوس عن ابن عباس مردود، فإن لطاوس عن ابن عباس مناكير منها رواية هذه الفتوى عن ابن عباس، وأجيب بأن طاوس بن كيسان قد وثقه ابن معين، وسئل أيهما أحب إليك طاوس أم سعيد بن جبير؟ فلم يخير بينهما، وقال قيس بن سعد: كان طاوس فينا مثل ابن سيرين

بالبصرة، وقال الزهري: لو رأيت طاوسا علمت أنه لا يكذب. وروى له أصحاب الكتب الستة في أصولهم (تهذيب التهذيب).

فمتى ما ادعى رواية للمنكر عن ابن عباس أن تثبت ذلك بشواهد من رواياته عنه في غير هذه المسألة أما فيما رواه في هذه المسألة فهو مجرد دعوى في محل النزاع. وما ذكر من مخالفة غيره له في هذه المسألة فغايته أن يكون لابن عباس فيها قولان، روى كل من الفريقين عنه قولا منهما، ولذلك قدرتم رجوعه عنها على تقدير صحة روايتها. ثم إن عكرمة تابع طاوسا في روايته هذا الأثر عن ابن عباس وهو من رجال الستة

ونوقش بأن رواية حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس معارضة برواية إسماعيل بن إبراهيم عن أيوب أن هذا الأثر من قول عكرمة وأجيب أولا: بأنه لا معارضة لجواز أن يكون روي عن كل منهما وثانيا أنه على تقدير المعارضة فرواية حماد بن زيد مقدمة على رواية إسماعيل ابن إبراهيم. قال حماد أثبت في الرواية عن أيوب من كل من روى عنه (تهذيب التهذيب).

المذهب الثالث:

أن الطلاق الثلاث يمضي ثلاثا في المدخول بها وواحدة في غير المدخول بها، واستدلوا لمذهبهم في المدخول بها بما استدل به الجمهور، وقد تقدم مع مناقشته، واستدلوا لمذهبهم في غير المدخول بها بحديث أبي الصهباء الذي قال فيه لابن عباس: أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدرا من إمارة عمر، قال: بلى وقد تقدم الحديث قالوا: إن التفصيل بين المدخول بها وغير المدخول بها فيه جمع بين الروايات وإثبات حكم كل منها في حال. وقد سبقت مناقشة هذا الدليل (ص ـ من البحث)

المذهب الرابع :

أنه لا يعتد به مطلقا، لأن إيقاعه ثلاثا بلفظ واحد بدعة محرمة، فكان غير معتبر شرعا، لحديث "من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد" ورد بأنه لا يعرف القول به عن أحد من السلف، وأن أهل العلم في جميع الأمصار مجمعون على اعتباره والاعتداد به، وإن اختلفوا فيما يمضي منه، ولم يخالف فيه إلا ناس من أهل البدع ممن لا يعتد بهم في انعقاد الإجماع.

وقد يستدل لهم أيضا بأنه كالظهار فإنه لما كان محرما لم يعتبر طلاقا مع قصد المظاهر الطلاق فكذا الطلاق ثلاثا مجموعة. وأجيب بالفرق، فإن الظهار محرم في نفسه على كل حال، فكان باطلا ولزمت فيه العقوبة على كل حال. بخلاف الطلاق فإن جنسه مشروع كالنكاح والبيع. ولذا امتنع في حال دون حال، وانقسم إلى صحيح وباطل أو فاسد (ص - من البحث).

هذا ما تيسر إعداده، وبالله التوفيق، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم...

حرر في ١٩/٩/١٣٩٣هـ

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو	عضو	نائب الرئيس	رئيس اللجنة
عبد الله بن سليمان بن منيع	عبد الله بن عبد الرحمن بن غديان	عبد الرزاق عفيفي	إبراهيم بن محمد آل الشيخ

مصادر بحث الطلاق الثلاث بلفظ واحد

١ - تفسير القرطبي طبع مطبعة دار الكتب المصرية عام ١٣٥٤هـ.

٢ - أحكام القرآن لأحمد بن علي الرازي "الجصاص" طبع بمطبعة البهية المصرية سنة ١٣٤٧هـ.

٣ - أضواء البيان.

٤ - صحيح البخاري و معه فتح الباري طبع المطبعة السلفية بترقيم عبدالباقي وإشراف محي الدين الخطيب.

٥ - عمدة القاري للعيني طبع المطبعة المنيرية.

٦ - صحيح مسلم وعليه النووي الطبعة الأولى طبع بالمطبعة الأزهرية سنة ١٣٤٧هـ.

٧ - مختصر سنن أبي داود ومعها المعالم للخطابي وتهذيبها لابن القيم طبع مطبعة أنصار السنة المحمدية عام ١٣٦٧هـ.

٨ - جامع الترمذي.

٩ - عارضة الأحوذي على الترمذي لابن العربي.

١٠ - شرح الزرقاني على الموطأ طبع بمطبعة الاستقامة بالقاهرة سنة ١٣٧٣هـ.

١١ - مسند الإمام أحمد بتعليق أحمد شاكر طبع دار المعارف سنة ١٣٦٩هـ.

١٢ - مستدرك الحاكم وعليه تلخيصه للذهبي الطبعة الأولى سنة ١٣٤٠هـ. طبع بمطبعة حيدر آباد.

١٣ - نيل الأوطار طبعة حلبية الطبعة الثانية عام ١٣٧١هـ.

١٤ - جامع العلوم والحكم طبعة حلبية عام ١٣٨٢هـ الطبعة الثالثة.

١٥ - سنن ابن ماجه الطبعة الأولى بالمطبعة التازية.

١٦ - سنن سعيد بن منصور.

١٧ - سنن الدارقطني طبع دار المحاسن للطباعة طبع عام ١٣٨٦هـ.

١٨ـ السنن الكبرى للبيهقي الطبعة الأولى بمطبعة حيدر آباد.

١٩ـ المصنف لعبد الرزاق الطبعة الأولى

٢٠ـ شرح المواهب اللدنية للزرقاني المالكي الطبعة الأولى بالمطبعة الأزهرية سنة ١٣٢٥هـ.

٢١ـ شرح معاني الآثار طبع مطبعة الأنوار المحمدية

٢٢ـ المنتقى للباجي طبع مطبعة السعادة الطبعة الأولى عام ١٣٣٢هـ.

٢٣ـ الجرح والتعديل الطبعة الأولى بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد الدكن عام ١٢٧١هـ.

٢٤ـ تهذيب التهذيب الطبعة الأولى بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد الدكن عام ١٣٢٧هـ.

٢٥ـ خلاصة تهذيب تهذيب الكمال الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية عام ١٣٢٣هـ.

٢٦ـ الإصابة ومعها الاستيعاب طبع بمطبعة مصطفى محمد

٢٧ـ المستفاد من جهات المتن والإسناد طبع مطابع الرياض.

٢٨ـ بدائع الصنائع للكاساني طبع بمطبعة الجمالية بمصر الطبعة الأولى عام ١٣٢٨هـ.

٢٩ـ المبسوط للسرخسي طبع بمطبعة السعادة بجوار محافظة مصر الطبعة الأولى.

٣٠ـ فتح القدير لابن الهمام الطبعة الأولى بالمطبعة الكبرى الأميرية عام ١٣١٥هـ

٣١ـ المدونة الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية سنة ١٣٢٤هـ ومعها المقدمات.

٣٢ـ المقدمات لابن رشد ومعها المدونة.

٣٣ـ مواهب الجليل للحطاب ملتزم الطبع مكتبة النجاح: ليبيا.

٣٤ـ الأم الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية عام ١٣٣١هـ.

٣٥ـ المهذب الطبعة الحلبية.

٣٦ـ المغني والشرح الكبير الطبعة الأولى بمطبعة المنار سنة ١٣٤٦هـ)

٣٧ـ الكافي الطبعة الأولى سنة ١٣٨٢هـ طبع المكتب الاسلامي.

٣٨ـ الإنصاف طبع مطبعة السنة المحمدية عام ١٣٧٧هـ.

٣٩ـ مجموع فتاوى شيخ الإسلام.

٤٠ـ زاد المعاد طبع مطبعة أنصار السنة المحمدية.

٤١ـ أعلام الموقعين الطبعة المنيرية.

٤٢ـ إغاثة اللهفان طبعة حلبية عام ١٣٥٧هـ.

٤٣ـ مسودة آل تيمية.

٤٤ـ سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ليوسف بن حسن بن عبد الرحمن بن عبد الهادي طبعه محمد نصيف ضمن مجموعة رأس الحسين.

٤٥ـ المحلى لابن حزم الطبعة الأولى.

٤٦ـ التجريد في أسماء الصحابة للذهبي الطبعة الأولى في مطبعة دائرة المعارف النظامية بحيدر آباد الدكن

٤٧ـ الناسخ والمنسوخ لابن النحاس الطبعة الأولى

القرار

بعد الاطلاع على البحث المقدم من الأمانة العامة لهيئة كبار العلماء والمعد من قبل اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء في موضوع "الطلاق الثلاث بلفظ واحد".

وبعد دراسة المسألة وتداول الرأي واستعراض الأقوال التي قيلت فيها ومناقشة ما على كل قول من إيراد توصل المجلس بأكثريته إلى اختيار القول بوقوع الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثاً، وذلك لأمور أهمها ما يلي

أولاً:

لقوله تعالى (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق ١) إلى قوله تعالى (وتلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه. لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا... الآية الكريمة من سورة الطلاق ٢) فإن الطلاق الذي شرعه الله هو ما يتعقبه عدة ومن كان صاحبه مخيراً بين الإمساك بمعروف والتسريح بإحسان، وهذا منتف في إيقاع الثلاث في العدة قبل الرجعة فلم يكن طلاقاً للعدة وفي فحوى هذه الآية دلالة على وقوع الطلاق لغير العدة إذ لو لم يقع لم يكن ظالماً لنفسه بإيقاعه لغير العدة ولم ينسد الباب أمامه حتى يحتاج إلى المخرج الذي أشارت إليه الآية الكريمة (ومن يتق الله يجعل له مخرجا.. الآية الكريمة من سورة الطلاق ٢) وهو الرجعة حسبما تأوله ابن عباس رضي الله عنه حين قال للسائل الذي سأله وقد طلق ثلاثا: أن الله تعالى يقول: (ومن يتق الله يجعل له مخرجا) وإنك لم تتق الله فلم أجد لك مخرجاً عصيت ربك وبانت منك امرأتك ولا خلاف في أن من لم يطلق للعدة بأن طلق ثلاثاً مثلا فقد ظلم نفسه فعلى القول بأنه إذا طلق ثلاثاً فلا يقع من طلاقه إلا واحدة فما هي التقوى التي بالتزامها يكون المخرج واليسر وما هي

عقوبة هذا الظالم نفسه المتعدي لحدود الله حيث طلق بغير العدة فلقد جعل الشارع على من قال قولاً منكراً لا يترتب عليه مقتضى قوله المنكر عقوبة له على ذلك كعقوبة المظاهر من امرأته بكفارة الظهار فظهر والله أعلم أن الله تعالى عاقب من طلق ثلاثاً بانفاذها عليه وسد المخرج أمامه حيث لم يتق الله فظلم نفسه وتعدى حدود الله

تنبيه

ما في الصحيحين عن عائشة رضي الله عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلقت فسئل النبي ﷺ أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. فقد ذكره البخاري رحمه الله تحت ترجمة "باب من أجاز الطلاق الثلاث" واعترض على الاستدلال به بأنه مختصر من قصة رفاعة بن وهب التي جاء في بعض رواياتها عند مسلم أنها طلقها زوجها آخر ثلاث تطليقات، ورد الحافظ ابن حجر رحمه الله الاعتراض، بأن غير رفاعة قد وقع له مع امرأته نظير ما وقع لرفاعة فلا مانع من التعدد. فإن كلا من رفاعة القرظي ورفاعة النضري وقع له مع زوجة له طلاق فتزوج كلا منهما عبدالرحمن بن الزبير فطلقها قبل أن يمسها ثم قال: وبهذا يتبين خطأ من وحد بينهما ظناً منه أن رفاعة بن سموءل هو رفاعة بن وهب. اهـ

وعند مقابلة هذا الحديث بحديث ابن عباس الذي رواه عنه طاؤس "كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة الخ فإن الحال لا تخلوا من أمرين: إما أن يكون معنى الثلاث في حديث عائشة و حديث طاؤس أنها مجتمعة أو متفرقة، فإن كانت مجتمعة فحديث عائشة متفق عليه فهو اولى بالتقديم وفيه التصريح بأن تلك الثلاث تحرمها ولا تحل إلا بعد زوج، وإن كانت متفرقة فلا حجة في حديث طاؤس على محل النزاع في وقوع الثلاث بلفظ واحد واحدة. وأما اعتبار الثلاث في حديث عائشة متفرقة وفي حديث طاؤس مجتمعة فلا وجه له ولا دليل عليه.

ثالثًا :

لما وجه به بعض أهل العلم كابن قدامة رحمه الله حيث يقول: ولأن النكاح ملك يصح إزالته متفرقًا فصح مجتمعًا كسائر الأملاك. والقرطبي رحمه الله حيث يقول: وحجة الجمهور من جهة اللزوم من حيث النظر ظاهرة جدًا وهو أن المطلقة ثلاثًا لا تحل للمطلق حتى تنكح زوجًا غيره، ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغة وشرعًا وما يتخيل من الفرق صوري ألغاه الشارع اتفاقًا في النكاح والعتق والأقارير، فلو قال الولي أنكحتك هؤلاء الثلاث في كلمة واحدة انعقد كما لو قال أنكحتك هذه وهذه وهذه، وكذلك في العتق والإقرار وغير ذلك من الأحكام. اهـ، وغاية ما يمكن أن يتجه على المطلق بالثلاث لومه على الإسراف برفع نفاذ تصرفه.

رابعًا :

لما أجمع عليه أهل العلم إلا من شذ في إيقاع الطلاق من الهازل استنادًا إلى حديث أبي هريرة وغيره مما تلقته الأمة بالقبول، من أن ثلاثًا جدهن جد وهزلهن جد: الطلاق والنكاح والرجعة. ولأن قلب الهازل بالطلاق عمد ذكره كما ذكر ذلك شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله في تعليله القول بوقوع الطلاق من الهازل حيث قال: ومن قال لا لغو في الطلاق فلا حجة معه بل عليه لأنه لو سبق لسانه بذكر الطلاق من غير عمد القلب لم يقع به وفاقًا وأما إذا قصد اللفظ به هازلاً فقد عمد قلبه ذكره. اهـ. فإن ما زاد على الواحدة لا يخرج عن مسمى الطلاق بل هو من صريحه، واعتبار الثلاث واحدة إعمال لبعض عدده دون باقيه بلا مسوغ، اللهم إلا أن يكون المستند في ذلك حديث ابن عباس ويأتي الجواب عنه إن شاء الله.

خامسًا :

إن القول بوقوع الثلاث ثلاثًا قول أكثر أهل العلم فقد أخذ به عمر و

عثمان و علي و العبادلة ابن عباس و ابن عمر و ابن عمرو و ابن مسعود و غيرهم من اصحاب رسول الله ﷺ وقال به الائمة الاربعة ابوحنيفة ومالك والشافعي واحمد و ابن ابي ليلى والاوزاعي و ذكر ابن عبدالهادي عن ابن رجب رحمه الله بقوله اعلم انه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في ان الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد اهـ وقال شيخ الاسلام ابن تيمية في معرض بحثه الاقوال في ذلك الثاني انه طلاق محرم ولازم وهو قول مالك و ابي حنيفة و احمد في الرواية المتأخرة عنه، اختارها أكثر أصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين اهـ وقال ابن القيم واختلف الناس فيها، أي في وقوع الثلاث بكلمة واحدة على اربعة مذاهب احدها انه يقع وهذا قول الأئمة الاربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة. اهـ وقال القرطبي: قال علماؤنا - واتفق ائمة الفتوى على لزوم إيقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة وهو قول جمهور السلف وقال ابن العربي في كتابه الناسخ والمنسوخ ونقله عنه ابن القيم رحمه الله في تهذيب السنن: قال تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٢٩) زل قوم في آخر الزمان فقالوا إن الطلاق الثلاث في كلمة واحدة لا يقع، وجعلوه واحدة ونسبوه إلى السلف الأول فحكوه عن علي والزبير وعبدالرحمن بن عوف و ابن مسعود و ابن عباس، وعزوه الى الحجاج ابن ارطاة الضعيف المنزلة والمغموز المرتبة ورووا في ذلك حديثا ليس له اصل، إلى أن قال: وما نسبوه إلى الصحابة كذب بحت لا اصل له في كتاب ولا رواية له عن أحد الى ان قال: وأما حديث الحجاج بن أرطاة فغير مقبول في الملة ولا عند أحد من الأئمة. اهـ

سادسا :

لتوجيه الإيرادات على حديث ابن عباس رضي الله عنه كان الطلاق على

عهد رسول الله ﷺ وخلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة إلى آخر الحديث مما يضعف الأخذ به والاحتجاج بما يدل عليه، فانه يمكن أن يجاب عنه بما يلي:

ما قيل من ان الحديث مضطرب سندا ومتنا أما اضطراب سنده فلروايته تارة عن طاؤس عن ابن عباس وتارة عن طاؤس عن أبي الصهباء عن ابن عباس وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس، وأمااضطراب متنه فان أبا الصهباء تارة يقول: الم تعلم ان الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة. وتارة يقول. الم تعلم أن الطلاق الثلاث كان على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر واحدة

قد تفرد به عن ابن عباس طاؤس و طاؤس متكلم فيه من حيث روايته المناكير عن ابن عباس قال القاضي اسماعيل في كتابه "أحكام القرآن" طاؤس مع فضله وصلاحه يروي أشياء منكرة منها هذا الحديث. وعن أيوب أنه كان يعجب من كثرة خطأ طاؤس. وقال ابن عبدالبر شذ طاؤس في هذا الحديث. وقال ابن رجب وكان علماء أهل مكة ينكرون على طاؤس ما ينفرد به من شواذ الأقاويل. ونقل القرطبي عن ابن عبدالبر انه قال: رواية طاؤس وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من فقهاء الأمصار بالحجاز والشام والمغرب.

ما ذكره بعض أهل العلم من أن الحديث شاذ من طريقين. أحدهما تفرد طاؤس بروايته وأنه لم يتابع عليه. قال الإمام أحمد في رواية ابن منصور: كل أصحاب ابن عباس رووا عنه خلاف ما روى طاؤس. وقال الجوزجاني هو حديث شاذ: وقال ابن رجب ونقله عنه ابن عبدالهادي: وقد عنيت بهذا الحديث في قديم الدهر فلم أجد له أصلا.

الثاني ما ذكره البيهقي فإنه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث ثم

نقل عن ابن المنذر أنه لا يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبي ﷺ شيئاً ويفتي بخلافه. وقال ابن التركماني وطاوس يقول إن أباالصهباء مولاه سأله عن ذلك ولا يصح ذلك عن ابن عباس لرواية الثقات عنه خلافه، ولو صح عنه ما كان قوله حجة على من هو من الصحابة أجل وأعلم منه وهم عمر و عثمان و علي و ابن مسعود و ابن عمر وغيرهم. اهـ.

فلما في هذا الحديث من الشذوذ فقد أعرض عنه الشيخان الجليلان أبو عبدالله أحمد بن حنبل فقد قال للأثرم و ابن منصور بأنه رفض حديث ابن عباس قصداً لأنه يرى عدم الاحتجاج به في لزوم الثلاث بلفظ واحد، لرواية الحفاظ عن ابن عباس ما يخالف ذلك. والإمام محمد بن اسماعيل البخارى ذكر عنه البيهقي أنه ترك الحديث عمداً لذلك الموجب الذي تركه من أجله الإمام أحمد ولا شك أنهما لم يتركاه إلا لموجب يقتضي ذلك.

إن حديث ابن عباس يتحدث عن حالة اجتماعية مفروض فيها أن تكون معلومة لدى جمهور معاصريها، وتوفر الدواعي لنقلها بطرق متعددة مما لا ينبغي أن يكون موضع خلاف، ومع هذا لم تنقل إلا بطريق آحادى عن ابن عباس فقط ولم يروها عن ابن عباس غير طاوس الذي قيل عنه بأنه يروى المناكير. ولا يخفى ما عليه جماهير علماء الأصول من ان خبر الآحاد إذا كانت الدواعي لنقله متوفرة ولم ينقله إلا واحد ونحوه أن ذلك يدل على عدم صحته. فقد قال صاحب جمع الجوامع عطفاً على ما يجزم فيه بعدم صحة الخبر: والمنقول آحاداً فيما تتوفر الدواعي إلى نقله خلافاً للرافضة. اهـ. وقال ابن الحاجب في مختصره الأصولي. إذا انفرد واحد فيما تتوفر الدواعي إلى نقله وقد شاركه خلق كثير كما لو انفرد واحد بقتل خطيب على المنبر في مدينة فهو كاذب قطعاً خلافاً للشيعة اهـ. فلا شك أن الدواعي الى نقل ما كان عليه رسول الله ﷺ والمسلمون بعده في خلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر من أن الطلاق الثلاث كانت تجعل

واحدة متوفرة توافراً لا يمكن إنكاره ولا شك أن سكوت جميع الصحابة عنه حيث لم ينقل عنهم حرف واحد في ذلك غير ابن عباس يدل دلالة واضحة على أحد أمرين: إما أن المقصود بحديث ابن عباس ليس معناه بلفظ واحد، بل بثلاثة ألفاظ في وقت واحد، وإما أن الحديث غير صحيح لنقله آحاد مع توفر الدواعي لنقله.

ما عليه ابن عباس رضي الله عنه من التقى والصلاح والعلم والاستقامة والتقيد بالاقتداء والقوة في الصدع بكلمة الحق التي يراها يمنع القول بانقياده إلى ما أمر به عمر رضي الله عنه من إمضاء الثلاث والحال أنه يعرف حكم الطلاق الثلاث في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر من أنه يجعل واحدة

فلا يخفى خلافه مع عمر رضي الله عنهما في متعة الحج وبيع الدينار بالدينارين وفي بيع أمهات الأولاد وغيرها من مسائل الخلاف فكيف يوافقه في شيء يروى عن النبي ﷺ فيه خلافه، وإلى قوته رضي الله عنه في الصدع بكلمة حق التي يراها، تشير كلمته المشهورة في مخالفته عمر في متعة الحج رضي قوله: يوشك أن تنزل عليكم حجارة من السماء أقول قال رسول الله وتقولون قال أبوبكر وعمر.

وعلى فرض صحة حديث ابن عباس فإن ما عليه أصحاب رسول الله ﷺ من التقى والصلاح والاستقامة وتمام الاقتداء بما عليه الحال المعتبرة شرعاً في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر يمنع القول بانقيادهم إلى أمر عمر رضي الله عنه في إمضاء الثلاث، والحال أنهم يعرفون ما كان عليه أمر الطلاق الثلاث في ذلك العهد ومع هذا فلم يثبت بسند صحيح أن أحداً منهم أفتى بمقتضى ما عليه الأمر في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر حسبما ذكره ابن عباس في حديثه.

و - ما في حديث ابن عباس من الدلالة على أن عمر أمضى الثلاث عقوبة

للناس لأنهم قد استعجلوا امرا كان لهم فيه اناة، وهذا مشكل بوجه الاشكال كيف يقرر عمر رضي الله عنه وهو هو تقى وصلاحا وعلما وفقها ، بمثل هذه العقوبة التي لا تقتصر آثارها على من استحقها وانما تتجاوزه إلى طرف آخر ليس له نصيب في الإجرام، ونعني بالطرف الآخر الزوجات حيث يترتب عليها احلال فرج حرام على طرف ثالث، وتحريم فرج حلال بمقتضى عقدالزواج، وحقوق الرجعة. مما يدل على أن حديث طاوس عن ابن عباس فيه نظر، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

وجهة نظر المخالفين

يرى أن الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة، وقد سبقنا إلى القول بهذا ابن عباس في رواية صحيحة ثابتة عنه، وأفتى به الزبير بن العوام و عبدالرحمن بن عوف وعلي بن أبي طالب وعبدالله بن مسعود من الصحابة في رواية عنهم وأفتى به عكرمة وطاوس وغيرهما من التابعين وأفتى به ممن بعدهم محمد بن اسحاق وخلاس ابن عمرو والحارث العكلي، والمجد بن تيمية، وشيخ الإسلام أحمد بن عبدالحليم بن تيمية، وتلميذه شمس الدين ابن القيم وغيرهم...

وقد استدل على ذلك مما يأتي:

الدليل الأول :

قوله تعالى. (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان). الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) وبيانه: أن الطلاق الذي شرع للزوج فيه الخيار بين أن يسترجع زوجته أو يتركها بلا رجعة حتى تنقضي عدتها فتبين منه مرتان مرة بعد مرة، سواء طلق في كل مرة منهما طلقة أو ثلاث مجموعة، لأن الله تعالى قال مرتان، ولم يقل طلقتان، ثم قال تعالى في الآية التي تليها. (فإن طلقها فلا

تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) فحكم بأن زوجته تحرم عليه بتطليقه إياها المرة الثالثة حتى تنكح زوجًا غيره، سواء نطق في المرة الثالثة بطلقة واحدة أم بثلاث مجموعة، فدل على أن الطلاق شرع مفرقًا على ثلاث مرات، فإذا نطق بثلاث في لفظ واحد كان مرة واعتبر واحدة.

الدليل الثاني :

ما رواه مسلم في صحيحه من طريق طاؤس عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ و أبي بكر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر رضي الله عنه: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم "وفي صحيح مسلم أيضًا عن طاؤس عن ابن عباس أن أبا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك، ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر واحدة، قال: قد كان ذلك، فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فأجازه عليهم". فهذا الحديث واضح الدلالة على اعتبار الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة وعلى أنه لم ينسخ لاستمرار العمل به في عهد أبي بكر وسنتين من خلافة عمر، ولأن عمر علل إمضاءه ثلاثًا بقوله: "إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة" ولم يدع النسخ ولم يعلل الإمضاء به، ولا بظهوره بعد خفائه، ولأن عمر استشار الصحابة في إمضائه ثلاثًا، وما كان عمر ليستشير أصحابه في العدول عن العمل بحديث علم أو ظهر له أنه منسوخ... وما أجيب به عن حديث ابن عباس فهو إما تأويل متكلف، وحمل للفظه على خلاف ظاهره بلا دليل، وإما طعن فيه بالشذوذ والاضطراب وضعف طاؤس وهذا مردود بأن مسلمًا رواه في صحيحه وقد اشترط ألا يروي في كتابه إلا الصحيح من الأحاديث، ثم إن الطاعنين فيه قد احتجوا بقول عمر في آخره "إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو

أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم" فكيف يكون آخره حجة مقبولة ويكون صدره مردودًا لاضطرابه وضعف راويه، وأبعد من هذا ما ادعاه بعضهم من أن العمل كان جاريًا على عهد النبي ﷺ بجعل الطلاق الثلاث واحدة لكنه ﷺ لم يعلم بذلك، إذ كيف تصح هذه الدعوى والقرآن ينزل والوحي مستمر، وكيف تستمر الأمة على العمل بالخطأ في عهده وعهد أبي بكر وسنتين أو ثلاث من خلافة عمر، وكيف يعتذر عمر في عدوله عن ذلك إلى إمضائه عليهم بما ذكر في الحديث من استعجال الناس في أمر كانت لهم فيه أناة، ومن الأمور الواهية التي حاولوا بها ردالحديث معارضته بفتوى ابن عباس على خلافه، ومن المعلوم عند علماء الحديث وجمهور الفقهاء أن العبرة بما رواه الراوي متى صحت الرواية لا برأيه وفتواه بخلافه لأمور كثيرة استندوا إليها في ذلك، وجمهور من يقول بأن الطلاق الثلاث بلفظ واحد يعتبر ثلاثًا يقولون بهذه القاعدة، ويبنون عليها الكثير من الفروع الفقهية وقد عارضوا الحديث أيضًا بما ادعوه من الإجماع على خلافه بعد سنتين من خلافة عمر رضي الله عنه مع العلم بأنه قد ثبت الخلاف في اعتبار الثلاث بلفظ واحد ثلاثًا واعتباره واحدة بين السلف والخلف، واستمر إلى يومنا، ولا يصح الاستدلال على اعتبار الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثًا بحديث عائشة رضي الله تعالى عنها في تحريم الرسول ﷺ زوجة رفاعة القرظي عليه حتى تنكح زوجًا غيره لتطليقه إياها ثلاثًا، لأنه ثبت أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات، كما رواه مسلم في صحيحه فكان الطلاق مفرقًا ولم يثبت أن رفاعة بن رهب النضري جرى له مع زوجته مثل ما جرى لرفاعة القرظي حتى يقال بتعدد القصة، وأن إحداهما كان الطلاق فيها ثلاثة مجموعة ولم يحكم ابن حجر بتعدد القصة بل قال: إن كان محفوظًا يعني حديث رفاعة النضري فالواضح تعدد القصة، واستشكل ابن حجر تعدد القصة في كتابه الإصابة حيث قال: لكن المشكل

المعاد اسم الزوج الثاني عبدالرحمن بن الزبير.

الدليل الثالث :

ما رواه الإمام أحمد في مسنده، قال: حدثنا سعد بن ابراهيم حدثنا، أبي عن محمد ابن إسحاق، قال حدثني داؤد بن الحصين عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق ركانة ابن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد، فحزن عليها حزناً شديداً، قال: فسأله رسول الله ﷺ: "كيف طلقتها"، قال: طلقتها ثلاثاً قال، فقال: "في مجلس واحد" قال: نعم، فقال: "فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت". قال: فراجعها، قال: فكان ابن عباس يرى أن الطلاق عند كل طهر قال ابن القيم في كتابه أعلام الموقعين: "وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد و حسنه"، وضعف أحمد و أبو عبيد والبخاري ما روى من أن ركانة طلق زوجته بلفظ البتة.

الدليل الرابع :

بالإجماع، وبينه ابن تيمية و ابن القيم وغيرهما بأن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة في عهد أبي بكر وسنتين أو ثلاث من خلافة عمر، وأن ما روى عن الصحابة من الفتوى بخلاف ذلك فإنما كان من بعضهم بعدما أمضاه عمر ثلاثاً تعزيراً وعقوبة، لما استعجلوا امرًا كان لهم فيه أناة، ولم يرد عمر بإمضاء الثلاث أن يجعل ذلك شرعاً كلياً مستمراً وإنما اراد أن يلزم به ما دامت الدواعي التي دعت إليه قائمة كما هو الشأن في الفتاوى التي تتغير بتغير الظروف والأحوال وللإمام أن يعزر الرعية عند إساءة التصرف في الأمور التي لهم فيها الخيار بين الفعل والترك بقصرهم على بعضها ومنعهم من غيره، كما منع النبي ﷺ الثلاثة الذين خلفوا من زوجاتهم مدة من الزمن عقوبة لهم على تخلفهم عن غزوة تبوك مع أن زوجاتهم لم يسئ، وكالزيادة في عقوبة شرب

الخمر، وتحديد الأسعار عند استغلال التجار مثلاً للظروف وتواطئهم على رفع الأسعار دون مسوغ شرعي إقامة للعدل، وفي معنى هذا تنظيم المرور، فإن في منع الناس من المرور في طرق قد كان مباحًا لهم السير فيها من قبل محافظة على النفوس والأموال، وتيسيرًا للسير مع أمن وسلام.

الدليل الخامس :

قياس الطلاق الثلاث على شهادات اللعان قالوا كما لا يعتبر قول الزوج في اللعان: أشهد بالله أربع شهادات أني رأيتها تزني إلا شهادة واحدة لا أربعًا، فكذا لو قال لزوجته: أنت طالق ثلاثًا لا يعتبر إلا طلقة واحدة لا ثلاثًا، ولو قال: أقر بالزنا أربعًا مكتفيا بذكر اسم العدد عن تكرار الإقرار لم يعتبر إلا واحدة عند من اعتبر التكرار في الإقرار، فكذا لو قال لزوجته: أنت طالق ثلاثًا مكتفيًا باسم العدد عن تكرار الطلاق لم يعتبر إلا واحدة، وهكذا كل ما يعتبر فيه تكرار القول لا يكفي فيه عن التكرار ذكر اسم العدد كالتسبيح والتحميد والتكبير عقب الصلوات المكتوبة، والله ولي التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وسلم...

حرر في ١٢/١١/٩٣هـ

وقد تم الجزء الخامس من خير الفتاوى والحمد لله اولاً وآخراً وقد فرغت من تبيضه وترتيبه في يوم الجمعة ١٣-٦-١٤٢٠ من الهجرة النبوية واسأل الله من صميم قلبي ان يتقبله الله مني ومن كل من اعانني فيه في ترتيبه وجمع اموره واسأل الله ان يرزقني شهادة في سبيله ودفنا بلدة حبيبه والله على كل شئ قدير وبالاجابة جدير

وانا العبد الفقير الى التراب ابو المساكين محمد انور عفا الله عنه مفتي وخادم الحديث بجامعة خير المدارس ملتان